فاروقِ اعظمؓ نمبر

www.KitaboSunnat.com

لائبریری ایڈیشن

قومی پبلشرز۔ رانا چیمبرز۔ پُرانی انارکلی۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

MFN 3030

فاروق اعظمؓ نمبر

لائبریری ایڈیشن

www.KitaboSunnat.com

قومی پبلشرز۔ رانا چیمبرز۔ پرانی انارکلی۔ لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر	مجیب الرحمٰن شامی
خصوصی معاون	محمد اسلم ڈوگر
پریس	قومی پریس، لاہور
قیمت	۲۵ روپے
ملنے کا پتہ	قومی پبلشرز، رانا چیمبرز، پُرانی انارکلی، لاہور

اُن کے نام

جن کے دِلوں میں
اُس معاشرے کے قیام کی
آرزُو بسی ہُوئی ہے،
جس میں ہر اُس شخص کی آنکھوں سے
نیند غائب رہتی ہے
جس کا ہمسایہ بھُوکا ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوم کے ہر فرد کی آواز

قومی ڈائجسٹ

مدیر مسئول
مجیب الرحمٰن شامی

خصوصی معاون
محمد اسلم ڈوگر

ہیڈ آفس
رانا چیمبرز، پرانی انارکلی لاہور
فون: ۵۶۸۲۶

قیمت
۱۵ روپے

سالانہ چندہ بذریعہ رجسٹری ڈاک
۸۰ روپے

بزنس انچارج بیرون لاہور
مرزا انور احمد بیگ

راولپنڈی اسلام آباد
شبیر نظامی، ڈاکخانہ فیض آباد
راولپنڈی اسلام آباد
فون: ۴۲۵۴۳

بزنس انچارج لاہور
عبدالغنی ملک

انچارج کراچی آفس
نسیم اظہر کمرہ نمبر ۱ ڈی - ۲۹ زمری مارکیٹ
بلاک ۶ - پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹

جلد: ۵ شمارہ: ۱۰ جمادی الثانی / مارچ ۱۹۸۳ء

مجیب الرحمٰن شامی پرنٹر پبلشرز نے قومی پریس لاہور سے چھپوا کر رانا چیمبرز پرانی انارکلی لاہور سے شائع کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

اداریہ

اس دُعا کے بعد

ملاقات

عمر بن الخطابؓ

حالات

انہوں نے ہر ہر شعبے میں ہر ہر قدم پر گلستاں کھلا دیے! ۱۷
آفتاب سے ہاتھ کیسے ملایا؟ ۳۲
حضرت عائشہؓ کا خواب کیسے سچ کر دکھایا؟ ۳۸
اپنی زندگی کو چراغ کیسے بنایا؟ ۴۴
خوفِ آخرت دل میں بٹھا لیا! ۵۴
زبان رسالتؐ سے کیسے کیسے پھول حاصل کیے؟ ۵۹
دُنیا کو کیا دیا، دُنیا سے کیا لیا؟ ۶۶
راہِ خدا میں گھر بار لٹا دیا! ۷۴
دریا کو کیسے بدل ڈالا! فاصلوں کو کیسے سمیٹ دیا؟ ۷۶
اپنے عہد کو اولادِ صالحہ کا تحفہ دیا! ۸۰

حکومتی انتظامات

دلوں پر حکومت کیسے کی؟ جبر کے مارے انسانوں کو آزاد کیسے کیا؟ ۸۶
سرکش بیوروکریسی کو نکیل کیسے ڈالی؟ ۱۰۴

معاشیات

معاشی مسئلہ کیسے حل کیا؟ ۱۱۸

Institute of Islamic Studies
15965
LIBRARY
Punjab University

فتوحات

راہِ خدا میں جہاد کا حق کیسے ادا کیا؟
عرب و عجم پر اسلام کا پرچم کیسے لہرا دیا؟ ۱۵۰

اصلاحات

اصلاحات، تعمیرات، ایجادات میں اپنا سکہ کس طرح منوا لیا؟ ۱۶۴

ادبیات

ادب کو ادب کیسے سکھایا؟ ۲۰۴

مرویات

حسنِ روایت کا حق ادا کر دیا! ۲۱۶

اجتہادات

جدید مسائل کا حل کیسے تلاش کیا؟ ۲۲۴

ارشادات

لفظوں میں موتی بھر دیے! ۲۳۴

تاثرات

غیر مسلم مؤرخین سے خراج کیسے وصول کیا؟ ۲۴۱

شہادت

موت کا استقبال کیسے کیا؟ ۲۵۰

نایاب کتاب

فانی زندگی کو غیر فانی کیسے بنایا؟ ۲۵۴

منظومات

ممتاز شعراء کا خراجِ عقیدت ۲۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِس دُعا کے بعد

فارُوق اعظمؓ نمبر پیشِ خدمت ہے۔

اس نمبر کی اشاعت سے نہ تو ہمارا مقصد یہ ہے کہ اپنا نام محقّقین اُور مؤرخین کی فہرست میں لکھوائیں، نہ ہی تمنّا یہ ہے کہ کسی سرکاری یا غیر سرکاری سرپرستی میں لیے جائیں، نہ ہی یہ آرزُو ہے کہ داد وتحسین کے پھُول ہم پر برسائے جائیں ـــــ ہم نے جو کچھ کیا ہے، وہ بس یہ ہے کہ نامور محققین اُور مؤرخین کی تحریروں کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ خواہش صرف اتنی ہے کہ آج جب ہم اسلامی نظام کے نعرے ہر ہر سطح پر لگا رہے ہیں، حکومت کے ایوان اور عوام کے میدان اس عمل (نعروں) میں یکساں شریک ہیں، تو اُس عہد کا ایک مُستند اُور مربُوط نقشہ سامنے لایا جائے، جسے کہ اسلامی عہد کہتے ہیں ـــ جسے دُنیا نے اسلامی نظام کا بہترین نمونہ مانا اُور جانا ہے ـــ اُس عہد کو دیکھتے ہُوئے آپ (آج کے مناظر بھی دیکھ سکتے ہیں' اور) سمجھ سکتے ہیں کہ جب اسلام سے رشتہ جوڑا جاتا ہے، تو پھر حکمرانوں سے اُس کے تقاضے کیا ہوتے ہیں، انہیں اپنی مثال کس طرح پیش کرنی ہوتی ہے، اُنہیں اپنی آنکھیں کس طرح کھُلی رکھنی پڑتی ہیں، اُور اُنہیں اپنے آپ کو کس طرح چوکس اُور بیدار ثابت کرنا پڑتا ہے ـــ عوام کس طرح اپنا کردار ادا کرتے ہیں، اُن کے حقُوق کیا ہیں کہ جو اُنہیں بہرحال دینا پڑتے ہیں' اور ان کے فرائض کیا ہیں کہ جنہیں ادا کیے بغیر شہریت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

فارُوقِ اعظمؓ کی حکومت، مسلمانوں کی حکمرانی کی وہ بہترین تصویر ہے جو تاریخ نے اپنے صفحات پر محفوظ کر رکھی ہے ـــ یہ ایک نمُونہ ہے، مثال ہے، آئیڈیل ہے ہر مُسلمان مُعاشرے کے لیے۔ اِس آئیڈیل کی طرف سفر کا آغاز کیے بغیر اسلامی نظام کے دعوے خواہ کس قدر دِلفریب ہوں، درحقیقت کھوکھلے ہیں ـــ!

کُتب خانوں میں بند کُتبِ فقہ کو صدیوں کے بعد جُوں کا تُوں (نیم دِلی کے ساتھ اُور وہ بھی آبادی کے ایک حِصّے پر) نافذ کرنے کا نام اسلام نہیں ہے ـــ اسلام ہر دم رُواں اور ـــ جواں جذبے کا نام ہے۔ یہ عقل کی آنکھ پھوڑنے کے لیے نہیں آیا، اُسے وحی کی رُوشنی دِکھانے آیا ہے کہ اندھیروں میں جب آنکھ کی رُوشنی چند انچ کے فاصلے پر بھی دیکھ نہیں پاتی تو اُسے وحی کے چراغ سے راستہ دِکھا دیا جائے ـــ جس طرح چراغ کے بغیر آنکھ کی روشنی اپنے اظہار سے ناکام رہتی ہے' اُسی طرح اگر آنکھ ہی موجود نہ ہو تو چراغ مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ اِسی لیے اسلام کا خطاب سلیم العقل افراد سے ہے' فاترالعقل لوگوں سے نہیں ـــ حضرت عمرؓ کا عہد اسی حقیقت کی جھلک ہمیں دکھاتا ہے۔ اجتہاد کیا ہے، اُس کے تقاضے کیا ہیں، اُس کی ضرورت کیا ہے، یہ سمجھنا ہو تو بس فاروقِ اعظمؓ ہی سے سمجھیے، بلکہ اُن کی حکومت کو ایک نظر دیکھ لیجیے' جمُود اُور قدامت پرستی کا دَم گھُٹنے لگے گا۔

آیندہ صفحات میں آپ کو قدم قدم پر یہ مناظر ملیں گے کہ جب افراد اُور قومیں اپنے آپ کو فراست اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے رب کے لیے خاص کر لیتی ہیں' تو اُن کا رب اپنی نعمتیں اُن کے لیے کس قدر عام کر دیتا ہے۔

اِس شمارے کے مُختلف مضامین میں بعض مقامات پر شاید آرا کا اختلاف بھی نظر آئے مختلف واقعات اپنے آپ کو دُہراتے بھی دِکھائی دیں، مُختلف واقعات کی تعبیریں بھی مُختلف ہوں، لیکن جب قلم اُٹھانے والے اہلِ نظر اور اہلِ فکر ہوں تو ایسا ہونا ناگزیر ہوگا۔

اس لیے ہم نے اس مُعاملے میں ایسی احتیاط کا مظاہرہ مُناسب نہیں سمجھا کہ جسے تنگ نظری کا نام دیا جا سکے ـــ فارُوقِ اعظمؓ نے وظیفوں کے تعین میں حفظِ مراتب (قبولِ اسلام میں تقدیم و تاخیر) کو بُنیاد بنایا تھا، کئی حضرات نے اس سے اتفاق نہیں کیا، اُور حضرت ابوبکرؓ کی مساویانہ تقسیم ہی کو مُناسب سمجھا ہے۔ وہ عُمر کے آخری سال میں حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ وہ آیندہ سے تقسیم دولت کا نظام تبدیل کر دیں گے ـــ لیکن جن حضرات نے فارُوقِ اعظمؓ کے اس اقدام سے اختلاف کیا ہے، اُنہیں یہ نہیں بھُولنا چاہیئے کہ فارُوقِ اعظمؓ کے اس عمل کی تہ میں انقلابی صداقت، کارفرما تھی۔ انقلابی عمل کو جاری رکھنے اُور مستحکم بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انقلابی کارکنوں کو مستحکم بنایا جائے، اُن کا مُعاشرتی رُتبہ بُلند ہو، تاکہ جاہلانہ نظام کے بالادست عناصر زیر و زبر ہوں، اُور اس کے بُلند پست بنا دیے جائیں، یا یہ کہ انقلاب لانے والے ان بلندوں کے مُقابلے میں بُلند نظر آئیں! ایسا نہ کیا جائے تو وہ صورت نظر آتی ہے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی مجلسِ شوریٰ میں بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے بنائے ہوئے معززین (اپنے پوتوں پڑپوتوں کی شکل میں) براجمان ہو جاتے ہیں' اُور ایک ہی چہرے ہر براند اُور ہر قسم کی حکومت میں موجود پائے جاتے ہیں۔ انقلاب کو مستحکم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آزمائش کی بھٹی سے بار بار کُندن بن کر نکلنے والے انقلابی کارکُن (قربانیوں اور کوشش کے حوالے سے) معاشی طور پر توانا بنائے جائیں ـــ سو، حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بڑے بڑے وظیفے پانے والے کئی حضرات، اپنے حصّے کی رقم صدقہ کر دیتے تھے اور یہ رقم مُعاشرے کے کم آمدنی والے لوگوں کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ جب استحکام انقلاب کا مقصد حاصل ہو گیا، اُور سابقین الاوّلین کی مُعاشی حیثیت بدل گئی، تو حضرت عمرؓ نے یہ رائے ظاہر کی کہ اب وظیفوں کی تقسیم کے نظام میں تبدیلی کر دینی چاہیئے۔ اس کی تعبیر یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ (وظیفوں کی) درجہ وار تقسیم کے مطلوبہ نتائج حاصل ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے اسے تبدیل کرنے کا ارادہ کر لیا ـــ کیونکہ یہ تقسیم وحیِ الٰہی کے مُطابق تو تھی نہیں، ایک انتظامی اِقدام تھا، ایک انسانی تدبیر تھی، ایک حکومتی فیصلہ تھا، جسے تبدیل کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اختلاف کرنے والے حضرات بھُول جاتے ہیں کہ بعد کے سالوں میں جو اُلجھنیں پیدا ہوئیں' اُن کا سبب یہ اقدام نہیں' بلکہ یہ صُورتِ حال تھی کہ خلافتِ راشدہ اپنی شورائی شکل میں موجود نہ رہی تھی۔ اُس نے ایک نسلی حکومت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اگر خلافت حضرت عمرؓ کے متعین کردہ مزاج اور رُوح کے مطابق جاری رہتی، تو پھر کسی بھی ناپسندیدہ صورتِ حال سے سختی اور جرأت کے ساتھ نمٹا جا سکتا تھا۔

اس سارے معاملے پر تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں لیکن یہ ایسے اشارے ہیں کہ جن پر فکر اور تحقیق کو اپنی توجّہ ضرور مبذول کرنی چاہیئے۔

ایک اور اہم معاملہ حضرت عمرؓ کی شہادت کا ہے۔ زمانہ حاضرہ کے کئی مؤرخین نے اسے عجمی سازش قرار دیا ہے اور اس کے دلائل بھی فراہم کیے ہیں، لیکن کوئی قطعی رائے ظاہر کرنا آسان نہیں ہے' اس لیے ہم زیرِ نظر شمارے میں اس بحث میں نہیں اُلجھے۔ ہر چند کہ ابولولو نامی غیر مُسلم غلام کا مدینے آنا اور وہاں رہنے کی اجازت پانا جبکہ حضرت عمرؓ نے غیر مُسلموں کے وہاں داخلے پر پابندی لگا رکھی ہو، بجائے خود باعثِ تعجب ہے۔ وہ کون سے عناصر تھے' اور کیا حالات تھے جن کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے یہ اجازت مرحمت فرما دی۔ یہ ایک نکتہ بہت سی گرہیں کھول سکتا ہے لیکن اس وقت اس کی تہ میں اُترنے کے بجائے ہم اس حقیقت کی طرف قارئین کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ـــ اہلِ سازش کو پورے عالمِ اسلام میں ایک بھی ایسا کلمہ گو نہیں مل سکا، جو امیر المومنین کے سینے میں خنجر اُتار سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ پر مسلمانوں کو کس درجہ اعتماد تھا، اور وہ انہیں کس قدر محبوب رکھتے تھے۔ اگر کوئی کلمہ گو میسّر آ سکتا، تو ایک عجمی غلام کو مدینے بھجوانے کا رسک نہ لیا جاتا کہ اس میں پکڑے جانے کا اندیشہ بھی بہرحال قوی تھا ـــ کسی ایک شخص پر ملت کے مجتمع ہونے کی یہ ایسی دلیل ہے کہ جسے کوئی نابینا ہی دیکھنے سے انکار کر سکتا ہے۔

اسی جانِ جہان، جانِ اُمت اور رُوحِ ملت کے حضور ہماری یہ کاوش، ایسا نذرانۂ عقیدت ہے کہ جس کے لیے ہم روزِ حساب ہی اجر کی آرزو رکھتے ہیں ـــ آپ بھی اپنے ہاتھ اُٹھائیے' اور ہمارے لیے دُعا کیجیے کہ ـــ

اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اِس دُعا کے بعد

مجیب الرحمٰن شامی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

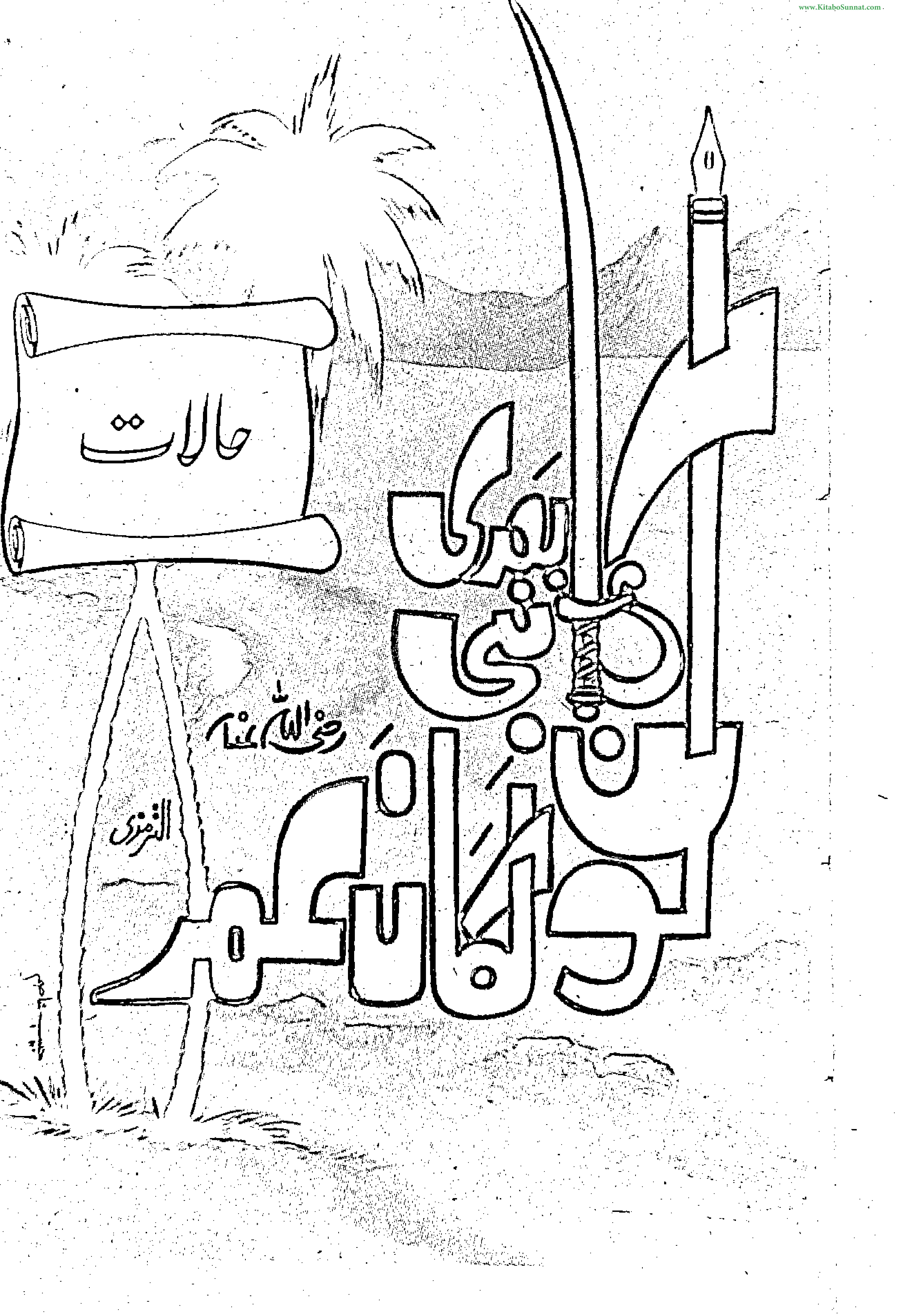

مجیب الرحمٰن شامی

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

عمر بن الخطابؓ - رنگ ایسا کہ سفید و سُرخ گُلاب، (خلافت کی ذمّہ داریوں اور فاقہ کشی نے چھین لی جس کی آب و تاب)۔ آنکھیں بڑی اُن میں ڈورِ عُناب۔ سَر کے بال کم، بہُت کمیاب۔ ناک سیدھا، گال بھرے بھرے، قد لمبا، طوالت کے لیے عزّت مآب۔ ہاتھ پاؤں بڑے بڑے مگر ناموزُونیت سے اجتناب۔ ہر دَم سنجیدہ، لہجہ کھرا، طبیعت میں غُصّہ، چال تیز بس آہُوئے بےتاب۔ چہرے پر چاندنی، مثالِ ماہتاب۔ دُعائے نبیؐ کا جواب، جواب لاجواب، آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔

اُس کا قبولِ اسلام، کُفر پر بجلیوں کا عتاب۔ اُس کو خُدا کی لگن، اسی دُھن میں وہ مگن، اسی کی آرزو میں وہ ماہیٔ بےآب۔ اُس کے سامنے کوئی رُستم نہ کوئی سہراب۔ کرگسانِ باطل کے لیے وہ ایک عقاب۔ خطیبِ مایہ ناز، بارگاہِ حق میں اُس کے الفاظ باریاب، اِس پر گواہ خُدا کی آخری کتاب۔

صدیقؓ کا جانشیں، وہ امیرالمومنیں، بیتُ المال کا امیں، اُس کے پاس ہر وقت پائی پائی کا حساب۔ آپ اپنا مُحتسب، اُس کی عمّال پر نظر، اپنے اعمال پر نظر، ہر لحظہ زیرِ احتساب۔

اُس کی سپاہ بےپناہ، چھا گئی مثالِ آب۔ اُس کی سلطنت بےپایاں، بےحساب۔ اُس نے ختم کر دیا قیصر و کسریٰ کا رُعب داب۔ اُس کے گدا کیقباد و افراسیاب۔ اُس کا عہد، عہدِ اسلام کا شباب۔ اُس کی حکومت استحکام انقلاب!

پیوند لگے کپڑے عزیز، مُسترد اطلس و کمخواب۔ اُس کی غذا سُوکھی روٹی اور پیالۂ آب۔ عسرتوں میں وہ شاداب۔ اُس کی نگاہ میں ہیچ عشرتوں کے سُراب۔ اس کی اِک نگاہ سے دِل کی کھیتیاں سیراب۔ اُس کا ذکر کارِ ثواب۔ اُس کی راہ، راہِ صواب۔ اُس کی سیرت، اہلِ حق کا نصاب۔

اُس کا ہر شرف، بس شرفِ انتخاب۔ اُس کی عظمتیں کہاں ہر کسی کو دستیاب۔ اُس کے نام سے پہلے نامِ صدیقؓ ہی کا باب۔ اُس کے مشیر شیرِ خُدا، بُوترابؓ۔ اُس کی عزّت، عزّتِ رسالت مآبؐ۔ وہ نبیؐ کا رفیق، انھی کے پاس محوِ خواب۔ کافی ہے اُس کے لیے، یہ قولِ آنجنابؐ:

میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عُمر ہوتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کا عہد ہے۔ جو اس نے دُنیا سے رُخصت
ہوتے ہوئے اور آخرت میں داخل ہوتے ہوئے کیا۔ اس وقت جب کہ کافر بھی
ایمان لے آتا ہے اور فاجر (ملحد) کو بھی یقین آجاتا ہے، میں نے تم پر اپنے بعد
عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا ہے۔ اس کی بات سُنو اور اطاعت کرو۔ میں نے
(اس میں) اللہ اور اس کے رسُول، اس کے دین، اپنی ذات اور تم سب کی بھلائی کو بھی
پیش نظر رکھا ہے۔ اگر وہ عدل و انصاف کرے تو اس سے میری امید اور اس کے
متعلق میرا علم یہی ہے، لیکن اگر وہ (اپنا کردار) بدل ڈالے تو ہر شخص کو اُس کا کمایا
ہُوا گناہ (بھگتنا) ہوگا۔ چاہی تو میں نے بھلائی ہے، لیکن مجھے غیب کا علم نہیں اور
ظلم والے جلد ہی معلوم کرلیں گے کہ انھیں واپس کہاں جانا ہے؟

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

انھوں نے ہر ہر شعبے میں، ہر ہر قدم پر، گلستان کھلادیے تھے

فاروق اعظم

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفۂ ثانی، مکہ مکرمہ کے قبیلۂ قریش کی شاخ بنو عدی کی نسبت سے عدوی کہلاتے
تھے، مگر ماں حنتمہ بنت ہاشم مخزومی تھی۔ ابن سعد کے مطابق ان کی ولادت حرب فجارِ اعظم سے چار سال پہلے ہوئی اور ذوالحجہ
۵ھ نبوی یعنی ۷ قبل ہجرت میں چھبیس ستائیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اپنی ممتاز بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے منسوب ہو
کر ابو حفص کنیت اختیار کی۔ وفات یکم محرم ۲۴ھ کو ہوئی، اگرچہ دو ایک دن پہلے کی بھی روایتیں ہیں:
گورے، بہت اونچے اور لحیم وشحیم آدمی تھے۔ بائیں ہاتھ سے بھی دائیں ہاتھ ہی کی طرح کام کرسکتے تھے، دوڑتے گھوڑے پر اُچک کر
بیٹھ سکتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں عکاظ کے میلے میں دنگل میں کشتی بھی لڑا کرتے تھے۔ ابن عبد ربہ نے شہری مملکت مکہ کی دس موروثی
وزارتوں میں سے ایک سفارتِ مفاخرت پر ان کا نام لکھا ہے، کسی دوسرے قبیلے سے امن یا جنگ میں گفت وشنید کرنی ہوتی تو شہر
کی طرف سے یہی جاتے اور کسی قبیلے سے باہمی فخر و فضیلت کی بحث چھڑتی، تو بھی انھی کو بھیجا جاتا۔ بعد میں مدینے میں رسولِ اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے اسلامی مملکت قائم فرمائی تو اسی خدمت پر بحال رہے اور یہ یاد کرنے کی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے مکہ کی
اصلی حقدار (DE JURE) حکومت تصور کرتے، جبکہ مشرکین مکہ میں محض واقعہ کی حد تک (DE FACTO) حکمران تھے۔ المسعودی کے
مطابق جاہلیت میں عراق وشام وغیرہ کے بہ کثرت سفر کیے اور وہاں کے نیز عرب کے حکمرانوں سے بھی ملاقاتیں کی تھیں۔ ان کے
ہاں نو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں جن میں حضرت عبداللہؓ سب سے ممتاز اور بڑے عالم وفاضل اور متقی گزرے ہیں۔

عہدِ نبویؐ

شروع میں اسلام کے مخالف تھے اور مسلمان ہونے والوں اور خاص کر اپنے قبیلے کے نومسلموں کی ایذا کے
درپے رہا کرتے تھے۔ خود ان کے اسلام لانے کے متعلق ابن ہشام نے دو مختلف روایتیں درج کی ہیں: ایک
یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے نکلے تھے کہ راہ میں ایک رشتہ دار نے کہا: "پہلے اپنے گھر یعنی بہن بہنوئی کی خبر
تو۔ وہاں کچھ تکرار کے بعد قرآن کے کچھ اجزا دیکھے اور پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ ایک دن چھپ کر آنحضرت صلی اللہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم کی نماز میں تلاوت قرآن سُنی اور اُس سے متاثر ہوئے۔ متعلقہ سورت کے متعلق بھی اختلاف ہے (السہیلی، ۱/۲۱۶ تا ۲۱۹) مگر سب ہی اس پر متفق ہیں کہ قرآن پڑھ کر یا سُن کر اسلام کی توفیق پائی۔ اور یہ چیز ساری عُمر ان میں دیکھی جاتی رہی کہ انتہائی خفگی کے وقت بھی کوئی قرآنی آیتیں پڑھ دیتا تو غصّہ فوراً فرو ہو جاتا اور سکون سے باتیں کرنے لگتے۔ ابنِ سعد کے مطابق پینتالیس مرد اور گیارہ عورتوں کے بعد یہ مُسلمان ہوئے۔

ان کی اُفتادِ طبع کا اندازہ اس سے ہو گا کہ اور لوگ مسلمان ہوتے تو شروع میں اسے مخالفوں سے چھپاتے، مگر مُسلمان ہوتے ہی اُنھوں نے مخالفوں کے مجمع میں جا کر خود ہی برملا اعلان کیا اور وہاں دیر تک جمِ غفیر کی مارپیٹ کا تنہا مقابلہ کرتے رہے۔ پھر نہ صرف ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کی مدافعت میں ڈٹے رہے، بلکہ اپنے قبیلہ بنو عدی کی عملی مخالفت رُکوانے میں کامیاب رہے، مثلاً دار الندوہ میں جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے مشاورت ہوئی تو بنو عدی کا کوئی غیر مُسلم اس میں شریک نہ ہوا۔ ہجرت کے بعد غزوۂ بدر ہوا تو مکہ مکرمہ سے آنے والی دشمن فوج میں بھی بنو عدی کا کوئی فرد نہ تھا۔

ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تو قرآنی حکم کے مطابق (مشرکہ کو) طلاق دے دی۔ قبل ہجرت مؤاخات میں یہ ابوبکرؓ کے بھائی بنے۔ ہجرت کے بعد کی مؤاخات میں عتبان بن مالک انصاری کے بھائی بنے اور ان کے ساتھ مضافات میں مقیم ہوئے۔ ایک دن یہ مدینے آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود رہتے اور بھائی باغبانی کرتا؛ دوسرے دن یہ باغبانی کرتے اور بھائی مدینے آتا اور رات کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کی خبروں سے اُن کو آگاہ کرتا، مگر جلد ہی انھوں نے اپنا الگ گھر بنا لیا جس کی زمین حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دی تھی۔

ہجرت کے بعد ابتدائی زمانے میں جب لوگ بڑی کثرت سے بیعت کو آنے لگے، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عورتوں کی بیعت لینے پر مامور کیا تاکہ فرداً فرداً وہ ہر عورت کو مقررہ عبارت دہرائیں۔ وہ غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ تبوک تک ہر معرکے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ شعبان ۷ھ میں ایک بار بطور سپہ سالار (بنو عامر کے علاقے میں) تُربہ گئے تاکہ بنو ہوازن کی بعض شاخوں کی گوشمالی کریں۔ یہ خانہ بدوش وقت پر بھاگ گئے اور لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

الدارمی وغیرہ کی روایتِ ذیل سے ان کے علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے: ایک دن انھوں نے کسی یہودی سے (زبُور یا تورات کی) کچھ عبارتیں سُنیں۔ یہ انہیں اس قدر پسند آئیں کہ نقل لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنانے لگے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کر دیا۔ (معلوم نہیں انفرادی اسباب سے یا آغازِ اسلام کا زمانہ ہونے کے باعث، کیونکہ بعد میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کو تورات پڑھنے کی صراحت سے اجازت مرحمت فرمائی تھی)۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زکوٰۃ کا محصل مقرر فرمایا۔ یہ غالباً ۸ھ کا واقعہ ہے، کیونکہ لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت عباسؓ سے بھی زکوٰۃ مانگی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع ہونے پر بتایا کہ حضرت عباسؓ نے ایک سال قبل (غالباً جنگِ تبوک کی تیاری کے لیے) زکوٰۃ پیشگی دے دی تھی۔

ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے دو آسمانی وزیر ہیں، حضرت جبریلؑ اور حضرت میکائیلؑ، اور دو زمینی: حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ"۔ ایک اور مرتبہ اہم تبلیغی کام پر روانہ کرنے کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے لوگوں کی تلاش تھی۔ کسی نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لیا تو فرمایا: "مَیں ان سے بے نیاز کہاں ہو سکتا ہوں؟ وہ تو دینی کام میں میرے لیے کان اور آنکھ کی طرح ہیں۔" یہ غالباً سریہ بئر معونہ کے سلسلے میں تھا؛ یا "اگر ابوبکرؓ اور عمرؓ کسی بات پر متفق ہو جائیں تو مَیں ان کے خلاف نہ کروں گا۔"
غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے حضرت عمرؓ نے اپنی آدھی جائداد چندے میں دے دی تھی۔ خیبر میں انھوں نے ایک زرخیز زمین خریدی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے اسے وقف کر دیا۔ خود انہیں فخر تھا کہ تین چار بار اُن کی تمنّا کے مطابق قرآن کریم نازل ہوا (مثلاً عورتوں کے نقاب کے لیے)۔

غزوۂ خندق میں مسلمانوں کا پڑاؤ جبلِ سَلع پر تھا، وہاں ایک کتبہ پایا جاتا ہے جو بظاہر حضرت عمرؓ کے ہاتھ کا ہے۔ استنبول کے ترکی

اسلامی آثار کے میوزیم میں قلمی قرآن کا ایک ورق نمایاں کیا گیا ہے جو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہے۔

عہدِ ابوبکرؓ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر سقیفۂ بنی ساعدہ کے اجتماع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی تھی کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لیا جائے، مگر دونوں نے انکار کیا اور بالاتفاق حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی گئی۔

خلافتِ صدیقی میں فتنۂ ارتداد کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے محض زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے فی الوقت جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا، اگر حضرت ابوبکرؓ نے مصلحت پر اصُول کو ترجیح دی اور فرمایا کہ قرآنِ کریم میں نماز اور زکوٰۃ کا باہم ذکر آتا ہے، پس جو کوئی زکوٰۃ کی فرضیت کو نہیں مانتا وہ مُرتد ہے اور اس سے جہاد کرنا چاہیے اور مزید فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان بھی میرا ساتھ نہ دے، تو بھی مَیں تن تنہا ان سے لڑوں گا۔ اس پر پھر کسی کو اختلاف نہ رہا۔

مُسیلمہ کذاب کی جنگ میں بکثرت مسلمان شہید ہوئے جن میں قرآن کے بہترین قاری اور حافظ بھی تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کو بین الدّفتین جمع کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ ہچکچائے، مگر پھر مطمئن ہو گئے اور کاتبِ وحی حضرت زیدؓ بن ثابت اور ان کے رفقاء کو اس کی تکمیل کا حکم دیا۔ اس طرح اسلام کا یہ بڑا کارنامہ انجام پایا۔ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت عمرؓ قرآن کی ترویج اور تعلیم کے لیے وظائف عطا کرتے رہے اور چاہا کہ سرکاری نسخے اضلاع میں بھیجیں، مگر اسی اثنا میں یکایک شہید ہو گئے۔

خلافتِ صدیقی میں حضرت عمرؓ مدینے کے قاضی بنے، مگر لوگوں کے اخلاق اتنے اچھے تھے کہ مہینے گزر جاتے اور ایک مقدمہ بھی نہ آتا۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے دستِ راست اور مشیرِ خاص تھے۔ کبھی اختلافِ رائے ہو جاتا، تو بھی ایک دوسرے کی اتنی عزّت کرتے تھے کہ اسے نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے حضرت ابوبکرؓ نے بسترِ مرگ پر بلا تأمّل ان کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کو بُلا کر ایک وصیت نامہ املا کرایا: "مَیں مر جاؤں تو میرا جانشین" اتنا کہنے کے بعد وہ بے ہوش ہو گئے اور حضرت عثمانؓ نے انتہائی بے نفسی سے جملہ مکمّل کرنے کے لیے "عمر بن الخطاب ہوں گے" بڑھا دیا۔ جب کچھ دیر کے بعد حضرت ابوبکرؓ دوبارہ ہوش میں آئے تو پوچھا: کیا لکھا ہے؟ حضرت عمرؓ کی جانشینی کا جملہ سُنا تو حضرت ابوبکرؓ نے اُن کی تعریف کی اور کہا کہ تم بہت صلاحیتوں کے مالک ہو۔ پھر وصیت نامہ مکمّل کرایا اور اپنے مولیٰ شدید کو جو گویا پولیس کمشنر تھے، حکم دیا کہ باہر لے جاؤ اور لوگوں کو جمع کر کے کہو کہ یہ ابوبکرؓ کی وصیت ہے اور اس میں مندرج شخص کے لیے بطور ولی عہد بیعت کرو۔ سب نے خوشی سے اس نامعلوم شخص کے لیے بیعت کی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے ملنے حضرت علیؓ وغیرہ چند لوگ آئے اور پُوچھا کہ شاید حضرت عمرؓ کا نام ہے؟ کہا: ہاں۔ اُس پر انھوں نے حضرت عمرؓ کی سخت مزاجی کی شکایت کی اور کہا: خُدا کو کیا جواب دو گے؟ حضرت ابوبکرؓ جوش میں اُٹھ بیٹھے اور فرمایا: اللہ سے کہوں گا تیری مخلوق میں سب سے بہتر شخص کو جانشین بنایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد لفافہ کھولا گیا اور مکرّر حضرت عمرؓ کی بلا اختلاف بیعت ہوئی اور بیعت کا فارمولا تھا:

"اَلْبَیْعَةُ لِلّٰهِ وَالطَّاعَةُ لِلْحَقِّ۔ یعنی بیعت اللہ کے لیے اور اطاعت حق بات کے لیے، وصیت نامہ یوں تھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہؓ کا عہد ہے جو اس نے دُنیا سے رُخصت ہوتے ہوئے، اور آخرت میں داخل ہوتے ہوئے کیا، اس وقت جب کہ کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور فاجر (ملحد) کو بھی یقین آ جاتا ہے۔ مَیں نے تم پر اپنے بعد عمرؓ بن الخطاب کو خلیفہ بنایا ہے؛ اس کی بات سُنو اور اطاعت کرو۔ مَیں نے (اس میں) اللہ، اُس کے رسولؐ، اُس کے دین، اپنی ذات اور تم سب کی بھلائی کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ اگر وہ عدل و انصاف کرے، تو اس سے میری اُمید اور اس کے متعلق میرا علم یہی ہے، لیکن اگر وہ (اپنا کردار) بدل ڈالے تو ہر شخص کو اس کا کمایا ہوا گناہ (بھگتنا) ہو گا، چاہی تو مَیں نے بھلائی ہے، لیکن مجھے غیب کا علم نہیں اور ظلم کرنے والے جلدی ہی معلوم کر لیں گے کہ انہیں واپس کہاں جانا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت

حضرت ابوبکرؓ کی تدفین سے فراغت پر، حضرت عمرؓ نے حاضرین کو خطاب کرکے صاف صاف کہہ دیا: "مجھے تم سے آزمایا جارہا ہے اور تمہیں مجھ سے۔ میں اپنے پیشرووں کے بعد تم میں جانشین بن رہا ہوں، جو چیز ہمارے سامنے (یعنی مدینہ میں) ہوگی اسے ہم شخصی طور پر انجام دیں گے اور جو چیز غائب (دوسری جگہ) ہوگی تو اس کے لیے قوی (قابل)، اور امین (دیانت دار) لوگوں کو مامور کریں گے۔ جو اچھا کام کرے گا اس پر ہمارا احسان بھی زیادہ ہوگا اور جو برائی کرے گا اسے ہم سزا دیں گے۔ اللہ ہمیں اور تمہیں معاف کرے۔"

انہوں نے دستوری نہج میں کوئی تبدیلی نہ کی، البتہ حسب ضرورت عمومی مشاورت کے بعد اُسے مکمل کرتے رہے۔ اس وقت اندرونی خلفشار (فتنۂ ارتداد اور انکارِ زکوٰۃ) ختم ہوچکا تھا، اور دونوں ہمسایہ عظیم سلطنتوں یعنی ایران اور بوزنطیہ (روم) سے مسلمان بیک وقت برسرِ پیکار تھے۔ ابتدائی فتوحات سے اہلِ اسلام کے حوصلے بھی بڑھ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دونوں محاذوں کے سپہ سالار تو فوراً بدل دیے، لیکن جنگ جاری رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا اور دُنیا نے ششدر ہوکر دیکھا کہ جلد ہی ایک طرف عراق، ایران، ترکستان، افغانستان اور مغربی ہندوستان (مغربی پاکستان) تک، اور دوسری طرف شام، اناطولی (ملطیہ)، آرمینیا، مصر اور لیبیا تک اسلامی مملکت کی حدیں پھیل گئیں۔ اُن کا طرزِ عمل ایسا تھا کہ ان ممالک کے حکمرانوں کو تو نہیں، لیکن رعایا کو اسلامی فتوحات ظلم و ستم سے خلاصی اور نجات معلوم ہوئیں اور صدیوں تک کبھی اُنہیں بغاوت کا خیال تک نہ آیا۔ شروع میں تو حضرت عمرؓ جنگ کو طُول دینے سے ہچکچاتے تھے لیکن جب دیکھا کہ یزدگرد (آخری ایرانی حکمران) اسے کمزوری پر محمُول کرکے مشکلیں پیدا کررہا ہے تو امن قائم کرنے کے لیے دفاعی نوعیت کے علاقے فتح کرنے کا حکم دیا، خاص کر ۱۸ھ میں وہ کہا کرتے تھے: "کاش میرے اور خراسان کے بیچ میں ایک آگ کا سمندر حائل ہوتا" بہرحال دریائے جیحوں کو عبور کرکے ماوراء النہر میں داخل ہونے سے انہوں نے روک دیا۔ وہ مفتوحہ علاقوں کا استحکام چاہتے تھے اور دریائے جیحوں ایک اچھی سرحد تھی۔

حضرت عمرؓ کی اسلامی تربیت اتنی مکمل تھی کہ انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں نسلی و قبائلی تعصبات کو نہیں اُبھرنے دیا۔ ان کے فیصلے حق و صداقت اور حقیقت شناسی پر مبنی ہوتے تھے۔ عراق میں حضرت مثنّٰی شیبانیؓ اور شام میں حضرت خالدؓ بن ولید جیسے ہر دلعزیز سپہ سالاروں کو اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں ہی میں معزُول کرکے معمولی سپاہی بنا دیا تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں افراد بہترین کمانڈر تو تھے، لیکن اس کا قوی امکان تھا کہ یہ سپہ سالار کہیں خودرائے نہ ہوجائیں۔ اس ابتدائی زمانے میں یہ آسان تھا کہ وہ دوبارہ معمولی سپاہی بننا خاموشی سے قبول کرلیں اور اس طرح مرکز کی دھاک بیٹھ جائے۔ پروردۂ نبوّت حضرت عمرؓ کا اپنا یہ بیان اور توجیہہ معقول معلوم ہوتی ہے: "میں چاہتا ہُوں کہ لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ فتح صرف اللہ دیتا ہے، حضرت خالدؓ اور مثنّٰیؓ نہیں۔" وہ حضرت خالدؓ کی بڑی قدر کرتے تھے اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا خطاب دیا ہو، وہ اس تلوار کو نیام میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے؛ چنانچہ اصُولی مقاصد کے پُورا ہوجانے کے بعد حضرت خالدؓ کو دوبارہ سپہ سالار بنانا چاہتے تھے، مگر اتفاق سے اسی زمانے میں حضرت خالدؓ فوت ہوگئے۔ حضرت خالدؓ بھی حضرت عمرؓ کی اتنی عزت کرتے تھے کہ اپنی وصیت کے نفاذ کے لیے حضرت عمرؓ ہی کو نامزد کیا۔ حضرت خالدؓ اور حضرت عمرؓ میں بعض اختلافات بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ عہدِ نبویؐ میں بنو جذیمہ کی مہم میں انہوں نے جو سختی کی تھی، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری ظاہر کی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں وہ عین جنگ کے دوران میں فوج کو چھوڑ کر اور مخفی طور پر حج کو آئے تھے۔ یہ بے ضابطگی اُن کی شان سے بعید تھی۔ کئی اُمور سے پتہ چلتا ہے کہ باوجود بہترین سپاہی اور سپہ سالار ہونے کے وہ اچھے فقیہہ نہ تھے، جیسا کہ ایک دن ریشمی قمیص پہن کر حضرت عمرؓ کے پاس آنے اور حضرت عمرؓ کے مکدّر ہونے کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، کیونکہ اُن کا یہ عمل فرمانِ نبویؐ کے مطابق نہ تھا۔ اسلامی سپہ سالارِ اعظم کا معیار حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ صرف حربیات کی فنی مہارت رکھتا ہو، بلکہ اس کے لیے اسلامی قانون کی جزئیات سے آگاہی بھی ضروری ہے۔

مفتوحہ اراضی پر ملکیت کا مسئلہ

ابتدائی فتوحات ہی کے بعد جب یہ محسوس ہوگیا کہ اب مسلمانوں کو عرب واپس جانے کی ضرورت نہیں تو ایک بہت نازک مسئلہ پیش آیا؛ قرآن مجید نے مالِ غنیمت کے متعلق حکم دیا ہے کہ ایک خُمس حکومت کو اور چار خُمس فاتح فوجی دستے کو دیا جائے (الانفال: ۴۱)۔ مالِ منقولہ کی حد تک اس میں کوئی دشواری نہ تھی، لیکن مفتوحہ اراضی کا معاملہ دوسرا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی فراست اور دانائی سے محسوس کیا کہ اگر اسلامی فوج کے سپاہیوں کو ہزاروں لاکھوں مربع میل کا علاقہ دے دیا گیا تو ایک طرف تو دولت گنتی کے چند لوگوں کے ہاتھوں میں محصور ہوجائے گی جو قرآن مجید (۵۹ [الحشر]: ۷) کے فرمان کے خلاف ہے، دوسرے حکومت کی ضرورتیں صرف ۱/۵ علاقے اور مسلمانوں کی زکوٰۃ سے پُوری نہ ہوسکیں گی۔ اس کے علاوہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر مجاہدینِ اسلام میں مختلف علاقوں کی اراضی تقسیم کردی گئی، تو اُن کی توجہ صحیح مقصد سے ہٹ جائے گی اور اُن کی متحدہ قوت منتشر ہوجائے گی۔ مزید برآں مفتوحین کے ساتھ حُسنِ سلوک کا مسئلہ بھی تھا۔ اس بارے میں بعض صحابہ کرامؓ میں بھی اختلافِ رائے تھا اور مہینہ بھر بحث ہوتی رہی۔ آخر حضرت عمرؓ نے قرآن مجید (۵۹ [الحشر]: ۷تا۱۰) سے استدلال کیا کہ مفتوحہ اراضی صرف موجودہ لوگوں کے لیے نہیں بلکہ " وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ " یعنی اور ان کے لیے جو ان کے بعد ہوں گے، کے لیے بھی ہے اور یہ قیامت تک آنے والوں پر حاوی ہے، اس لیے ساری زمینیں وقف ہوکر حکومت کے ہاتھ میں رہیں۔ اب کسی کو اختلاف نہ رہا اور مجمع عام کے اس اجماعی فیصلے سے تمام اسلامی سپہ سالاروں کو اطلاع دے دی گئی۔ حضرت عمرؓ کی فراست نے اسلام اور قرآن مجید کو قابلِ عمل چیز ثابت کردیا، محکوم و مظلوم ہونے کے زمانے ہی میں نہیں، بلکہ غالب اور تین براعظموں پر حکمرانی کے زمانے میں بھی۔

عرب غریب لوگ تھے۔ خلافتِ فاروقیؓ کے آغاز میں ایک دن عاملِ بحرین، حضرت ابوہریرہؓ سرکاری مال مدینہ منورہ لائے اور کہا پانچ لاکھ درہم ہیں، تو حضرت عمرؓ کو یقین نہ آیا۔ پھر کئی بار کے سوال پر جب یہ سُنا کہ سو ہزار، سو ہزار پانچ مرتبہ، تو اتنے متاثر ہوئے کہ لوگوں سے کہا اتنا مال آیا ہے کہ گننے کی جگہ تول کر بانٹا جاسکتا ہے۔ لیکن دو ایک سال بعد ہی صوبہ سوادِ عراق سے بارہ کروڑ درہم اور مصر سے پانچ کروڑ دینار (یعنی پچاس کروڑ درہم) سالانہ آمدنی ہونے لگی۔

دولت کی اس ریل پیل کے زمانے میں اگر حضرت عمرؓ کی جگہ کوئی اور دُنیا دار حکمران ہوتا تو نودولت عرب اصول و اخلاق بھی کھو دیتے اور جلدی ہی دنیا سے غائب ہوجاتے، اور اُن کے ساتھ اُن کا دین بھی۔ حضرت عمرؓ نہ اپنی ذات پر اسراف کرتے تھے اور نہ سرکاری مال کا ایک حبّہ بھی ناجائز ضائع ہونے دیتے۔ انہوں نے عورتوں کا مہر کم از کم رکھنے کا پُرزور مشورہ دیا۔ عاملوں (گورنروں) پر انتہائی شدید نگرانی رکھتے؛ تقرر کے وقت ان کی دولت کی مقدار معلوم کرتے، پھر وقتاً فوقتاً جانچ پڑتال کراتے اور اگر مشتبہ زیادتی نظر آتی تو نہ صرف معزُول کرتے بلکہ نصف جائداد بھی ضبط کرلیتے۔ تقرر نامے میں صراحت سے شرط ہوتی کہ وہ شاندار ترکی گھوڑے پر نہ بیٹھے، چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھائے؛ باریک اور ملائم لباس نہ پہنے (چہ جائیکہ ریشمی حرام لباس پہن سکے)؛ دروازے کو بند کرکے چوکیدار نہ رکھے، بلکہ ہر شخص ہر وقت اس سے ملاقات کرسکے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک شاندار مکان بناکر اس میں ایک دروازہ داخلہ لگایا۔ اطلاع ملی تو حضرت عمرؓ نے ان کو تو کچھ نہ کہا؛ ایک شخص کو مدینے سے بھیجا کہ اس دروازے کو آگ لگاکر واپس آجاؤ۔ گورنر سمجھ گئے اور دم نہ مارا۔ فاتحین یرموک دیباج کے کپڑے پہن کر مدینے آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان پر سنگ باری کی۔ پھر جب وہ کپڑے بدل کر دوبارہ آئے، تو خوش آمدید کہا اور خیر و عافیت دریافت کی۔ عیاضؓ ابن غنم کو نرم کپڑوں پر گورنری سے معزول کردیا۔ نعمانؓ فضالہ کو شاعری میں خمریات کے تذکرے پر یہی سزا ملی۔ یعلی بن امیہ نے کافی دیر سے فتحِ مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے خلافتِ فاروقیؓ میں اپنی یمن کی گورنری کے زمانے میں ایک نجی حمی (محفوظ چراگاہ) بناکر حکم دیا کہ وہاں کسی اور کے جانور نہ چریں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں معزُول کرکے حکم دیا کہ یمن سے مدینے پیدل آؤ۔ تعمیل میں وہ راستے ہی میں تھے کہ حضرت عمرؓ کی وفات کی اطلاع ملی، پھر باقی راستہ سواری پر طے کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال حضرت عمرؓ میں شدت کے باوجود لچک بھی ہوتی تھی۔ شام کے دورے پر گئے تو گورنر امیر معاویہؓ نے بڑے خدم وحشم کے ساتھ استقبال کیا۔ ان کے شاندار لباس پر اعتراض کیا تو امیر معاویہؓ نے کہا: "امیر المؤمنین! یہ دبدبے کے عادی مقامی بوزنطیوں کے لیے ہے، ورنہ وہ ہم کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں، لیکن ہمارے بیرونی نفیس عبا وقبا کے اندر ہمارے کھردرے اور خشونت آمیز عربی لباس برقرار ہیں۔" اس پر حضرت عمرؓ چپ ہو گئے۔ گورنروں کے تقرر ناموں میں بھی وہ متعلقہ صوبے کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہتے: اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا مَا عَدَلَ فِيْكُمْ، یعنی اس گورنر کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو جب تک کہ وہ تم میں عدل وانصاف کرتا رہے۔

برق آسا فتوح پر سارے مفتوح تو فوراً مسلمان نہیں ہو سکتے تھے۔ شاید سو مربع میل میں ایک مسلمان سپاہی پڑتا تھا۔ ان کو زمین زدہ ہونے سے روکنا لازم تھا۔ جنگ نہ ہونے کے باعث سپاہی کے کسان بن جانے میں کئی قباحتیں تھیں۔ فاتح قوم کے افراد زمینیں بہولت سے خرید سکتے تھے، مگر اس سے ان کے روابط اہل ملک سے مکدر ہو جاتے اور ان میں بے روزگاری بڑھ جاتی۔ ایک وجہ یہ تھی کہ وہاں بیگاری موجود تھے جو زمین کے ساتھ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ نیم غلام بیگاری کو اسلام قبول نہیں کرتا۔ ان کو فوراً آزاد کراتے، تو غیر مسلم زمینداروں کی دشمنی مول لیتے؛ اس لیے اس ابتدائی زمانے میں زمین کو غیر مسلموں ہی میں رہنے دیا گیا، تاکہ بیگاری کو بالواسطہ برداشت کیا جا سکے۔ ایک مزید وجہ یہ نظر آتی ہے کہ عرب میں عشر کا رواج تھا، یعنی کسان پیداوار کا دسواں حصہ مالگزاری میں دیتا۔ عراق میں مثلاً بعض جگہ ثلث اور بعض جگہ سدس کا رواج تھا۔ مسلمان ایسی زمینوں کے مالک بنتے تو وہ عشر پر اصرار کرتے اور اس طرح حکومت کی آمدنی گھٹ جاتی؛ لہٰذا مالک نہ بننے کی صورت میں یہ جھگڑے پیدا ہونے کا کوئی امکان نہ تھا (اگر کوئی صحابی مقامی خراج پر آمادہ ہو جاتا تو اسے زمیندار بننے کی اجازت ملتی اور ایسی چند مثالیں خلافتِ فاروقیؓ میں بھی ملتی ہیں، مثلاً عبداللہؓ بن مسعود نے ایک دہقان سے عراق میں ایک زمین خریدی اور جزیۃ الارض دینا قبول کیا، تو روکا نہ گیا۔)

ایسا معلوم ہوتا ہے سرکاری زمینوں، سابق حکمران کی صرفِ خاص کی جاگیروں اور مفرور یا مقتول زمینداروں کی اراضی کے بیگاری کسانوں کو حضرت عمرؓ نے زمین کا مالک بنا دیا اور عثمانؓ بن حنیف کے ہاتھوں پیمائش کرائی تو سوادِ عراق ہی میں ۳۶ ملین جریب زمین مزروع پائی گئی۔ غیر مسلموں سے معین رقمی خراج پر صلح ہوئی تھی۔ اس کی وصولی کے لیے غیر مسلموں ہی کو عریف (ماہرین) مقرر کیا گیا۔ کسی کے لاوارث مرنے پر اس کی زمین اس کے اہل ملت ہی خریدنے میں ترجیح پاتے۔ اس طرح چھوٹی اور مفلس قوموں کے مفاد کی حفاظت کی جاتی۔

مسلمانوں پر فوجی خدمت واجب تھی۔ غیر مسلم رعایا کو اس سے روکا تو نہ جاتا تھا، لیکن مجبور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی سرفروشی کے زمانے میں یہ غیر مسلم رعیت اطمینان سے کمائی میں مشغول رہتی۔ فوجی مصارف میں ان کا حصہ لینا معقول تھا۔ یہی جزیہ ہے۔ عہدِ نبویؐ کی محدود مثالوں میں ہر غیر مسلم پر یکساں جزیہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے تین مدارج مقرر کیے: غریب، متوسط اور مالدار۔ اس کی سالانہ مقدار شاید ایک خاندان کی ایک دن کی غذا کے مصارف کے مساوی کہی جا سکتی ہے۔ اس سے عورتوں، نابالغوں، بوڑھوں، اپاہجوں، راہبوں نیز ہر اس غیر مسلم شخص کو مستثنیٰ کر دیا گیا جو کسی سال کسی ایک مہم میں فوجی خدمت انجام دے۔

مالگزاری اور جزیہ کے حساب مقامی زبانوں میں لکھ کر غیر مسلم عریف مدینہ منورہ بھیجتے۔ مثال کے طور پر حضرت عمرؓ نے شام کے والی کو لکھا: ہمارے پاس ایک رومی (یعنی یونانی) کو بھیجو جو ہمارے ٹیکسوں کا حساب ٹھیک رکھ سکے۔" ہر سال ٹیکس کی وصولی کے بعد ہر صوبے سے وہاں کے ٹیکس دہندگان کا ایک وفد مدینے بلایا جاتا اور اس کا اطمینان کیا جاتا کہ وصولیوں میں ظلم نہیں ہوا ہے۔

چنگی غیر مسلم اجنبیوں پر دس فیصد تھی، لیکن ایک بڑا اصول یہ بھی تھا کہ ہر شخص سے وہی برتاؤ کیا جائے جیسا اس کے ملک میں مسلمانوں سے ہوتا ہو، جیسا کہ منبج کے افسر چنگی کو انہوں نے ہدایت بھیجی۔

ان کا برتاؤ غیر مسلموں سے عدل واحسان کا تھا۔ ان کے زمانے کے ایک نسطوری عیسائی کا خط محفوظ ہے، جس نے اپنے دوست کو لکھا: "یہ طائی (یعنی عرب) جن کو اللہ نے آج کل حکومت دی ہے، ہمارے بھی مالک (حاکم) بن گئے ہیں، لیکن وہ عیسائی مذہب سے

جنگ نہیں کرتے، بلکہ ہمارے ایمان کی محافظت کرتے (اور ہمیں دوسرے فرقوں کی ایذا رسانی سے بچاتے) ہیں؛ ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور راہب خانوں کو عطیے دیتے ہیں۔" (ASSEMANI: ۲/۳، BIBL. OR بحوالہ DE GOEJE ص XEVI)۔ اسی طرح ایک دن حضرت عمرؓ نے مدینہ میں ایک یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو آیت "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ" پڑھی اور کہا: "فقراء تو مسلمانوں میں سے ہیں اور مساکین سے مراد غیر مسلم محتاج ہیں اور یہ مسکین اہل کتاب سے ہے۔" چنانچہ اس کا روزینہ مقرر کر دیا۔ اسی طرح شام کے سفر کے وقت وہاں کے نصرانی غریبوں کو بھی "صدقات" یعنی زکوٰۃ سے روزینے مقرر کیے۔ شام میں مسلمانوں نے ایک یہودی کی کچھ زمین جبراً لے کر وہاں مسجد بنائی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو مسجد کو ڈھا کر زمین اصل مالک کو واپس کی۔ ایک لبنانی عیسائی پروفیسر شکری قرداحی نے ۱۹۳۲ء میں لکھا ہے کہ یہ "بیت الیہودی" اب تک مشہور اور موجود ہے۔ ایک تغلبی نصرانی تاجر نے ایک دن حضرت عمرؓ سے اس وقت چنگی والوں کی کچھ شکایت کی جب وہ حرمِ کعبہ میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ روک کر انہوں نے شکایت سنی اور جواب دیا: "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔" پھر خطبہ جاری رکھا۔ تاجر مایوس ہو کر سرحد پر واپس گیا کہ دُہری چنگی دے کر ہی اپنا سامان حاصل کر لے، لیکن اس نے دیکھا کہ اس کے وہاں آنے سے قبل حضرت عمرؓ کا تنسیخی ہدایت نامہ وہاں پہنچ چکا ہے۔ ایک یہودی نے بتایا کہ سابق میں دریائے نیل سے بحرِ قلزم کو ملانے والی نہر کس جگہ تھی کہ شہر (فسطاط) سے کشتیاں راست عرب جا سکیں۔ حضرت عمرؓ نے انعام میں اس یہودی کا جزیہ ساری زندگی کے لیے معاف کر دیا اور بھری ہوئی مٹی کو صاف کرایا۔ اس "نہر امیر المؤمنین" سے مصری غلہ راست مدینہ (بندرگاہ جار) بھیجا جانے لگا اور قحط کے زمانے میں بڑا آرام ہوا۔

جب انہوں نے دیوان قائم کر کے فوجی پنشنیں جاری کیں، تو ان میں سے غیر مسلم خارج نہ تھے اور بڑی تنخواہ پانے والے متعدد ایرانی مجوسیوں کا نام بھی ملتا ہے۔ جنگ کے وقت موت وحیات کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور رعایت تو کیا، قاعدہ قانون بھی مشکل سے ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔ واکر نے لکھا ہے کہ ابتدائی عرب (مسلمان) فاتح ان پڑھ اور خانہ بدوش ہونے کی بنا پر بے شک وحشی سمجھے جا سکتے ہیں، لیکن یہ وحشی اپنی جنگوں میں دنیا کی مہذب ترین قوموں سے بھی زیادہ مہذب ثابت ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے خلاف لے دے کر ایک اعتراضی واقعہ اچھالا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے گورنر عراق حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم دیا کہ اپنے کاتب (سیکرٹری) کو، جو عراقی عیسائی تھا، خدمت سے برطرف کر دیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ ناخواندہ تھے۔ ٹوٹا پھوٹا لکھنا انہوں نے اس واقعے کے بعد سیکھا۔ ایسے گورنر کے کاتب کے لیے، خاص کر جب مفتوحہ ملک میں ابھی امن بھی قائم نہ ہوا ہو، کم ترین احتیاط اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

یہ صحیح ہے کہ چنگی کے متعلق مسلمان اور ذمی تاجر میں فرق تھا۔ ایک ڈھائی فی صد تو دوسرا پانچ فی صد چنگی دیتا۔ یہ فرق عہدِ نبویؐ سے چلا آ رہا تھا اور یہ حضرت عمرؓ کی ایجاد نہ تھی، مگر اس میں ظلم بہرحال نہ تھا۔ غیر مسلم نہ رقمی اندوختے پر زکوٰۃ دیتے تھے اور نہ سود خواری سے ممنوع تھے۔ اس طرح یہ لوگ زیادہ تیزی سے مالدار ہو جاتے تھے۔ ان سے زائد چنگی ایک ٹیکنیکل فرق اور حسابی مدات کا اختلاف تھا اور بس! یہ ظلم بالکل نہیں تھا بلکہ راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ غیر مسلم رعایا نسبتاً کم محاصل دیتی اور زیادہ فارغ البال رہتی تھی۔

ایک ذیلی مسئلہ مؤلفۃ القلوب کا ہے۔ ایک یا دو مثالیں ملتی ہیں کہ نومسلموں کا انعام واکرام انہوں نے بند کر دیا (یہ غیر مسلموں کی ضمیر کی کامل آزادی کو مستحکم کرنا ہی سمجھا جا سکتا ہے)، لیکن یہ استنباط بیہودہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے قرآنِ مجید کی وہ آیت منسوخ کر دی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں خلیفہ ابوبکرؓ بھی ساری عمر عمل کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے معین افراد کو انعام دینے سے انکار کیا تھا اور کوئی عام حکم نہیں دیا تھا کہ تالیف قلبی نہ کی جایا کرے۔ مزید برآں اس قصے میں عیینہؓ بن حصن وغیرہ کا ذکر ہے، جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انعام دیئے تھے اور حضرت عمرؓ نے نہ دیئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوازن کی غنیمت سے کچھ نوازا تھا، نہ کہ زکوٰۃ کی رقم سے، جس کا مؤلفۃ القلوب کے سلسلے میں قرآن مجید (۹ [التوبۃ]: ۶۰) میں حکم ہوا ہے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جب ایک رومی نے اسلام قبول کیا (شاید مذکورۂ بالا افسر مالگذاری ہی ہو) اور لوگوں نے تالیفِ قلبی کے لیے انعام واکرام کی سفارش کی تو حضرت عمرؓ نے کہا: "اسلام کو اس کی حقانیت کے باعث قبول کرنا چاہیے"؛ یہ انفرادی معاملہ تھا، ورنہ حضرت عمرؓ ہی جب بعض بڑے ایرانیوں کو دیوان میں روزینہ مقرر کرتے ہیں، تو وجہ دریافت کرنے پر فرماتے ہیں: "یہ عجم کے معزز لوگ ہیں، میں نے چاہا ہے کہ اُن کے ذریعے سے دوسروں کی تالیفِ قلبی کروں"۔

نظم ونسق وادارہ

عہدِ نبویؐ کی ابتدائی شہری مملکت مدینہ میں بتدریج نئے علاقوں کا الحاق ہوتا گیا (عموماً قبائل کے اسلام لانے سے، اور کبھی کبھی دفاعی جنگ اور فتح کے ذریعے سے، نیز نادر صورتوں (مثلاً نجران میں غیرمسلموں کے برضا ورغبت تابعداری قبول کرنے کے باعث)۔ ان وجوہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل مختلف رہے تھے۔ چھوٹے قبائل میں موزوں مقامی شخص کو سردار نامزد کرنے پر اکتفا کیا جاتا (جس میں ضرورت پر معزولی کا حق بھی مضمر ہے) اور وہ اس کا پابند ہوتا کہ مرکز کے لیے ٹیکس وصول کرے؛ ضرورت پر فوجی کمک کے لیے رضاکار فراہم کرے اور علی العموم اسلامی قانون کا اپنے علاقے میں نفاذ کرے، چاہے نماز کی امامت ہو یا جھگڑوں میں فصلِ مقدمات)۔ بڑے علاقوں میں سے یمن میں مدینے سے گورنر، قاضی اور مدرس بھیجے گئے تھے۔ عمان میں سابق حکمرانوں کو برقرار رکھ کر ایک مقیم سیاسی (رزیڈنٹ) مدینے سے بھیجا گیا تھا اور بادشاہ اور رزیڈنٹ میں تقسیم فرائض ہوگئی تھی۔ یہی مرکز گریز نظام بعد میں بھی برقرار رہا۔

عہدِ صدیقیؓ وفاروقیؓ میں جو برق آسا فتوحات ہوئیں، اُن کے باعث سب سے بڑا فرق یہ نظر آتا ہے کہ اب اہم مقاموں پر مسلمانوں کی چھاؤنیاں (جُند) بسائی گئیں، تاکہ ایک مقام کی ضرورت کے لیے دوسرے دُور دراز مقام سے فوج بھیجنے کی ضرورت نہ رہے۔

والی مسلمان ہوتا اور مرکز سے بھیجا جاتا اور اُسے حق ہوتا کہ صوبے کے اضلاع اور تعلقات میں خود ہی افسر نامزد کرے۔ مسلمان اور غیر مسلم سب ہی اُس کی طرف رجوع کرتے، مگر حکومت کے فرائض محدود تھے۔ بیرونی دفاع اور اندرونی امن، بازار میں احتساب کہ تاجر علانیہ بددیانتی نہ کرپائیں؛ پُلوں، نہروں اور مماثل تعمیرات کا کام ساری رعایا کے لیے تھا؛ تعلیم بھی زیادہ تر اہلِ علم کا نجی کام تھا، حکومت قرآن کی تدریس کا البتہ مسلمانوں کے لیے انتظام کرتی تھی۔ ٹیکس کی وصولی کا انتظام بھی مرکز گریز تھا۔ مسلمانوں سے ہر قسم کے ٹیکس (زکوٰۃ الاموال، زکوٰۃ التجارۃ، زکوٰۃ المواشی، زکوٰۃ المعادن، زکوٰۃ الارض وغیرہ جس کو جزیۃ الاموال، جزیۃ الارض وغیرہ بھی بطور مترادف کہا جاتا) حکومت راست وصول کرتی، لیکن غیر مسلموں میں عموماً ہر قوم وملت کے لوگ اپنے عریف خود ہی حسبِ معاہدہ منتخب کرتے اور حکومت اُن عریفوں سے حساب لیتی۔ جزیہ بھی اسی طرح وصول کیا جاتا۔ ڈنیٹ (DENNET) نے اپنی اہم کتاب (CONVERSION AND POLL TAX، ص ۹) میں بہت اچھی طرح واضح کیا ہے کہ ایک طرف ویلہاؤزن (WELLHAUSEN) اور بکر (BECKER) یہ کہتے ہیں کہ ہر مقام کا ٹیکس معین تھا اور کوئی مقامی شخص مسلمان ہوجاتا تو وہ کوئی ٹیکس ادا نہیں کرتا اور ما بقی لوگ سارا معینہ ٹیکس ادا کرتے (اور اس طرح معاشی دباؤ سے اسلام پھیلا) اور دوسری طرف یہ فاضل اُس کا بھی ادعا کرتے ہیں کہ لوگوں کے مسلمان ہوجانے سے حکومت روز افزوں مفلس اور قلاش ہوتی چلی گئی، اسی لیے حجاج بن یوسف اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو نظامِ مالگزاری کی اصلاح کرنی پڑی۔ جب ما بقی غیر مسلم ہی سارا معینہ ٹیکس دیتے تھے تو پھر حکومت کو خسارا کس طرح ہوا؟ یا یہ صحیح ہونا چاہیے یا وہ؛ دونوں بیک وقت صحیح نہیں ہوسکتے (اور یہ بات لغو ہے کہ مسلمان بشمول نومسلم کوئی ٹیکس نہیں دیتے تھے)۔

جہاں تک مقدموں جھگڑوں کا تعلق ہے، مرکزی اور مشترکہ عدالتوں کی جگہ قوم وار عدالتیں قائم کی گئیں۔ مسلمانوں کے قاضی عہدِ نبویؐ کی طرح حکومت مامور کرتی اور غیر مسلموں کی حد تک ہر قوم ہی نہیں بلکہ ہر فرقہ کی عدالت الگ تھی اور اس فرقہ کے مذہبی رہنما (پادری، حاخام وغیرہ) ہی افسرِ عدالت ہوتے اور اپنا دینی یا ملی قانون ہی نافذ کرتے، اسلامی قانون نہیں۔ اس تکثیرِ محاکم کی مصلحت یہ تھی کہ اگر اسلامی قانون سب پر نافذ کیا جاتا تو غیر مسلموں کی رنجش کا باعث ہوتا؛ یوں بھی مسلمانوں میں مقامی قانون اور مقامی زبانوں کے جاننے

والے کوئی نہ تھے۔ ایک ہی حاکم ہونے کی صورت میں اسلامی قانون کے روز افزوں بیرونی قانونوں سے متاثر ہونے کا خطرہ تھا۔ غالباً ایک فریق مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہوتا تو صرف ایسا مخلوط مقدمہ لازمی طور پر قاضی کے پاس آتا اور اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ پاتا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ دو مختلف فرقوں یا مذہبوں کے غیر مسلم ہوتے، تو وہ بھی مجبوراً قاضی کے پاس رجوع کرتے، کیونکہ یہودی کو عیسائی قانون کی اور عیسائی کو یہودی قانون کی عدالت پسند نہیں ہوسکتی تھی۔ قرآن مجید (۵ [المائدۃ]: ۴۲، ۴۲، ۴۲) نے غیر مسلموں کو اسلامی عدالت میں رجوع کرنے کی اجازت دی ہے۔ امام محمد شیبانیؒ نے قاضی کی طرف سے غیر مسلموں پر ان کے اپنے قانون کے نفاذ کا بارہا ذکر کیا ہے، لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی ایسا ہوا ہو۔

عدالتی فیصلوں کے مرافعہ (اپیل) کا کم پتہ چلتا ہے۔ بعض مثالوں سے گمان ہوتا ہے کہ عدالتی آزادی اتنی تھی کہ سزائے موت بھی مرکز سے پوچھے بغیر فوراً نافذ ہوجاتی؛ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی وفد سے حضرت عمرؓ نے مقامی حالات پوچھے تو اس نے ایک ارتداد کا ذکر کیا اور بتایا کہ پوچھنے اور سمجھانے کے باوجود انکار پر اسے سزائے موت دے دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا: کیوں نہیں اسے قید میں رکھا گیا اور ہر روز کچھ عرصے تک سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی؟ مگر انہوں نے اس بارے میں نئے احکام نہیں بھیجے؛ البتہ حج کے وقت انہوں نے ہر سال سارے گورنروں کو مکہ مکرمہ آنے کا حکم دیا اور اعلان کرایا کہ اگر کسی کو کسی گورنر سے شکایت ہو تو وہ مجھ سے بیان کرے۔ ایک دو شکایتوں ہی کے بعد دھاک اتنی بیٹھ گئی کہ گورنروں کو بھی معمولی سے خلافِ انصاف کام کی جرأت نہ رہی۔

عام انتظامات میں اُن کی اوّلیت یہ تھی کہ سرکاری مراسلوں کو بند کرکے اُس پر (لاکھ کی طرح کی) مٹی لگا کر اُس پر سرکاری مُہر لگاتے۔ ہجری تقویم (کیلنڈر) بھی انھی نے ۱۶ھ میں شروع کی۔ کائتانی L. CAETANI کو حیرت ہے کہ عیسوی تقویم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سات آٹھ سو سال بعد شارلمان کے زمانے میں رائج ہوسکی، مگر مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پانچ ہی سال بعد یہ کام کرلیا۔ دراصل سنہ ہجری کا رواج تو عہدِ نبویؐ سے ہی ہوگیا تھا، لیکن البیہقی کی تصریح کے مطابق اس میں یکسانی نہ تھی: بعض لوگ محرم سے پہلا سال شروع کرتے جس کے اواخر میں بیعتِ عقبۂ ثالثہ کے بعد ہی مسلمان ہجرت کرنے لگے (اور یہ موجودہ سنہ ہجری سے ایک سال پہلے شروع ہوتا ہے)؛ کچھ اس محرم سے جس کے تین ماہ بعد خود رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی (اور پھر یہی رائج ہوا) اور کچھ اُس محرم سے جو ہجرتِ نبویؐ کے بعد پہلی دفعہ آیا (اور یہ موجودہ سنہ ہجری سے ایک سال بعد شروع ہوتا ہے)۔ بہت سے لوگ سنہ لکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ کام چند دن میں ختم ہونے کے بعد خط پھاڑ دیا جاتا، مگر سرکاری مراسلت میں ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ کسی نے رومی (سکندری) اور کسی نے ایرانی سنہ کو قبول کرنے کی رائے دی، مگر اکثریت نے اسلامی سنہ رائج کرنا چاہا، جس کا آغاز کسی نے ولادتِ نبویؐ سے، کسی نے وفاتِ نبویؐ سے اور کسی نے ہجرت سے کرنے کا مشورہ دیا اور یہ آخری رائے ہی قبول ہوکر نافذ کی گئی اور محرم کو پہلا مہینہ سمجھنے کا قدیم رواج بھی برقرار رکھا گیا۔ اس طرح سارے ملک میں یکسانی ہوگئی۔ یہ تقویم خالص قمری رکھی گئی اور عہدِ نبویؐ کے احکام کے مطابق محاصلِ زراعت کو فصل کٹنے سے متعلق رکھا گیا اور دیگر محاصل سالانہ (زکوٰۃ وغیرہ) کو ہجری مہینوں سے وابستہ کیا گیا۔ اس میں مالیات کے نقطۂ نظر سے دو بڑے فائدے تھے: تینتیس شمسی سالوں میں چونتیس ہجری سال ہوکر چونتیس ٹیکس وصول ہوتے، اگرچہ ملازموں کی تنخواہیں بھی چونتیس سال کے حساب سے دی جاتیں۔ چونکہ ساری سرکاری آمدنی تنخواہوں میں خرچ نہیں ہوتی تھی، اس لیے پبلک کو محسوس ہوئے بغیر خزانہ سرکاری کو ایک سالہ آمدنی زائد حاصل ہوجاتی۔ دوسرے یہ کہ زرعی اور غیر زرعی محاصل کی وصولی کے زمانے مختلف ہونے سے مالی سال کے آخر میں اور ملکوں کی طرح خزانہ خالی نہیں ہوجاتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں سکہ سازی حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ عموماً پُرانے غیر مسلم سکہ ساز ہی ملازمت میں برقرار رکھے گئے۔ حکومت بھی سکے ڈھالتی اور رعایا کو بھی حق تھا کہ سونا چاندی لاکر اور اجرتِ ٹسکیک (سکہ سازی) ادا کرکے دار الضرب میں سکے ڈھلوالے۔ یہ سکے ایران میں چاندی کے (درہم) ہوتے اور شام ومصر میں سونے کے (دینار) ہوتے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ سکے اب تک باقی ہیں اور مغربی عجائب خانوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اُن سے ابن الجوزی کے اِس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ سنہ ۱۸ھ میں کسروی نقش ہی کے درہم ڈھالے گئے اور وہ بالکل سابق ہی کے مماثل تھے، البتہ اُن میں اللہ کا نام بڑھا دیا گیا۔ بعض میں اَلْحَمْدُ لِلّٰه، بعض میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه بعض میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور بعض میں لفظ عمر لکھا گیا۔ الکتانی نے علاوہ دیگر تفصیل کے بعض حوالوں کی بنا پر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں" کاغذ اور چمڑے کے" سکے بھی چلے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ سونا نادر ہو گیا تھا۔ البلاذری کے مطابق اُس کا ارادہ کیا گیا تھا، لیکن عیار (اچھے بُرے کی پرکھ) نہ ہوسکنے کے اعتراض پر یہ خیال ترک کر دیا گیا۔ یہاں کاغذ کا ذکر نہیں ہے۔

مصر کی فتح کے بعد پُرانے نظامِ مالگزاری کو جو ظالمانہ تھا بدل دیا گیا اور بکثرت محصول برخاست کر دیے گئے۔ مصر میں زراعت دریائے نیل کی سالانہ طغیانی کے باعث ہوتی تھی۔ مسلمانوں نے پرانا وحشیانہ نظام دیکھا کہ ایک خوبصورت کنواری لڑکی کو قربانی کے لیے دریا میں زندہ ڈبو دیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اطلاع ملنے پر اس سے فوراً منع کر دیا۔ اتفاق سے اِس سال حبشہ میں بارش ذرا دیر سے ہوئی اور مصر میں طغیانی نہ آئی۔ خرافات پسند غیر مسلم کسان حیران و پریشان تھے۔ اس کی اطلاع پر حضرت عمرؓ نے ایک خط لکھا: "اے دریائے نیل! اگر تُو اپنی ذاتی مرضی سے آتا ہے تو مت آ، ہمیں تیری ضرورت نہیں۔ اگر طغیانی تجھے خدا دیتا ہے تو میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ طغیانی بھیجے"۔ یہ خط گورنر نے دریا میں ڈال دیا۔ دوسرے ہی دن صبح کو پانی کی سطح سولہ ہاتھ بلند ہوگئی۔ راقمِ مقالہ نے ۱۹۳۹ء میں قاہرہ میں دیکھا تھا کہ لڑکی کی قربانی اب بھی باقی ہے، البتہ زندہ انسان کی جگہ وہ ایک مصنوعی بُت ہوتی ہے اور بڑے اہتمام سے اس کو ڈبونے کی عیدِ شم النسیم منائی جاتی ہے، مگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ رواج کب سے شروع ہوا۔

عراق میں کسریٰ نے پیمائش اور درخت شماری وغیرہ کے بعد مالگزاری کے جو رعایا پرور حکم دیے تھے، وہ حضرت عمرؓ نے علی العموم برقرار رکھے۔

حکومت نے مسلمانوں کی تعلیم کا جو بندوبست کیا تھا، وہ زیادہ تر تفسیر، حدیث، فقہ اور سیرت النبیؐ پر مشتمل تھا۔ قرآن پڑھنے کی تشویق کے لیے حضرت عمرؓ نے طلبہ کے لیے وظیفے مقرر کیے۔ مدرسے الگ نہ تھے؛ تعلیم عموماً مسجدوں ہی میں ہوتی تھی۔ جب کوفہ بسا کر وہاں چھاؤنی قائم ہوئی تو گورنر کے دارالامارہ کے سامنے جامع مسجد بھی بنی۔ اس میں تعلیم دینے کے لیے حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو بھیجا۔ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ایک استاد کافی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوفہ کی جامع مسجد میں صرف فقہ ہی کی تعلیم کے ایک سو حلقے ایک سو اساتذہ کے اردگرد ہوتے تھے۔ النووی کے مطابق حضرت عقیلؓ بن ابی طالب مسجد نبویؐ میں انساب اور ایام العرب کا درس دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ عربی کی صرفی نحوی غلطی (لحن) کو بہت ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی ٹوکا کہ قرآن مجید ہُذلی لہجہ میں نہیں، بلکہ فصیح قریشی لہجہ میں پڑھیں۔ جاہلیت کی عربی شاعری کے مطالعہ کی وہ بڑی حوصلہ افزائی کرتے تھے تاکہ قرآن مجید کا صحیح مفہوم سمجھا جاسکے، وہ خود بھی شاعر تھے۔ فصیح زبان کو مروّج اور مستحکم کرنے کے لیے انہوں نے ابوالاسود الدؤلی کو عربی صرف نحو مدوّن کرنے کا حکم دیا۔

وہ طبابت کی خاص سرپرستی کرتے تھے اور ہر فوجی دستے میں ترجمان کی طرح طبیب بھی بھجواتے۔ گھوڑوں کی افزائشِ نسل کی بھی خاص حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

عہدِ نبویؐ میں فوجی مہموں کے لیے شروع میں صرف رضا کار مطلوبہ مقدار میں حسبِ ضرورت بھرتی کر لیے جاتے تھے، لیکن پھر مستقل فوج کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اقامتی جامعہ صفّہ اِس کی بنیاد بنا۔ اس میں رہنے والوں کی تعلیم و تربیت بھی اور قیام و طعام بھی حکومت کی طرف سے ہوتے اور فوری ضرورتوں پر ایک منٹ کے نوٹس پر، دن ہو کہ رات، اُن کے عریف کے ذریعے سے مطلوبہ تعداد میں سپاہی چُن کر بھیج دیے جاتے۔ پھر اِس میں مزید توسیع ہوئی۔ بظاہر یہ صرف دارالسلطنت مدینہ میں رہا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلامی چھاؤنیاں ہر صوبے میں قائم کی گئیں اور دیوان کے نام سے وظیفے جاری کیے گئے۔ اِس سے ہر سپاہی کو اطمینان ہو

گیا کہ اگر وہ اپنا کاروبار اور روزگار بند کر کے فوجی خدمت کے لیے چلا جائے تو اُس کے اہل و عیال بھوکے نہیں مریں گے۔ دیوان سے غیر مسلموں کو بھی وظیفے دیے گئے تاکہ وہ بھی حکومت کے وفادار اور خدمت گزار رہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ کو وظیفے دیے گئے اور حضرت عائشہؓ کو اوروں سے زیادہ دیا، مگر انہوں نے خود اسے لینے سے انکار کیا۔ سب سے زیادہ وظیفہ حضرت عباسؓ کو دیا، پھر غازیانِ بدر کو؛ خدماتِ اسلامی کو خاص طور پر ملحوظ رکھا۔ نوزائیدہ بچّے کو بھی وظیفہ جاری کیا، جو عمر کے ساتھ بڑھتا جاتا۔ وظیفے کی رقم کا تعیّن کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت اور تعلق کا بھی خیال رکھا جاتا تھا؛ چنانچہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ کے لیے پانچ ہزار درہم مقرر کیے اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کے لیے دو ہزار درہم۔

سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور دیگر اخراجاتِ حکومت کے بعد خزانے میں اس قدر کثیر بچت کا ہونا کہ اس طرح کے وظیفے جاری کر کے بھوک اور عدمِ پوشاک کو سارے ملک سے قطعاً دُور کر دیا جائے، رعیّت مسلمان ہو کہ غیر مسلم، اس کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ حکمران کی ذات کے مصارف ایک معمولی اوسط انسان کے برابر کر دیے گئے، نہ صرف سالانہ تنخواہ میں بلکہ عام مصارفِ سرکاری میں بھی، مثلاً حضرت عمرؓ شام کے دورے پر جاتے ہیں تو صرف ایک خادم کے ساتھ نکلتے ہیں؛ ہمراہ صرف ایک اونٹ ہے جس پر آقا اور غلام دونوں باری باری بیٹھتے ہیں۔ اتفاق سے منزلِ مقصود پر پہنچے تو غلام سوار تھا اور عمرؓ پیدل۔

۲۔ سرکاری ملازمین جو زیادہ تر عرب مسلمان ہی تھے، قلیل تنخواہ پر قناعت کرتے تھے اور قبلِ اسلام کی اُن کی فاقہ مستی اب یوں کام آئی کہ قلیل تنخواہ بھی اُنہیں سابق کی حالت سے بہتر معلوم ہوتی تھی اور وہ قناعت کرتے تھے، خاص کر اس لیے کہ خلیفہ اور گورنر انتہائی کفایت شعارانہ زندگی کا نمونہ پیش کرتے تھے۔

۳۔ یہ سرکاری ملازم دیانت دار تھے اور سرکاری مال میں تغلب تصرّف گویا بالکل ہی نہیں کرتے تھے۔ جب سپاہی مالِ غنیمت افسرِ متعلقہ کو لا دیتے تھے، تو اس میں جواہرات وغیرہ ایسی چیزیں بھی ہوتیں جن کا چوری سے چھپانا بہت آسان تھا، مگر وہ ایسا نہیں کرتے تھے اور اُس کی اطلاع ملنے پر حضرت عمرؓ بارہا عش عش کرتے تھے؛ کیوں نہ ہو کہ وہ خود بھی سرکاری خزانے سے ایک پائی ناجائز طور پر نہ لیتے اور خود ہی نہیں، اپنے سارے خاندان کی بھی اس بارے میں کڑی نگرانی رکھتے، مثلاً ایک بار گورنر ابوموسیٰؓ نے حضرت عمرؓ کی بیوی کو ایک قالین تحفہ بھیجا۔ اطلاع ملنے پر انہیں بُلایا، قالین ان کے سر پر دے مارا اور واپس کر دیا۔ خود ان کی چہیتی بیوی اُمّ کلثوم بنتِ علیؓ نے ایک مرتبہ قسطنطنیہ جانے والے سفیر کو چپکے سے ایک تحفہ سپرد کیا کہ میری طرف سے ہرقل کی بیوی کو پہنچا دینا۔ واپسی پر ایک بہت قیمتی جڑاؤ ہار آیا جو سفیر نے حضرت اُمّ کلثومؓ کو مخفی طور پر پہنچا دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو مسجد کے مجمعِ عام میں واقعہ بتا کر مشورہ کیا۔ سب نے کہا: "تحفے کے بدلے تحفہ، یہ بالکل جائز ہے"۔ انہوں نے کہا: "نہیں، نجی تحفہ سرکاری نامہ بر کے ہاتھوں بھیجا گیا اور بیوی سے معلوم کیا کہ اس کے اپنے بھیجے ہوئے تحفے کی مالیت کیا تھی۔ وہ رقم خزانے سے بیوی کو دلائی اور بوزنطی تحفہ بحقِ سرکار خزانے میں داخل کر دیا۔

بیت المال کا ایک شعبہ قرضِ حسنہ کے لیے مختص کیا۔ کوئی فردِ رعیت غیر پیدا آور ضرورت سے قرض لیتا تو وہ صرف اصل واپس کرتا۔ یہ طریق کار سُودی کاروبار کرنے والوں پر ضرب کاری ثابت ہوا اور اس طرح ملک سے سُود خواروں کا جو مصیبت زدوں کا خُون چوستے ہیں خاتمہ کر دیا گیا، لیکن اگر کوئی تاجر قرض لے کر کاروبار کرتا تو اس سے نفع کا نصف لے لیتے اور اگر اسے خسارہ ہوتا تو وہ صرف اصل کا ضامن سمجھا جاتا۔ وہ خود بھی اس طرح قرض لیتے اور کبھی اتفاق سے ادائی میں دیری کرتے، تو افسر بیت المال بھی عہدِ فاروقی کا افسر تھا، وہ اُن کو آ کر تنگ کرتا اور کسی نہ کسی طرح ادائی کرنی پڑتی۔

اس شعبے کے سلسلے میں ابوعبید نے لکھا ہے کہ جب سوس فتح ہوا تو وہاں حضرت دانیالؑ کی قبر پائی گئی جس میں ایک خزانہ بھی تھا اور ایک کاغذ پر لکھا ہوا تھا: "اس سے جو چاہے معیّنہ مدّت کے لیے قرض (بے سُود) لے سکتا ہے"۔ مشہور تھا کہ جو وقت پر ادا نہ کرتا اسے برص کی بیماری لگ جاتی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نمازِ جنازہ پڑھ کر لاش ادب و احترام سے (مخفی مقام پر) دفن کر دی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے تاکہ مروجہ خرافات کا خاتمہ ہو) اور خزانہ وہاں کے اسلامی بیت المال میں منتقل کر دیا جائے (غالباً بے سودی قرض میں اس سے بھی استفادہ کیا جانے لگا)۔

سماجی بیمہ بھی قابلِ ذکر ہے؛ عہدِ نبویؐ میں ۱ھ ہی سے سماجی بیمہ رائج نظر آتا ہے۔ اسے معاقل کہتے تھے اور زیادہ تر دو موقعوں پر کام آتا: (۱) اس وقت جب کوئی شخص قتلِ اتفاقی (غیر عمد) کا مرتکب ہوتا اور دیت (خون بہا) دینے کی ضرورت ہوتی؛ (۲) جب کوئی شخص دشمن کے ہاتھوں قید ہو جاتا اور رہائی کے لیے فدیہ دینا پڑتا۔ خون بہا اور فدیہ بہت گراں تھے، یعنی ایک سو اونٹ، "لکھ پتیوں" کے سوا کوئی اسے تنہا ادا نہ کر سکتا۔ نظامِ معاقل کے تحت ایسے واجبات متعلقہ شخص کے قبیلہ کی شرکت بیمہ ادا کرنے پر مجبور تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس میں توسیع ہوئی اور قبیلے کی جگہ چھاؤنی یا دفتر (دیوان) کے سارے متعلقہ لوگ اپنے رفیق کی مدد کرتے۔ بعد میں یہ ہر شہر بلکہ ہر شہر کے پیشہ وروں کی اساس پر بھی مروج ہو گیا۔

حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں وقتاً فوقتاً بازار کا دورہ کرتے اور شہر اور مضافات کا اکثر رات کو گشت لگاتے اور فوری ضرورتیں پوری کرتے۔ ایک دن ایک نووارد ناواقف غریب مسافر کی بیوی کی زچگی دیکھی۔ بھاگے ہوئے سرکاری سٹور پر آئے غلّہ لے جا کر خود پکا کر اسے کھلایا اور اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے گئے کہ زچہ کو مدد دے۔ جب اس نے اندر سے پکارا: امیر المؤمنین! اپنے دوست کو بیٹا ہونے کی خوشخبری دو، تو اس وقت مسافر کو معلوم ہوا کہ یہ کون شخص ہے۔ ایک دفعہ ایک گھر میں شراب کی مجلس دیکھی، پتہ کر لیا اور صبح کو بلا کر ڈانٹا۔ متعلقہ شخص نے انکار کیا۔ عمرؓ نے کہا: میں نے خود چھپ کر دیکھا ہے۔ کہا: خدا نے تجسس سے قرآن مجید میں منع کیا ہے۔ چپ ہو گئے اور اس دفعہ سزا نہ دی۔ ایک دفعہ ایک نیک بخت لڑکی کو اس کی ماں کہہ رہی تھی: "اٹھ اور دودھ میں پانی ملا" کہا: "اماں جان! امیر المؤمنین عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے" کہا: "بیٹی یہ رات کا وقت ہے، عمرؓ یہاں کہاں؟" حضرت عمرؓ نے صبح کو اپنے سارے بیٹوں کو بلا کر کہا: "ایک بڑی اچھی لڑکی ہے، تمہارا باپ اگر جوان ہوتا تو تم کو اپنے پر ترجیح نہ دیتا۔ کوئی ہے جو اس سے نکاح پر تیار ہو؟" عاصمؓ نے آمادگی ظاہر کی اور اس نکاح سے امِّ عاصم پیدا ہوئیں جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جیسے عظیم خلیفہ کی ماں ہیں۔

وہ ہر نماز کے بعد کچھ دیر مسجد میں بیٹھے رہتے اور ہر شخص ان سے گفتگو اور فریاد کر سکتا۔ وہ اپنے آپ کو ہر فرد کے سامنے جوابدہ سمجھتے اور ہر شخص ان پر اعتراض یا سوال کر سکتا۔

زندگی اتنی سادہ تھی کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک دن دوپہر کو دورے کے دوران میں غنودگی آئی تو ایک درخت کے نیچے بغیر فرش کے لیٹ کر سو گئے۔ اتفاق سے قیصرِ روم کا سفیر آیا اور دار الامارہ میں نہ پایا تو پوچھتے پوچھتے وہاں پہنچا جہاں وہ سو رہے تھے۔ بے ساختہ کہا: "میرا آقا ظلم کرتا ہے اور اسی لیے مارے ڈر کے پہرے کے بغیر کہیں نہیں رہ سکتا، تم عدل و انصاف کرتے ہو اس لیے اس طرح اطمینان سے سو سکتے ہو کہ کسی محافظ کی بھی ضرورت نہ ہو۔"

رعایا پروری کے لیے جہاں وہ کاروانی راستوں میں سرکاری سٹور جا بجا رکھواتے ہیں کہ مسافروں کو بروقت مدد ملے، وہیں وہ جانوروں کو بھی نہیں بھولتے: "نہ ان کے منہ پر مارو، نہ ان پر طاقت سے زیادہ بوجھ لادو۔" انہوں نے جانوروں کو خصّی کرنے سے بھی منع کر دیا تھا۔

ذاتی کردار

بڑے انصاف پسند تھے اور اپنی تقصیروں کو برملا قبول کر لیا کرتے تھے، بلکہ ضرورت سے زیادہ ہی۔ ایک دن نہا دھو کر جمعہ کی نماز کے لیے کپڑے پہن کر آ رہے تھے۔ حضرت عباسؓ کے گھر کے پاس سے گزرے تو اس کی اوپر کی منزل کے پرنالے سے ان پر گندہ پانی گرا (حضرت عباسؓ نے دو چوزے ذبح کیے تھے اور ان کا خون پرنالے سے بہا دیا تھا)۔ دفعِ مضرتِ عامہ کے اصول پر حضرت عمرؓ نے پرنالہ اکھڑوا دیا، لیکن جب حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ پرنالہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے نصب فرمایا تھا تو حضرت عمرؓ نے قسم دی کہ میرے کندھے پر چڑھ کر پرنالہ دوبارہ اس کی جگہ نصب کر دو۔

فقہ

انہوں نے فقہ کی ترقی اور اصولِ فقہ کی تدوین میں خاصا حصہ لیا ہے۔ علمِ قانون (اصولِ فقہ) کا آغاز تو اس حدیثِ نبویؐ سے سمجھا جانا چاہیے جس میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر جواب دیا تھا کہ اگر کوئی مقدمہ

میرے پاس آئے تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، اس میں صراحت نہ ملے تو سنتِ نبویہ کے مطابق، اس میں بھی کوئی چیز نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ حضرت عمرؓ پہلے شخص معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کے بعد اجماع اور قیاس کو ماخذ بنایا۔ اور یہ چیز اب تک چلی آ رہی ہے۔ قیاس کا ذکر ان کے مشہور مکتوب بنام ابو موسیٰ الاشعری میں بھی ہے۔ فقہ کی ترقی ان کے زمانے میں ہونی ناگزیر تھی۔ عہدِ نبویؐ کے فوراً بعد فتوح اور اجنبی اقوام سے میل جول کے باعث روز افزوں نت نئے مسائل پیدا ہوتے گئے اور ان کی بارہ سالہ خلافت میں ہر نیا فیصلہ نظیر بنتا گیا۔ عموماً یہ صحابہؓ سے مشورہ کے بعد کیا جاتا اس لیے وہ اجماع کی نمائندگی کرتا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں اس کے متعلق بہت کثیر مواد جمع کیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ مفروضات پسند نہیں کرتے تھے اور حقیقی پیش آمدہ حوادث پر رائے ظاہر کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ قرآنِ مجید میں بھی وہ مباحثوں سے روکتے تھے۔ علمِ فرائض (وراثت) کی تحقیق میں بھی ان کا بڑا حصہ ہے۔ وہ اگرچہ قرآنی آیتوں ہی پر مبنی ہے لیکن بعض صورتوں کی وضاحت نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث میں، مثلاً کسی شخص کے وارث بیوی، ماں، باپ اور دو بیٹیاں ہوں، تو قرآن مجید کے مطابق بیوی کو $\frac{1}{8}$، ماں کو $\frac{1}{6}$، باپ کو بھی $\frac{1}{6}$ اور بیٹیوں کو $\frac{2}{3}$ حصہ ملے گا، لیکن یہ $\frac{27}{24}$ ہو کر وحدت سے بڑھ جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عول کا حکم دیا کہ سب کے حصوں میں متناسب تخفیف کی جائے، مثلاً بیوہ کو $\frac{1}{8}$ کی جگہ $\frac{1}{9}$ ورثہ ملے۔ غالباً قرآن مجید کی تعبیر و منشا کے پیشِ نظر انہوں نے حکم دیا کہ مشرک مرد ہی سے نہیں نصرانی وغیرہ اہلِ کتاب مرد سے بھی مسلمان عورت کا نکاح حرام ہے؛ وہ صرف مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ زنائے محصنہ کے لیے رجم کی سزا عہدِ نبویؐ سے چلی آ رہی تھی؛ اسے انہوں نے برقرار رکھا اور اس کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ لوگ الزام لگائیں گے کہ عمرؓ نے قرآن میں زیادتی کی ہے تو میں قرآن مجید میں سزائے رجم کا حکم بھی (جو حدیث میں ہے) بڑھا دیتا۔ ان کے اس جملے سے کہ وہ کتاب اللہ میں ہے" مراد بظاہر یہ ہے کہ وہ تورات کا غیر منسوخ شدہ اور مسلمانوں پر واجب حکم ہے۔" چونکہ قرآن مجید (۶ [الانعام]: ۹۰) نے گزشتہ انبیاءؑ کی شریعتوں کے غیر منسوخ شدہ احکام مسلمانوں پر نافذ و برقرار رکھے ہیں، اس لیے اس تعبیر میں کوئی حرج بھی نہیں؛ البتہ ایک چیز میں وہ جدت دکھاتے ہیں: شراب کی سزا پر کوئی قوی حدیث نہیں ہے۔ بعض افعالِ نبویؐ کی تعبیر میں اختلاف بھی رہا ہے۔ عہدِ صدیقیؓ میں چالیس درّے لگائے جاتے رہے، جو افعالِ نبویؐ میں سے ایک ہے۔ حضرت علیؓ کی تائید اور غالباً عمومی مشورے سے انہوں نے کہا: قرآن میں شراب کی حرمت کے باوجود مرتکب کی سزا کا اگرچہ ذکر نہیں ہے، لیکن بدمست شخص چونکہ فحش کلامی اور قذفِ محصنات کا ارتکاب کرتا ہے، اس لیے شراب نوشی پر قذف ہی کی سزا دی جائے، یعنی اسّی درّے مارے جائیں۔ اصل میں مال و دولت کی ریل پیل اور غیر عرب نومسلموں کی کثرت سے شراب نوشی بھی ترقی کر رہی تھی۔ چونکہ ملک کے غیر مسلموں کو اسلامی قانون کا پابند نہیں کیا گیا تھا، اس لیے وہ بے تکلف شراب بناتے، بیچتے اور پیتے تھے۔ (شاید یہود و نصاریٰ کو عرب سے خارج کرنے کی ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ شراب کا حصول مسلمانوں کے لیے مشکل تر کر دیا جائے)۔ اس شدت کے باوجود وہ شرابیوں کو بھی نرمی ہی سے سمجھانے کا حکم دیتے تھے۔

مسجدِ نبویؐ میں لوگ نماز کے بعد یا نماز کے انتظار میں بیٹھ کر نجی گفتگو بھی کر لیا کرتے تھے۔ اس پر سختی سے منع کرنے کے بجائے مسجد سے متصل ایک نشست گاہ بنائی اور کہا کہ گپ شپ اور شعر بازی کرنی ہو تو وہاں جا کر بیٹھو، مسجد کے نمازیوں اور قرآن خوانوں کے لیے باعثِ حرج نہ بنو۔

عہدِ نبویؐ کے قانون میں "تبدیلی" کی ایک اور مثال ابو عبیدؒ نے کتاب الاموال میں لکھی ہے۔ نبطی، جو شمالی عرب میں عراق اور شام کے مابین بستے تھے، غلّہ اور زیتون کا تیل کاروانوں میں مدینے لایا کرتے تھے۔ مدینے میں گرانی بڑھی تو انہوں نے ان پر محصول درآمد (چنگی) کو آدھا، یعنی بجائے دس فیصد کے صرف پانچ فیصد کر دیا، ورنہ وہ غلّے پر دس فیصد چنگی لیتے تھے۔

اسلامی قانون کا ارتقاء عہدِ نبویؐ کے بعد فتووں سے ہوا۔ فتویٰ دینے کا حق ہر مسلمان عالم کو ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں نہ صرف عدل گستری بلکہ قانون سازی بھی ہمیشہ حکومت سے آزاد رہی۔ مفتیوں کا اختلافِ آراء عہدِ فاروقیؓ میں بھی رہا۔

عہدِ فاروقیؓ کی فوجی فتوحات سے مورخ دنگ رہ جاتا ہے کہ مٹھی بھر اور بے سروسامان بدو دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بیک وقت مقابلہ کرتے ہیں اور بعض اوقات مشترک سرحد کے منطقوں میں ایرانی اور رومی دونوں کی متحدہ قوت سے جنگ کرتے ہیں اور دس ہی سال میں تونس سے ترکستان تک اس طرح قبضہ کر لیتے ہیں کہ پھر تخلیہ تو کیا مقامی باشندے بغاوت بھی نہیں کرتے۔ اس کی ایک وجہ سیاسی ہے، یعنی نظم ونسق میں عدل اور رعایا پروری، مذہبی رواداری اور غیر مسلم رعیت کو انتہائی خود اختیاری دینا۔

ایک مشہور فوجی وانتظامی مثال سے (جس پر ڈخویہ DE GOEJE وغیرہ مستشرق بھی عش عش کرتے ہیں) اندازہ ہوگا کہ کیوں شام وعراق کے "مفتوح" لوگ مسلمان "حملہ آوروں" کو نجات دہندہ کی حیثیت سے قبول کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ہرقل کے زبردست جوابی حملے کے باعث بعض انتہائی آگے بڑھی ہوئی مسلمان فوجوں کو پیچھے ہٹا کر مقابلہ کرنے والی فوج کی تعداد بڑھانی مقصود تھی۔ اس سلسلے میں شہر حمص کا تخلیہ کیا گیا اور جاتے وقت مسلمان سپہ سالار نے وہاں کے وصول کیے ہوئے سارے ٹیکس مقامی غیر مسلم اور ذمّی رعایا کو واپس کر دیے اور کہا کہ ٹیکس کے معاوضے میں حفاظت کرنی لازم ہے؛ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے تو تمہارا مال بھی نہیں کھا سکتے۔ حمص والوں نے ان کو آنسو بہاتے ہوئے الوداع کیا اور دعا کی کہ جلد واپس آؤ۔

وصیّت، وفات اور جانشینی

سارے مسلمان مؤرخ ان کی وفات کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ ابولؤلؤ فیروز نامی ایک ایرانی (عیسائی یا مجوسی) غلام مدینے میں رہتا تھا۔ جب کبھی شہر میں کم عمر (ایرانی) غلام بچے دیکھتا تو آ کر ان کا سر سہلاتا اور رو کر کہتا، عربوں نے میرا جگر کھا ڈالا ہے۔ وہ کاریگر اور بڑا دستکار تھا۔ ایک دن اس نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اس کے مالک نے اس پر جو روزانہ اجرت لگائی ہے وہ سخت ہے۔ کاریگرے اس کے پیشے کا سُن کر فرمایا: یہ تو کچھ گراں نہیں (اور اس سے تو وعدہ نہ کیا، لیکن بروایت امام بخاریؒ "واقعۃً" بعد میں اس کے لیے اس کے مسلمان مالک سے سفارش کی)۔ ابولؤلؤ حضرت عمرؓ کے جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ کچھ تلخ جواب دے کر اپنے بعض دیگر ہم وطنوں کے پاس پہنچا اور ان لوگوں سے ایک خنجر مستعار لیا۔ اتفاق سے اس کی کانا پھوسی کے وقت ایک مسلمان کا وہاں گزر ہوا تو گھبرایا اور بے اختیار وہ خنجر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ مسلمان نے اس وقت اسے کوئی اہمیت نہ دی اور چلا گیا۔ فجر کے وقت جب حضرت عمرؓ مسجد میں امامت کے لیے محراب کی طرف جا رہے تھے تو ابولؤلؤ نے انہیں مہلک طور پر زخمی کر دیا، اور جب گرفتار کر لیا گیا تو خودکشی کر لی۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کو بعض جدید مؤرخین مثلاً محمد حسین ہیکل اور عباس محمود العقاد وغیرہ نے اہل فارس کی سازش قرار دیا ہے۔

زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید مجھے ولی عہد بنانا چاہتے ہیں اور دریافت سے قبل ہی بے ساختہ ان سے کہا: "نہیں خدا کی قسم، میں اس میں کبھی نہیں پڑوں گا۔"

طبیبوں نے ان کا علاج کرنا چاہا، لیکن ان کی آنتیں کٹ گئی تھیں اور ابھی جراحی نے اتنی ترقی نہ کی تھی کہ آنتوں کو سیا جائے، لہٰذا عرض کیا گیا کہ جو وصیت کرنی ہو جھٹ پٹ کر لیں۔ آدمی اس پر متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکے گا کہ ایک غیر مسلم کے ہاتھوں زخمی ہونے کے باوجود بستر مرگ پر انہوں نے وصیت کی کہ غیر مسلم رعیت کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ بیت المال کا کچھ قرض تھا، بیٹے کو تاکید کی کہ وہ فوراً ادا کر دیا جائے۔

سب سے اہم مسئلہ جانشینی کا تھا۔ اپنی ساری مدت خلافت میں وہ اس پر غور کرتے رہے۔ کسی نے ولی عہد کے تعین کا مشورہ دیا تو کہا: اگر نامزد کروں تو مجھ سے بہتر شخص (یعنی ابوبکرؓ) کی نظیر موجود ہے؛ نہ کروں تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ کئی بار کہا تھا: اگر ابوعبیدہؓ بن الجراح زندہ رہتے تو ان کو یا اگر سالمؓ مولی ابوحذیفہؓ زندہ رہتے تو ان کو بے تذبذب جانشین مقرر کر دیتا (سالم بڑے قاری اور ایرانی تھے)۔

آخر انتخاب کا کام ایک کمیٹی کے سپرد کیا۔ امام مسلمؒ اور ابویعلیٰؒ کی روایت سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ شوریٰ اپنے زخمی ہونے سے بہت پہلے ایک دن خطبۂ جمعہ میں کیا تھا۔ مگر بہرحال اور شاید مکرر توثیق کے طور پر، بستر مرگ پر کہا کہ عشرۂ مبشرہ میں سے جو لوگ زندہ ہیں (اور ایسے سات لوگ تھے، لیکن ان میں سے اپنے رشتہ دار سعید بن زیدؓ کو انتہائی تقویٰ سے خارج کر دیا)، وہ اپنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں، یعنی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ۔

چونکہ چھ ارکان میں مساوی آراء کی صورت میں پیچیدگی پڑ سکتی تھی، اس لیے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو ساتواں رُکن اس شرط اور صراحت سے مقرر کیا کہ وہ خود منتخب نہ کیے جائیں اور وہ خود رائے صرف اس وقت دیں جب رائیں برابر بٹ جائیں اور خود بیٹے کو ہدایت دی کہ ایسی صورت میں اپنی فیصلہ کن رائے اس اُمیدوار کو دینا جس کے لیے عبدالرحمٰن بن عوف نے رائے دی ہو۔ پھر خود ہی کہا کہ بیٹے کا یہ تقرر اس کے لیے تعزیت کے طور پر ہے۔ بخاری کی اس روایت میں مزید برآں یہ ہے: "اگر انتخاب سعدؓ بن ابی وقاص کا ہو تو پھر کوئی سوال نہیں، لیکن اگر وہ منتخب نہ ہوں تو میرے جانشین کو معلوم ہو کہ میں نے انہیں گورنری سے عدم قابلیت یا خیانت کے باعث معزول ہرگز نہیں کیا ہے، وہ ان سے ضرور استفادہ کرے۔ مزید برآں میں اپنے خلیفہ (جانشین) کو مہاجرین اوّلین کے متعلق وصیت کرتا ہوں کہ ان کے حقوق کا لحاظ کرے اور ان کی حرمت ملحوظ رکھے۔ انصار سے بھی اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو (قرآنی الفاظ میں مہاجرین کے مدینہ آنے سے قبل) یہاں رہتے تھے اور ایمان لا چکے تھے؛ اس لیے چاہیے کہ ان میں سے جو اچھا کام کرے اس کی قدر کی جائے اور جو برائی کرے اسے معاف کر دیا جائے۔ میں اسے شہروں میں رہنے والوں کے متعلق اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں کہ یہی اسلام کی پناہ گاہ ہیں، آمدنی کا ذریعہ ہیں اور دشمن کے غیظ کا باعث ہیں، اس لیے ان سے ایسا ہی ٹیکس لیا جائے جو وہ آسانی سے اور خوشی سے دے سکتے ہوں۔ میں اسے خانہ بدوشوں (بدوؤں) سے بھی اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں کہ عرب قوم کی اصل اور اسلام کی اساس یہی ہیں اور چاہیے کہ ان سے ٹیکس ان کے فالتو مال سے لیے جائیں اور وہ بھی انہی میں کے فقیروں میں بانٹ دیے جائیں؛ میں اسے اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمیوں (غیر مسلم رعایا) کے متعلق بھی وصیت کرتا ہوں کہ ان سے کیے ہوئے معاہدے پورے کیے جائیں، ان کی حفاظت کے لیے جنگ کرنی ہو تو کی جائے اور ان پر ان کی سکت اور طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ سرکاری غلاموں میں سے جو مسلمان ہوں وہ بھی سب آزاد کر دیے جائیں۔"

وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس دفن کیا گیا۔ ولید بن عبدالملک کی خلافت کے زمانے میں مزار نبویؐ والے حجرے کی ایک دیوار کسی وجہ سے منہدم ہو گئی اور ایک پاؤں نظر آیا۔ ماہرین نے بتایا کہ حضرت عمرؓ کے مرقد کی جگہ ہے۔ اس کی وجہ المسعودی نے یہ لکھی ہے کہ چونکہ بہت طویل القامت تھے، اس لیے ان کو جب دفن کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے کندھے کے برابر لٹایا گیا تو حجرۂ مبارک ان کے لیے کافی نہ ہو سکا، اس لیے ان کے قدموں کے لیے جگہ پیدا کرنے کے لیے حجرۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار کے پائے میں نقب لگانی پڑی۔ پائے سے محروم دیوار ہی میں یہ حادثہ پیش آیا تھا۔

اُن کے قاتلوں کا حشر

حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے تو لازماً حضرت عمرؓ کے قتل کے نتائج میں مشغول ہونا پڑا۔ راست قاتل ابولؤلؤ نے خودکشی کر لی تھی۔ ابولؤلؤ کو خنجر مہیا کرنے والوں یعنی ہُرمُزان اور جُفینہ کو بھی، اور ابولؤلؤ کی بیٹی کو بھی، عبیداللہ بن عمرؓ نے جوشِ غضب میں قتل کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ہُرمُزان کے بیٹے کو بُلا کر کہا کہ یہ (عبیداللہ) تیرے باپ کا قاتل ہے؛ اسے لے جا اور قصاص میں قتل کر لے، مگر اس نے کہا: "میں اللہ اور مسلمانوں کے لیے قصاص سے درگزر کرتا ہوں"۔ اس پر لوگ اتنے خوش ہوئے کہ اسے اپنے ہاتھوں اور سَروں پر بٹھا کر اس کے گھر پہنچایا۔ جُفینہ نصرانی تھا اور ابولؤلؤ کی بیٹی مجوسی تھی۔ ان کی حد تک قصاص نہیں، صرف دیت عائد ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ اپنی جیب سے ادا کر دی اور عبیداللہ پر عائد نہ کی۔

اسلام کا قلعہ

زید بن وہبؒ سے مروی ہے: "میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ایک آیت پڑھنے کے لیے گیا۔ انہوں نے مجھے یہ آیت اس طرح اور اس طرح پڑھائی۔ میں نے عرض کی: عمرؓ نے تو یہ آیت اس اس طرح پڑھائی تھی۔"

آپ حضرت عمرؓ کو یاد کر کے رونے لگے اور فرمایا: "اسی طرح پڑھا کرو جس طرح عمرؓ پڑھا گئے ہیں۔ عمرؓ تو اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے کہ لوگ اس میں داخل ہو سکتے تھے، مگر نکل نہ سکتے تھے۔ جب وہ قتل کر دیے گئے تو وہ قلعہ ٹوٹ گیا۔ اب لوگ اسلام سے نکل سکتے ہیں۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے آفتاب سے ہاتھ کیسے ملایا؟

(مولانا) سعید انصاری (ندوی)

حضرت عمرؓ کا پورا نام یہ ہے: عمر بن الخطاب ابو حفص العدوی القرشی، صحیح بخاری میں اسی طرح منقول ہے۔

عمرؓ نام تھا اور نام ہی سے مشہور تھے، آنحضرت صلعم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، ابو موسیٰؓ، حذیفہؓ، انسؓ، عبداللہؓ بن شداد، اسلم عدوی اور اکثر صحابہ نے اُن کا یہی نام لیا ہے۔

ابو حفص کنیت تھی، جو بہت کم مذکور ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

اخبرنی ابو حفص یعنی عمر بن الخطاب (مجھ کو ابو حفص نے خبر دی، اس سے مُراد حضرت عمرؓ ہیں)

باپ کا نام خطّاب تھا اور اس سے ہر شخص واقف تھا۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں عرض علیّ عمر بن الخطاب (عمرؓ بن الخطاب میرے سامنے پیش کیے گئے۔) دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔ ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب (پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن الخطابؓ کو دیا)

جابرؓ کے واقعہ میں ارشاد ہوا اخبر ذاک ابن الخطاب (اُس کی خطّاب کے بیٹے کو اطلاع کر دو) غزوۂ حدیبیہ میں فرمایا یا ابن الخطاب انی رسول اللہ (اے خطاب کے بیٹے! میں خدا کا رسول ہوں)

صحابہ میں سے حضرت ابو بکرؓ، جابرؓ، ابن عباسؓ، عبداللہؓ بن ہشام، اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہؓ، ابو ہریرہؓ وغیرہ نے اس نسبت سے اُن کا نام لیا ہے۔

کفارِ مکہ بھی اُن کو اسی نسبت سے پکارتے تھے، چنانچہ جب وہ مسلمان ہوئے تو لوگوں نے کہا نریدِ ھذا ابن الخطاب الذی صبأ (ہم خطاب کے بیٹے کے پاس جاتے ہیں، جو مرتد ہو گیا ہے)

ابوسفیان نے غزوۂ اُحد میں آواز دی: فی القوم ابن الخطاب؟ (کیا قوم میں خطاب کے بیٹے ہیں؟)

بن حصن فزاری آیا تو کہا: عنی یا ابن الخطاب، (ڈانٹ کر) اے ابن خطاب!

حضرت عمرؓ کا خاندان بنو عدی تھا، بخاری میں ہے القرشی العدوی۔ عمرؓ نے خود بھی اپنے مُورثِ اعلیٰ کا نام عدی بن کعب بتلایا ہے۔

بنو عدی قریش کی ایک شاخ تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

جب یہ آیت وانذر عشیرتک الاقربین (اور اپنے قریبی اعزّہ کو ڈراؤ) نازل ہوئی، تو آنحضرت صلعم نے آواز دی:

یا بنی فھر، یا بنی عدی!

اس کے بعد ابن عباسؓ فرماتے ہیں لبطون قریش (یہ قریش کے بطن تھے)

آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنو عدی نہ صرف قریشی تھے بلکہ آنحضرت صلعم کے قریبی رشتہ دار تھے۔ الاقربین!

آنحضرت صلعم نے جنّت میں حضرت عمرؓ کا مکان دیکھا تو پوچھا یہ کس کا ہے؟ جواب ملا: لرجل من قریش (ایک قریشی کا)

حضرت عمرؓ نے خود بنو عدی کو قریش کی شاخ کہا ہے۔

ولادت

بخاری سے اُن کا زمانہ ولادت معلوم نہیں ہوتا۔

زمانۂ جاہلیت

دینِ ابراہیمی اگرچہ نیست و نابود ہو چکا تھا، اور بیتُ اللہ کے در و دیوار بت پرستی کا مظہر بن گئے تھے، تاہم حضرت عمرؓ کا خاندان دعوتِ ابراہیمؑ سے نا آشنا نہ تھا۔ زید بن عمرو بن نفیل (حضرت عمرؓ کے ابنِ عم) زمانۂ جاہلیت میں پہلے شخص تھے جن کو کفر و شرک کی ظلمتوں میں توحید کی روشنی نظر آئی اور انھوں نے پکار کر کہا اللّٰھم انی اشھدک انی علیٰ دین ابراھیم (خداوندا! میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں ابراہیم کے مذہب پر ہوں اور قریش سے یوں مخاطب ہوئے یا معشر قریش، واللہ ما منکم علیٰ دین ابراھیم غیری (اے قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم میں کوئی ابراہیم کے مذہب پر قائم نہیں)، وہ بتوں کے نام کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ دَرگور کرنے کے مخالف تھے۔

حضرت عمرؓ اُنہی کے بھائی تھے اس لیے ان کے کان میں یہ آواز پڑ چکی تھی اور اُن کی فطرتِ سلیمہ نے اُن کو راہِ حق پر ڈال دیا تھا، چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نیک کاموں کی طرف راغب اور رضائے الٰہی کے متلاشی رہتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلعم سے عرض کی کہ میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجدِ حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ ارشاد ہوا تم اپنی نذر پوری کرو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے وہ زمانہ جاہلیت میں اعتکاف کرتے تھے، مسجدِ حرام میں رات رات بھر رہنا اور خدا کی ذات کے متعلق غور کرنا یقیناً اسی "تحنث" کی ایک جھلک تھی جس کو نبوت سے پہلے حضور سرورِ کائنات (صلعم) اور حضرت ابراہیمؑ نے اختیار کیا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمرؓ دوسرے قریشی تھے جنھوں نے دعوتِ ابراہیمؑ کو لبیک کہنے کی کوشش کی۔

وہ والدین کی نہایت عزّت کرتے تھے اور اس میں اس قدر مبالغہ کیا تھا کہ اُن کی قسم کھاتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلعم نے عمرؓ بن الخطاب کو دیکھا کہ ایک جماعت کے ساتھ چلے جا رہے ہیں اور اپنے باپ کی قسم کھا رہے ہیں تو ارشاد فرمایا، "خبردار، خدا تم کو باپ کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی فطرتِ سلیمہ کی بنا پر اسلام سے ہمدردی پیدا ہوئی چنانچہ اُن کی ہمشیرہ اور سعید بن زید نے اسلام قبول کیا تو گو وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم ان لوگوں کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ حضرت سعید بن زید نے ایک موقع پر اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب عمر مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر مضبوط کرتے تھے حالانکہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور تم لوگوں نے عثمان کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے کہ اگر اُحد شق ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں مخالفوں کو بھی اسلام سے ہمدردی تھی، اور اب مسلمان کو مسلمان سے ہمدردی نہیں ہے۔ چنانچہ عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ وہ سلوک تھا اور تمہارا خلیفہ (حضرت عثمانؓ) کے ساتھ یہ سلوک ہے۔

زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں بھی حضرت عمر کا پیشہ تجارت تھا اور وہ اس سلسلہ میں دور دراز مقامات کا سفر گوارا فرماتے تھے چنانچہ ایک موقع پر اس کو خود ظاہر کیا ہے "بازاروں کی تجارت نے مجھ کو مشغول کر لیا۔"

اسواق، سوق کی جمع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف بازاروں میں جاتے تھے اسی بناء پر مفسرین نے اس کی تفسیر کی ہے (الخروج الی التجارۃ (تجارت کے لیے نکلنا)

قبولِ اسلام

حضرت عمر عقلاءِ زمانہ میں تھے ان کی فطرت نہایت صالح تھی اور طبیعت میں قبولِ حق کا مادہ موجود تھا۔ ان باتوں کے ساتھ ان کے اعمالِ صالحہ نے ان کو جادۂ اعتدال کے قریب کر دیا تھا۔ اس لیے وہ بعثتِ نبویؐ سے پیشتر ہی اسلام کی طرف راغب ہو گئے، صحیح بخاری میں ان کے اسلام لانے کا نہایت دلچسپ قصہ منقول ہے اور چونکہ خود انہی کی زبانی ہے اس لیے زیادہ مستند ہے ہم اس کو اس مقام پر بلفظہٖ نقل کرتے ہیں:

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب کسی شے کے متعلق یہ کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ گمان ہے، تو ان کے گمان کے مطابق ظاہر ہوتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے، ایک حسین شخص نکلا —— حضرت عمرؓ نے فرمایا، ممکن ہے میرا خیال غلط ہو، یا تو یہ شخص اپنے جاہلی مذہب پر قائم ہے، اور یا یہ کاہن تھا، اس کو بلاؤ۔ وہ آیا تو حضرت عمرؓ نے اپنا خیال ظاہر کیا، اس نے کہا ایسا دن کسی مسلمان پر نہ آیا ہوگا، حضرت عمرؓ نے کہا مجھ کو صرف واقعہ معلوم کرنا مقصود ہے، اُس نے جواب دیا جاہلیت میں کاہن تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تمہارا جن سب سے عجیب تر کیا خبر لایا تھا؟ بولا ایک روز میں بازار میں تھا جن گھبرایا ہوا آیا اور کہا کیا تم نہیں دیکھتے جن اور ان کے تحیر کو، اور انقلاب کے بعد اُن کی مایوسی کو، اور ان کا جوان اونٹنی والوں سے ملنے کو (یعنی اہل عرب)

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ شخص سچ کہتا ہے، ایک روز میں مشرکین کے معبودوں کے قریب سو رہا تھا، ایک شخص گوسالہ لے کر آیا اور اُس کو ذبح کر دیا، اس کے بعد ایک آواز آئی میں نے اس سے زیادہ تیز آواز کبھی نہیں سُنی، یہ شخص چلا کر کہہ رہا تھا اے جلیح! ایک کامیاب چیز ہے، ایک فصیح شخص کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ لوگ اٹھے لیکن میں نے کہا مجھے ابھی یہیں ٹھہر کر پتہ لگانا چاہیے کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے اس شخص نے پھر پکارا، اے جلیح! کامیاب چیز ہے ایک فصیح شخص لا الٰہ الا اللہ کہہ رہا ہے اس وقت میں اُٹھا، اس کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہوا۔

امام بخاری نے باب اسلام عمر بن الخطاب کا عنوان قائم کیا ہے اس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا مشرکین بکثرت اُن کے مکان پر جمع ہو گئے اور کہنے لگے صبا عمر، عمر، بے دین ہو گئے!

اللہ اکبر! عمر بن الخطاب کے اسلام لانے کا یہ اثر ہے کہ کفر کی بنیادیں ہل گئی ہیں اور مشرکین کا ٹڈی دل اُمنڈ آیا ہے۔ کیا یہ شرک کا پیغام موت، کفر کا لمحۂ آخر اور رذائلِ اخلاق کے انسداد کا دیباچہ تھا؟ تھا اور یقیناً تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

فرماتے ہیں:

ما زلنا اعزۃ منذ اسلم عمر، عمرؓ جب سے مسلمان ہوئے ہم لوگ غالب آتے گئے۔ حضرت عمرؓ کے لیے اس سے بڑھ کر کیا فخر ہو سکتا ہے کہ ان کا اسلام، اعلاءِ کلمۃ اللہ، غلبۂ ایمان، نصرتِ توحید، اشاعتِ حق، ازالۂ کفر، امحاءِ باطل کا سبب ثابت ہوا۔

روایاتِ کاذبہ

واقعہ کی سادہ صورت تو یہ تھی جو صحیح بخاری کے حوالوں سے مذکور ہوئی، لیکن مسند ابن حنبل اور طبقات ابن سعد کی روایات میں جو رنگ آمیزیاں ہیں اب اُن کو منظرِ عام پر لانے کا وقت آگیا ہے، ان کتابوں میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا قصہ دوسری طرح منقول ہے۔

مسند میں ہے کہ حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پیشتر رسول اللہ صلعم سے "تعرض" کرنے کے لیے نکلے، آپ مسجد میں جا چکے تھے اور نماز شروع کر دی تھی، یہ پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے سورۂ الحاقہ شروع کی تو ان کو قرآن کے الفاظ پر سخت تعجب ہوا اور کہنے لگے، خدا کی قسم! یہ شاعر ہے، جیسا کہ قریش کہا کرتے ہیں۔ آپ نے یہ آیت پڑھی انه لقول رسول کریم وما هو بقول شاعر، (یہ رسولِ کریم کا قول ہے، شاعر کا قول نہیں) اب ان کو خیال پیدا ہوا کہ آپ کاہن ہیں، آپ نے آیت پڑھی ولا بقول کاهن! (یہ کاہن کا قول نہیں) جب سورۃ ختم ہوئی تو حضرت عمرؓ پر خاص اثر پڑا اور اسلام نے دل میں جگہ کر لی۔

یہ حدیث روایت کے لحاظ سے منقطع ہے، اس کے راویِ اوّل شریح بن عبید ہیں جن کا حضرت عمرؓ سے لقاء ثابت نہیں، وہ شام کے رہنے والے تھے لیکن شام میں جو اکابر صحابہ موجود تھے، ان کو بھی نہ دیکھ سکے پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔ ان سے صفوان بن عمرو نے روایت کی ہے، وہ بعض مناکیر کے ناقل ہیں۔

ابن سعد کی روایت میں واقعہ کی شکل اس سے بھی زیادہ بدنما ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر تلوار باندھ کر نکلے، راستہ میں بنو زہرہ کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ پوچھا: کہاں کا قصد ہے؟ جواب دیا "محمدؐ کے قتل کو جاتا ہوں"، اس نے کہا اگر تم محمد صلعم کو قتل کرو گے، تو بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیا اطمینان ہوگا، جواب دیا معلوم ہوتا ہے تم بھی بے دین ہو گئے ہو اور قدیم مذہب چھوڑ دیا ہے اس نے کہا میں تم کو اس سے زیادہ تعجب انگیز بات بتلاتا ہوں۔ تمہارے بہنوئی اور بہن بھی بے دین ہو گئے ہیں اور تمہارا مذہب چھوڑ دیا ہے حضرت عمر غضبناک ہو کر پلٹے اور بہن کے گھر آئے، وہاں ایک مہاجر جن کا نام خباب تھا بیٹھے ہوئے پڑھا رہے تھے انھوں نے حضرت عمرؓ کی آہٹ پائی تو مکان کے کسی حصہ میں چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ نے اندر جا کر پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ یہ لوگ سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے، جواب دیا ہم جو روزمرہ گفتگو کرتے ہیں یہ اس کے علاوہ ایک چیز ہے کہا شاید تم دونوں بے دین ہو گئے ہو، بہنوئی بولے عمر! ممکن ہے کہ حق تمہارے مذہب کے علاوہ کہیں اور ہو، حضرت عمرؓ یہ سنتے ہی اچھل پڑے اور ان پر سوار ہو کر روندنا شروع کر دیا، بہن اپنے شوہر کو بچانے آئیں تو اس زور سے تھپڑ مارا کہ چہرہ لہولہان ہو گیا، انھوں نے غصہ ہو کر کہا: عمر! حق تمہارا مذہب نہیں، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ! جب حضرت عمرؓ مایوس ہو گئے تو کہا اچھا مجھ کو اپنی کتاب دکھاؤ میں بھی پڑھوں گا۔ راوی کا بیان ہے کہ عمر کتابیں پڑھا کرتے تھے، ان کی بہن بولیں، تم ناپاک ہو اور اس کو صرف پاک لوگ چھو سکتے ہیں، تم اٹھ کر غسل یا وضو کرو۔ حضرت عمر نے اٹھ کر وضو کیا پھر کتاب لے کر سورۂ طٰہٰ پڑھنا شروع کی، جب اس آیت انني انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدني واقم الصلوٰۃ لذکری، پر پہنچے، تو دفعتہً حالت متغیر ہو گئی، کہا مجھ کو محمد صلعم، کے پاس لے چلو خباب نے یہ جملہ سنا تو اندر سے نکل آئے اور کہا اے عمر البشارت ہو جمعرات کی شب کو رسول اللہ صلعم نے دعا کی تھی اللّٰھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ھشام، میں سمجھتا ہوں کہ یہ دعا تمہارے حق میں مقبول ہوئی۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اس زمانہ میں کوہِ صفا کی تلی میں مقیم تھے حضرت عمر آپ کے آستانہ پر پہنچے، تو دروازہ پر حمزہ طلحہ اور چند صحابہ پہرہ دے رہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے لوگ حضرت عمر کو دیکھ کر خوف زدہ ہوئے لیکن حضرت حمزہ نے کہا، ہاں! (عمر ہیں) اگر خدا کو اچھا کرنا منظور ہے تو مسلمان ہو جائیں گے اور رسول اللہ صلعم کا اتباع کریں گے اور اگر کسی دوسرے ارادہ سے آئے ہیں تو ہم آسانی سے ان کو قتل کر دیں گے۔ آنحضرت صلعم اس وقت مکان کے اندر تشریف فرما تھے اور وحی کی کیفیت طاری تھی۔ آپ باہر نکل آئے اور حضرت عمر کا دامن اور تلوار کا پرتلہ پکڑ کر فرمایا، عمر! کیا جو ذلت اور رسوائی ولید بن مغیرہ کے لیے خدا نے نازل فرمائی جب تک وہ تیرے لیے نازل نہ ہوگی تو باز نہ آئے گا؟ خداوندا یہ عمر بن خطاب ہے خداوندا تو دین کو عمر بن خطاب کے ذریعے عزت دے" حضرت عمرؓ فوراً پکار اُٹھے۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، اس کے بعد کہا اب آپ باہر نکلیں!

یہی روایت ہے جو تاریخ کی کتابوں میں اس قدر دلچسپ انداز سے لکھی گئی ہے کہ سحر سامری بن گئی ہے لیکن خدائی کا یہ طلسم عنقریب درہم برہم ہو جائے گا، اس روایت کے راوی اول حضرت انسؓ ہیں جو اس واقعہ کے وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، ان سے قاسم بن عثمان بصری نے سُنا ہے جو مجہول الحال ہے، اسکے راوی اسحاق بن یوسف ازرق ہیں، ان کے متعلق ابن سعد نے لکھا ہے

آفتابِ عدل

عدل ہی احسان ہے بہرِ نظامِ کائنات
ہے اسی معیار پر ہر واردات ہست و بود
معجزاتِ رحمۃ للعالمینی کا شہود
آفتابِ عدل ہے فاروقِ اعظم کا وجود

ابوالاثر حفیظ جالندھری مرحوم

کہ بعض اوقات روایت میں غلطی کرتے تھے۔

اس روایت میں چونکہ حضرت عمرؓ کی درشت خوئی، سخت گیری اور کفر پرستی کے مناظر دکھائے گئے ہیں اس لیے رجال کی کتابوں میں اس کے متابعات بھی نظر آتے ہیں مثلاً لبنیہ کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے "میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں"۔ زنیرہ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عمر اُن کو بھی ستایا کرتے تھے۔

اب ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایات ہیں جو حضرت عمر کی فطری سلامت روی اور حق پرستی کو ظاہر کرتی ہیں، دوسری طرف مزخرفات کا یہ دفتر بے پایاں ہے جو ان میں گذشتہ اوصاف سے متعارض صفات تسلیم کراتا ہے ناظرین انصاف کریں کہ ان میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے ؟ جو شخص زمانۂ جاہلیت میں اعمالِ صالحہ کرتا ہو، محبِ اسلام ہو، نبوت سے پیشتر اسلام کی بشارت پا چکا ہو، کیا اس سے اس قسم کے واقعات سرزد ہو سکتے ہیں ؟ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم۔

قبولِ اسلام کا زمانہ

حضرت عمرؓ نے قبولِ اسلام کا شرف کس زمانہ میں حاصل کیا؟ اس کی بخاری میں کوئی تصریح نہیں لیکن قیاس تاریخی کا یہ فتویٰ ہے، کہ آغازِ عہدِ نبوت تھا۔ مرض الموت میں ایک نوجوان نے ان کے سامنے یہ الفاظ کہے۔" اے امیر المومنین! خدا نے آپ کو رسول اللہ صلعم کی صحبت اور سبقتِ اسلام کے ذریعے سے جس کو آپ جانتے ہیں، جو بشارت دی ہے آپ اس سے خوش ہوں۔"

ایک غلط فہمی کی تردید

حضرت عمرؓ کے اسلام کے متعلق قرنِ اول میں ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی جس کو نافع نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں، لوگوں کا خیال ہے کہ ابن عمرؓ، حضرت عمرؓ سے قبل ایمان لائے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں، پھر اصل واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ میں حضرت نے عبد اللہؓ کو گھوڑا لانے کے لیے ایک انصاری کے پاس بھیجا تھا، اور وہ ہتھیار سجا رہے تھے، عین اسی وقت آنحضرت صلعم نے درخت کے پاس بیعت لی، حضرت عمر کو اس کی خبر نہ تھی۔ عبد اللہ نے پہلے بیعت کی پھر گھوڑا لے کر آئے اور حضرت عمرؓ کو بیعت کے واقعہ سے آگاہ کیا۔ وہ ان کو ساتھ لے کر گئے اور رسول اللہ سے بیعت کی، یہی واقعہ ہے جس کی بنا پر لوگ مشہور کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ، حضرت عمرؓ سے قبل مسلمان ہوئے۔•

• حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے متعلق سعید انصاری (مرحوم) کی یہ تحریر منفرد ہے ــــ لیکن دوسری روایات پر تنقید کرتے وقت انہوں نے ان میں بیان کردہ واقعات کو جس طرح جھٹلایا ہے اور ان کی جو یہ تعبیر کی ہے کہ اس میں حضرت عمرؓ کی فطری سلامت روی ثابت نہیں ہوتی، تو اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اگر حضرت عمرؓ کا غصہ اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنائے ہوئے تھا، تو یہ زمانۂ جاہلیت کی بات ہے، اس سے ان کی عظمت کسی طور متاثر نہیں ہوتی ہم نے کیونکہ زیرِ نظر شمارے میں محققین اور مؤرخین کی آرا انہی کے الفاظ میں دی ہیں، اس لیے مختلف واقعات کی تعبیر اور تشریح میں بھی مختلف مضامین میں اختلاف نظر آ سکتا ہے۔ قارئین کس رائے کو وزنی سمجھتے ہیں یہ ان کی اپنی صوابدید ہے۔ ہم نے اس مضمون کو اس لیے اپنے صفحات میں جگہ دی ہے کہ منفرد ہے اور حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے بارے میں معروف و مشہور روایات سے ہٹ کر قاری کی توجہ ایک اور طرف مبذول کراتا ہے۔ (ایڈیٹر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے حضرت عائشہ کا خواب سچ کر دکھایا

نواز رومانی

حدِ نظر تک ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ زید بن عمرو مکہ معظمہ سے باہر ایک پتھر پر بیٹھا دور افق میں سورج کے ڈوبنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے صحرا کے کنارے آگ لگنے سے انگارہ ہو گئے ہوں۔ ماحول پر پُراسرار خاموشی مسلط تھی معاً زید بن عمرو کے لبوں کو جنبش ہوئی اور اس کی پُرکشش بلند آواز فضا میں اُبھری:

اربا واحدا ام الف رب ادین اذا تقسمت الامور
فلا العزی ادین ولا ابنتیھا ولا صنمی بنی طسم ادیر

(ایک رب کو مانوں یا ہزاروں کو جبکہ امور تقسیم ہو گئے ہیں۔ میں نہ عزیٰ پر ایمان رکھتا ہوں نہ اس کی بیٹیوں پر اور نہ بنی طسم کے بتوں پر)

زید بن عمرو کے اس نعرہ مستانہ اور خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت کے روح افزا گیت نے عجیب سماں پیدا کر دیا لیکن مکہ کے اندر جہاں کفر و شرک کے تیز جھکڑ چل رہے تھے اور ظلمتوں کے پہرے تھے کوئی اس آواز کو سننا پسند نہیں کرتا تھا۔ بعثتِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرصہ قبل جب اس موحد نے بت پرستی کو خیرباد کہا اور بتوں کا ذبیحہ کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا تو ایک دن اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"کیا اللہ آسمان سے مینہ اس لیے برساتا ہے، زمین سے سبزہ اس لیے اُگاتا ہے اور جانوروں کو اس لیے پیدا کرتا ہے کہ تم انہیں ان چراگاہوں میں چراؤ اور غیر اللہ کے لیے ذبح کرو۔ خدا کی قسم مجھے اپنے سوا روئے زمین پر کوئی دینِ ابراہیم (علیہ السلام) پر نظر نہیں آتا۔"

— اور پھر لوگوں کو بت پرستی ترک کرنے کی تلقین کی۔ یہ الفاظ بجلی بن کر قوم کے قلوب و اذہان پر گرے۔ کس میں تاب تھی کہ وہ اپنے معبودوں کے خلاف اعلانِ بغاوت سنتا۔ بھتیجے کے یہ الفاظ سن کر خطاب بن نفیل کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ اس کا جانی

دشمن بن گیا اور طرح طرح کی اذیتیں دینے لگا لیکن زید بن عمرو کی لگن میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ جب اس میں اپنے چچا اور دیگر اہلِ قوم کے مظالم سہنے کی سکت نہ رہی تو ہجرت کر کے حراء میں جا کر آباد ہو گیا۔

خطاب بن نفیل کا تعلق قبیلہ عدی بن کعب سے تھا۔ جو قریش کا عدنانی قبیلہ تھا۔ قلیل التعداد ہونے کے باوجود اس کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے اس کا شمار سربرآوردہ قبائل میں ہوتا تھا — جن میں ہاشم، امیہ، تیم اور مخزوم سب سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ اس قبیلے کے پاس نہ تو کوئی مذہبی و سیاسی منصب تھا اور نہ ہی یہ دوسرے قبائل کی طرح دولت مند تھا۔ اہلِ قبیلہ اوسط درجے کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن شرف و عظمت میں وہ قبیلہ بنی عبد شمس کے حریف اور اُس کی ہمسری کے طلبگار رہتے۔ ان دونوں قبائل کی کشمکش سالہا سال سے چلی آ رہی تھی — خطاب بن نفیل کے زمانے میں بنو عدی کو صفا کے مکان چھوڑ کر قبیلہ بنو سہم کے جوار میں پناہ لینا پڑی لیکن علم و حکمت، دور اندیشی اور فصاحت و بلاغت کی وجہ سے اس قبیلے کو سفارت کے اہم عہدے حاصل تھے۔ جب کبھی قریش اور دیگر قبائل میں تنازعہ ہوتا تو وہ قریش کی نمائندگی کرتا اور جھگڑوں میں اُس کا فیصلہ تسلیم کیا جاتا تھا۔

خطاب بن نفیل کے پاس اگرچہ مالِ کثیر اور زیادہ نوکر چاکر نہیں تھے لیکن پھر بھی اُسے اپنی قوم میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ وہ طبعاً سخت دل تھا اور شجاع و بہادر بھی۔ مختلف معرکوں میں بنو عدی کے جنگی سردار کی حیثیت سے جرأت و پامردی کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ وہ ذہین و فطین بھی تھا اور قوم میں نہایت عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس نے متعدد شادیاں اونچے گھرانوں میں کیں۔ ان شادیوں کا مقصد کثرتِ اولاد تھا کیونکہ اُن دنوں عرب میں کثرتِ اولاد ذاتی تحفظ اور وجہ تفاخر کی آئینہ دار بھی جاتی تھی۔ اس کی ایک زوجہ کا نام حنتمہ تھا جو ابنِ ہشام بن المغیرہ کی لختِ جگر تھی۔ اس کا تعلق بنی مخزوم سے تھا۔ یہ خاتون حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچازاد بہن تھی۔ اُن کے بطن سے ایک بچے نے جنم لیا تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ تاریخ دمشق میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں چند دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اچانک شور مچ گیا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا خطاب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس لڑکے کی پیدائش پر غیر معمولی خوشی منائی گئی تھی۔ بتوں پر بڑی بڑی نذریں چڑھائی گئیں اور محتاجوں کو دل کھول کر کھانا کھلایا گیا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنا۔

حضرت عمر کب تولد ہوئے اس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ مختلف اندازوں، قیافوں کے مطابق بوقتِ وصال آپ کی عمر ساٹھ سال تسلیم کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے بوقتِ ہجرت آپ کی عمر چالیس سال سے قدرے کم تھی۔

سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے اس طرح تھا۔ خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب۔ عدی کے دوسرے بھائی مُرہ تھے جو کہ آٹھویں پشت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے تھے۔ والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب اس طرح تھا: حنتمہ بنت ہاشم بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔

آپ کے بچپن کے حالات کے بارے میں سب ماخذ خاموش ہیں۔ اگر کسی کو علم ہوتا کہ خطاب کا یہ بیٹا ایک وقت میں دنیا کی عظیم ترین شخصیت ہو گا تو اُس کے بچپن اور جوانی کے ایک ایک لمحے کو محفوظ کر لیا جاتا۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ قریش کے عام لوگوں کی طرح آپ کا بچپن گزرا۔ سنِ رشد کو پہنچے تو باپ کے اونٹ چرانے کے لیے ضجنان تشریف لے جاتے جہاں درختوں کے گھنے جھنڈ تھے۔ اس وقت آپ نے نمدے کا کرتہ زیب تن کر رکھا ہوتا تھا۔ اگر کبھی ذرا سی بھی بھول ہو جاتی تو باپ سخت سزا دیتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے باپ سے زیادہ کسی کو سنگدل اور بے رحم نہیں پایا۔ اسی دوران میلانِ طبع کی وجہ سے پڑھنا لکھنا شروع کر دیا۔ ان دنوں نہ تو پڑھنے لکھنے کا رواج تھا اور نہ ہی والدین اسے باعثِ افتخار خیال کرتے تھے، بلکہ اپنی اولاد کو تعلیم حاصل کرنے سے منع کرتے تھے۔ قریش میں گنتی کے چند لوگ تعلیم یافتہ تھے۔ جب محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس وقت صرف سترہ قریشی خواندہ تھے جن میں سے ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور مقرری جیسے مشاغل میں مصروف ہو گئے جنہیں عرب لازمۂ شرافت تصور کرتے تھے۔ خاندان میں نسب دانی کا فن موروثی تھا۔ کتاب البیان والتبیین میں مذکور ہے کہ آپ بذاتِ خود، آپ کے والد اور دادا سب بڑے نسّاب تھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے اہلِ خاندان میں سفارت کا منصب موروثی تھا اور اس کی انجام دہی کے لیے انساب کا فن جاننا ناگزیر تھا۔ پہلوانی میں بھی بے مثل کمال حاصل تھا۔ گھڑ سواری میں بھی کوئی ہم پلّہ نہ تھا۔ بقول جاحظ آپ اُچھل کر گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ مذاقِ شعری بڑا شُستہ اور بلند تھا۔ دُوسرے شعرا کا کلام سنتے تو جو اشعار پسند آجاتے انہیں ذہن میں محفوظ کر لیتے اور پھر موقع محل پر استعمال کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے نابغہ جعدی سے کہا: "مجھے اپنے وہ اشعار سناؤ جو اللہ کے نزدیک جائز ہیں۔"

اس نے چند اشعار سنائے تو آپ نے استفسار کیا: "یہ تم نے کہے ہیں؟" "ہاں" اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا "خطاب کے اُونٹ چراتے ہوئے میں نے یہ اشعار مدتوں پڑھے ہیں۔"

تاریخِ عرب میں عکاظ کا میلہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ ہر سال حج سے پہلے منعقد ہوتا تھا اور تین دن تک جاری رہتا تھا۔ میلے کے اختتام پر لوگ عکاظ سے مجنّہ اور وہاں سے ذوالمجاز جاتے تھے جہاں وہ اپنے اپنے معبودانِ باطل کے سامنے نذریں پیش کرتے تھے اور پھر ہر قبیلہ اپنے اپنے مستقر کی طرف روانہ ہو جاتا تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چند سال پہلے کی بات ہے جب ذوالقعدہ کا چاند طلوع ہوا تو جزیرہ نمائے عرب میں ہلچل مچ گئی۔ چہار اکناف سے عرب سانڈنی اور گھڑ سواروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر عکاظ کے میلے میں شرکت کے لیے اُمڈ پڑا۔ میلہ گاہ میں حدِّ نظر تک خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ ایک طرف عرب تاجروں نے اپنے خیموں کے سامنے دکانیں سجا رکھی تھیں جن میں حجاز، شام اور یمن کی اشیاء رکھی تھیں۔ انہیں وہ دُوسرے ممالک سے لاتے تھے اور اس تقریب کے لیے سنبھال رکھی تھیں تاکہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کر سکیں۔ دکانوں پر مردوں، عورتوں، عرب مٹیاروں، چھیل چھبیلے نوجوانوں اور بچّوں کا ہجوم تھا۔ عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کی زیادہ بھیڑ کپڑے کی دکانوں پر تھی۔ طرحدار و خوبرو حسیناؤں کو دیکھ کر بعض تاجروں اور نوجوانوں کی رال ٹپکنے لگتی تھی اور وہ اونے پونے داموں سودا خرید کر یہ جاذبِ نظر حسینائیں ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھیں۔ ان دکانوں سے تھوڑی دُور بجانب صحرا قحبہ گری کے لیے بھی خیمے نصب تھے۔ میخواروں کی تسکینِ طبع کے لیے انواع و اقسام کی شرابیں تھیں، نوجوان و حسین لڑکیاں بڑے ناز و نخرے سے ساقی گری کر رہی تھیں۔ جوا بھی عام کھیلا جا رہا تھا۔ آزادیِ اظہارِ خیال پر کوئی قدغن نہ تھی۔ جو کسی کے دل میں آتا کہہ دیتا تھا۔ اکثر و بیشتر میلے میں مختلف قبائل کے درمیان تلواریں کھنچ جاتی تھیں اور پھر عناد و دشمنی کے لامتناہی سلسلے شروع ہو جاتے تھے۔

دوپہر کا وقت تھا۔ ایک گھڑ سوار تیزی سے میلے میں آیا۔ قد کاٹھ میں وہ سب سے بلند و بالا تھا۔ جسم کسرتی، توانا اور مضبوط تھا۔ رنگت انتہائی سفید تھی جس پر سرخی غالب تھی، چہرے پر عزم و ہمت اور استقلال و اعتماد کے گہرے نقوش تھے۔ عمر بیس سال سے قدرے متجاوز تھی۔ جب لوگوں نے اُسے دیکھا تو ہر طرف شور مچ گیا: "عمرؓ آ گئے" دوست احباب نے اُن کے گرد ہالہ کر لیا اور فخریہ انداز میں اس وقت تک کی رُوداد سنانے لگے۔ چند طرحدار حسیناؤں کا تذکرہ بھی کیا لیکن آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کی ہلکی سی تحریر بھی نمودار نہ ہوئی۔ دوستوں کے ہمراہ میلے کا چکر لگا کر ایک مجمع میں جا کر بیٹھ گئے جہاں ایک شاعر اپنے قبیلے کی مدح بیان کر رہا تھا۔ پھر وہ اس قبیلے کی ہجو بیان کرنے لگا جس کو اس نے گزشتہ سال میلے میں شکست دی تھی۔ مخالف قبیلے کے لوگ شاعر کے کلام پر ناک بھوں چڑھانے لگے۔ موافق و مخالف آوازوں سے فضا معمور ہو گئی اور تلواریں تڑپ کر نیاموں سے باہر آگئیں، لیکن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان سب واقعات سے بے نیاز بیٹھے اشعار کے الفاظ کی نشست و برخاست اور خیال آفرینی سے لُطف اٹھاتے رہے۔ اُن کا اُن دونوں قبیلوں میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہ تھا۔ اسی اثناء میں ایک بزرگ صورت شخص نے اٹھ کر دونوں قبائل کو سمجھایا بجھایا تو میلہ میدانِ کارزار بننے سے بچ گیا۔

اشعار سننے کے بعد عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے دوستوں کے ساتھ ایک طرف چل پڑے۔ بلند قامتی کی وجہ سے ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ دوست ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے سے قاصر تھے۔ انہوں نے باتوں میں لگا کر آپ کی رفتار پر اثر انداز ہونا چاہا لیکن قول سے عمل کو روکا نہیں جا سکتا چنانچہ انہیں بھاگ کر ساتھ چلنا پڑتا تھا۔

اگلے روز عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے دوستوں نے ایک بدوی نوجوان کا ذکر کیا جو کل سے مسلسل کشتیاں جیت رہا تھا اور کوئی اس کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ آپ نے سُنا تو اُٹھتے ہوتے قدم رُک گئے۔ چہرے پر غضب و غُصّہ کے آثار نمودار ہوتے اور بولے:

"تم مجھے کس سے ڈراتے ہو۔ اگر میرے پنجے میں آتے ہی اُسے زمین پر پٹخ نہ دوں تو خطاب کا بیٹا نہیں۔" یہ کہہ کر کھڑے ہو چل پڑے اور سیدھے وہاں پہنچے جہاں بہت سے تنومند اور خوبصورت نوجوان موجود تھے۔ انہوں نے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھا تو راستہ دے دیا۔ اس وقت وہ بدوی نوجوان ایک پہلوان کو پچھاڑ کر اس کے سینے پر سوار تھا اور فخریہ اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس بدوی کو مقابلے کی دعوت دی جو کہ پہلی مرتبہ میلے میں شریک ہوا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا اُٹھ کر اکھاڑے کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور بدوی پہلوان کی کُشتی کی خبر آنِ واحد میں سارے میلے میں پھیل گئی۔ لوگ دکانیں چھوڑ کر مقابلہ دیکھنے آ گئے۔ لڑکیاں اور عورتیں بھی آ کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں اور آپس میں کھُسر پھُسر کرنے لگیں۔

بدوی پہلوان کا قد کاٹھ اور جسامت تقریباً عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جتنی تھی۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آگے بڑھے اور کُشتی شروع ہو گئی۔ بدوی پہلوان بڑی پھُرتی اور داؤ پیچ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بھی آج تک کوئی کشتی ہاری نہیں تھی۔ اس لیے لوگ بڑی بے صبری سے ہار جیت کے منتظر تھے۔ بہت سے لوگوں نے تو شرطیں بھی لگا لیں۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ابتداءً بدوی پہلوان کو زور آزمائی کا موقع دیا۔ جب تھوڑی دیر گزر گئی اور حریف کا سانس پھُول گیا تو چشم زدن میں عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اُس کے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ دوسرے لمحے وہ بدوی چاروں شانے چت زمین پر پڑا تھا۔ فضا تعریفی نعروں سے معمور ہو گئی۔ ہر شخص کی زبان پر آج کے دنگل کا ذکر تھا۔

لوگوں کا خیال تھا بدوی پہلوان دوبارہ دعوتِ مقابلہ دے گا لیکن میلے کے اختتام تک اس نے ایسا نہیں کیا اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ناقابلِ شکست ستون مان کر ہار تسلیم کر لی۔

غروبِ آفتاب کے بعد عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے دوست آپ کو اِن خیموں کی طرف لے گئے جہاں ناؤ نوش کی رنگین محفلیں آراستہ تھیں۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے بہت سے مدّاحوں اور ثنا خوانوں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بجانب صحرا ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ ایک ساقیہ چہرے پر مسکراہٹیں بکھیرے اور آنکھوں میں مستیاں بھر کر قریب آئی لیکن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس نے میز پر رکھے ہوتے پیمانے میں شراب انڈیلی اور خنداں بہ لب واپس چلی گئی۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے دوست شراب پینے لگے اور آپ کو بھی شراب پینے کو کہا لیکن آپ نے اپنے سامنے رکھے ہوتے شراب کے گلاس کو پرے ہٹا دیا۔

میلے کے اختتام پر عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنے خادم کو گھوڑا لانے کو کہا تو مختلف قبائل کے نوجوانوں نے آپ کا گھوڑا دیکھ کر اظہارِ تعجب کیا۔ جب انہوں نے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنی ذات اور گھوڑے پر نازاں دیکھا تو انہیں چوٹ لگی۔ انہوں نے آپ کو گھڑ دوڑ کی دعوت دی۔ دعوتِ مقابلہ ہو اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اُسے رُد کر دیں، یہ تو طبیعت کے منافی تھا، فوراً تیار ہو گئے۔ سب نے گھوڑے منگوا لیے اور منتخب جگہ پر پہنچ کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ثالث کا اشارہ پاتے ہی گھوڑے چھوڑ دیتے۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گھوڑے کو دیکھ کر کوئی تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ زمین میں دھنسا جا رہا ہے یا فضا میں پرواز کر رہا ہے۔ آپ نے دعوتِ مقابلہ دینے والے دوسرے قبائل کے نوجوانوں کے پندار کو خاک میں ملا دیا۔ آج کی جیت سے آپ نے سب کے دل جیت لیے تھے، سب آپ ہی کی تعریف کر رہے تھے۔

آپ کے چہرے پر ہمیشہ متانت اور سنجیدگی غیط رہتی تھی۔ شاذ مسکراتے تھے۔ قہقہے لگانے اور ٹھٹھا کرتے تو کبھی کسی نے دیکھا سُنا نہ تھا۔ دوستوں کو حسرت ہی رہتی تھی کہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کبھی ان کی محفل میں قہقہہ لگائیں۔ طبیعت میں سختی تھی جو باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ خود اعتمادی اور عزتِ نفس کا احساس بھی بدرجۂ اتم موجود تھا۔ اس کے لیے ضرورت محسوس کرتے تو قوتِ بازو سے بھی کام لے لیتے تھے۔ علاوہ ازیں دُوسروں کی بات کو بڑے غور سے سُنا کرتے تھے اور اس کی جزئیات کا بھی جائزہ لیا کرتے تھے تاکہ اگر کسی بات کو رُد کرنا مقصود ہو تو دلیل و برہان سے کر سکیں۔ جذباتی مسائل میں بھی آپ کی رائے بڑی صائب و درست ہوتی تھی۔ دوستوں سے کہا کرتے تھے یہ مرد کے شایانِ شان نہیں کہ وہ ہمہ وقت حسن کی دلجوئی، ناز برداری اور تعریف میں گزار دے۔

ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اِس غرض کے لیے کئی ایک دُور دراز کے ممالک میں گئے۔ اس سے آپ کو لوگوں کی نفسیات، خیالات، عقائد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جذبات، افکار اور اعمال کا جائزہ لینے اور انہیں پرکھنے کا موقع ملا۔ اس سے آپ کے اندر خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی کے اوصاف پیدا ہو گئے۔ ان سفروں کے بارے میں کسی مؤرخ نے قلم کو جنبش نہیں دی۔ مروج الذہب میں صرف اتنا مذکور ہے کہ آپ دورِ جاہلیت میں عراق و شام کے سفروں میں عرب و عجم کے امراء سے ملے تھے۔

عکاظ کے معرکوں اور تجارتی تجربوں کی وجہ سے روز افزوں آپ کی قابلیت کے جوہر کھلتے گئے۔ اسی بنا پر قریش نے سفارت کے عہدے پر مامور کر دیا تھا اور جب کبھی قبائل میں کوئی پُرخطر معاملہ پیش آتا تو آپ ہی کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ تجارت کو مال و دولت جمع کرنے کا ذریعہ خیال نہیں کرتے تھے اور رمالِ تجارت پر بڑا معمولی سا منافع لیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی تاجر پیشہ ہونے کے باوجود دوسرے تاجروں کے مقابل آپ کے پاس بہت کم دولت تھی اور نہ ہی دوسرے تاجروں کی طرح لالچ، طمع اور خوشامد کا شکار تھے۔

خود اعتمادی اور عزتِ نفس دو ایسے اوصاف ہیں جو انسان کو علم و حکمت لو معرفت کے طربناک جزیروں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور منفی صفات سے کنارہ کشی میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ یہ دونوں اوصاف آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اسی لیے ہر عمل میں صداقت و خلوص ہوتا تھا اور جب کسی حقیقت کا ادراک ہو جاتا تھا تو اُسے قبول کرنے میں قطعاً ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اُسے پوشیدہ رکھتے تھے۔ لہٰذا تاریخ شاہد ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تھا تو آپ کی اسی صفت نے جلوہ گری کی تھی۔

عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی سفارتی حیثیت، فنونِ انساب، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارتِ تامہ، خود اعتمادی و بلند حوصلگی، خواندگی و علم و حکمت اور وسعتِ تجربہ و معاملہ فہمی نے آپ کو متعصب قوم پرست بنا دیا تھا۔ کسی نوع برداشت نہیں کرتے تھے کہ قومی نظم و نسق اور اس کی عزت و وقار میں سرِ مُو فرق آئے۔ حُریتِ فرد اور نظمِ جماعت کے لیے آپ کوئی اقدام کرنے پر آمادہ و تیار رہتے تھے۔

ایک دن آپ احباب کے ساتھ بیٹھے تھے، کسی نے آپ کے چچازاد بھائی زید بن عمرو کی شہسواری کا ذکر کیا اور اس کا ایک شعر پڑھ کر سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر تھا، عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ سُن کر تڑپ اٹھے اور گویا ہوتے!

"وہ غارت ہو اور عزّیٰ اس کو کبھی معاف نہ کرے۔ اس نے ہمارا دین چھوڑا اور ہمارے بتوں کے ساتھ زیادتی کی۔ خطاب نے ٹھیک کیا تھا کہ اُسے مکّہ سے نکال دیا لیکن اگر خطاب اُسے میرے حوالے کر دیتا تو میں اُسے جان سے ہی مار ڈالتا۔"

عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ستائیس ۲۷ سال کے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوتے تھے۔ اُن دنوں آپ صفا کے موروثی مکان میں رہائش پذیر تھے جو صفا و مروہ کے درمیان تھا۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گھرانے میں زید بن عمرو کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل غیر مانوس نہ تھی۔ سب سے پہلے زید بن عمرو کے بیٹے سعیدؓ نے اسلام قبول کیا۔ سعیدؓ کا نکاح عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تو وہ بھی داخلِ اسلام ہو گئیں، اور پھر آپ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب آپ نے اسلام قبول کر لیا تو ایک شخص کسی چرواہے سے ملا اور کہا "جانتے ہو وہ مردِ توانا مسلمان ہو گیا ہے۔"

چرواہے نے جواب دیا: "وہی جو عکاظ کے میلے میں کشتی لڑتا تھا۔"

"ہاں۔" اس شخص نے کہا۔ یہ سُن کر چرواہا بولا:

"خدا کی قسم! وہ اُن میں خیر و شر کو ضرور وسعت دے گا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے گھر میں تین چاند اُترے ہیں۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے والدِ محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کیونکہ آپ سب سے بہتر تعبیر دینے والے تھے۔ آپ نے تعبیر فرمائی کہ تمہارے گھر میں دُنیا کے تین بہترین افراد دفن ہوں گے۔ چنانچہ جب رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ ہجری کو وصال ہوا اور حجرۂ عائشہ صدیقہؓ میں دفن کئے گئے تو حضرت ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا:

"اے عائشہ صدیقہؓ! یہ تمہارے تین چاندوں میں سب سے بہترین چاند ہے۔" اور جب ۱۲ جمادی الآخر ۱۳ھ ہجری کو ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہوا اور انہیں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا تو آپ کو اپنا خواب یاد آیا۔ یہ دوسرا چاند تھا

جو کہ آپ کے حجرہ مبارک میں مدفون ہوا۔ اب آپ کو انتظار تھا کہ تیسرا چاند کون ہے؟ وقت گزرتا گیا۔ جب حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی شہادت ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ ہجری کو واقع ہوئی اور یکم محرم کی چاند رات کو آپ کی تدفین کے لیے جنازہ تیار ہو گیا تو جنازہ لے کر چلے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عائشہؓ صدیقہ کے پاس جا کر عرض کیا اور دفن کی اجازت مرحمت فرمانے کو کہا۔ آپ نے اجازت دے دی اور اس طرح تیسرا چاند بھی آپ کے حجرۂ اقدس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں آسودۂ خواب ہو گیا۔

یہ ایک واقعہ مختلف مؤرخین نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ زیرِ نظر شمارے میں بھی شاید یہ قارئین کی نظر سے مختلف مقامات پر گزرے ہوں مگر شاہ بلیغ الدین کا حُسنِ بیان اپنا ایک الگ اسلوب رکھتا ہے، اس لیے ان کے الفاظ میں بھی پڑھ لیجیے۔

ابو شحمہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے تھے، عبدالرحمٰن ان کا نام تھا۔ عبدالرحمٰن الاوسط کہلاتے تھے، کیونکہ ان سے ایک بڑے بھائی کا نام بھی عبدالرحمٰن تھا، عبدالرحمٰن الاکبر! حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ام المؤمنین حضرت حفصہؓ ایک ہی ماں سے تھے۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادوں میں حضرت عبداللہؓ کا مقام سب سے اونچا ہے۔ صحابہ کرام میں بھی وہ اپنی فضیلت اور منزلت کی وجہ سے بڑے ممتاز مقام کے حامل تھے۔ دین کی جو خدمت ان کے ہاتھوں انجام پائی اور قرآن و حدیث کی اشاعت میں جو حصّہ انہوں نے لیا۔ اس پر امّتِ مسلمہ جتنا فخر کرے کم ہے۔ وہ اسلام کے چار جلیل القدر عباد اللہ میں سب سے بڑے مقام کے حامل ہیں۔

ابو شحمہ کسی کام سے مصر گئے تھے۔ غالباً تجارت کے سلسلے میں۔ وہ بھی اللہ سے ڈرنے والے، عالم فاضل، متقی اور پرہیزگار بندے تھے۔ ایک دن مصر کے قیام کے زمانے میں انہوں نے نبیذ پی، یعنی کھجور کا شربت! کوئی خاص بات نہ تھی۔ نبیذ پینے کا عام رواج تھا۔ یہ حلال ہے۔ نبیذ اگر دھوپ میں رہ جائے یا گرمی کی شدّت بڑھ جائے تو اس میں تخمیر پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہلکا سا نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

ابو شحمہ نے نبیذ پی تو تھوڑی دیر میں انہیں محسوس ہوا کہ اس میں تخمیر پیدا ہو گئی تھی، کیونکہ انہیں ہلکا سا خمار ہو گیا تھا۔ یہ اتّفاق کی بات تھی، لیکن یہ بات پرہیزگاری کے خلاف تھی، اس لیے خود چل کر گورنر مصر حضرت عمرو بن عاصؓ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے کہا کہ مجھ پر شراب کی حد جاری کی جائے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے تفصیلات پوچھیں۔ دیکھا کہ ابو شحمہ کا تقویٰ اجازت نہیں دیتا کہ وہ حد جاری کرائے بغیر لوٹ جائیں، تو نرمی سے حد جاری کی۔ بات آئی گئی ہو گئی، لیکن حضرت عمرؓ کو مدینۃ النبی اس کی اطلاع پہنچی، تو انہوں نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ فوراً ابو شحمہ کو میرے پاس روانہ کر دو، میں خود اس معاملے کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب شخصیّت کا حامل بنایا تھا۔ ان کا عدل ضرب المثل ہے۔ دنیا کی تاریخ اس کا جواب نہیں پیش کر سکتی۔ یہ سب کچھ اللہ کے رسولؐ کی تربیت اور توجہ کا نتیجہ تھا اور آپؐ ہی کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا حضرت عمرؓ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔

ابو شحمہ اس بات کو خوب جانتے تھے۔ وہ خود بھی پاکباز اور پاک نفس تھے۔ یہ اور بات ہے کہ انہیں دھوکہ ہو گیا۔ جو صورت بھی ہو انہوں نے اپنی کیفیت کو چھپایا نہیں۔ نہ کوئی دیکھنے والا تھا، نہ رپورٹ کرنے والا۔ صرف اللہ کا ڈر تھا کہ ابو شحمہ نے اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے لیے مسئلہ بڑا نازک تھا۔ اپنے فرائض کا انہیں اس درجہ احساس تھا کہ انہوں نے ابو شحمہ پر پھر سے حد جاری کی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ امیر المؤمنین کے لڑکے سے رعایت ہوئی۔

باپ کے حکم سے بیٹے پر حد جاری ہوئی تو ابو شحمہ کا بُرا حال ہوا۔ سفر کی تھکان۔ اولوالعزم باپ کی ناراضگی اور کوڑوں کی مار نے انہیں بیمار ڈال دیا۔ طنطاوی نے لکھا ہے کہ کوئی ایک مہینہ بعد وہ اس صدمے سے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے اپنی زندگی کو چراغ کیسے بنا دیا؟

فاروق اعظم

شمس نوید عثمانی

وہ بھی کیسا جاں نواز وقت رہا ہوگا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درد بھری دعا کی صدائے بازگشت بنے ہوتے حضرت عمر ابن خطابؓ کفر کی وادیٔ تاریک سے اسلام کے کشورِ نور کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے مگر خود انھیں بھی اس کی خبر نہ تھی کہ آج دارِ ارقم کی دیواریں ان کے نعرۂ توحید سے گونج اٹھنے کے لئے کیسی بیقرار و منتظر ہیں۔ انہیں کیا گمان ہو سکتا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کے خلاف جو تلوار انہوں نے انتہائی خوفناک ارادے سے بے نیام کی ہے، وہ خود ان کے اپنے کفر پر برقِ بے اماں بن کر گر جانے والی ہے۔

حضورؐ نے اپنے خدا سے کفر کی جتھہ بندی توڑ دینے کے لئے دعا مانگی تھی: ”اے قادرِ مطلق! ابوجہل بن ہشام اور عمر ابن خطاب میں سے کسی ایک کو ہمیں دے دے۔“ ابوجہل کی تیرہ بختی تھی کہ ایک اولوالعزم رسولؐ کی دعا بھی اس کے پتھریلے سینے سے ٹکرائی اور پلٹ گئی۔ مگر خطاب کے خوش قسمت بیٹے کی فطرت کو کفر کی ناپاک صلابتیں پتھر نہیں بنا سکی تھیں۔ ان کی رگوں میں دوڑتے ہوتے خون کو، ان کے دل کی کوہ افگن استقامت کو۔ ان کے ضمیر کی تہہ میں شعلہ زن تلاش حقیقت کو۔ قدم قدم پر، بار بار ”حق“ پکارتا آرہا تھا اور عمرؓ اس پکار کو سنتے ہوتے، اپنی مخصوص شانِ پختگی کو قائم رکھتے ہوتے۔ اندر ہی اندر، آہستہ آہستہ قطعی غیر محسوس طور پر کفر کی طرف اپنی پشت اور اسلام کی جانب اپنا رخ تبدیل کرتے آرہے تھے۔

پہلی بار شاید وہ اس وقت چونکے تھے جب خانۂ کعبہ میں کسی نے پتھر کے بت پر عقیدت کا چڑھاوا چڑھایا تو اس پتھر میں سے یہ آواز صاف صاف آتی ہوئی سنی گئی: ”خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے“۔

یہ تھی وہ پہلی جھرجھری جس کا تجربہ ان کے دورِ کفر کو ہوا تھا۔ ہوا تھا اور فراموش ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ اس وقت کی بات تھی جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول بنائے جانے سے پہلے مکے کی گلی کوچوں میں عرب کے امین و صادق ہی کی حیثیت سے چلتے پھرتے تھے۔ غارِ حرا کی پُراسرار تنہائیوں میں اپنے قلبی اضطراب میں غوطہ زن رہتے اور انسان کی حیات زار

پر آنسو بہاتے تھے یا ریگستانوں اور صحراؤں میں ریت کے خاموش ٹیلوں کے درمیان بیٹھ کر زمین و آسمان پر متجسس اور بے تاب نگاہیں ڈالتے اور حیات و کائنات کے انتہائی درد بھرے سوالات میں ڈوب جاتے تھے۔

اس کے بعد ایک بار پھر عمرؓ نے خدا کی آواز سنی۔ حق کی یہ سنسنی خیز، تہلکہ انگیز آواز آج کسی بت کے لبوں پر نہیں، دنیا کے سب سے کامیاب بت شکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں پر گونجتی ہوئی سنائی دی تھی۔ آج عمر اگرچہ اس ارادے سے ادھر آنکلے تھے کہ فرصت کے لمحوں میں کچھ دیر حق کے اس پیغام کے ساتھ چھیڑ خانی کا لطف اٹھایا جائے، مگر خدائے نادیدہ، خدائے واحد کے آگے دست بستہ کھڑے ہوتے رسولؐ کے پاک لبوں سے جو حیات آفریں اور وجد انگیز آواز آرہی تھی اس نے تو جیسے آج عمرؓ کے پورے وجود کو سکتے میں ڈال دیا تھا۔ عمرؓ کھڑے کے کھڑے رہ گئے! اس وقت وہ سورۃ الحاقہ کی عظیم آیات کو محمدؐ کی آواز میں سن رہے تھے، جن میں کبھی زمین کی دو غارت شدہ قوموں عاد و ثمود کے کھنڈر ابھرتے تھے اور کبھی قیامت کے زلزلے کی گرج صاف سنائی دیتی تھی۔ کبھی یہ منظر آنکھوں کے سامنے لایا جا رہا تھا کہ قبروں کے دہانوں سے مردوں کے دل کے دل امنڈتے ہوتے میدانِ حشر کی بیکراں وسعتوں میں پھیلتے جا رہے ہیں تو کچھ چہرے سیاہ پڑ گئے ہیں اور کچھ پھولوں کی طرح مسکرا اٹھے ہیں۔ یہ کارواں آگے بڑھ رہا ہے اور اس ترازو کے گرد جمع ہو رہا ہے جہاں پوری پوری زندگیوں کو تول تول کر بتایا جائے گا کہ کون خدا کی جنت کا مستحق ٹھہرا اور کون دوزخ کا ذلیل ایندھن قرار پایا؟

عمر ابن خطاب نے یہ آوازِ حق سنی اور انہیں صاف محسوس ہوا کہ یہ آواز اب باہر نہیں خود ان کے اپنے سینے کے اندر ہلچل ڈال رہی ہے۔ مگر ابھی تک دل جاگا نہ تھا۔ سب کچھ سمجھ کر بھی کچھ سمجھ میں نہ آسکا۔

”کیسی عجیب و غریب آواز!“ دل ہی دل میں وہ بڑبڑاتے اور پھر خود ہی زیادہ سے زیادہ محض یہ نتیجہ نکال سکے: ”یقیناً یہ شخص تو کوئی بڑا ہی معرکۃ الآراء شاعر ہے!“ لیکن یہ آواز ابھی ان کے سینے سے اٹھ ہی رہی تھی کہ وہ یہ محسوس کرکے سکتے میں آگئے کہ قرآن نے ان کی یہ آوازِ خفی بھی سن لی ہے اور نہ صرف سن لی ہے بلکہ اگلی آیات میں اس کا دوٹوک جواب بھی دیا جا رہا ہے۔

”وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ“ نہیں، یہ کسی شاعر کی بات نہیں، مگر تم بہت کم ایمان لاتے ہو!

”ارے!“ عمرؓ کے دل کی سرگوشی بے ساختہ حرفِ استعجاب میں ڈھل گئی ”کتنا بڑا کاہن ہے!“

”وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ“ قرآن نے فی الفور اس خیال کو بھی مسترد کرتے ہوتے کہا ”یہ کسی کاہن کا بھی قول نہیں ہے۔ تم تو بہت ہی کم سمجھتے ہو!“

عمر ابن خطابؓ کی دنیائے خیال میں یکایک ایک سناٹا چھا گیا اور اس زبردست سناٹے میں قرآن کی آواز آتی چلی جا رہی تھی۔

”یہ (کلام) اتارا ہوا ہے رب العلمین کا۔ اور اگر یہ (پیغمبر) گھڑ لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی گردن۔ پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے (خدا سے) بچا سکے اور یہ نصیحت ہے ڈرنے والوں کے لئے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض کا شیوہ جھٹلانا ہے مگر یہ شیوہ اندوہ و حسرت کے سوا کچھ بھی دینے والا نہیں۔“

انہوں نے یہ سب کچھ سنا۔ روح یقیناً ہل گئی تھی مگر تاثرات کا یہ زلزلہ ابھی لاشعور کی تہہ سے ابھر کر شعور کی سطح تک نہ پہنچا تھا، اس لئے سچائی کے یہ حسین جھٹکے پیاپے لگاتے جا رہے تھے۔ ادھر حق تھا کہ اندر ہی اندر ان کے دل کے لطیف تاروں کو چھیڑ چکا تھا مگر شعور تھا کہ ماحول کے حق دشمن شور و غل میں پستا ہوا خود اپنی روح کی موسیقی سن ہی نہیں سکتا تھا۔ ایک زبردست کشمکش اندر اور باہر برپا تھی جس نے ایک زبردست جھنجلاہٹ اور غصے کی شکل اختیار کر لی۔

آخر اس ذہنی کشمکش کا دوٹوک فیصلہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنی تلوار کو میان سے باہر نکالا اور اس ہستی کو قتل کر ڈالنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوتے جس کے ایک قطرۂ خون کی قیمت آسمان کے سارے ماہ و انجم بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ وہ لمحہ تھا جب

www.KitaboSunnat.com

غیر محسوس حق اور محسوس باطل اُن کے اندر پوری قوت سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ جذبات کی یہ پُرشور آندھی چلی تھی کے گلی کوچوں میں داخل ہوئی کہ اچانک اس آندھی سے ایک انسان آٹکرایا۔ یہ حضرت نعیم بن عبداللہ رض تھے۔ وہ عمر کے خوفناک تیور دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"کدھر؟ اے عمر کدھر؟" انہوں نے آگے بڑھ کر گہری تشویش کے ساتھ پوچھا۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے چلا ہوں" عمر کی سُرخ سُرخ آنکھوں سے شعلے سے نکلے اور ابن عبداللہ نے ان کی آواز میں رعد جیسی کڑک محسوس کی۔

"پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔" ابن عبداللہ رض نے پوری بے جگری کے ساتھ اس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں جس کے ہاتھوں میں ننگی تلوار تھی اور سر پہ خون سوار تھا" جس حق کا فیصلہ کرنے کے لئے تم اس طرح گھر سے نکلے ہو وہ حق خود تمہارے گھر میں گھس کر تمہاری بہن اور بہنوئی کے سینوں میں اتر چکا ہے"۔

یہ بات سنتے ہی عمر ابن خطاب تلملا گئے۔ سُرعت سے گھومے اور بارگاہِ رسالت ؐ کے بجائے اپنی بہن کے مکان کی طرف طوفانی رفتار سے چل پڑے۔

دروازے پر قدم رکھتے ہی انہوں نے سُنا کہ اندر قرآن پڑھا جا رہا ہے۔ یہی وہ وقت تھا جب ان کی بہن اور بہنوئی حضرت خباب ابن ارت رض سے اللہ کی کتاب کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ آج عمر قرآن پر کچھ غور کرنے کے قابل نہ تھے۔ آج تو قرآن کی آواز سنتے ہی ان کے غیظ و غضب کا لاوا کھول اٹھا تھا۔ انہوں نے دروازے کو خوفناک جھٹکوں سے جھنجوڑ ڈالا۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوتے مگر انہوں نے دیکھا کہ وہ کتاب چھپا دی گئی ہے اور ہر طرح کے غیظ و غضب کا نشانہ بننے کے لئے ایک مومن اور مومنہ نے پوری جرآت سے سینہ کھول دیا ہے۔

"یہ کیسی آواز تھی؟" بہن اور بہنوئی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جانے کے انداز میں گھورتے ہوتے انہوں نے پوری قوت سے للکارا۔ "کیسی آواز؟" مومن اور مومنہ دونوں نے انتہائی بے نیازی کے ساتھ کہا۔ ان کو مکمل اطمینان تھا کہ اپنے خدا کی کتاب اور اپنے معلم صحابی رسول ؐ کو اس غضب ناک طوفان سے بہت دُور پہنچا چکے ہیں اور اب جو کچھ ابتلا پڑتی ہے وہ خود ان کے اپنے جسموں پر ہی پڑتی ہے، وہ جسم جن کا رُواں رُواں خدا کے ہاتھ بک چکا۔ وہ جسم جن کی سب سے بڑی کامرانی یہ ہے کہ خود اپنے لہو میں نہا دھو کر وہ ہمیشہ کے لیے زندہ اور پاک وصاف ہو جائیں۔

"بس کرو!" عمر ابن خطاب زمین پر پاؤں پٹختے ہوئے گرجے "میں خوب سمجھ چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو!"

یہ کہا اور پھر جواب کا انتظار کرنے کی بھی ان کے غیظ نے اجازت نہ دی 'بھوکے شیر کی طرح وہ بہنوئی پر جھپٹے تو بے رحم ہاتھوں کی بھرپور ضرب پڑتے ہی وہاں آہ اور کراہ کے بجائے توحید و رسالت کی گواہی کی آواز بلند ہوئی۔ پھر فوراً ہی ایک بجلی سی چمکی اور عمر ابن خطاب نے دیکھا کہ مومنہ بیوی اپنے مومن شوہر کو بچانے کے لیے ڈھال بن کر آگے آگئی ہے۔ ٹھیک اس وقت جب وہ قوی ہاتھوں کے پے در پے وار ایک مرد مومن کو نڈھال کرنے کے بعد ایک مومنہ کے معصوم چہرے پر اپنی قوت آزما رہے تھے۔ بہن کے ہونٹوں بخون آلود ہونٹوں پر غیرت ایمانی کی زلزلہ انگیز گرج اُبھری اور عمر نے سکتے کے عالم میں یہ محسوس کیا کہ یہ آواز اپنی پوری گرج اور دھماکے کے ساتھ ان کے دست و بازو کی تمام فولادی قوتوں کو بیک ضرب پاش پاش کرتی ہوئی ان کے وجود کے اندر گھس آئی ہے۔ ایک زبردست تھرتھری پیدا ہوئی اور ان کے قلب و روح کی بنیادیں لرزتی چلی گئیں۔

"سُنے عمر!" جسمانی محاذ پر نڈھال ہو کر گرتی ہوئی بہن نے ایمان کے روشن افق سے اُبھرتے ہوتے کہا: "اے عمر! جو بن آئے کر گزرو لیکن اب اسلام اس دل سے نہیں نکل سکتا!"

کیا یہ محض ایک آواز تھی؟ یہ تو ایمان و یقین کا ایک زلزلہ تھا۔ یہ تو حق پر جاں نثاری کا کوہ افگن ولولہ تھا۔ یہ حقیقت کی پُرجلال کڑک تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ اس آواز کے آگے وہ انسان بے حس و حرکت پتھر بنا رہتا جس کے سینے میں ایمانی حرارت نے چھٹیاں سُلگا دی تھیں۔ یہ آواز سنتے ہی عمر ابن خطاب کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ شرم اور کرب کے دو آتشہ جذبات میں سر جُھک گیا

پھر نظر اٹھی اور بہن کے چہرے کو جسم کے خون اور ایمان کے جلال سے سُرخ دیکھ کر بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آنسوؤں کا یہ اُبال بتا رہا تھا کہ سینے کی تمام چٹانیں پگھل رہی ہیں۔

"میری بہن۔ فاطمہ!" درد بھری آواز میں عمر ابن خطاب پکار اُٹھے "مجھے بھی تو وہ چیز دکھاؤ جس کو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔"

بھائی کی زندگی میں حیات انگیز انقلاب کی یہ سنہری پو پھٹتے ہوتے دیکھ کر بہن اور بہنوئی دونوں بھول گئے کہ ابھی ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے، وہ بے تابانہ اٹھے۔ بہن نے اپنے بھائی کو غسل کے وہ آداب سکھائے جو اُس مقدس کتاب کو چھونے سے پہلے ضروری تھے۔ اور پھر وہ کتاب کے اجزا بھی ان کے سامنے لاکر کھول دیتے جس کے اندر سے خدا کی آواز آ رہی تھی۔

"زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب خدا کی پاکی بیان کرتا ہے خدا زبردست ہے، وہ حکیم ہے۔"

اُدھر زخمی بہن اور بہنوئی کی آنکھوں میں مسرت کی شدت اشک بیقرار بن کر اُبل پڑی تھی۔ یہ دیکھ کر کہ ان کے بھائی کُفر و شرک کی دلدل سے نکل کر قبولِ حق کی سمت لحہ بہ لحہ آگے بڑھتے آ رہے ہیں اور ادھر عمر ابن خطاب کے سینے کو عرفانِ حق کا جذبہ بے پناہ شق کئے دے رہا تھا۔ قرآن کے ایک ایک حرف میں ان کو اپنے دل کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی اور دل کی دھڑکنوں کی یہ چوٹ ان کی آنکھوں کو آنسوؤں سے لبریز کر چکی تھی، جب اس کیفیت میں وہ یہاں تک پہنچے کہ

"لاؤ ایمان اللہ اور اس کے رسُول پر" تو بے ساختہ پکار اُٹھے :-

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسُول ہیں۔"

اور اب۔ اپنے دیدہ و دل کی محرابوں پر پُرسوز صداقت کے دیئے جلائے' عمر ابن خطاب حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم الشان شخصیت میں ڈھلتے ہوتے ایک بار پھر اسی کوچۂ رسالت ؐ کی طرف کشاں کشاں چلے جدھر تھوڑی دیر ہوئی وہ دُنیا کا سب سے بڑا جُرم کرنے روانہ ہوتے تھے۔ وہ تلوار اب بھی ہاتھ میں تھی مگر تلوار اٹھانے والا خود ہی ہلاک ہو گیا تھا۔ اب اس تلوار کا رُخ اسلام کی طرف نہیں کُفر کی طرف تھا۔ اب رگوں میں دوڑتا ہوا خون بیقرار تھا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکِ پا کے ایک ایک ذرّے کو رنگین کر دے۔ دارِ ارقم پر جب ان کی دستک سُنی گئی اور دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ عمر رض ننگی تلوار لئے آ رہے ہیں تو مسلمانوں کو قدرتاً خطرے کا احساس ہوا اور اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت امیر حمزہ رض نے للکار سنائی: "آنے دو۔ اگر کسی بُری نیت سے آ رہا ہے تو خود اس کی تلوار سے اس کا فیصلہ کر دوں گا۔" مگر حضورؐ ایک عجیب مسرت بھری کیفیت میں اُٹھے۔ سب کو روکا اور خود آگے بڑھ کر حضرت عمر رض کے دامن کو جھٹکا دیتے ہوتے فرمایا: "کہو عمر؟ کس ارادے سے آئے ہو؟" غلامانہ عجز و انکسار میں ڈوبی ہوئی آواز حضرت عمر رض کے ہونٹوں سے بلند ہوئی۔

"ایمان لانے کے لیے۔" حق کی اس عظیم الشان فتح پر بے اختیار رسُولِ خدا اور اصحابِ رض رسول کے منہ سے نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ "اللہ اکبر!"

"اللہ اکبر" کا یہ فلک شگاف نعرہ وادی وادی، پربت پربت گونجتا لہراتا چلا گیا۔

ٹھیک اس دور میں جب کُفر و شرک کی قہرمانی طاقت اس بات کی قسم کھا رہی تھی کہ اہلِ ایمان کو ان کے گھروں میں بھی خدا کا نام نہ لینے دیں گے۔ حضرت عمر رض نے تین سو ساٹھ بتوں پر اس طرح ٹھوکر ماری کہ اہلِ ایمان کے ساتھ خانۂ کعبہ میں گھس کر نماز پڑھی۔ ظلم و ستم اور درندگی و بربریت کے جنگل میں پانچ چھ سال کا عرصہ طویل بسر کرنے کے بعد جب انہوں نے خُدا کی راہ میں وطن کو قربان کر کے ہجرت کا قصد کیا اور حضورؐ نے ان کو اس کی اجازت دے دی تو انہوں نے اعلان کیا:

"میں اس کفر و شرک کی دُنیا سے دُور جا رہا ہوں۔ جس کسی کا جی چاہے وہ میرا تعاقب کرے اور میری تلوار کا ذائقہ چکھ لے!" لیکن بھری بستی میں سے کوئی مقابلہ پر نہیں آسکا۔ کیسے آسکتا تھا کوئی؟ —— مخبرِ صادق کا کہنا تھا کہ "اے عمر رض تم سے تو شیطان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوف کھاتا ہے!"

"خدا کی قسم! میں اس شخص کا سر اُڑا دوں گا جو یہ کہے گا کہ میرا محبوب آقا اس دُنیا سے چلا گیا ہے۔"

وفاتِ رسُول ؐ کے جاں کاہ اور ہوش رُبا حادثے پر حضرت عمر فاروق ؓ کی عجیب حالت تھی۔ زندگی بھر وہ جس انسان کامل ؐ کو دُنیا جہان کی ہر شے اور خود اپنی جان سے بھی زیادہ چاہتے رہے تھے، اس ہستی کا اس دُنیا سے اُٹھ جانا کتنی بڑی چوٹ تھی۔ عشقِ رسُول ؐ سے جو دل چُور چُور تھا یکایک چکنا چُور ہو گیا تھا اور ہوش و حواس ایک زبردست خوں چکاں جنوں کے سامنے سے ہٹ کر نہ جانے کہاں گم ہو گئے تھے۔

توحید و رسالت پر جی جان سے فدا ہونے والا کیسا قابلِ رشک بندۂ مومن تھا یہ شخص! یہ کہاں سے چلا تھا اور کہاں جا پہنچا۔ حق سے بے خبری کے دور میں ایک دن ایسا بھی آیا تھا جب یہی انسان تلوار سونتے محمد ؐ کو شہید کر دینے کی قسم کھاتا ہوا آ نکلا تھا۔ لیکن جوں ہی قرآن کے افق سے اُبلتی ہوئی روشنی کو دیکھ کر اس نے روح و دل کی محرابوں پر ایمان و عرفان کا چراغاں کیا، بس اسی لمحے اس نے اپنی اسلام سے پہلے کی ساری زندگی پر وہی تلوار بے دریغ چلا دی۔

جنگِ بدر کے صبر آزما محاذ پر اس کی یہ تلوار بجلی بن کر چمکی اور ایمان کے مقابلے میں نسل و خون کے تمام رشتوں کو زہرہ گداز للکار سناتی چلی گئی۔ اس کا اپنا ماموں عاص بن ہشام بھی خدا اور رسُول ؐ کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی جسارت بے جا کرنے کے بعد اس کی غیرتِ حق کی ننگی تلوار کے آگے اپنی جان سلامت نہ لے جا سکا! پھر خون و ایمان اور جسم و جان کے درمیان جہاد و عزیمت کی عظیم گھاٹیاں طے کرنے کے بعد اس نے اسلامی پرچم کے قدموں میں بڑے بڑے مکی کافروں کو جنگی قیدیوں کی شکل میں پا بجولاں پڑا ہوا دیکھا تو وہ بے ساختہ پکار اٹھا: "ان لوگوں کی جاں بخشی نہ کی جائے، جو جاں آفریں کے ذلیل باغی ہیں۔ یہ سب کے سب گردن زدنی ہیں۔ آؤ ہم میں سے ہر شخص آگے بڑھے اور یہ بتا دے کہ یہ خُدا کے نہیں تو ہمارے بھی کچھ نہیں۔ آؤ ہم میں سے ہر شخص ان میں سے اپنے اپنے قریبی عزیزوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے خُدا کے قدموں میں ڈال دے۔"

غزوۂ اُحد میں یہی تلوار چمکی۔ آہن و فولاد کا جگر چیرتی ہوئی تلوار۔ باطل کی سنگلاخ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرتی ہوئی تلوار! لیکن جیسے ہی محمد ؐ کی شہادت کی جھُوٹی خبر میدانِ کارزار میں اس کو سنائی دی اُس کے بازو یکایک شل ہو گئے اور اس کی کوہ افگن ہمت موم کی طرح پگھلتی چلی گئی۔ لیکن یہ سنتے ہی کہ محمد ؐ ہمارے درمیان زندہ سلامت ہیں وہ شیر نر کی طرح اُٹھا اور اس وقت بھی غیرتِ حق کی گرج سے باطل کا سینہ دہلاتا رہا، جب فتح یابِ اسلام کچھ لوگوں کی لغزش کی بنیاد پر شکست کے خونچکاں معنی سمجھا رہا تھا جب پہاڑ کی چوٹی پر زخموں سے چُور چُور مومن پیغمبرِ اسلام ؐ کے مقدس چہرے کو خون سے سرابور دیکھ کر تڑپ رہے تھے اور اپنے گھائل ہاتھوں سے حضور ؐ کے زخم دھو رہے تھے، تو عمر ؓ زخمی شیر کی طرح ابوسفیان کے نعرۂ کفر کے خلاف یوں گرج رہے تھے:

"اللہ سب سے عظیم ہے۔ اللہ کی بڑائی کی کوئی حد نہیں اور اللہ ہمارا ہے، تمہارا نہیں۔ سُن لے او دُشمنِ خدا کہ ہم سب زندہ ہیں۔ محمد ؐ بھی زندہ ہیں۔ ابوبکر ؓ بھی اور عمر ؓ بھی: تاکہ کُفر کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر دم لیں۔"

غزوۂ خندق کی برفانی راتیں بھی پھر عمر ؓ کے سوزِ دروں کو ٹھنڈا نہ کر سکیں۔ خندق کے جس کنارے پر وہ حضور ؐ کے ارشادِ گرامی پر آتش بار دن اور یخ پوش راتوں میں ایک زبردست چٹان کی طرح باطل کے ٹڈی دل کے خلاف سینہ سپر رہے تھے، وہاں آج بھی اس مومنِ حنیف کی یادگار میں "مسجدِ عمر ؓ" قبلہ رُو کھڑی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عمر بن خطاب ؓ نے تیروں کی بوچھاڑ اور تلواروں کی چھاؤں میں جہاد و عزیمت کی نماز پڑھی تھی۔

صُلحِ حدیبیہ کے نازک موقعہ پر جب خُدا کی دُور رس مصلحتوں کے اشارے سے اللہ کے رسُول ؐ کُفر و شرک کو بظاہر دَب کر دعوتِ صلح و آشتی دے رہے تھے تو عمر فاروق ؓ کی بے تابیِ حق دیدنی تھی۔ ان کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ جب تک عمر ؓ کے ہاتھ میں تلوار اور سینے میں حق کی تپش ہے، وہ کس طرح یہ منظر دیکھنے کی تاب لاتے کہ دعوتِ صلح و آشتی کے لیے بظاہر بھی ذرا سا

دبنا پڑے! ہائے وہ حسین حدِ ادب میں ان کی غیرتِ حق کا اضطراب۔ ہائے وہ بارگاہِ رسالت میں خُدا کے اس جاں نثار بندے کا بچوں کی طرح مچلنا!

"اے خُدا کے رسُول ؐ! کیا۔۔۔ ہم حق پر نہیں ہیں؟"

لیکن اللہ اللہ! وہ عظیم جذبۂ تسلیم و رضا کہ جیسے ہی غیرتِ حق کے اس نیم بسمل کو محمد ؐ کی زبان سے یہ پتہ چلا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے مشیّتِ خداوندی کے ٹھیک ٹھاک اشارے پر ہو رہا ہے تو دُنیا نے دیکھا کہ عمر ؓ فوراً سجدۂ اطاعت میں گر گئے۔ سجدے سے سر اٹھایا تو قدم قدم پر ایمان بالغیب کو درجۂ عین الیقین تک پہنچانے والے واقعات پیش آتے اور اسلام کی اُس شانِ مغلوبی کے افق سے فاتحانہ مستقبل کے ہزاروں آفتاب نمودار ہوتے چلے گئے۔

"اے خُدا کے رسُول ؐ!" ایک دن حضرت عمر ؓ نے حضور ؐ کو دیکھ کر والہانہ انداز میں عرض کیا: "مجھے اپنی جان کے سوا دُنیا جہان کی ہر شے سے زیادہ آپ ہی عزیز ہیں۔"

"نہیں عمر ؓ" سرکار ؐ نے جواب دیا "ایمان تو پُورا جبھی ہو گا جبکہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز محسوس ہونے لگوں۔"

یکایک ایک بجلی سی چمکی، ایک خاموش زلزلہ سا آیا اور پھر اسی آن عمر ؓ کے سینے میں عشقِ رسُول ؐ کے جذبات سیلِ بیکراں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ منزلِ تکمیل تک پہنچنے میں صرف ایک قدم کا فاصلہ دیکھ کر کمالِ ایمانی کے لیے ترستی ہوئی زندگی نے جست کی اور چشم زدن میں کمالِ ایمانی کی منزل کو چھُو لیا۔

"اے خُدا کے رسُول ؐ" روحِ عمر ؓ نے حضور ؐ کو ہمیشہ سے زیادہ والہانہ عالم میں پکارا: "اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔"

اس دن وہ بزمِ رسُول ؐ سے ایک نئی تب و تاب لے کر اُٹھے۔ اور پھر عمر بھر اس تب و تاب نے اُن کو کہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اس میں نہ جانے کس بلا کا سُرور و سکون تھا کہ عیش و عشرت ان کے پاؤں پڑتی تھی مگر وہ اسے ٹھوکر مارتے تھے۔ لذتیں ان کے ہاتھوں کو چُومتی تھیں، مگر وہ دونوں ہاتھوں کو گھبرا گھبرا کر جھٹکتے تھے۔ اینٹ پتھر اور سونے چاندی کی اس دُنیا میں بیٹھ کر وہ تو ہر لحظہ سوتے جاگتے خُدا کے ان سدا بہار باغاتِ خُلد کو اشک آلود اور پُر شوق نظروں سے تکے جا رہے تھے جن کے کنارے ابدی نہریں ابدیت کی حسین ترین موسیقی بکھیرتی ہوئی بہہ رہی ہیں۔

حضور ؐ کی زندگی کا یہ پہلو حضرت عمر ؓ کے سامنے تھا کہ حق اپنی فتح و کامیابی کے لیے ساز و سامان کا محتاج نہیں۔ ایک اکیلا انسان محض خدا کے بھروسے پر کفر و درندگی کے ہولناک جنگل میں کھڑا ہو کر حق کی آواز بلند کر سکتا ہے۔ تیرہ سال تک ظلم و استبداد کی بدترین چکی ہڈیوں کو پیس تو سکتی ہے ـــــ مگر اس حق کی آواز کو کچل نہیں سکتی۔ اس حق و صداقت کے محض تین سو تیرہ بے سر و ساماں شیدائی تیرہ سالہ مظلومیت کا خُون ٹپکاتے ہوتے اُٹھتے ہیں تو محاذِ بدر پر سینکڑوں خوں آشاموں کی کلائیاں موڑ دیتے ہیں اور آخر فتحِ مکہ کے روشن دروازے سے یہی حق "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" کا رجز پڑھتا ہوا آتا ہے تو باطل کو نہ زمین پر پناہ ملتی ہے اور نہ انسان کے تنگ و تاریک سینوں میں۔

خلافت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی حضرت عمر ؓ حضور ؐ کے اسی اُسوۂ حسنہ پر بے جھجک چلتے گئے۔ انہوں نے جزیرہ نمائے عرب کے چٹیل ریگستان میں کھڑے ہو کر باغات اور کھیتوں سے لدی ہوئی سرزمینوں کو للکارا۔ قیصر و کسریٰ کی طاقتوں کو خُدا کے اقتدارِ اعلیٰ کا جلال انگیز پیام بھیجا تو سینکڑوں سالہ درفشِ کاویانی کے پرخچے اڑ گئے۔ قیصر کی سطوت و شکوہ کو نعرۂ تکبیر سے پاش پاش کر ڈالا۔ فراعنۂ مصر کی سرزمین پر آسمانی قانون کا نفاذ کیا۔

حق کے دفاع میں ایک اٹل چٹان بن جانا اور حق کی پذیرائی میں موم سے زیادہ نرم ہو جانا انہوں نے اپنے آقا سے سیکھا تھا۔ یہ بات ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھی کہ عظیم الشان مہمات کے قائد حضرت سعد ؓ ابن وقاص کے قصرِ کوفہ کی ڈیوڑھی کو آگ لگانے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم دے دیں کیونکہ اندیشہ تھا کہ یہ ڈیوڑھی حاکم و محکوم کے درمیان انصاف کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہو گی۔ ان کے لیے یہ بھی کچھ دشوار نہ تھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کو عین میدانِ جنگ میں اس لیے سپہ سالاری سے معزول کر دیں کیونکہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ اسلامی فتوحات کے لیے خاص خدا کی طرف دیکھنے کے بجائے لوگ خالدؓ کی تلوار کی طرف دیکھنے لگے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے لیے بہت آسان تھا، لیکن یہ بات ان کے بس میں نہ تھی کہ کوئی بھی شخص، معمولی سے معمولی شخص اُٹھ کر انہیں خدا سے ڈراتے اور وہ خوف و خشیت کی شدت سے برگِ حشیش کی طرح کانپ نہ جاتیں۔

ایک بار دورِ خلافت میں جب وہ کسی مسئلے پر تقریر کر رہے تھے تو ایک معمولی سا شخص بیچ تقریر میں کھڑا ہو گیا اور تلخ و کرخت لہجے میں بولا:

اتق اللّٰہ۔ یا عمرؓ! اے عمرؓ! اللہ سے ڈر!" ایک ہی تقریر میں ایک ہی شخص نے یہ مداخلت بار بار کی تو تمام حاضرین اس بے محابا اندازِ تنقید پر چراغ پا ہو گئے اور چاہا کہ اس آدمی کا منہ بند کر دیں لیکن وہ بندۂ مومن جو کمال صبر سے برسرِ منبر یہ تنقیدی کچوکے مسلسل سہہ رہا تھا اور اُف تک نہیں کر رہا تھا۔ لوگوں کے اشتعال پر خفا ہو گیا: "نہیں، نہیں" خوف و خشیت میں ڈوبی ہوئی آواز حضرت عمرؓ کے منہ سے بے تابانہ نکلی "نہیں، نہیں! اسے کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ سنیں تو ہمارا مصرف کوئی نہیں۔"

ایک بار زرِ مہر کو گھٹانے کے لیے انہوں نے امیرالمومنین کے عظیم الشان منصب سے اُمّت کو خطاب کیا کہ یکایک دورانِ تقریر میں ایک عورت نے کتاب و سنت کے حوالے سے حضرت عمرؓ کی تردید کرتے ہوئے پوری قوت سے کہا: "اے عمر! اللہ سے خوف کھا!" اور عمرؓ کو فوراً خشیتِ الٰہی نے پکڑ لیا۔ وہ پورے جوش سے بولتے بولتے اس آواز پر گنگ ہو گئے اور کھڑے کھڑے کانپنے لگے۔ "مدینے کی عورتیں بھی" حق کے آگے بے تکلف ہتھیار ڈالتے اور اس خاتون کو خراجِ عقیدت نذر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: "مدینے کی عورتیں بھی عمرؓ سے زیادہ جانتی ہیں!"

اُسوۂ رسولؐ کی ان کو کیسی چاہت تھی اس کا کچھ اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جو مسلم و نسائی میں حضرت جابرؓ سے منقول ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ میں آئی ہوئی ایک دیبا کی حسین قبا زیبِ تن فرمائی، لیکن اس پیکرِ عبودیت کو دیر تک اس کو پہنے رہنا گوارا نہ ہوا۔ بہت جلد آپؐ نے اس کو اتار دیا اور حضرت عمرؓ کو یہ تحفہ بھجوا دیا۔ کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ یہ بیش قیمت تحفہ لیے ہوئے حضرت عمرؓ بارگاہِ رسولؐ میں دوڑے ہوئے آئے تو اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز گلوگیر تھی۔ "حضورؐ" وہ بچوں کی طرح رو پڑے "میں اس چیز کو آخر کیا کروں جس کو آپ نے ناپسند فرمایا ہے؟"

سنتِ رسولؐ کے پروانے کو اُس وقت قرار آیا جب یہ پتہ چلا کہ حضورؐ نے یہ قبا پہننے کے لیے نہیں بھیجی تھی، بلکہ مقصد یہ تھا کہ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم کو بہترین مصرف میں لایا جائے۔

ٹھیک اُس وقت جب فقر و فاقہ کی طویل آزمائش میں کھرا اُترنے کے بعد اللہ کے بندوں پر دُنیا کشادہ ہو رہی تھی۔ وہ تختِ خلافت پر بیٹھے ہوئے موٹے جھوٹے کھانے کھاتے تھے اور بھوکوں کا پیٹ بھرنے کے لیے ایک مزدور کی طرح غلّے کی بوریاں ڈھو ڈھو کر بھوکوں کے گھر پہنچاتے تھے۔ ایسی ہی تو ایک رات تھی جب ایک دُورافتادہ جھونپڑی میں چولہا ٹھنڈا پا کر وہ بیت المال تک ہانپتے ہانپتے آئے تھے اور پھر وہاں سے کھانے کا بھاری سامان اپنی کمر پر لادے ہوئے لرزاں و ترساں اسی دُورافتادہ مسکن کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ غلام التجائیں کرتا ہوا پیچھے پیچھے دوڑا کہ آپ تھکان سے چُور ہیں، خدارا یہ بوجھ میری کمر پر لاد دیجیے۔ ورنہ آخر ہمارے وجود کا مقصد ہی کیا ہے؟ مگر عمرؓ کو یہ کہاں ہوش تھا کہ اُن کے وجود کا مقصد کیا ہے۔ انہیں تو خود اپنا مقصدِ حیات تڑپاتے ہوتے تھا۔ وہ تو خدا کے بندے تھے اور انہیں اپنی رعایا کے دُکھ درد کا پورا احساب خدا کو دینا تھا۔ جب غلام نے بہت زیادہ اصرار کیا تو ان الفاظ میں انہوں نے دل و جگر کا لہو نچوڑا: "بتا کیا اس دن بھی جب خُدا کی عدالت میں میرے لیے پکار لگ رہی ہو گی تو میرا بوجھ

اٹھا سکے گا؟"

امام حسنؓ کا بیان ہے کہ امیرالمومنینؓ کی عظیم الشان حیثیت سے عمرؓ امتِ اسلامیہ کے سامنے خطبہ جمعہ پیش فرما رہے تھے اور ٹھیک اس وقت جب وہ اللہ کے بندوں کو آخرت کی گھاٹیاں یاد دلا کر اللہ کے جلال سے لرزا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ اللہ کا یہ عاجز بندہ پورے بارہ پیوند کا تہبند باندھے ہوئے ہے۔

اس دُنیا میں کسی بھی وقت ان کو اپنے کفنائے جانے کا اتنا یقین تھا کہ ایک ہی جوڑے کو خود دھوتے اور سکھاتے ہوئے وہ اس سرائے فانی میں اپنے دن کاٹ رہے تھے۔ یہ جوڑا پھٹ کر بھی بدن سے جُدا نہ ہوتا تھا۔ اس پر خود ہی پیوند لگاتے اور پیوند بھی جواب دے دیتا تو یہ لباسِ فقر، ہائے یہ لباسِ تقویٰ، پیوند در پیوند اور پیوند بالائے پیوند کے عبرت خیز مرحلوں سے گزرتا تھا۔ انسؓ ابن مالک سے پوچھ لیجیے کہ کیا انہوں نے خطاب کے بیٹے کے بدن پر زمانہ خلافت میں وہ کُرتا نہیں دیکھا تھا جس کے شانوں پر پیوندوں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔

اسی ایمان افروز گدڑی میں وہ اسلامی قلمرو کے شاہی معائنوں پر تشریف لے جاتے اور بڑی بڑی سلطنتوں کے کج کلاہوں سے آنکھیں چار کرتے تھے۔ فلسطین کی مہم پر جب ان کو بہ نفسِ نفیس روانہ ہونا پڑا تو جسم پر وہی بارہ بارہ پیوند کا کُرتا تھا۔ سر پر وہی پھٹا ہوا عمامہ تھا اور پاؤں میں وہی ٹوٹی ہوئی جوتیاں۔ سواری ضرور ان کے ساتھ تھی مگر یہ سواری جب عیسائیوں کے فلسطین میں داخل ہو رہی تھی تو سواری کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی اور سوار وہ غلام ہمراہی تھا جس کی سواری کی باری اس مقام پر آ گئی تھی۔

یہ دیکھ کر کہ بڑھتی پھیلتی چمکتی دمکتی اسلامی سلطنت کا یہ خُداترس "فرماں روا" روز بروز خود کو فقر ہی میں اتارے چلا جا رہا ہے، ایک بار ان کے پاس اُمّہات المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کا وفد پہنچا اور صورتِ حال کی نزاکت سمجھائی۔

"آپ اپنے لباس کی طرف تھوڑی سی توجہ فرمائیں۔ آپ کو قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملنا پڑتا ہے اور مسلمانوں کو شرم آتی ہے۔"

"افسوس!" آہِ سرد کھینچتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا: "افسوس! تم دونوں اُمّت کی مائیں ہو، مجھے دُنیا طلبی کی ترغیب دے رہی ہو! اے عائشہؓ! کیا تم رسول اللہؐ کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جس کو دن میں بچھایا جاتا اور رات کو اوڑھ لیا جاتا۔ اور اے حفصہؓ! تم کو یاد نہیں کہ ایک بار تم نے فرشِ خواب کو دوہرا کر کے بچھا دیا تھا تو رسول اللہؐ اس نرمی کے باعث رات بھر سوتے رہ گئے اور پھر بلالؓ کی اذان پر گھبرا کر حضورؐ کی آنکھ کھلی تو آپؐ نے تمہارے اس عمل پر اظہارِ غم کرتے ہوئے فرمایا: مجھے راحتِ دُنیا سے کیا سروکار۔ اور فرش کی نرمی سے تم نے مجھے کیوں غافل کر دیا؟" اُمّہات المومنین بے اختیار رو پڑیں اور دیر تک روتی رہیں۔ خود حضرت عمرؓ کا پورا وجود جیسے آنسوؤں میں نہا رہا تھا۔

ایک مرتبہ اقلیمِ فقر کا یہ دلق پوش شہنشاہ سفرِ شام پر نکلا تو وہاں کے مسلمان افسروں کو دیکھا کہ وہ پُرتکلف حریر و دیبا کی قباؤں میں ان کا شاہانہ استقبال کرنے آتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ان کا چہرہ کبھی شدتِ غم سے زرد ہوتا تھا تو کبھی غصّے کے مارے تمتما اُٹھتا تھا۔ یہ احساس ان کی دھڑکنوں پر تیشہ زنی کر رہا تھا کہ سلطنت کے عظیم پھیلاؤ کے ساتھ وہ "فقر" سمٹ رہا ہے جس پر حضورؐ فخر کرتے تھے۔ اپنے اس استقبال و اعزاز پر وہ اپنے ہاتھ سے خاک ڈالتے ہوئے غم و غصّہ کے عالم میں آگے بڑھے اور ان پُرتکلف پوشاکوں پر سنگریزے مارتے ہوئے بولے "تم! تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو؟"

احنف بن قیس کو ایک جماعت کے ساتھ عراق کی تاریخی مہم پر روانہ کیا تھا۔ یہ لوگ وہاں سے فاتحانہ پلٹے تو ان کے جسم پر زرق برق ملبوسات نظر آ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کے دل پر یہ تبدیلی تیر بن کر لگی۔ اس قدر خفا ہوئے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر غصّے سے منہ پھیر لیا۔ جلالِ عمرؓ سے سہمے ہوئے یہ لوگ دربارِ خلافت سے اٹھ آتے اور عرب کی سادہ پوشاک پہن کر دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ اب ان کو حضرت نے دیکھا تو خوشی کے مارے بے قابو ہو گئے۔ بے تابانہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور ان سب کو ایک ایک کر کے سینے سے چمٹایا۔ اور اس طرح حق پسندوں کے دامنِ سادگی کو خوشی اور قدر شناسی کے اشکوں سے تر کر دیا۔

www.KitaboSunnat.com

سفرِ شام کے موقع پر جب اسلام کی فاتح قوتوں نے ان کو ایک قیمتی پوشاک نذر کرنی چاہی اور سواری کے لیے ایک صبا رفتار ترکی گھوڑا حاضرِ خدمت کیا تو انہوں نے درد بھرے انداز میں کہا: "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے تو وہی بس ہے۔"

وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ کے غلام تھے، اس لیے غلاموں کا درد ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اور اس طرح وہ حضور کی اس پُرسوز وصیت پر جان و دل سے عمل پیرا ہوتے، جو آپ نے دُنیا سے جاتے جاتے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ تاکید کی تھی اور بسترِ وفات پر جب آواز نے ساتھ چھوڑ دیا تھا تو اپنے لبوں کی آخری حرکت سے یہ درد بھری تنبیہ فرماتی تھی کہ "نماز! نماز! اور وہ جو تمہارے دستِ نگر ہیں۔"

تختِ خلافت پر آتے ہی عربی غلامی کو بیک قلم ختم کر ڈالا تھا اور غلام نوازیوں کا شاندار اُسوہ پیش کرتے کرتے گویا ہر قسم کی انسانی غلامی کے جسم سے جان ہی نکال دی تھی۔

ایک دن صدقہ کے کسی اُونٹ کے بدن پر تیل کی مالش اپنے ہاتھوں سے کرتے ہوتے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے کہ کسی مسلمان نے پاس آکر دُکھ بھری شکایت کی: "یہ کام آپ خود کیوں کر رہے ہیں؟ اے مومنوں کے سردار! کسی غلام سے یہ خدمت لے لی ہوتی۔"

تیز اور تلخ انداز میں آپ نے اس شخص کی طرف دیکھا۔ جیسے کہنے والے نے ان کی عزت افزائی نہیں، توہین کی تھی۔ "آخر مجھ سے بڑھ کر غلام کون ہو سکتا ہے؟" آپ نے پلٹ کر جواب دیا: "جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے۔"

خلافت ہی کا زمانہ تھا۔ سر پہ چادر ڈال کر کسی خدمتِ خاص پر روانہ ہوئے تھے واپسی میں بُری طرح تھک گئے تھے۔ دیکھا کہ ایک غلام گدھے پر سوار جا رہا ہے۔ آپ نے اس کو آواز دی اور کہا: "مَیں تم سے درخواست کرتا ہوں، مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا کر لے چلو۔"

یہ سُننا تھا کہ غلام فرطِ ادب اور کمالِ مسرت کے عالم میں سواری سے اُتر کر کھڑا ہو گیا اور بولا: "اے امیر المومنین! بسر و چشم! یہ سواری پوری کی پوری حاضرِ خدمت ہے۔"

"نہیں" حضرت عمرؓ نے صاف صاف جواب دیا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہیں میری وجہ سے تکلیف اٹھانی پڑے۔" "تو.... پھر کیا حکم ہے؟"

"تم جس طرح بیٹھے تھے اُسی طرح بیٹھ جاؤ۔" حضرت عمرؓ نے سیدھا سادہ حل پیش کرتے ہوتے کہا: "اور میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں گا۔" چنانچہ غلام کو بجبر و اکراہ ایسا ہی کرنا پڑا۔ جب یہ عجیب و غریب سواری مدینے کی گلیوں میں داخل ہوئی تو لوگ حیرت کے مارے یہ منظر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ کر اشارے کر رہے تھے: "دیکھ رہے ہو! غلام کہاں بیٹھا ہوا ہے اور امیر المومنین کہاں!"

ایک بار صفوان بن اُمیہ نے اُن کی خدمت میں لذیذ دسترخوان سجا کر بھیجا تو اس دسترخوان کے چاروں طرف فقیروں اور غلاموں کی بھیڑ جمع کر لی اور ان کے ساتھ بیٹھ کر یہ کھانا کھایا اور کھلایا۔ اخوت و مساوات کی مقدس قربان گاہ پر اس طرح عربی فخر و مباہات کو بھینٹ چڑھانے کے بعد فرمایا: "خدا کی پھٹکار ہو ان خودسروں پر جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے سے عار آتا ہے۔"

خود اپنے کھانے پینے کا یہ حال تھا کہ لوگ اُن کے "شاہی دسترخوان" سے جان چُرا کر دُور بھاگتے تھے۔ اس شاہی دسترخوان پر سُوکھی روٹیوں اور بے مزہ سالن کے سوا اور رہوتا ہی کیا تھا۔ حضرت حفصؓ بن ابی العاص جو اکثر و بیشتر کھانے کے وقت موجود رہتے تھے امیر المومنینؓ کے شریکِ طعام ہونے کا دل گردہ پیدا نہ کر سکے۔

"کیوں بھئی؟" ایک دن حضرت عمرؓ نے آخر ان سے پوچھ ہی لیا "تم ہمارے ساتھ کھانا کھانا پسند کیوں نہیں کرتے؟"

"جی؟" حضرت حفصؓ بن ابی العاص حیران تھے کہ بھلا یہ بات انہیں خود کیوں معلوم نہیں۔ کچھ دیر سوچا کئے آخر صاف صاف کہہ دیا "بات یہ ہے اے امیر المومنین اپنا مزیدار کھانا چھوڑ کر آپ کا یہ انتہائی موٹا جھوٹا کھانا حلق سے اتارنا ہمارے بس کا کام نہیں۔" درد و کرب کا ایک عجیب ایمان افروز رنگ حضرت عمرؓ کے چہرے پر کھیلنے لگا۔ پھر غمِ آخرت سے بھیگی بھیگی آنکھوں میں جلالِ ایمانی کی چمک پیدا ہوئی۔ "کیا تم سمجھتے ہو" سوزِ دل سے دہکتا ہوا جواب حضرت عمرؓ کے ہونٹوں پر آ ہی گیا "کیا تم سمجھتے ہو کہ میں قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی مقدرت نہیں رکھتا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر قیامت کا دھڑکا نہ لگا ہوتا تو تم لوگوں کی طرح میں بھی دُنیا کے عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا۔"

ایک بار عتبہ بن فرقد کو مجبوراً شریکِ طعام ہو جانا پڑا۔ بیٹھنے کو تو بیٹھ گئے مگر ایسا لگتا تھا کہ وہ بے کیف اُبلا ہوا گوشت اور سوکھی ہوئی روٹی کھا تو کیا رہے ہیں، بمشکل "زہر مار" کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی نگاہ اٹھی تو ان کی حالت قابلِ رحم محسوس ہوئی۔

"تم سے کھایا نہیں جا رہا ہے تو مت کھاؤ" انہوں نے اپنے شریکِ طعام کو اس بیچارگی سے نکلنے کی چھوٹ دیتے ہوئے کہا اور پھر خود اس کھانے کی طرف بہ صد اداتے شکر متوجہ ہو گئے۔

"اے امیر المومنین" عتبہ بن فرقد نے حضرت عمرؓ کا یہ موڈ دیکھا تو کچھ اور ہمت بندھی اور محبت بھری جھنجلاہٹ کے ساتھ کہہ دیا "اگر آپ اپنے کھانے پینے میں کچھ زیادہ صرف کرنے لگیں تو مسلمانوں کا خزانہ خالی ہو جائے گا؟" یکایک حضرت عمرؓ کھاتے کھاتے رک گئے۔ دل کی چوٹ آنکھوں سے ہویدا ہوئی۔ "افسوس!" آہِ سرد کھینچتے ہوتے انہوں نے بس اتنا فرمایا "تم مجھے عیشِ دُنیا کی پٹی پڑھاتے ہو؟"

قومی ڈائجسٹ

غیر ممالک کے لیے شرحِ چندہ

بذریعہ رجسٹرڈ ہوائی ڈاک

سالانہ بدل اشتراک

۱۔ نیپال، سری لنکا، مصر، انڈونیشیا، ایران، عراق، اردن، کویت، الجزائر، سعودی عرب، شام، ترکی — ۱۶۵ روپے
۲۔ ابوظہبی، دوبئی، افغانستان، بحرین، شارجہ، دوحہ قطر، مسقط، برما، یمن، بنگلہ دیش —— ۱۹۰ روپے
۳۔ مالدیپ، لکادیپ، بھارت۔ —— ۲۱۰ روپے
۴۔ ہالینڈ، لیبیا، کمبوچیا، لاؤس، تھائی لینڈ، ویت نام، چین، نائیجیریا، ہانگ کانگ، ملائشیا، جاپان، سویڈن، مغربی جرمنی، انگلستان، ناروے، اٹلی، ڈنمارک، مصر، مراکش، تنزانیہ، گنی۔ —— ۲۴۰ روپے
۵۔ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، امریکہ، کینیڈا، جمیکا، میکسیکو، پانامہ۔ —— ۳۵۰ روپے

مدتِ خریداری کے دوران جو خصوصی نمبر شائع ہوں گے، وہ بھی اسی رعایتی قیمت میں شامل ہوں گے اور ان کی کوئی زائد قیمت وصول نہیں کی جائے گی۔
براہِ کرم بدلِ اشتراک کی رقم بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ارسال فرمایئے۔

قومی پبلشرز۔ رانا چیمبرز۔ پُرانی انارکلی۔ لاہور ۴۰

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے ہر خوف کو شکست دیکر خوفِ آخرت کو دِل میں بٹھالیا!

مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری

حق کے ساتھ حضرت عمرؓ کی محبت اور باطل کے ساتھ آپ کی دشمنی ضرب المثل تھی۔ اِس لیے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ زبانِ وحی ترجمان سے جنّتی ہونے کی بشارت پاچکے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام وفارس میں جنگ وجہاد کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، اسے خلافتِ فاروقی میں اور بھی وسعت و ترقی ہوئی اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ پہلے سے بھی نہیں زیادہ ہوگیا یہاں تک کہ شام اور مصر میں رومی شہنشاہت کا چراغ گل ہوگیا اور فارس کی شہنشاہیت دُنیا کے جغرافیے سے محو ہوگئی۔

آیاتِ قیامت کے اثرات

اِس عروج واقبال اور شان وشوکت کے باوجود خدا سے بے حد ڈرنے والے تھے۔ پوری زندگی خدا کے خوف، اس کی رضا طلبی اور خوفِ آخرت کا عملی نمونہ تھی۔ خشوع وخضوع کے ساتھ رات رات بھر نمازیں پڑھتے۔ جب صبح ہونے کو آتی، تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر جمے رہو۔

اور نماز میں عموماً ایسی آیتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت وجلال کا بیان ہوتا اور اس سے اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ امام حسنؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ ط بلاشبہ تیرے رب کا عذاب واقع ہوکر رہنے والا ہے، اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔

تو اس قدر روئے کہ آنکھیں سوج گئیں۔

خوفِ آخرت سے بیہوش ہوگئے

ایک بار سورۂ تکویر کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے:

اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔

تو بے ہوش ہوکر گر پڑے، اور کئی دن تک ایسی حالت رہی کہ لوگ عیادت کو آتے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ آیت:

اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ؁

اور جب انھیں زنجیروں میں باندھ کر ایک تنگ جگہ میں ڈال دیا جائیگا تو وہ موت کو پکارنے لگیں گے ——

پڑھی تو اِس قدر خشوع وخضوع طاری ہوا کہ اگر کوئی شخص جو اُن کے حال سے واقف نہ ہوتا دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ اسی حالت میں رُوح پرواز ہوجائے گی۔

خوفِ آخرت کے اثر سے ایک مہینہ بیمار رہے

ایک بار کسی کے گھر کی طرف سے گزر ہوا وہ نماز میں سورۂ والطور پڑھ رہا تھا جب آیت:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ؁ تیرے ربّ کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے۔

پر پہنچے تو سواری سے اُتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے۔ اُس کے بعد اپنے گھر آئے تو ایک مہینہ تک بیمار رہے۔

فکرِ آخرت

ایک بار ایک صحابی سے کہا: "کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ ہم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد کیا اور بھی بہت سے نیک اعمال کیے، اس کے بدلے ہم صرف دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب برابر سرابر ہوجائیں؟"

اُنھوں نے کہا: "خدا کی قسم! نہیں، ہم نے حضورؐ کے بعد بھی جہاد کیا، روزہ رکھا، نماز پڑھی، بہت سے دوسرے نیک کام کیے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے، ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بدلے عذابِ الٰہی سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر سرابر ہوجائیں۔"

ایک بار ملک شام تشریف لے گئے تھے، وہاں سے واپس آنے کے بعد تنہا گشت کرکے لوگوں کے حالات دریافت کر رہے تھے۔ اسی سلسلے میں ایک ضعیفہ سے ملاقات ہوئی، ضعیفہ آپ کو پہچانتی نہ تھی، اس نے آپ سے پوچھا: "تمھیں معلوم ہے آج کل عمر کیا کرتا ہے؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ابھی شام سے واپس آیا ہے۔"

ضعیفہ کہنے لگی: "اللہ میری طرف سے اس کو جزائے خیر نہ دے۔" حضرت عمرؓ نے کہا: "کیوں؟ اُس نے کیا کیا ہے؟" ضعیفہ کہنے لگی: "جب سے وہ خلیفہ ہوا بیت المال سے مجھے ایک پیسہ نہیں ملا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "بڑی بی! عمر کو تمہاری حالت معلوم نہ ہوگی۔"

ضعیفہ بولی: "سبحان اللہ! یہ تم نے کیا کہا؟ جو شخص خلیفہ ہوا ہے اُسے یہ نہ معلوم ہو کہ مشرق ومغرب میں کیا ہو رہا ہے؟ میں اسے نہیں مان سکتی۔"

ضعیفہ کے یہ الفاظ سُنتے ہی حضرت عمرؓ کا دل خوفِ خدا اور خوفِ آخرت اور خلافت کی ذمہ داریوں سے لرز اٹھا، آنکھیں اشک آلود ہوگئیں۔ دل میں کہا: "اے عمر تجھ پر افسوس ہے تیری رعایا تجھ سے کس قدر مباحثہ کرتی ہے۔ ہر شخص تجھ سے زیادہ علمِ دین جانتا ہے۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر ضعیفہ سے مخاطب ہو کر کہا: "بڑی بی، اپنا دعویٰ تم کتنے میں فروخت کر سکتی ہو، میں عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اس پر راضی کر لوں گا۔" ضعیفہ نے کہا: "اللہ تم پر رحم کرے، جاؤ تمسخر نہ کرو۔"

حضرت نے کہا: "میں تم سے تمسخر نہیں کر رہا ہوں۔"

آخر آپ نے سمجھا بجھا کر ضعیفہ سے بیس درہم میں اس کا دعویٰ خرید لیا۔ وہاں سے آگے بڑھنے ہی والے تھے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود آ گئے اور انھوں نے آپ کو "امیر المومنین" کہہ کر سلام کیا۔ ضعیفہ یہ معلوم کر کے کہ آپ ہی امیر المومنین ہیں بہت ڈری۔ آپ نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا:

"بڑی بی! تم کسی بات کا خوف نہ کرو اور پریشان نہ ہو۔ تم نے جو کچھ کہا بالکل صحیح کہا۔" اس کے بعد چمڑے کے ایک ٹکڑے پر یہ عبارت لکھی:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عمر نے فلاں ضعیفہ سے اپنی ابتدائے خلافت سے لے کر اب تک کا ہر طرح کا دعویٰ بیس درہم میں خرید لیا۔ اب اگر وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں کوئی دعویٰ کرے، تو میں اس سے بری ہوں۔ علیؓ اور عبداللہؓ اس پر گواہ ہیں۔"

ایک روز کسی خاص سرکاری کام میں مشغول تھے کہ ایک شخص خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ آپ چلیے اور اس سے بدلہ دلائیے۔

اس شخص کے بے موقع آنے سے آپ کے کام میں خلل پڑ گیا۔ آپ جھنجھلا اٹھے اور اسے دُرّہ مار کر فرمایا:

"جب میں اس لیے بیٹھتا ہوں کہ جن لوگوں کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو، وہ آئیں اور میں ان کی فریاد سنوں تو لوگ آتے نہیں اور جب میں دوسرے کام میں مشغول ہو جاتا ہوں تو لوگ آتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں۔"

ڈانٹ ڈپٹ سن کر وہ شخص تو واپس چلا گیا لیکن کچھ دیر کے بعد آپ کا مزاج ٹھنڈا ہوا تو آپ کو اپنی سختی پر بڑا افسوس ہوا، خدا کے سامنے جواب دہی کے بجائے آپ نے اسے بہتر سمجھا کہ وہ دنیا ہی میں اپنا بدلہ لے لے، چنانچہ اس شخص کو بلا بھیجا۔ وہ آیا تو آپ نے دُرّہ اس کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا یہ دُرّہ لو اور جس طرح میں نے تمھیں مارا تھا اسی طرح تم بھی مجھے مارو۔

اس شخص نے عرض کی: "امیر المومنین! بھلا مجھ سے ایسی جرأت اور گستاخی ہو سکتی ہے؟ میں نے خدا کے لیے اپنا حق معاف کر دیا۔"

اس شخص کے معاف کر دینے پر بھی دل کو اطمینان نہ ہوا، اسی طرح خوفِ خدا اور اندیشۂ آخرت دامن گیر رہا۔ آپ گھر تشریف لے گئے، دو رکعت نماز ادا کی، پھر اپنے آپ کو اس طرح ملامت کرنا شروع کیا:

"اے عمر! تو نیچ تھا، خدا نے تجھے عزت دی اور اختیار سے نوازا، تیرا یہ حال ہے کہ ایک شخص تیرے پاس فریاد لے کر آیا اور تو نے اسے مار کر بھگا دیا۔ کل خدا کے حضور میں اس زیادتی کی پوچھ ہوئی تو کیا جواب دے گا؟"

اپنی خلافت کے زمانے میں رات گشت فرمایا کرتے تھے تاکہ کوئی کسی قسم کی تکلیف میں ہو تو اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کریں۔ ایک رات گشت کرتے ہوئے مدینے سے دور نکل گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے اس کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ عورت سے حالت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ کچھ کھانے کو نہیں ہے، بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ ان کی تسلی کے لیے ماں نے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ اسی وقت کھانے کا سامان لینے کے لیے مدینہ آئے، کندھے پر سامان رکھ کر چلنے لگے، تو غلام نے کہا:

"میرے ہوتے ہوئے آپ بوجھ کیوں ڈھوتے ہیں؟ لائیے، مجھے دیجئے۔"

آپ نے فرمایا: "تم آج تو میرا بوجھ اٹھا لو گے، لیکن کل قیامت کے دن میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟"

یہ کہہ کر خود ہی سامان اٹھا لے گئے۔

ایک بار کچھ سرکاری اونٹ غائب ہو گئے۔ گرمیوں کا زمانہ تھا اور دوپہر کا وقت، ان دنوں عرب میں دھوپ اتنی تیز ہوتی ہے جیسے آگ برس رہی ہو۔ ان اونٹوں کے گم ہونے کی اطلاع ہوئی، تو دوپہر ہی میں ان کی تلاش میں نکل پڑے۔ بڑی پریشانیوں کے بعد اونٹ ملے۔ آپ ان کو لیے واپس آ رہے تھے، دھوپ سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ تمام جسم پسینے سے شرابور تھا: ادھر سے حضرت علیؓ آ رہے تھے۔ انھوں نے اس حال میں دیکھا تو تڑپ اٹھے، کہنے لگے: "ملازموں کو اونٹ کی تلاش میں بھیج دیتے، خود کیوں تکلیف کی؟"

آپ نے جواب دیا: "اے علیؓ! قیامت کے روز تو اللہ تعالیٰ ملازموں سے نہیں مجھ سے جواب طلب کرے گا کہ عمر! تو نے ایسی غفلت کیوں کی کہ سرکاری اونٹ گم ہو گئے۔"

حضرت علی نے فرمایا: "امیر المومنین! آپ کامیاب ہو گئے۔"

یہ سن کر کہنے لگے: "علی! میں تو صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ قیامت کے روز نہ مجھے میری نیکیوں کا اجر ملے اور نہ گناہوں کے عوض میری پکڑ ہو، میرے لیے یہی بڑی کامیابی ہے۔"

آخرت ہی کی بازپرس کا احساس تھا جس کے باعث آپ کو اپنے اور اپنے اہل و عیال پر بیت المال کا ایک حبہ بھی ناجائز صرف کرنا گوارا نہ تھا۔ ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بیت المال کا جائزہ لیا تو وہاں صرف ایک درہم موجود تھا، انھوں نے اس خیال سے کہ یہاں کیوں پڑا رہے، اٹھا کر حضرت عمرؓ کے ایک صاحبزادے کو دے دیا۔ حضرت کو معلوم ہوا تو درہم لے کر بیت المال میں ڈال دیا۔ اور ابو موسیٰ اشعری کو بلا کر فرمایا: "افسوس! تم کو مدینہ میں آلِ عمر کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہیں آیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امتِ محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو؟"

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرض طلب کیا۔ انھوں نے کہا: "اے امیر المومنین! آپ یہ رقم بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں۔"

حضرت نے جواب دیا: "میں بیت المال سے قرض نہ لوں گا کیونکہ ادائیگی سے پہلے مر گیا تو تم لوگ میرے ورثہ سے وصول نہ کرو گے اور بوجھ میرے سر رہ جائے گا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں ایسے آدمی سے قرض لوں کہ اگر ادائیگی سے پہلے مر جاؤں تو وہ میرے ورثہ سے وصول کر لے۔"

ایک بار آپ نے ایک شخص سے پینے کا پانی مانگا۔ اس کے پاس شہد تھا، اس نے وہی حاضر کر دیا۔ آپ نے شہد واپس کرتے ہوئے فرمایا:

"میں اسے یومِ قیامت کے حساب میں شامل کرنا نہیں چاہتا۔"

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی، نماز کی حالت میں آپ پر قاتلانہ حملہ کیا، زندگی کی امید نہ رہی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "امیر المومنین آپ کو جنت کی خوشخبری ہو، دوسرے لوگوں نے جس وقت کفر کیا آپ نے اسلام قبول کیا اور لوگوں نے جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس وقت دنیا سے رخصت ہوئے آپ سے راضی تھے، آپ کی خلافت کے معاملے میں دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا اور اب آپ شہید کی موت مر رہے ہیں۔"

www.KitaboSunnat.com

یہ سُن لیا تو فرمایا: "تم نے جو کچھ کہا ہے اُسے ذرا پھر تو دہرانا۔"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ وہی باتیں کہیں۔ اُنھوں نے ساری باتیں سُن کر فرمایا: "اُس خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، زمین میں جس قدر سونا چاندی ہے، وہ سب کا سب مجھے مل جائے تو بھی پیش آنے والے دن کے خوف سے بچنے کے لیے میں فدیہ میں دے دوں گا۔"

وفات کا وقت قریب آیا تو ایک شخص نے آپ کے پاس آکر آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ کے علم و تقویٰ کی تعریف کی اور کہا کہ آپ انھیں اپنا جانشین مقرر کیجیے۔

آپ نے فرمایا: "تمھارا بُرا ہو، اس تجویز کے پیش کرنے میں تمھاری نیت بخیر نہیں ہے۔ میں ایسے شخص کو اپنا جانشین کیسے مقرر کر دوں، جو صحیح طور پر اپنی بیوی کو طلاق بھی نہیں دے سکتا۔ اب مجھے مسلمانوں کے معاملات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر امارت کوئی اچھی چیز تھی تو میں نے اس سے اپنا حصہ پالیا، اور اگر بُری چیز تھی، تو اللہ نے مجھے اس سے الگ کر لیا۔ آلِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے یہی بہت ہے کہ ان میں سے ایک شخص سے اس معاملے میں بھی سوال کیا جائے اور اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی باز پُرس ہو۔ میں نے اپنے آپ کو اس کام میں تھکا ڈالا اور اپنے اہل و عیال کو اُن کے بہت سے حقوق سے محروم رکھا، تاہم اگر برابر سرابر پر چھوٹ جاؤں کہ نہ مجھے کوئی نفع ہو، نہ نقصان تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔"

آپ کا وقتِ آخر تھا۔ صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا سرِ مبارک اپنے زانو پر لیے بیٹھے تھے۔

آپ نے فرمایا: "میرا سر زمین پر رکھ دو۔"

صاحبزادے نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور سر مبارک زمین پر رکھ دیا۔ آپ نے دونوں پاؤں برابر کر لیے اور فرمایا: "میری اور میری ماں کی تباہی ہے، اگر اللہ نے مجھے بخش نہ دیا۔" اور یہی کہتے ہوئے دُنیا سے تشریف لے گئے۔

عبرت پذیری

ایک بار آپ کے پاس ایک بدّو آیا اور اس نے یہ شعر پڑھے:

"یعنی اے عمر! بھلائی تو بس جنّت کی بھلائی ہے، میری بیٹیوں کو اور اُن کی ماں کو کپڑے پہنا، خدا کی قسم تجھے ضرور ایسا کرنا ہوگا۔" (ترجمہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اگر میں تمھاری بات نہ مانوں تو کیا ہوگا؟"

بدّو نے جواب دیا: "قیامت کے روز میری نسبت تجھ سے پُرسش ہوگی اور تو ہکا بکا رہ جائے گا، پھر جنّت کی طرف جانا ہوگا یا دوزخ کی طرف۔" (ترجمہ)

یہ سُن کر اس قدر روئے کہ داڑھی اشکوں سے تر ہو گئی، پھر غلام سے فرمایا کہ میرا یہ کرتا اس کو دے دو، اس کے سوا میرے پاس اور کوئی چیز نہیں ہے۔

ایک بار کہیں جا رہے تھے، راستے میں سے ایک تنکا اُٹھا لیا اور کہا: "کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔"

دل ہر لحظہ خوفِ آخرت سے لرزاں و ترساں اور متفکر رہتا تھا، چنانچہ فرمایا کرتے تھے: "اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دُنیا کے لوگ جنتی ہیں، تب بھی میرے دل سے مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔"

انھوں نے زبانِ رسالت سے کیسے کیسے پھول حاصل کیے!

مولانا محمد یوسف سنت پوری

حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں: میں نے سیدہ صدیقہ سے پوچھا صحابہؓ میں سے کون شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پیارا تھا۔ سیدہ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ۔ میں نے پوچھا پھر کون؟ سیدہ نے ارشاد فرمایا: "عمرؓ" میں نے پوچھا "پھر" فرمایا "حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم اجمعین"۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، تو آسمان سے جبریل امین نازل ہوئے اور فرمایا۔ یا محمدؐ۔ آسمان والوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن سلمہؓ روایت کرتے ہیں۔ میں نے شیرِ خدا علی مرتضیٰ کو سنا۔ فرماتے تھے کہ رسول اللہؐ کے بعد تمام لوگوں میں سے بہتر ابوبکرؓ ہیں۔ اور ابوبکرؓ کے بعد تمام لوگوں میں سے برگزیدہ حضرت عمرؓ ہیں۔ (ابن ماجہ)

سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں محوِ خواب تھا اور خواب میں میں نے جنّت دیکھی۔ اس میں ایک عورت ایک محل کے قریب وضو کر رہی تھی۔ میں نے اس سے دریافت کیا۔ یہ محل کس کا ہے۔ اس نے کہا۔ یہ محل عمر کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں حضرت عمرؓ کی غیرت یاد کر کے پچھلے پاؤں لَوٹ آیا۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ رونے لگے اور کہا: "یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا، کیا میں آپؐ پر غیرت کر سکتا ہوں"۔

(بخاری و مسلم۔ صواعق محرقہ)

دوسری روایت میں یوں ہے۔ میں نے جنّت میں ایک محل دیکھا۔ اس کے صحن میں ایک نوجوان عورت تھی۔ میں نے اس سے پوچھا یہ محل کس کا ہے تو اس نے کہا: عمرؓ بن خطاب کا۔ میں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ پھر مجھے تمہاری غیرت یاد آ گئی۔ سیدنا عمرؓ نے کہا۔ یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اور آپ پر غیرت کروں۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے دُودھ کا پیالہ لایا گیا۔ میں نے اسے پیا حتّٰی کہ اس کی تازگی میرے ناخنوں تک پہنچ گئی۔ پھر میں نے اس کا بقیہ حضرت عمرؓ کو دے دیا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ اس کی تعبیر کیا ہے۔ فرمایا علم۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے۔ وہ قمیص پہنے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض کی قمیص سینہ سے زیادہ

www.KitaboSunnat.com

لمبی تھی۔ اور عمرؓ میرے سامنے پیش ہوئے' ان کی قمیص زمین تک کھچی ہوئی تھی۔ پوچھا یا رسول اللہؐ اس کی تعبیر کیا ہے' فرمایا دین۔
(احمد۔ بخاری و مسلم۔ ترمذی۔ نسائی)

تم سے پہلی اُمتوں میں محدّث یعنی صاحبِ الہام ہوتے رہے ہیں۔ سو میری اُمت میں اگر کوئی محدّث ہے، تو وہ عمرؓ ہیں۔

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن سیّدنا عمرؓ سے فرمایا' خدا کی قسم تمہارے راستہ میں شیطان ہرگز ہرگز نہ چلے گا، بلکہ وہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنویں پر کھڑا ہوں۔ اس پر ایک ڈول پڑا ہے۔ میں نے اس سے ڈول نکالے۔ جتنے خدا کی منشا تھی۔ پھر وہ ڈول ابوبکرؓ نے لے لیا۔ پھر اس نے بھی اس سے ایک یا دو ڈول آہستہ آہستہ نکالے۔ خدا نے ابوبکرؓ کی اس کمزوری کو معاف کر دیا۔ پھر وہ ڈول بڑا چرسا بن گیا، اور عمرؓ بن خطاب نے اسے جا تھاما۔ میں نے ایسا کوئی جوانمرد نہیں دیکھا، جو عمرؓ کی طرح چرسا کھینچتا ہو حتیٰ کہ ہر چہار طرف سے پیاسے آئے اور خوب سیراب ہوئے۔ (بخاری و مسلم)

امام نووی تہذیب میں لکھتے ہیں کہ علماء نے اس حدیث شریف کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ اشارہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی خلافت کی طرف ہے۔ یعنی فاروق اعظمؓ کے زمانۂ خلافت میں فتوحات اور ظہورِ اسلام بہت زیادہ ہوگا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے' رسول اللہؐ نے فرمایا مجھ سے حضرت جبریل علیہ السلام کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کی وفات پر اسلام روئے گا۔ (طبرانی)

حضرت سدیسہ سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت سے حضرت عمرؓ اسلام لائے ہیں، جب کبھی ان سے شیطان ملا منہ کے بل گر پڑا۔ (طبرانی)

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' اللہ جل شانہٗ نے اہلِ عرفہ پر عموماً اور حضرت عمرؓ پر خصوصاً فخر کیا ہے۔ (طبرانی)

طبرانی نے اوسط میں ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس شخص نے عمرؓ سے بُغض رکھا، اس نے مجھ سے بُغض رکھا اور جس نے عمرؓ سے محبت کی' اس نے مجھ سے محبت کی۔ اللہ پاک نے اہلِ عرفہ سے عموماً، اور عمرؓ پر خصوصاً فخر کیا۔ جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان سب کی اُمت میں ایک محدّث ضرور ہوا ہے۔ اگر میری اُمت میں کوئی محدّث ہے' تو وہ عمرؓ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا' یا رسول اللہؐ محدّث کون ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس کی زبان سے ملائکہ گفتگو کریں۔ (اس کی اسناد حسن ہیں)۔ (تاریخ الخلفاء)

فضل بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد حق عمرؓ کے ساتھ رہے گا' خواہ وہ کہیں ہوں۔ (صواعق محرقہ)

ابن عباس سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ آسمان کے تمام فرشتے عمرؓ کا وقار و عزت کرتے ہیں اور زمین کے تمام شیطان عمرؓ سے ڈرتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)۔

سیّدہ صدیقہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شیطان لعین عمرؓ سے ڈرتا ہے"۔ (صواعق محرقہ)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریلؑ تشریف لائے اور کہا کہ عمرؓ سے سلام کہہ دیجئے اور انہیں اس کی خبر دے دیجئے کہ ان کا غصّہ غلبہ ہے اور ان کی رضا حکم ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

قدامہ بن مظعون سے روایت ہے۔ وہ اپنے چچا عثمان بن مظعون سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ شخص جب تک تمہارے درمیان میں ہے' تب تک فتنوں کا دروازہ بند رہے گا، بلکہ جب تک یہ زندہ ہے' فتنوں کا دروازہ

بہت سخت بند رہے گا۔ (تاریخ الخلفاء)۔ (بزار۔ صواعق محرقہ)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرؓ اہلِ جنت کے چراغ ہیں۔ (ابن عساکر)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں بالکل شک و شبہ نہ تھا کہ سکینہ حضرت عمرؓ کی زبان سے بولتا ہے۔ (صواعق محرقہ)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے میں نے رسول اللہؐ سے سُنا ہے' آپؐ فرماتے تھے اللہ جل شانہٗ نے حضرت عمرؓ کی زبان پر حق کو وضع کر دیا ہے کہ وہ حق ہی بولتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے' فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ پاک نے حق کو عمرؓ کے دل اور زبان پر جاری کیا ہے۔ (طبرانی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو حضرت عمرؓ سے بھاگتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت صدیقہؓ ہی سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے جنوں اور انسانوں کے شیطانوں کو حضرت عمرؓ سے بھاگتے ہوئے دیکھا"۔ (صواعق محرقہ)

عقبہ بن عامر سے روایت ہے' رسول اللہؐ نے فرمایا "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا، تو وہ عمرؓ بن خطاب ہوتے"۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرؓ کی زبان اور قلب پر اللہ تعالیٰ نے حق کو جاری کر دیا ہے۔ ابن عمر فرماتے ہیں کوئی حکم لوگوں میں سے کسی کے موافق نازل نہیں ہوا، مگر قرآن شریف اکثر حضرت عمرؓ کے قول کے موافق نازل ہوا ہے۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ حاکم عن ابی ذر۔ ابویعلیٰ و حاکم عن ابی ہریرہ۔ طبرانی عن بلال و عن معاویہ صواعق محرقہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی ابوجہل یا عمر بن خطاب میں سے جو بھی ان دونوں سے تجھے پسند ہو، اس سے اسلام کو غلبہ عطا کر۔ ابن عمر فرماتے ہیں، ان دونوں میں اللہ کو پسند عمرؓ ہی تھا' کیونکہ وہ زیورِ اسلام سے مزیّن ہوگیا۔ (ترمذی)

دوسری روایت یوں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی صبح سویرے ہی حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ (ترمذی)

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا' اے رسول اللہ کے بعد تمام لوگوں سے بہتر۔ ابوبکرؓ کہنے لگے اگر آپ یہ کہتے ہیں، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ آپؐ فرماتے تھے روئے زمین میں عمرؓ سے بہتر کوئی نہیں' یعنی نہیں سورج طلوع ہوتا کسی آدمی پر جو بہتر ہو عمرؓ سے۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں جنت میں داخل ہوا، تو میں نے سونے کا محل دیکھا میں نے پوچھا۔ یہ محل کس کا ہے۔ فرشتوں نے کہا ایک نوجوان قریش کا۔ ______ میں نے بطور تحقیق پھر پوچھا کہ وہ قریشی نوجوان کون ہے۔ انہوں نے کہا وہ عمرؓ بن خطاب ہیں۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، سب سے پہلے میری قبر پھٹے گی۔ پھر ابوبکرؓ کی پھر عمرؓ کی۔ پھر میں اہلِ مکہ کا انتظار کروں گا۔ یہاں تک کہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ان سے ملوں گا۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم پر ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا۔ پس حضرت عمرؓ نمودار ہوئے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ بھیڑیئے نے بکریوں

www.KitaboSunnat.com

پر حملہ کیا۔ چرواہے نے اس کا پیچھا کیا اور اسے پالیا اور بکری چھین لی۔ اس پر بھیڑیے نے کہا۔ تو یوم السبع کو کیا کرے گا۔ اس دن بکریوں کا کوئی چرواہا نہ ہوگا بسوائے میرے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس بات پہ میں، ابوبکرؓ اور عمرؓ ایمان رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ احد پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ کانپنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے احد ٹھہر جا۔ تجھ پر ایک نبی ہے، ایک صدیق اور شہید ہیں (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن خطب فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ یہ دونوں میرے کان اور آنکھ ہیں۔ (ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا کوئی نبی نہیں ہوا، جس کے دو وزیر آسمان کے رہنے والوں اور دو وزیر زمین کے باشندوں سے نہ ہوں۔ لہذا میرے آسمانی وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں، اور زمینی وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، ایک آدمی بیل پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ وہ بیل بولا "میں اس لیے نہیں پیدا کیا گیا، بلکہ میں کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں"۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ اس پر ایمان رکھتے ہیں"۔ (ترمذی، بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ کے دائیں بائیں ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "ہم قیامت میں اس طرح اٹھیں گے"۔ (حاکم، ابن ماجہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے معلوم نہیں کہ میرا قیام تم میں کب تک ہو۔ میرے بعد تم ان دونوں کی اقتدا کرنا" اور اشارہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف فرمایا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ تشریف لائے، انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ دونوں بجز انبیاء اور مرسلین کے، باقی سب اگلے پچھلے جنت کے بوڑھوں کے سردار ہیں۔ اے علیؓ تم ان کو اس کی خبر نہ دینا"۔ (ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بڑے مرتبہ والے لوگ اس طرح دکھائی دیں گے، جیسے ستارے افق آسمان پر نظر آتے ہیں اور ابوبکرؓ و عمرؓ انہیں میں سے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ مرتبہ ان کا ہو گا"۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے تھے میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا۔ جب عمرؓ غسل و تکفین کے بعد چارپائی پر رکھے گئے تو قبل اس کے کہ ان کا جنازہ اٹھایا جائے چاروں طرف سے لوگوں نے انھیں گھیر لیا۔ سب ان کے لیے دعائے رحمت کرتے تھے اور میں بھی ان لوگوں میں تھا۔ اس وقت یکایک اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر میرے دونوں شانے پکڑ لیے۔ میں نے دیکھا تو وہ علیؓ تھے۔ انھوں نے عمرؓ کے لیے دعا کی اور بکمال حسرت و افسوس فرمایا کہ اے عمرؓ آپ نے اپنے بعد کسی ایسے شخص کو نہ چھوڑا، جو آپ جیسے اعمال نامہ کے ساتھ خدا سے ملتا۔ قسم خدا کی مجھے یہی خیال تھا اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ کر دے گا کیونکہ میں اکثر اوقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ میں گیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ داخل ہوئے۔ بغرض کہ ہر کام میں آپ دونوں کو شریک کر لیا کرتے تھے۔ پس میرا یقین ہے اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ کر دے گا۔ (ابن ماجہ - بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ کوہ حرا پر ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ تشریف فرما

تھے کہ اچانک پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ ٹھہر جا، تجھ پر نبیؐ اور صدیقؓ اور شہیدؓ ہیں۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے، تو مشرکین نے کہا مسلمانوں نے آج ہم سے سارا بدلہ لے لیا۔ (بزار - حاکم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے، اسلام ہمیشہ کے لیے عزت پا گیا (تاریخ الخلفاء)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے روایت کی ہے کہ عمرؓ کا اسلام لانا گویا اسلام کی فتح تھی، اور آپ کی ہجرت گویا امداد تھی، اور آپؓ کی امامت سراپا رحمت تھی۔ ہم میں طاقت نہیں تھی کہ ہم بیت اللہ شریف میں نماز پڑھ سکیں، لیکن جب عمرؓ اسلام لائے، تو آپؓ نے مشرکوں سے اتنا قتال و جدال کیا کہ انھوں نے ہمارا پیچھا چھوڑ دیا، اور ہم بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں عمرؓ نے جس چیز کے متعلق فرمایا کہ میرا خیال ہے یہ یوں ہے۔ وہ اس طرح ہی ہوئی جس طرح حضرت عمرؓ کا خیال ہوتا۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میرے کان اور آنکھ ہیں، جیسے سر کی آنکھ اور کان ہوتے ہیں۔
(ابونعیم فی الحلیہ عن ابن عباس خطیب عن جابر۔ ابویعلیٰ۔ صواعق محرقہ)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ پاک نے میری مدد چار وزیروں سے کی ہے دو اہل آسمان سے جبریل و میکائیل اور دو زمین والوں سے ابوبکر و عمر۔ (طبرانی۔ ابونعیم فی الحلیہ۔ صواعق محرقہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نبیؐ کے صحابہ میں سے اس کے خاص صحابی ہوتے ہیں۔ میرے صحابہ میں سے میرے خاص صحابی ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (تاریخ الخلفاء) (طبرانی)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک نبی کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ میرے دو وزیر اور دو ساتھی ابوبکر و عمر ہیں۔ (ابن عساکر۔ صواعق محرقہ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے، فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بعد میری امت میں سب سے بہتر ابوبکر و عمر ہیں۔ (صواعق محرقہ)

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے بوڑھوں کے سردار ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ابوبکر کی مثال جنت میں ایسی ہے، جیسے کہکشاں کی آسمان میں۔ (صواعق محرقہ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے صرف اپنی رائے سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو مقدم نہیں کیا، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مقدم کیا۔ (صواعق محرقہ)

حضرت حجاج سہمیؓ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم جس آدمی کو دیکھو کہ وہ ابوبکر و عمر کا ذکر برائی سے کرتا ہے، سمجھ لو کہ وہ غیر اسلام کا ارادہ کرتا ہے، یعنی وہ اسلام سے روگردانی کرتا ہے۔ (ابن قانع)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد خلافت پر قائم ہونے والا جنت میں جائے گا، اس کے بعد جو خلیفہ بنے گا۔ وہ بھی جنت میں جائے گا۔ اسی طرح تیسرا اور چوتھا بھی جنتی ہیں۔ (ابن عساکر)

حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار آدمی ہیں، جن کی محبت منافق کے دل میں نہیں ہوتی۔ صرف مومن اور صادق ہی ان سے محبت کرتا ہے۔ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ ہیں۔ (ابن عساکر)

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند تعالیٰ عمرؓ پر رحم کرے کہ وہ حق کہنے میں کبھی نہیں چوکتے، اگرچہ کتنی ہی کڑوی بات ہو۔ (صواعق محرقہ۔ تاریخ الخلفاء)

حضرت سعیدؓ بن زید سے روایت ہے، فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے: یہ آدمی جنتی ہیں۔ میں، ابوبکرؓ، عمرؓ (ابوداؤد)،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن جریرؒ والضیاءؒ، صواعق محرقہؒ، ترمذیؒ ، احمدؒ،

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ اچھے آدمی ہیں۔ عمرؓ اچھے آدمی ہیں۔

(بخاری فی تاریخہ، النسائی، ترمذی، حاکم، صواعق محرقہ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے' فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اُمت میں سب سے رحیم ابوبکرؓ ہیں اور اللہ کے دین میں ان سب سے زیادہ سخت عمرؓ ہیں۔ (صواعق محرقہ)

ابن عساکر میں اس طرح ہے' حق کہنے میں ان سب سے زیادہ عمرؓ ہیں۔

عقیلی میں ہے' اللہ کے دین میں سب سے قوی عمرؓ ہیں۔

حضرت سعد سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' جنت میں میری اُمت کا اُونچے درجہ والا یہ آدمی ہو گا۔ ابوسعد کہتے ہیں' اللہ کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ عمر بن خطابؓ کی جانب تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت اسلم کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت عمرؓ کی زندگی کے کچھ حالات پُوچھے' تو اُنھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر آج تک عمرؓ سے زیادہ قدر و منزلت والا اور سخی اور کوئی نہیں دیکھا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے' فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک اہلِ جنت عالی درجہ لوگوں کو ایسے ہی دیکھیں گے' جیسا کہ تم اُفق آسمان پر ستاروں کو چمکتے ہوئے دیکھتے ہو' اور بے شک ابوبکرؓ و عمرؓ ان میں سے ہیں' اور وہ دونوں ہی صاحبِ منزلت ہیں۔ (مشکوٰۃ شرح السنہ)

حضرت ابی بکرہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز پُوچھا کہ کسی نے تم میں سے کوئی خواب دیکھا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا' میں نے دیکھا ہے کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اُتری، پھر آپ اور ابوبکر تولے گئے، تو آپ ابوبکرؓ سے وزنی نکلے۔ پھر عمرؓ اور ابوبکرؓ تولے گئے، تو ابوبکرؓ وزنی نکلے۔ پھر عمرؓ اور عثمانؓ تولے گئے، تو عمرؓ وزنی نکلے۔ اس کے بعد ترازو اُٹھالی گئی۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر اسلام لائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ان کے سینے پر دستِ مبارک پھیرا اور تین مرتبہ دعا مانگی، کہ یا اللہ ان کے سینہ میں جس قدر کینہ ہے اس کو ایمان سے بدل دے۔ (حاکم)

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ یا اللہ عمر بن خطاب سے دین کو قوت دے۔ (حاکم)

حضرت ابوارویٰ دوسی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے فرمایا، اُس خدا کا شکر ہے جس نے تم کو میرا مددگار کیا۔ (طبرانی۔ تاریخ الخلفاء)

حضرت انس سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا ثواب میری اُمت کو لا الٰہ الا اللہ کے پڑھنے میں ہے' اتنا ہی ابوبکر و عمر کی محبت میں ہے۔ (عبداللہ بن احمد فی زوائدہٗ)

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ و ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ جس بات پر تم دونوں متفق و متحد ہو جاؤ، تو میں اس میں کبھی اختلاف نہیں کر سکتا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت سہل کہتے ہیں کہ جب سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے، تو منبر پر تشریف فرما ہو کر حمد و ثنا کے بعد فرمایا: لوگو! ابوبکرؓ نے مجھے کبھی رنج نہیں پہنچایا، اس کو یاد رکھو۔ اے لوگو میں اس سے راضی ہوں۔ نیز عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور مہاجرین اوّلین سے بھی راضی ہوں، اس بات کو خوب ذہن نشین کر لو۔ (طبرانی)

حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت ایمان ہے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت سنت ہے۔ (صواعق محرقہ)

حضرت غضیفؓ بن حارث حضرت ابوذرؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے ایک جوان حضرت عمرؓ کے پاس ہو کر گزرا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا اچھا نوجوان ہے راوی کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابوذر اس نوجوان کے پیچھے ہو لیے' اور اس سے کہا۔ اے نوجوان! تم میرے لیے خدا سے مغفرت کی دعا کرو۔ اس نے جواب دیا اے ابوذرؓ! میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں، حالانکہ آپ رسول اللہؐ کے صحابی ہیں۔ (مجھ سے بدرجہا بہتر ہیں) حضرت ابوذرؓ نے پھر کہا کہ میرے لیے دعائے مغفرت کرو۔ اس جوان نے کہا کہ میں دُعا نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ اس اصرار کے سبب سے مجھے آگاہ فرمائیں۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ تم ابھی حضرت عمرؓ کے پاس ہو کر گزرے، تو حضرت عمرؓ نے تمہارے حق میں فرمایا کہ کیا اچھا نوجوان ہے، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے' اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور دل پر جاری کر دیا ہے، لہٰذا میں تم سے دُعا کا طالب ہوں، (حاکم۔ ازالۃ الخفاء)

حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے وہ کہتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے ارادہ کیا کہ اطرافِ ممالک میں چند اشخاص بھیج دوں۔ جو لوگوں کو دین کے فرائض اور سنتیں سکھائیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواری بھیجے تھے۔ کسی نے کہا آپؐ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس کام کے لیے کیوں نہیں بھیجتے۔ آپؐ نے فرمایا ان سے تو ہر وقت مجھے کام رہتا ہے اور بے شک وہ دونوں دین اسلام کے لیے مثل کان اور آنکھ کے ہیں۔ پھر وہ کس طرح مجھ سے جُدا ہو سکتے ہیں۔ (حاکم ازالۃ الخفاء)

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے' میں علم کا شہر ہوں اور ابوبکرؓ اس کی بُنیاد (نیو) ہیں' اور عمرؓ اس کی چار دیواری ہیں' اور عثمانؓ اس کی چھت ہیں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ (فردوس دیلمی، صواعق محرقہ)

حضرت شقیق نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے۔ میں نے حضرت حذیفہ بن یمان سے سُنا وہ کہتے تھے' ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ تم میں سے کس کو فتنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد ہے۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں، میں نے کہا' انسان کا فتنہ اس کے اہل اور مال اور اولاد —————— ان سب کا کفارہ تو نماز اور صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں تم سے یہ فتنہ نہیں پوچھتا، بلکہ وہ فتنہ کہ جو دریا کی طرح موجزن ہو گا۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا، اے امیر المومنین' آپ کو اس فتنہ سے کچھ خوف نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے۔ عمرؓ نے پوچھا، وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حذیفہؓ نے جواب دیا۔ کھولا نہیں' بلکہ توڑا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ٹوٹ کر کبھی بند نہ ہو گا، حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ میں نے کہا' ہاں بے شک ایسا ہی ہو گا۔ شقیق کہتے ہیں کہ ہم نے حذیفہؓ سے پوچھا، کہ عمرؓ جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ ہاں' خوب جانتے تھے' جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ کل دن کے بعد رات ضرور ہوتی ہے اور یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ میں نے ان سے کوئی پیچیدہ بات نہیں کہی تھی، بلکہ صاف صاف حدیث بیان کی تھی۔ پھر ہماری جرأت نہ ہوئی، حضرت حذیفہؓ سے دریافت کریں کہ دروازہ سے کیا مراد ہے، لہٰذا ہم نے مسروق سے کہا کہ وہ ان سے دریافت کریں؛ چنانچہ اُنھوں نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ دروازہ کون تھا۔ اُنھوں نے جواب دیا حضرت عمرؓ ہی دروازہ تھے۔ (بخاری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے دُنیا کو کیا دیا، دُنیا سے کیا لیا؟

مولانا محمد یوسف سنت پوری

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" اور جنابِ صدیق اکبرؓ کے بعد سیدنا فاروقِ اعظمؓ اس قولِ مبارک کی زندہ و پائندہ تصویر و تفسیر تھے۔ دنیاوی آرام و راحت اور مادی خواہشات کی طرف سے جس بے نیازی و استغنا کا عملی مظاہرہ آپ نے فرمایا، حکمرانوں کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ کا رہن سہن کسی بھی غریب آدمی سے بلند اور برتر نہ تھا۔ آپ کی بُود و باش سے کوئی شخص پہچان نہیں سکتا تھا کہ اس شخص نے وقت کی دو عظیم ترین سیاسی قوتوں کو زمین بوس کر دیا ہے اور اس دَور کی دُنیا کی سب سے بڑی سلطنت اس کے زیرِ نگیں ہے۔ انہی خصوصیات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سیدنا علی مرتضےٰ نے فرمایا تھا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو قیامت تک آئندہ سلاطین کے لیے حُجت بنایا ہے۔ خدا کی قسم وہ دونوں سبقت لے گئے اور اپنے بعد والوں کو سخت مشکل میں چھوڑ گئے۔ اُن کی یاد اُمّت کو مغموم اور حکّام کو مطعون کرتی رہے گی"۔

ذیل میں وہ واقعات نقل کیے جا رہے ہیں، جو حکمرانوں کی پوری تاریخ میں عجوبے سے کم نہیں اور سیدنا عمر فاروق کا طرۂ امتیاز تھے:

- ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ انھوں نے سیدنا عمرؓ کی چادر میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا دیکھا۔
- سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، حضرت عمرؓ کے دونوں شانوں کے درمیان کُرتے میں تین پیوند لگے ہوئے تھے۔ (صواعق محرقہ)
- انسؓ کہتے ہیں میں نے عمرؓ کو جب آپ امیر المومنین تھے دیکھا کہ کُرتے میں دونوں کاندھوں کے درمیان تین پیوند ایک کے اوپر ایک لگے ہوئے تھے۔
- انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کے سامنے ایک صاع کھجوریں دیکھیں وہ اُن کو کھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ خراب اور سُوکھی کھجوریں بھی، اور اس وقت آپ امیر المومنین تھے۔
- یحییٰ بن سعید سے روایت ہے حضرت عمرؓ روٹی گھی سے لگا کر کھا رہے تھے کہ ایک بدّو آیا، آپ نے اس کو بُلایا

گیا اور روٹی کے ساتھ جو گھی کا میل کچیل پیالے میں لگ رہا تھا وہ بھی کھانے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تو تو بڑا اندیدہ ہے (یعنی تجھ کو سالن میسّر نہیں) اس نے کہا: قسم خدا کی میں نے اتنی مدت میں گھی نہیں کھایا، نہ اس کے ساتھ کھاتے دیکھا۔ (اس وجہ سے کہ اس زمانے میں ایک مدت سے قحط تھا، لوگ تکلیف میں مبتلا تھے) حضرت عمرؓ نے کہا اب میں بھی گھی نہ کھاؤں گا، جب تک کہ لوگوں کی حالت پہلے کی سی نہ ہو جائے۔ یعنی قحط جاتا رہے اور ارزانی ہو جائے۔ (موطا امام مالک)

عتبہ بن ابی فرقد کی روایت ہے میں نے سیدنا عمرؓ کا کھانا دیکھا۔ روٹی کے ساتھ زیتون تھا۔ ایسا بدمزہ کہ میں ایک لُقمہ نہ نگل سکا۔ میں نے کہا: کیا امیر المومنین آپ کے پاس مائدہ نہیں ہے؟ فرمایا کیا اور سب مسلمانوں کے لیے ہوسکتا ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا عتبہ تم پر افسوس ہو۔ کیا میں دُنیاوی زندگی میں لذیذ کھانا کھاؤں؟ (اسد الغابہ)

ابنِ سعد نے آصف بن قیس کے حوالے سے لکھا ہے، ایک روز ہم حضرت عمرؓ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک باندی گزری۔ لوگوں نے کہا کہ یہ امیر المومنین کی باندی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ امیر المومنین کی باندی نہیں ہے اور کیسی باندی جبکہ امیر المومنین کے لیے خداوند تعالیٰ کے مال میں سے باندی رکھنی حلال بھی نہیں ہے"۔ ہم نے عرض کیا، تو پھر کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: "عمر کے لیے سوائے ان چیزوں کے اللہ تعالیٰ کے مال سے کچھ حلال نہیں ہے۔ دو کپڑے جاڑوں کے، دو گرمیوں کے۔ حج اور عمرے کا خرچ۔ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا کھانا اور یہ بھی مثل ایک مردِ قریش معمولی درجہ کے موافق کہ نہ امیر ہو نہ فقیر۔ کیونکہ میری بھی وہی حیثیت ہے جو ایک معمولی مسلمان کی"۔ (تاریخ الخلفاء)

- ہُرمزان بڑی شان و شوکت کا سپہ سالار تھا۔ یزدگرد شہنشاہِ ایران نے اُسے اہواز اور فارس کے دو صوبوں کی گورنری دے کر مسلمانوں کے مقابلے میں بھیجا تھا۔ جنگ ہوئی تو ہرمزان نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ اسے مدینہ منوّرہ میں صحیح سلامت پہنچا دیا جائے۔ عمرؓ جو کچھ بھی فیصلہ کریں گے، اسے منظور ہوگا۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہُوا۔ بڑے بڑے ایرانی رئیس اس کے ہمراہ تھے۔ جب یہ مدینہ منوّرہ کے قریب پہنچا، تو اس نے تاجِ مرصّع سر پر رکھا، دیبا کی قبا زیبِ تن کی، کمر سے مرصّع تلوار لگائی اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ دار الخلافہ میں داخل ہُوا۔ مسجدِ نبوی کے قریب پہنچکر پُوچھا، امیر المومنین کہاں ملیں گے۔ ایرانیوں کا خیال تھا جس شخص کے دبدبے نے تمام دُنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے، اس کا دربار بھی بڑے ساز و سامان کا ہوگا۔ ایک بدوی نے اشارہ سے بتایا، وہ ہیں امیر المومنین۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت صحنِ مسجد میں فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔
- جب یرمُوک میں ۳۰ ہزار رومی اپنے پاؤں میں بیڑیاں پہن کر مسلمانوں کے ساتھ لڑے، تو حضرت عمرؓ کا کیا حال تھا؟ صحیح روایت ہے جب تک یہ لڑائی ہوتی رہی حضرت رات کے وقت چین سے نہیں سوئے۔ پھر جب فتح کی خبر پہنچی تو بے اختیار سجدہ میں گر گئے۔
- جنگِ قادسیہ میں شہنشاہِ ایران نے ملک کی آخری طاقتیں میدانِ جنگ میں جھونک دی تھیں۔ جنگ کی بلاخیزی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ صرف ایک دن کے اندر معرکہ اغواث میں ۱۰ ہزار ایرانی اور ۲ ہزار مسلمان مقتول و مجروح ہوئے۔ حضرت کا یہ حال تھا کہ جب سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہُوا تھا، آپ ہر روز طلوعِ آفتاب کے ساتھ مدینہ منوّرہ سے نکل جاتے تھے، اور کسی درخت کے نیچے اکیلے کھڑے ہو کر قاصد کی راہ تکتے رہتے تھے۔ جب قاصد فتح کی خبر لایا تو آپ اس وقت بھی باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ جب معلوم ہُوا سعدؓ کا قاصد ہے تو آپ نے حالات پوچھنے شروع کر دیے۔ قاصد اُونٹ کو بھگائے جاتا تھا، حالات بیان کرتا جاتا تھا اور سیدنا فاروق رکاب کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے۔ شہر کے اندر مسلمانوں نے انہیں امیر المومنین کہہ کر پکارنا شروع کیا تو قاصد حیران رہ گیا کہ آپ ہی رسول اللہ کے جانشین ہیں۔ اب قاصد کہتا ہے: امیر المومنین! آپ نے اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔ مگر آپ فرماتے تھے، یہ نہ کہو اپنی اصلی بات جاری رکھو۔ قاصد بیان کرتا گیا اور آپ اسی طرح سواری کے ساتھ ساتھ چل کر گھر تشریف لائے۔

جب خلافت کی ذمّہ داری قبول فرما چکے تو مسلمانوں کو مسجدِ نبوی میں جمع کر کے ارشاد فرمایا: "مسلمانو! مجھے تمہارے مال میں اسی قدر حق ہے جس قدر کہ یتیم کے سرپرست کو یتیم کے مال میں ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہُوا، تو کچھ معاوضہ نہیں لوں گا۔ اگر تہی دست ہو گیا تو صرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانے کا خرچ لوں گا۔ پھر بھی مجھ سے برابر باز پُرس کرتے رہنا کہ میں نہ تو بے جا طور پر خرچ کروں اور نہ بے جا طور پر جمع کروں۔

• بیماری میں شہد کی ضرورت ہوئی تو مسجد نبوی میں سب کو جمع کر کے درخواست کی کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں۔ لوگوں نے منظور کیا تو شہد لیا۔ (نبی اور یارانِ نبی کے آخری لمحات۔ تاریخ الخلفاء)

• رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ آنسوؤں کی روانی سے چہرۂ اقدس پر دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔ (نبی اور یاران نبی کے آخری لمحات۔ تاریخ الخلفاء)

• حضرت عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب قرأت کرتے ہوئے آیہ پاک "انما اسکوا بثی وحزنی الی اللّٰہ" پر پہنچے تو اس زور سے روئے کہ لوگ مضطرب ہو گئے۔ (نبی اور یاران نبی کے آخری لمحات)

امام حسن سے روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب اس آیہ کریمہ پر پہنچے "ان عذاب ربک لواقع ٭ مالہ من دافع" تو اس قدر روئے کہ روتے روتے آنکھیں سُوج گئیں۔

• بعض دفعہ لوگوں کو شبہ ہوتا کہ فرطِ غم سے آپ کا دل پھٹ جائے گا اور اب آپ زندہ نہیں رہیں گے۔ کئی دفعہ حالت اس قدر رقیق ہو جاتی تھی کہ کئی کئی دن تک لوگ بیمار پُرسی کرنے آتے تھے۔

• ایک صحابی اُن اعمالِ حسنہ کا ذکر کر رہے تھے، جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر انجام دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ بے قرار ہو گئے اور ارشاد فرمایا: "مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں تو اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ اگر اجر نہ ملے، تو عذاب ہی سے بچ جاؤں"۔

• ایک راستہ سے گزر رہے تھے کہ کچھ خیال آیا۔ وہیں آپ زمین کی طرف جُھکے اور ایک تنکا اٹھا لیا۔ پھر ارشاد فرمایا: "اے کاش! میں اس تنکے کی طرح خس و خاشاک ہوتا۔ اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا: اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا دُنیا کے تمام لوگ بخش دیئے گئے ہیں، تب بھی میرا خوف زائل نہیں ہو گا۔ میں سمجھوں گا شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں گا۔

ایک دن آپ کی صاحبزادی اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اور حضرت عبداللہؓ نے جرأت کر کے کہہ دیا، والدِ محترم! خدا نے آپ کو بڑا درجہ دیا ہے۔ آپ کو اچھے لباس اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیئے۔

ارشاد فرمایا: "اے جانِ پدر، معلوم ہوتا تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کو بھول گئی ہو۔ خدا کی قسم میں انہیں کے نقشِ قدم پر چلوں گا تا آنکہ آخرت کی مسرت حاصل کر لوں۔ اس کے بعد آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگدستی کا ذکر چھیڑ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بے قرار ہو کر رونے لگیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: تمہاری نصیحت کا میں شکر گزار ہوں، لیکن میں نے اپنے دونوں دوستوں کو اسی شاہراہ پر چھوڑا ہے۔ اگر خدا نخواستہ میں ان کی راہ کو چھوڑ دوں، تو ان دونوں کی منزل کو میں نہیں پا سکتا"۔

• کہتے ہیں کہ ایک سال ذرا خشک سالی ہوئی، تو آپ نے اس سال گھی اور گوشت کھانا چھوڑ دیا۔

• ایک دفعہ اس شخص کو جس نے کھانے کے متعلق کہا تھا، فرمایا: "تجھ پر افسوس کہ میں اس چند روزہ زندگی کو اچھا کھانا کھا کر اور دُنیا کے مزے لے کر گزار دوں"۔

• ایک دن یزید بن ابی سفیان نے آپ کی دعوت کی۔ جب دستر خوان پر بعض اچھے کھانے آئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑ دو گے، تو مزید بھٹک جاؤ گے"۔

• حضرت احوص اپنے باپ حکیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے سامنے گوشت پیش کیا گیا، جس میں گھی پڑا ہوا تھا آپ

نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "یہ ایک سالن نہیں ہے۔ یہ دو سالن ہیں۔ گھی الگ سالن ہے، اور گوشت الگ سالن ہے۔ پھر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ دونوں سالنوں کو جمع کر کے کھایا جائے"۔ (تاریخ الخلفاء و ابن سعد)

• صحابہ کرامؓ نے آپ کے جسم پر کبھی نرم کپڑا نہیں دیکھا۔ آپ کے کُرتے میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ جب اسی حال میں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے، تو مسلمان شرما جاتے تھے، مگر آپ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں نے مل کر کہا: "امیر المومنین! خدا تعالیٰ نے آپ کو مرتبہ دیا ہے، شہنشاہوں کے سفیر آپ کے پاس آتے ہیں۔ اب آپ کو اپنی معاشرت بدل دینی چاہیئے"۔ فرمایا: "افسوس ہے۔ تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہو کر مجھے دُنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو۔ اے عائشہؓ۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو بھول گئیں، جبکہ گھر میں صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا۔ اسی کو آپ دن کے وقت بچھاتے تھے اور اسی کو رات اوڑھتے تھے۔ اے حفصہؓ! کیا تمہیں یاد نہیں، جب ایک رات تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو دوہرا کر کے بچھا دیا تو آپ رات بھر سوئے رہے۔ پھر صبح اُٹھتے ہی حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ حفصہؓ! یہ تم نے کیا کیا کہ تم نے میرے بستر کو دوہرا کر دیا، اور میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دُنیاوی آسائشوں سے کیا تعلق۔ تم نے فرش کی نرمی سے مجھے کیوں غافل کر دیا؟"

• ایک دفعہ کرتہ پھٹ گیا، تو آپ پیوند پر پیوند لگاتے تھے۔ حضرت حفصہؓ نے روکا، تو فرمایا: "اے حفصہؓ! میں مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا"۔

• اپنی خلافت کے زمانہ میں اُون کا جُبّہ پہن لیتے تھے، جس کو چمڑے کے پیوند لگے ہوتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء عن قتادہ)

• اسی طرح دُرّہ لیے ہوئے بازار چلے جاتے تھے اور اہلِ بازار کو ادب و سلیقہ کی تلقین فرماتے تھے۔ اگر آپ ترکش کی پُرانی رسی یا کھجور کی گٹھلی زمین پر پڑی دیکھتے، تو اس کو اٹھا لیتے تھے اور لوگوں کے گھروں میں پھینک دیا کرتے تھے، تاکہ لوگ پھر اس سے نفع اٹھائیں۔ (تاریخ الخلفاء)

اپنے وسیع کنبے کے لیے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ سفرِ حج میں کُل ۱۶ دینار خرچ ہو گئے۔ اس پر آپ بار بار افسوس کرتے تھے کہ مجھ سے فضول خرچی ہو گئی ہے۔

• ایک مرتبہ جُمعہ کے دن منبر پر خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے، تو سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کے کُرتے کے پیوند گنے۔ وہ شمار میں بارہ تھے۔

• ایک بار بحرین سے مالِ غنیمت میں مُشک و عنبر آیا، اور اُسے تقسیم کرنے کے لیے آپ کو ایک ایسے شخص کی تلاش ہوئی، جو نہایت احتیاط کے ساتھ وزن کر سکے۔ آپ کی بیوی نے کہا، میں نہایت ہی خوش اسلوبی سے اس خدمت کو سرانجام دے سکتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: عاتکہ! تم سے یہ کام نہیں لوں گا۔ مجھے ڈر ہے مُشک تمہاری اُنگلیوں میں لگ جائے گا۔ پھر تم اسے اپنے جسم پر ملو گی، اور جواب دہ اس کا میں ہوں گا۔

• ایک دفعہ سر پر چادر ڈال کر دوپہر میں گشت کے لیے نکلے۔ اس وقت ایک غلام گدھے پر سوار جا رہا تھا، چونکہ تھک گئے تھے، اس لیے سواری کی خواہش کی۔ غلام فوراً اُتر پڑا، اور گدھا پیش کیا، فرمایا: "میں تمہیں اس قدر تکلیف نہیں دے سکتا۔ تم بدستور سوار رہو، میں پیچھے بیٹھ جاتا ہوں۔ اسی حالت میں مدینہ منورہ کے اندر داخل ہوئے۔ لوگ حیران ہوتے تھے کہ غلام آگے بیٹھا ہے اور امیر المومنین اس کے پیچھے سوار ہیں"۔

• جب حج ادا فرمایا، تو اپنے کمبل کا سایہ کر لیا یا ٹاٹ کو درخت پر ڈال کر سایہ بنا لیا۔

۱۸ھ میں قحط پڑا، اس وقت آپ کی بیقراری قابلِ دید تھی۔ گوشت گھی اور تمام مرغوب غذائیں ترک فرما دیں۔

• حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ عام الرمادہ (قحط کا سال) میں آپ نے گھی کھانا چھوڑ دیا۔ ایک روز آپ نے روغنِ زیتون

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھالیا۔ آپ کے شکم مبارک میں قراقر ہوا، تو آپ نے انگلی ڈال کر قے کردی اور فرمایا جب تک قحط سالی موجود ہے، مجھے اس قسم کی چیز نہیں کھانی چاہیئے۔ اور اسی وجہ سے اس سال آپ کا چہرہ مبارک زرد پڑ گیا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، مجھے سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو میرے عیب مجھ پر ظاہر کرے۔

○ ایک روز مشک کاندھے پر اٹھا کر لے چلے، لوگوں نے کہا یہ کیا۔ آپ نے فرمایا: میرے نفس میں تکبر پیدا ہو گیا تھا۔ اس کو میں نے ذلیل کیا ہے۔

○ شروع میں آپ نے بیت المال سے بہت دیر تک کچھ لے کر نہ کھایا۔ یہاں تک کہ فاقوں کی نوبت آگئی۔ صحابہ کرام سے مشورہ کیا، اور فرمایا میرا نفس اس مال پر قانع ہو گیا ہے، اس لیے میرے واسطے اس سے کچھ لینا درست نہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ صبح و شام کا کھانا لے لیا کیجئے، چنانچہ یونہی عمل کیا۔ (صواعق محرقہ)

محمد بن سیرین فرماتے ہیں آپ کے خسر آپ کے پاس آئے اور انہوں نے چاہا کہ انہیں کچھ بیت المال میں سے دے دیں۔ آپ نے جھڑک دیا اور کہا: کیا آپ چاہتے ہیں خداوند تعالیٰ کے نزدیک میں خیانت کنندہ بادشاہوں میں شمار کیا جاؤں۔ پھر آپ نے اُن کو اپنے مال سے دس ہزار درہم عطا فرمائے۔ (تاریخ الخلفاء)

○ ایک دن اپنے بیٹے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا، تو سخت خفا ہوئے اور کہنے لگے مسلمان بھوک کے مر رہے ہیں اور تم میوے کھاتے ہو۔

○ ایک روز اپنے بیٹے عاصم کے پاس آئے، اور انہیں گوشت کھاتے دیکھ کر فرمایا۔ یہ کیا کھا رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ میرا دل گوشت کو بہت چاہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، آدمی اسراف کر کے ہی وہ چیز کھا سکتا ہے جو اس کی طبیعت چاہے۔

○ جو لوگ محاذ جنگ پر ہوتے، ان کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر انھیں بازار سے سودا سلف لا دیتے۔ اہلِ فوج کے خطوط آتے تو خود گھروں میں پھر کر پہنچاتے۔ جس گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا، وہاں خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے، اس کو لکھ دیتے۔ (نبی اور یارانِ نبی کے آخری لمحات)

○ اسلم کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا دل تازہ مچھلی کو چاہتا ہے۔ آپ کا غلام نیفا نامی اونٹ پر سوار ہو کر مچھلی لینے گیا اور ایک مچھلی خریدی۔ راستہ میں لوٹتی بار اپنے اونٹ کو نہلا لایا۔ آپ نے فرمایا مچھلی ابھی رکھو، میں اپنے اونٹ کو دیکھ لوں، چنانچہ آپ اونٹ کے پاس تشریف لائے اور اس کے کان کے نیچے پسینہ لگا ہوا دیکھا، تو فرمایا کہ میری خواہش نے اس جانور کو بے فائدہ تکلیف دی۔

○ حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں ایک باغ میں گیا۔ ابھی میں دیوار کے اس طرف تھا اور حضرت عمرؓ دوسری طرف کہ میں نے سنا حضرت فرما رہے تھے، کہ اے عمرؓ تو کہاں اور کہاں امیر المومنین کا رتبہ، ذرا خدا سے ڈر، ورنہ اللہ تعالیٰ تجھ کو سخت عذاب دیگا۔

○ ابن سعد نے حسن سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک امیر کو دوسرے امیر کی جگہ تبدیل کر کے قوم کی اصلاح کر لوں۔

○ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا۔

○ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے۔ اس لیے انھیں کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کے لیے ڈال رکھا تھا، خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

○ ایک روز خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لائے، تو صرف اتنا فرما کر منبر سے اتر آئے۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ جب میں ایک مٹھی جو کے عوض اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس وقت غالباً جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا، اے امیر المومنین! آخر یہ الفاظ کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ فرمایا:

ابھی ابھی مجھے خیال آیا تھا کہ آج میں ایک پوری قوم کا والی ہوں، تو اپنا دماغ درست کرنے کے لیے سب کے سامنے اپنی

گذشتہ حالتِ فقر کو بیان کرنا ضروری سمجھا۔

○ بیواؤں اور رانڈوں کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ رات کے وقت ان کے لیے پانی بھرا کرتے۔ ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ان کو رات کے وقت ایک گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں۔ میں دن کو اس کے گھر گیا، تو وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ اندر ایک اندھی بڑھیا بیٹھی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ یہ آدمی جو رات کو تمہارے گھر آتا ہے، کیا کام کرتا ہے۔ وہ بڑھیا بولی۔ کئی دنوں سے وہ میری خبر گیری کرتا ہے اور جس چیز کی مجھ کو ضرورت ہوتی ہے، وہ دے جاتا ہے۔ میرے گھر میں جھاڑو دے جاتا ہے اور میرا پیشاب پاخانہ صاف کرتا ہے۔ حضرت طلحہ فرماتے ہیں، میں یہ سن کر دل میں بہت نادم ہوا اور اپنے آپ سے کہا۔ تیری ماں تجھے گم پائے کیا عمرؓ کی لغزشوں کی ٹوہ کرتا ہے؟

○ ایک دن صدقہ کے اونٹوں کو تیل مل رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا، اے امیر المومنین کسی غلام کو یہ کام دیا ہوتا۔

○ ایک دفعہ خدمت میں شہد کا شربت لایا گیا۔ آپ نے پیالے میں ہاتھ رکھ کر فرمایا، اگر شربت کو پی لوں، تو کچھ دیر میں اس کی مٹھاس بھول جائے گی، مگر ذمہ داری باقی رہ جائے گی۔ تین دفعہ یہی کلمات دہرائے اور پھر ایک غریب کو پلا دیا۔

○ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر مقرر کیے گئے، تو لوگوں نے کہا جو کچھ دل چاہے طلب کیجئے۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا، صرف میرا کھانا اور میرے گدھے کا چارہ، میں اس سے زیادہ نہیں چاہتا۔ آپ گورنری کے بعد جب واپس مدینے پہنچے، تو جس حال میں گئے تھے۔ اس میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔ سیدنا فاروق نے آپ کو دیکھا، تو بے اختیار لپٹ گئے۔ اور فرمایا:

"تم میرے بھائی اور میں تمہارا بھائی"

○ مروی ہے ایک دن ابن عمرؓ مکتب سے روتے روتے آئے۔ عمرؓ نے فرمایا: صاحبزادے کیوں روتے ہو۔ جواب دیا مکتب کے لڑکوں نے میرے پیوند گنے اور کہا دیکھو یہ امیر المومنین کے صاحبزادے ہیں جن کے کرتے میں اس قدر پیوند لگے ہیں۔ اس وقت حضرت کے کپڑے میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے، جن میں بعض چمڑے کے تھے۔ اپنے خزانچی کے پاس ایک آدمی بھیجا اور یہ کہا کہ ہمیں بیت المال سے ایک مہینہ کے وعدے پر چار درہم قرض دے دو۔ اگلے مہینے ہمارے اس وظیفہ سے جو ماہ بماہ ملتا ہے، وضع کر لینا: خزانچی نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ اگر آپ کو مہینہ بھر تک اپنی زندگی کا بھروسہ ہے، تو میں چار درہم دے سکتا ہوں۔ ورنہ بالفرض آپ اس عرصہ میں انتقال کر گئے اور بیت المال کے درہم آپ کے ذمہ رہے تو کیا کیجئے گا۔ یہ سن کر بہت رقت طاری ہوئی اور بیٹے سے کہا تم اسی طرح مکتب میں چلے جاؤ۔ مجھے اپنی زندگی کے متعلق گھڑی بھر کا بھروسہ نہیں۔

○ قیس بن حازم کا قول ہے کہ جب شام کے ملک کی طرف گئے، تو آدھے رستے خود اونٹ پر سوار ہوئے اور آدھے رستے غلام کو بٹھایا۔ کبھی غلام نکیل پکڑ کے آگے چلتا اور کبھی خود نکیل تھامتے تھے۔ جب ملک شام کے قریب پہنچے، تو غلام کے سوار ہونے کا نمبر تھا۔ حضرت نکیل تھام کر آگے بڑھے، رستے میں پانی آگیا۔ اپنی جوتیاں بغل میں لے کر پانی میں داخل ہوئے۔ اتنے میں حاکم شام حضرت ابوعبیدہ بن الجراح جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے تشریف لے آئے اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین شام کے بڑے بڑے رئیس آپ کے استقبال کے لیے آنے والے ہیں میں مناسب نہیں سمجھتا آپ کو ایسی حالت میں دیکھیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی عزت عطا فرمائی ہے۔ اس لیے لوگوں کے اعتراضات کی پروا نہ ہونی چاہیئے۔

○ حج کو تشریف لے جا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں ایک بڈھا ملا جس نے قافلے کو روک کر پوچھا:

"تم ہی رسول اللہ ہیں؟"

"نہیں۔ ان کا تو وصال ہو چکا ہے" حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ اس پر بوڑھا بے اختیار رونے لگا۔

پھر پوچھا "رسول اللہ کے بعد کون خلیفہ ہوا؟"

"حضرت ابوبکرؓ" حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وہ تم میں ہیں؟ بوڑھے نے پوچھا۔
نہیں۔ ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔
ان کے بعد کون خلیفہ ہوا؟ بوڑھے نے روتے ہوئے پوچھا۔
عمر بن خطاب۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔
وہ تم میں ہیں؟ بوڑھے نے کہا۔
میں عمر بن خطاب ہوں۔ حضرت عمرؓ نے بتایا۔
تو میری فریاد رسی کرو۔ مجھے کوئی ایسا آدمی نہیں ملتا جو میری ضروریات میں میری مدد کرے۔ بوڑھے نے کہا۔
تم کون ہو؟ میں تمہاری فریاد رسی کروں گا۔ انشاءاللہ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

میرا نام ابوعقیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دعوتِ اسلام دی۔ میں آپ پر ایمان لایا۔ آپ نے مجھے اپنے جوٹھے پلائے اور میں اب تک بھوک اور پیاس میں اس کی لذت اور سیرابی کو محسوس کرتا ہوں۔ پھر میں نے بکریوں کا ایک گلہ لیا اور ان کو اب تک چراتا رہا۔ نماز پڑھتا ہوں۔ روزہ رکھتا ہوں، مگر اس سال بدبختی نے ایک بکری کے سوا جس کا ہم لوگ دودھ پیتے ہیں، کچھ نہ چھوڑا۔ اس کو بھی بھیڑیا اٹھا لے گیا۔ اب آپ میری دستگیری فرمائیے۔ بوڑھے نے تفصیل کے ساتھ حضرت عمرؓ سے عرض کیا۔

تھوڑے فاصلے پر چشمہ ہے۔ تم ہم سے وہاں ملو۔ حضرت عمرؓ نے بوڑھے کو ہدایت کی۔ قافلہ روانہ ہوگیا۔ اور اونٹوں کی گھنٹیوں سے فضا لبریز ہوگئی۔

منزل پر پہنچے، تو حضرت عمرؓ ایک اونٹنی کی مہار پکڑے بڈھے کا انتظار کرنے لگے لیکن جب اس کے آنے میں دیر ہوئی اور قافلے کی روانگی کا وقت آگیا، تو حضرت عمرؓ نے چشمے کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ ابوعقیل نامی ایک بوڑھا آئے گا۔ تم اس کو اور اس کے اہل و عیال کو کھلاتے پلاتے رہنا۔ یہاں تک کہ میں حج سے واپس آجاؤں، اور قافلہ پھر آگے کو روانہ ہوگیا۔ حج سے فارغ ہو کر لوٹے، تو اس چشمے پر پہنچے، اور اس کے مالک سے پوچھا۔ ابوعقیل کہاں ہے۔ جس کی خدمت کرنے کے لیے میں ہدایت کر گیا تھا۔

امیر المومنین! جب وہ آیا، تو بخار میں مبتلا تھا۔ میں نے تین دن اس کی تیمارداری کی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے جا ملا اور میں نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کر دیا۔ اس نے بتایا۔
اس کی قبر کہاں ہے۔ امیر المومنین نے پوچھا۔
چشمے کے مالک نے ایک قبر کی نشاندہی کی۔ حضرت عمرؓ نے اس قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد اس کے اہل و عیال کو ہمراہ لے گئے اور جب تک زندہ رہے، ان کی کفالت کرتے رہے۔ (اسلامی زندگی از نصر اللہ خاں عزیز)

ایک روز بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک نوجوان عورت نے ان کا دامن پکڑ کر ٹھہرا لیا۔ اور کہا: امیر المومنین! میرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اور اس نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں جو کسی کام کاج کے قابل نہیں اور کوئی کھیتی باڑی یا مویشی نہیں چھوڑے کہ ان کی آمدنی سے بسر اوقات ہو سکے۔ میں بچوں کو چھوڑ کر کوئی محنت مزدوری بھی نہیں کر سکتی۔ میں ڈرتی ہوں کہ ان کو درندے نہ کھا جائیں۔ امیر المومنین! خفاف بن ایماء انصاری کی لڑکی ہوں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔

حضرت عمرؓ نے اس عورت کو وہیں ٹھہرنے کو کہا اور خود تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے، تو اس حال میں کہ روم و فارس کے فاتح کے ہاتھ میں اونٹ کی نکیل تھی۔ اونٹ پر غلہ اور کپڑا لدا ہوا تھا۔

اونٹ کی مہار تھامو، اور اسے ہانک کر لے جاؤ۔ امیر المومنین نے اس عورت سے فرمایا۔

"امیر المومنین! آپ نے اس کو بہت زیادہ دے دیا۔" ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ "ارے کم بخت، اس کے باپ اور بھائی نے میرے سامنے مدتوں ایک قلعے کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر کے دم لیا۔ جو کچھ میں نے اس عورت کو دیا ہے وہ تو اس حسن خدمت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔" امیر المومنین نے جواب دیا۔

• ایک وقت بھی سیر ہو کر نہ کھاتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ قوت گھٹ گئی۔ جسم مبارک سوکھ گیا اور بڑھاپے سے بہت پہلے بڑھاپا محسوس کرنے لگے۔ ان ایام میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی دوسرا شخص بارِ خلافت اٹھا سکتا، تو خلیفہ بننے کے بجائے مجھے یہ زیادہ پسند تھا کہ میری گردن اڑا دی جائے۔

۲۳ھ میں کرمان، سجستان، مکران اور اصفہان کے علاقے فتح ہوئے۔ گویا سلطنتِ اسلامی کی حدود مصر سے بلوچستان تک وسیع ہوگئی۔ اسی سال آپ نے آخری حج فرمایا۔ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے ان پر چادر بچھائی۔ پھر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگے:

"خداوندا! اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے۔ میرے قویٰ کمزور پڑ گئے ہیں اور میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی ہے۔ اب تو مجھے اس حالت میں اٹھا لے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میری عمر کا پیمانہ اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔"

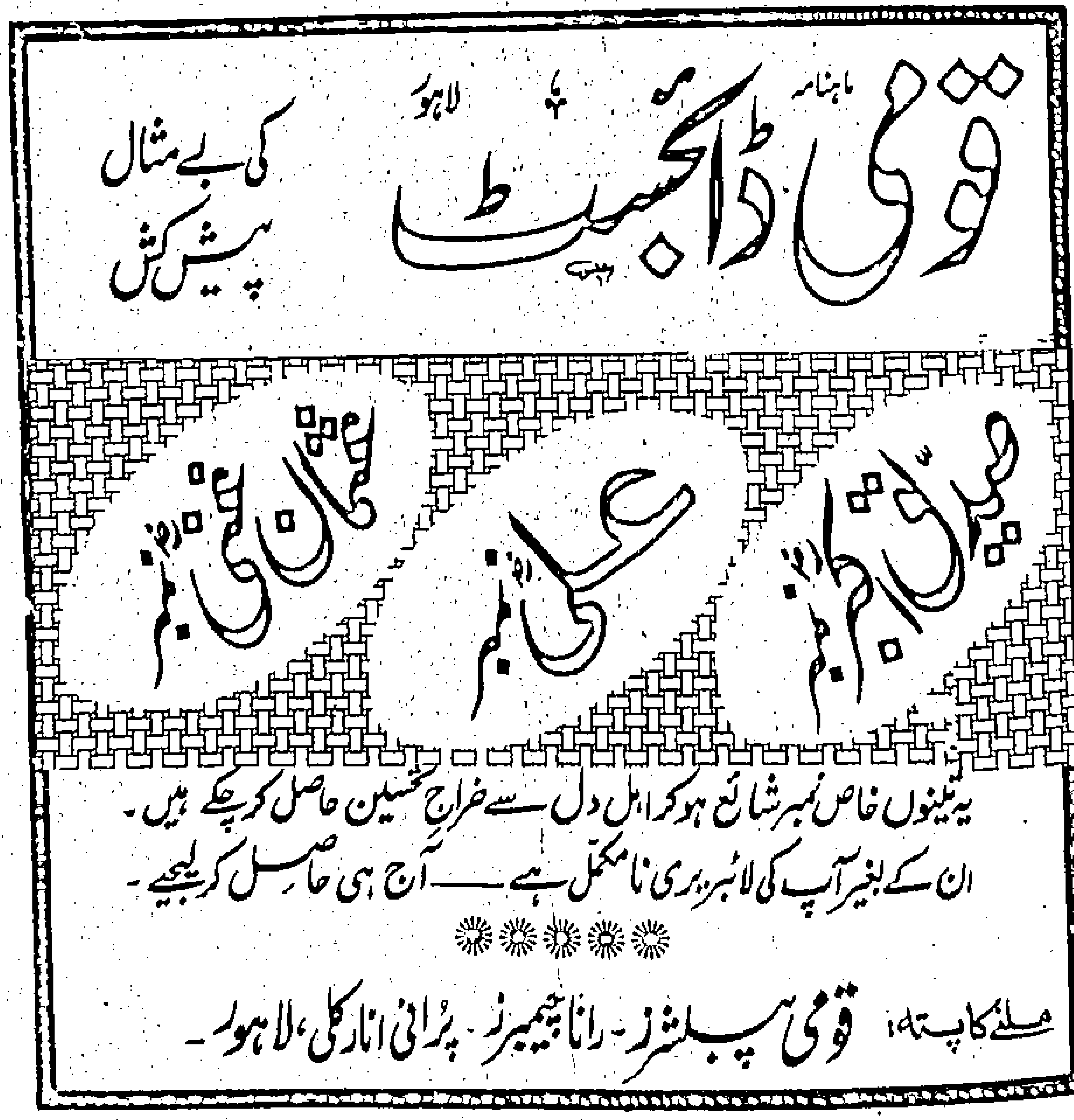

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے راہِ خدا میں اپنا گھر بار لٹا دیا!

فاروقِ اعظم

شمس نوید عثمانی

"آج آپ اس قدر مسرور کیوں ہیں؟"

اہلِ خانہ نے حضرت عمرؓ ابن خطاب کے بشرے میں کسی ولولہ انگیز جذبے کا شعلۂ جوالہ دیکھ کر ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"کیا؟" آپ کی آواز میں احتجاج کی تلخی تھی، ایک چوٹ کھایا ہوا جوش اور امڈتی ہوئی والہانہ سپردگی تھی۔ "کیا تم لوگ بھول رہے ہو کہ مغرور رومیوں کی فوجیں رسولِ خداؐ کی امت پر حملہ آور ہونا چاہتی ہیں"

"لیکن ... سوال میں اس بار کچھ اور ذہنی الجھاؤ کا اضافہ ہوگیا تھا،" لیکن ... دشمن کے حملے کی خبر پر یہ خوشی! مسلمان تو مدینے کے گلی کوچوں میں فکر و تشویش سے سرگوشی کرتے پھر رہے ہیں کہ اس بار دشمن ہمیشہ سے زیادہ طاقتور ہے۔ موسم کی تمازت ناقابلِ برداشت ہے اور خطرہ ہے کہ کھجوروں کی فصل تباہ ہوگئی تو ...."

"بس کرو!" عمرؓ کی غیرتِ ایمانی مشتعل ہو کر گرج اٹھی۔ "جو بزدل یہ بات کرتا ہے اس کا جواب میری تلوار ہے! اس لیے کہ یہ بات کہنے والا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ بزدلی اور ایمان ممکن نہیں کہ جمع ہوسکیں! (پھر ذرا رک کر دلربا برہمی کے ساتھ) تم اس شخص کو "مسلمان" کہہ سکتے ہو، جو دشمن کی طاقت کے احساس کو اس دل میں جگہ دے رہا ہے جہاں خدا کی لامتناہی طاقت کے ایمان نے کسی خوف کے لیے جگہ نہیں چھوڑی۔

"معاذ اللہ۔ خدا کی پناہ!"۔ اہلِ خانہ موقع کی نزاکت کو محسوس کر کے سہم گئے۔

"صحنِ مسجد سے ابھرتی ہوئی آواز سنو!" عمرؓ نے والہانہ جوش کے ساتھ کہا۔ "یہ خدا کے رسولؐ کی آواز ہے۔ یہ اس شخص کی آواز ہے، جو زمین پر خدا کے عرشِ بریں کا آخری نمائندہ ہے۔ نہیں! ۔ یہ صرف سننے نہیں، کچھ کر گزرنے کا وقت ہے۔ ایمانی زندگی کا آخری فیصلہ ہے جس کا ثبوت زبان کے لفظ نہیں خود اپنے جسم کا ٹپکا ہوا خون ہی دے سکتا ہے۔ صادق القول محمدؐ کے خدا نے ہم سے جس جنت کا وعدہ کیا ہے، اس پر یہ ساری دنیا ہنسی خوشی قربان کی جاسکتی ہے۔ (ذرا رک کر عجلت کے ساتھ) ہاں تم

لوگ اس گھر کا ساز و سامان اکٹھا کرو۔ سب کچھ۔ ایک ایک ذرہ!"

اہلِ خانہ اس غیر متوقع حکم پر چکرا گئے۔ وہ نہ سمجھ پائے کہ تبوک کے محاذ پر گھر کے برتن کس کام آسکتے ہیں۔

"ہاں ہاں! ۔ گھریلو ساز و سامان!!"۔ عمرؓ کی آواز میں بچوں کی سی معصوم خوشی تھی۔ جوانوں کا جوش و خروش اور بوڑھوں کی پُروقار سنجیدگی تھی، اور ساتھ ساتھ قربانی اور جانثاری کی ایک ایسی انتھاہ تڑپ تھی جس کے لیے سمندر کی گہرائیاں بھی کافی نہیں۔ "ہاں ہاں! عمرؓ اپنے محبوب رہنما کی آواز پر اپنا گھر لٹائے بغیر چین نہ پاسکے گا۔ آج زندگی کے ساتھ سامانِ زندگی لٹانے کی باری ہے (مجذوبانہ محویت کے سے عالم میں دل ہی دل میں سرگوشی کے انداز سے) "جو خدا ہمیشہ دینے کا عادی ہے وہ آج انسان سے کچھ مانگ رہا ہے! ۔ اللہ اکبر۔ کیسا حسین موقع ہے یہ۔ کتنا دلکش موڑ! ۔ خدا کے رسولؐ کی پکار پر خدا کے بندے جانیں پیش کر رہے ہیں۔ دولت نذر کر رہے ہیں، ہتھیار لا رہے ہیں لیکن عمر اپنا نصف گھر لٹا دے گا اور اس کی قیمت میں ان محبوب ہونٹوں پر وہ محبت بھری مسکراہٹ صرف اپنے لیے دیکھ سکے گا جس کو حاصل کرنے کے لیے ہر مسلمان کا سینہ فرطِ شوق سے پھٹا جا رہا ہے۔ (دھیرے دھیرے) ابوبکر! تمہارا بھلا ہو، تم نے ہمیشہ مجھے نیکی کی جنگ میں مات دی ہے۔ آج عمر تم پر ضرور بازی لے جانا چاہتا ہے۔ کاش! .... اگر گھر کی کفالت کا بوجھ ایک فرض نہ ہوتا تو خطاب کا بیٹا اپنا سب کچھ رسولِ خدا کے قدموں پر رکھ دیتا۔"

اور جب اپنے ایک ہاتھ میں جانِ عزیز اور دوسرے میں گھر بھر کی نصف ملکیت اٹھائے ہوئے آپ "منزلِ شوق" کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ چاروں طرف دین کی راہ میں دنیا لٹائی جا رہی ہے۔ قربانی کے شوق نے جذبے سے "جنون" کی شدت اختیار کرلی ہے۔ انسانی سمندر میں طوفان اٹھانے والا جنون۔ لوگ افتاں، خیزاں دوڑ رہے تھے۔ مدینہ کی پوری زندگی سمٹ سمٹ کر صحنِ مسجد میں اس گوشے کی طرف تڑپتی ہوئی جا رہی تھی، جہاں خدا کا رسولؐ "انسان" کا منتظر تھا۔ کاندھوں پر ہتھیاروں کے بوجھ لے جائے جا رہے تھے۔ دامنوں میں سمٹی ہوئی عمر بھر کی دولت جا رہی تھی۔ ایک ساعت پہلے جو زیور عورتوں کی کلائیوں اور گردنوں کو زینت دے رہے تھے ان کو وہی خواتین اپنے جسم سے نوچ نوچ کر آخرت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے جا رہی تھیں، اور جس کے پاس کچھ بھی نہ تھا وہ قربانی کی پیاس سے جلتی ہوئی زندگی کو ہتھیلی پر اٹھائے چلا جا رہا تھا۔ یہ عظیم ترین انسان کے غلام تھے جس نے آدمی کو دنیا کی غلامی سے ہمیشہ کے لیے آزاد کیا تھا جس نے چالیس سالہ صداقت کی زبان سے زندگی اور زمین۔ حیات اور کائنات کے آخری انجام کی خبر سنائی تھی جس نے پرستش کی آوارہ بتیابیوں کو اس کے خدائے واحد کی طرف لے جانے والی سیدھی راہ دکھائی تھی جس نے انسانی تاریخ میں پہلی بار خدا کی جنت کے مقابلے میں سلطنت کی پیش کش پر ٹھوکر ماردی تھی۔ جس کی صداقت پر انسان ہی نہیں، طائف کے جامد پتھر اور مکہ کے زہریلے کانٹے بھی گواہ تھے جس کی مقدس ہڈیوں کے زخموں اور گھائل رخسار کے خون کی بوندیں انسانیت کو صد بہار بنانے کے لیے اس زمین کے سینے میں ہمیشہ کے لیے جذب ہوچکی تھیں۔

خدا کے رسولؐ نے شکر کے عمیق ترین جذبے اور مسرت کے انتھاہ تبسم کے ساتھ جب اس حسین اجتماع کا جائزہ لیا جو لوٹنے نہیں لٹ جانے کے لیے بیتاب تھا، تو دل کی دھڑکنیں ہونٹوں پر تڑپ گئیں۔ "اے خدا کے سچے رسولؐ! ہماری قربانی قبول ہو!" آج یہاں ہر فرد خدا کی راہ میں سب سے پہلے کام آنے کے لیے دوسروں سے بازی لے جانے کے لیے بیتاب تھا۔

"اے عمرؓ!"۔ یہ خدا کے رسولؐ کی نغمہ آفریں صدائے دلنواز تھی۔ وہ آواز جس کی آڑ میں خدا انسانیت سے باتیں کرتا تھا "میرے ماں باپ آپ پر نچھاور! میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسولؐ!" عمرؓ فرطِ شوق و عقیدت سے آج اس انسان پر جان دینے کو کتنے بیتاب تھے، جس کی جان لینے کے لیے کبھی مکہ کے گلی کوچوں نے ان کی تلوار بے نیام ہوتے ہوئے دیکھی تھی۔

"اے خطاب کے بیٹے!" آپؐ نے کمال شفقت کے ساتھ فخر و حسرت کے انداز میں فرمایا "کیا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا۔ گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا؟"

"اے خدا کے رسولؐ!" عمرؓ کی آواز میں شکر کا عجز، مسرت کی بے پناہی اور سپردگی و ایثار کا حیات انگیز اظہار تھا۔ "میرے پاس جو کچھ تھا اس کے دو ٹکڑے کیے، آدھا دین کے لیے حاضر ہے، آدھا دنیا کے فرائض کے لیے چھوڑ آیا" ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

انھوں نے دریا کو کیسے بدل ڈالا، فاصلوں کو کیسے سمیٹ دیا؟

علی طنطاوی

ساریہ! پہاڑ

ایک روز مدینے میں خطبہ دے رہے تھے، خطبہ دیتے دیتے بولے: "اے ساریہ بن حصن! پہاڑ، پہاڑ، جس نے بھیڑیئے کو چرواہا بنایا، ظلم کیا۔"

لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے، مگر کچھ بھی مطلب نہ سمجھ سکے۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت علیؓ نے پوچھا: "آپ نے یہ کیا کہا تھا۔"

دریافت فرمایا: "اور کیا آپ نے سُنا؟" انہوں نے کہا: "میں نے اور تمام مسجد والوں نے۔" فرمایا: "مجھے الہام ہوا کہ مشرکین نے ہمارے بھائیوں کو شکست دے دی اور وہ اُن پر غالب آ گئے۔ وہ ایک پہاڑ سے گزر رہے ہیں۔ اگر وہ لوگ اس پہاڑ کی طرف مائل ہو جائیں تو اُن کی فتح ہو گی، ورنہ وہ ہلاک ہو جائیں گے، لہٰذا میری زبان سے وہ کلمات نکل گئے۔"

ایک ماہ کے بعد فتح کی خوش خبری لے کر قاصد آیا تو اس نے کہا: "ہم لوگوں نے اُسی دن اور اُسی گھڑی حضرت عمرؓ کی سی آواز سُنی، ہم پہاڑ سے گزر چکے تھے، مگر یہ آواز سُن کر اُس کی طرف چل دیے اور اللہ نے ہمیں فتح دی۔"

دریائے نیل کے نام خط

ابن الحکم نے بیان کیا ہے: "جب حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر کو فتح کر لیا تو وہاں کے باشندے بُونہ میں اُن سے ملے اور کہا: "اے امیر! ہمارے نیل کا ایک مقررہ اصول ہے، تب ہی یہ ٹھیک بہتا ہے۔" انہوں نے دریافت کیا: "وہ کیا؟" بولے: "جب ہر ماہ کی بارہ تاریخ ہو جاتی ہے، تو ہم ایک کنواری لڑکی کو اس کے ماں باپ کی خوشی سے حاصل کر لیتے ہیں اور اُسے بڑے اچھے

اچھے کپڑے پہناتے ہیں، پھر نیل میں ڈال دیتے ہیں، تو وہ ٹھیک بہتی ہے۔"

حضرت عمروؓ نے فرمایا: "اسلام میں ایسا نہیں ہو سکتا، اسلام نے پُرانی رسموں کو توڑ دیا ہے۔" مصری بُونہ، ابیب اور مسریٰ میں ٹھہرے رہے، مگر وہ بالکل رواں نہ ہوا، تو انھوں نے یہاں سے کُوچ کر جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب عمرو بن العاص نے یہ دیکھا تو حضرت عمرؓ کو مراسلہ بھیجا۔ آپ نے جواب دیا: "تم نے ٹھیک کیا، بے شک اسلام تمام پُرانی رسموں کو منہدم کر دیتا ہے، میں ایک رُقعہ بھیج رہا ہوں، اُسے دریائے نیل میں ڈال دینا۔"

جب آپ کا نامہ مبارک حضرت عمرو بن العاص کو پہنچا تو انھوں نے وہ رقعہ کھول کر دیکھا۔ لکھا تھا: "عبداللہ امیر المومنین کی جانب سے نیل مصر کے نام، اما بعد! اگر تو اپنی مرضی سے چلتا تھا تو نہ چل اور اگر اللہ واحد و قہار تجھے چلاتا تھا تو ہم اس اللہ واحد و قہار سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔"

حضرت عمرو بن العاص نے اہل مصر کو امیر المومنین کی چٹھی اور اس رُقعہ کے مضمون سے آگاہ کیا، پھر یوم صلیب سے ایک دن پہلے اُسے ڈال دیا۔ باشندگانِ مصر وہاں سے کُوچ کا ارادہ کر چکے تھے، کیونکہ اُن کے کام نیل کے پانی ہی سے چلتے تھے۔ جب یوم صلیب کی صبح ہوئی تو ایک ہی شب میں نیل کا پانی سولہ گز چڑھا ہوا تھا! اس طرح یہ رسمِ بد ختم ہو گئی۔

انکشافِ جرم

ایک دن آپ کے پاس ایک بے ریش مقتول لڑکا لایا گیا، جو راہ پر پڑا تھا۔ آپ نے تحقیقات کی، مگر کچھ پتا نہ چلا کہ کس نے قتل کیا ہے، لہٰذا آپ بہت ہی ملول ہوئے، دُعا کی: "اے اللہ! مجھے اس کے قاتل کا کھوج مل جائے۔" سال ہونے نہ پایا تھا کہ اسی جگہ ایک نومولود بچہ پایا گیا۔ اسے بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ فرمایا: "انشاء اللہ اب میں کھوج لگا لوں گا۔"

آپ نے اس بچے کو ایک عورت کے سپرد کر دیا اور کہا: "اس کی پرورش کر، ہم خرچ دیں گے اور یہ دیکھتی رہ کر تجھ سے اسے کون لیتا ہے، اگر کسی عورت کو پیار کرتے اور سینے سے چمٹاتے دیکھے تو مجھے بتا دینا۔"

"جب وہ لڑکا ذرا بڑا ہو گیا تو ایک لونڈی آئی اور بولی: "میری آقا نے مجھے بھیجا ہے کہ لڑکے کو میرے ساتھ بھیج دے تاکہ وہ اسے دیکھ کر واپس کر دے۔"

وہ بولی: "ہاں، ضرور، لے جا، میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔"

وہ لونڈی لڑکے کو لے کر چلی اور ساتھ ساتھ یہ نگراں بھی چلی۔ جب لڑکا بیگم کے سامنے پیش ہوا تو اس نے اُسے پیار کیا اور سینے سے لگا لیا۔ یہ عورت اصحابِ رسول میں سے ایک بوڑھے انصاری کی بیٹی تھی۔ لڑکے کی نگراں نے آپ کو مطلع کر دیا۔ آپ نے تلوار اٹھائی اور اس عورت کے گھر کی راہ لی۔ دیکھا کہ اس کا باپ دروازے پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے، فرمایا: "اے فلاں کے باپ! تیری فلاں بیٹی نے کیا کیا؟"

اُنھوں نے کہا: "امیر المومنین! اللہ اُسے جزائے خیر دے، وہ تو حقوقِ الٰہی اور حقوقِ پدری کی بڑی محافظ ہے، خوب نماز روزہ رکھتی ہے اور دین پر مستقیم ہے۔"

آپ نے فرمایا: "میں چاہتا ہوں اس کے پاس جاؤں اور اُسے بھلائی پر اور زیادہ بھڑکاؤں۔"

وہ بولے: "امیر المومنین! اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ یہیں ٹھہریں، میں آتا ہوں۔"

بوڑھے نے حضرت عمرؓ کے لیے لڑکی سے اجازت طلب کی اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔ ان دونوں کے سوا وہاں اور کوئی نہ تھا، آپ نے تلوار نیام سے باہر نکال کر فرمایا: "سچ سچ بتانا، ورنہ گردن اُڑا دوں گا۔"

عمرؓ کے سامنے کوئی جھوٹ نہ بول سکتا تھا، اُس نے کہا: "امیر المومنین! ذرا صبر کیجیے، واللہ میں آپ کو سچ سچ بتا دوں گی، بات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سن رسیدہ ایک بُوڑھی ہمارے گھر آیا جایا کرتی تھی، مَیں نے اُسے اپنی ماں بنا لیا۔ وہ میری ماں کی طرح میری خدمت کرتی۔ مَیں اُس کے لیے بیٹی کی مانند تھی، ایک عرصہ اسی طرح گزر گیا، ایک دن وہ بولی، بیٹی میں سفر پر جا رہی ہُوں، میری ایک بیٹی فلاں مقام پر ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ ضائع نہ ہو جائے، مَیں چاہتی ہُوں کہ میری واپسی تک وہ تیرے پاس رہے۔ اُس عورت نے اپنے بے ریش بیٹے کو لڑکیوں کا لباس پہنایا اور میرے سپرد کر گئی ـــــ مجھے کبھی شک بھی نہ ہُوا کہ وہ لڑکا ہے لہٰذا وہ مجھے ہر اُس حالت میں دیکھتا جس حالت میں ایک لڑکی ایک لڑکی کو دیکھ سکتی ہے ـ ایک دن مَیں غافل پڑی سو رہی تھی کہ وہ مجھ پر چڑھ بیٹھا، میرے برابر ایک چھُرا رکھا تھا، مَیں نے اُس کا کام تمام کر دیا اور وہاں پھنکوا دیا جہاں آپ نے اُسے پڑے دیکھا تھا۔ اُس سے میرے یہ لڑکا پیدا ہُوا تو مَیں نے اُسے بھی اُسی جگہ پھنکوا دیا جہاں اُس کا باپ پھینکا گیا تھا، واللہ جہاں تک میرے علم میں ہے' بات صرف یہی ہے۔"

اہلِ نجران کا عزیز

حکم بن ابی العاص الثقفی ذکر کرتے ہیں: "مَیں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس بیٹھا تھا، ایک شخص آیا اور سلام کیا۔

آپ نے فرمایا: "کیا تیرے اور اہلِ نجران کے درمیان کوئی قرابت داری ہے؟"

وُہ بولا: "نہیں۔" فرمایا: "ہے۔" اُس نے کہا: "نہیں۔" فرمایا: "خُدا کی قسم ہے، مَیں ہر اُس شخص کو قسم دیتا ہوں جو اِس معاملہ میں کوئی بصیرت رکھتا ہے کہ وہ بیان کرے۔"

ایک شخص بولا: "ہاں امیر المؤمنین! اس کے اور اہل نجران کے درمیان، فلاں فلاں طرف سے عزیزداری ہے۔"

آپ نے فرمایا: "دیکھا، ہم لوگ تو آثارِ قدیمہ کا کھوج لگانے والے ہیں۔"

سحیم مشکیزہ ہے

آپ ایک سال میں کوئی چالیس ہزار سوار روانہ کیا کرتے تھے۔ شام کی طرف قافلہ روانہ کرتے تو ایک آدمی کو ایک اونٹ پر سوار کرتے اور عراق کی طرف بھیجتے تو ایک اُونٹ پر دو آدمیوں کو سوار کرتے ـ ایک عراقی حاضرِ خدمت ہو کر بولا: "مجھے اور سُحیم کو سوار کرا دیجیے۔" فرمایا: "مَیں تجھے خدا کی قسم دیتا ہُوں سچ سچ بتانا سُحیم تیرے مشکیزے ہی کا نام تو ہے؟"

وُہ بولا: "ہاں۔"

فراست

جب ابُو مسلم خولانی مدینے سے یمن میں داخل ہُوئے تو اسود بن قیس یمنی مُدعیِ نبوت نے انہیں مجبور کیا کہ اُسے رسولِ خُدا مان لیں۔ اُنھوں نے انکار کر دیا اس نے پُوچھا: "کیا تو محمدؐ کو رسول اللہ مانتا ہے؟" انہوں نے فرمایا "ہاں"۔

یہ سن کر اس نے آگ جلوائی اور اس میں حضرت ابُو مسلم کو ڈلوا دیا تو آگ نے انہیں نہ جلایا لہٰذا اُس نے جلاوطنی کا حکم دے دیا، وہ مدینے تشریف لائے جب مسجد نبوی کے دروازے میں داخل ہُوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "یہ تمہارا وہ دوست ہے' جسے اسود کذاب نے جلانا چاہا تو اللہ نے اُسے بچا لیا۔"

حضرت عمرؓ خود بیان فرماتے ہیں: "مَیں نے ایک بدّو کو پہاڑ سے اُترتے دیکھا تو کہا اِس شخص کا بیٹا مر گیا ہے اور اُس نے اُس کا مرثیہ لکھا ہے۔ اگر تم لوگ فرمائش کرو گے تو وہ تمہیں سُنا دے گا۔ پھر مَیں نے اُسے بُلا کر دریافت کیا اے بدّو! کہاں سے آیا ہے؟ وہ بولا، پہاڑ سے، مَیں نے پُوچھا، وہاں تُو نے کیا کیا؟ وہ بولا، مَیں نے وہاں ایک امانت رکھی ہے۔ مَیں نے پُوچھا وہ کیا ہے؟ وہ بولا میرا بیٹا مر گیا تھا اُسے دفن کر دیا، مَیں نے کہا، اُس کا مرثیہ سُنا وہ بولا امیر المؤمنین! آپ کو کیسے پتہ چلا، مَیں نے ابھی تک اُسے کسی کو بھی سُنایا نہ زبان پر لایا۔ پھر اُس نے یہ مرثیہ سُنایا:

لے جا کر نہ لوٹنے والے — بچپن ہی میں موت نے آلیا
اے آنکھ کی ٹھنڈک تو باعثِ اُنس تھا — رات کی طُولانی اور کوتاہی میں
جدھر بھی قبیلے میں نظر اُٹھاتا ہُوں — اُس کا نشان تک نہیں ملتا
تُو نے پی لیا وہ جام جو تیرے باپ کو پینا ہے — بڑھاپے میں جس کا پینا ضروری ہے
ساری مخلوق اُسے پیئے گی! — خواہ بدّو ہُوں یا شہری
خدائے واحد کے لیے سب تعریفیں ہیں — جس کا قضا و قدر میں کوئی شریک نہیں
اُس نے بندوں کیلئے موت مقرر کر دی ہے — لہٰذا کوئی شخص کسی کی عمر میں اضافہ نہیں کر سکتا

حضرت عمرؓ رو پڑے حتیٰ کہ داڑھی تر ہو گئی۔ فرمایا: "اے بدّو! تو نے سچ کہا۔"

یحیٰی بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شخص سے دریافت کیا: تیرا کیا نام ہے؟ وہ بولا: "حمزہ" دریافت کیا: "کس کا بیٹا ہے؟" کہا: "ابنِ شہاب کا۔" پُوچھا: "کس قبیلے سے ہے؟" عرض کی: "بنو حرقہ سے۔" سوال کیا: "پھر کس سے؟" کہا: "بنو حرام سے۔" سوال کیا: "مسکن کہاں ہے؟" وہ بولا: "حرہ۔" پُوچھا: "کس مقام پر؟" وہ بولا: "ذاتِ نظیٰ میں۔" فرمایا: "جلدی گھر چلا جا تیرے گھر والے جل گئے ہیں۔"

چنانچہ جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہُوا۔

قومی ڈائجسٹ

غیر ممالک کے لیے شرح چندہ

بذریعہ رجسٹرڈ ہوائی ڈاک

سالانہ بدلِ اشتراک

۱۔ نیپال، سری لنکا، مصر، انڈونیشیا، ایران، عراق، اردن، کویت، الجزائر، سعودی عرب، شام، ترکی ــــ ۱۶۵ روپے
۲۔ ابوظبی، دوبئی، افغانستان، بحرین، شارجہ، دوحہ قطر، مسقط، برما، یمن، بنگلہ دیش ــــ ۱۹۰ روپے
۳۔ مالدیپ، لکادیپ، بھارت۔ ــــ ۲۱۰ روپے
۴۔ ہالینڈ، لیبیا، کمبوچیا، لاؤس، تھائی لینڈ، ویت نام، چین، نائیجیریا، ہانگ کانگ، ملائشیا، جاپان، سویڈن، مغربی جرمنی، انگلستان، ناروے، اٹلی، ڈنمارک، مصر، مراکش، تنزانیہ، گنی۔ ــــ ۲۴۰ روپے
۵۔ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، امریکہ، کینیڈا، جمیکا، میکسیکو، پانامہ۔ ــــ ۳۵۰ روپے

مدتِ خریداری کے دوران جو خصوصی نمبر شائع ہوں گے، وہ بھی اسی رعایتی قیمت میں شامل ہوں گے اور ان کی کوئی زائد قیمت وصول نہیں کی جائے گی۔
براہِ کرم بدلِ اشتراک کی رقم بذریعہ منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ ارسال فرمائیے۔

قومی پبلشرز۔ رانا چیمبرز۔ پُرانی انارکلی۔ لاہور۔ ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل وعیال

انہوں نے اپنے عہد کو اولادِ صالحہ کا تحفہ دیا

علی طنطاوی

بیویاں آپ نے جاہلی دَور میں تین عورتوں سے شادی کی۔ پہلی قریبہ بنت ابی اُمیہ المخزومی یہ اُمّ سلمہ اُمّ المومنین کی بہن تھیں۔ دوسری ام کلثوم بنتِ عمرو بن جرول خزاعی، جب صلح حدیبیہ ہو کر یہ آیت نازل ہوئی: کافر عورتوں کے ہاتھ نہ تھامو تو آپ نے ان دونوں کو طلاق دے دی۔ تیسری زینب بنت مظعون الجمحی اسلام لے آئی تھیں اور ہجرت کر آئی تھیں۔ یہی عبداللہؓ، حضرت حفصہ اور عبدالرحمٰن الاکبر کی ماں تھیں۔

دورِ اسلامی میں بھی آپ نے کئی شادیاں کیں۔ پہلی شادی حضرت علیؓ کی صاحبزادی حضرت امّ کلثومؓ سے ہوئی۔ یہ رشتے داری قائم کرنے کی وجہ آپ نے یہ بیان کی: میں نے اُمّ کلثوم بنت علی سے شادی کر لی ہے۔ میں نے رسول اللہ سے سُنا تھا کہ آپ فرماتے تھے: "ہر تعلق اور نسب و رشتہ دامادی قیامت کے دن منقطع ہو جاتے گی مگر میرا تعلق میرا نسب اور میرا رشتہ دامادی۔" رسول اللہ کے ساتھ میرا نسبی و سببی تعلق تو تھا ہی، میں نے چاہا کہ رشتہ دامادی کو بھی قائم کروں۔

۱۷ھ میں حضرت علیؓ نے چالیس ہزار درہم پر اُن سے شادی کر دی۔ ان سے حضرت زید اکبر اور حضرت رقیہ پیدا ہوتیں۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ایک ہی دن حضرت زید کا اور ان کا انتقال ہوا۔ زید بنو عدی کی ایک لڑائی میں صلح کرانے کے لیے نکلے تھے کہ تاریکی میں کسی نے سر پر وار کیا، چند دِنوں کے بعد انتقال فرما گئے۔ دونوں کی نمازِ جنازہ حضرت عبداللہؓ بن عمر نے پڑھائی اور حضرت حسنؓ بن علی نے انہیں قبر میں رکھا۔

۷ھ میں آپ نے جمیلہ بنت ثابت سے شادی کی۔ ان کی کنیت اُمّ عاصم تھی۔ دراصل ان کا نام عاصیہ تھا۔ جب وہ مُسلمان ہو گئیں تو ان کا نام بدلا گیا۔ اس کا قصہ بھی دلچسپ ہے، وہ داخلِ اسلام ہو گئیں تو انہیں اپنا نام پسند نہ آیا لہٰذا حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور کہا: "مجھے اپنا نام بُرا لگتا ہے، کوئی اور نام رکھ دیجئے۔" انہوں نے فرمایا "تو جمیلہ ہے۔" وہ ناراض ہو گئیں اور بولیں: "آپ نے باندیوں کا سا نام رکھ دیا۔" پھر وہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور عرض کی: "میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے اپنا نام پسند نہیں، آپ کوئی نام رکھ

دیجئے۔" آپ نے فرمایا "تو جمیلہ ہے۔"

اُن سے عاصم پیدا ہوتے۔ حضرت عمرؓ اُن سے اور وہ حضرت عمرؓ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ جب کبھی وہ رات کو نماز کے لیے نکلتے تو آپ بستر سے اُٹھ کر دروازے تک جاتیں اور جب وہ نکلنے لگتے تو بوسہ دیتیں، پھر وہ چلے جاتے اور آپ بستر پر آ جاتیں۔

اُمّ حکیم بنتِ حارث عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی تھیں۔ جنگِ اُحد میں بحالت کفر شرکت کی پھر فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں۔ ان کے شوہر یمن کی طرف بھاگ گئے تھے تو آپؐ نے رسول اللہ سے اجازت طلب کی اور یمن چلی گئیں۔ عکرمہ اُن کے ساتھ حاضر دربارِ رسالت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے۔ پھر وہ جہادِ روم پر اُن کے ساتھ روانہ ہوئیں تو وہ شہید ہو گئے، لہٰذا خالد بن سعید بن العاص نے ان سے شادی کر لی۔ جب مرج الصفر کی جنگ درپیش ہوئی تو انہوں نے ان کے ساتھ شبِ زفاف منانی چاہی، وہ بولیں: "کاش آپ ان لشکروں کی شکست کا انتظار کر لیتے۔" وہ بولے: "میرا دل کہتا ہے کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا۔" انہوں نے کہا: "تو ٹھیک ہے۔" چونکہ انہوں نے قنطرہ (پل) کے پاس ان کے ساتھ شبِ زفاف منائی تھی لہٰذا یہ مقام قنطرۂ اُمّ حکیم کے نام سے مشہور ہوا۔

صبح ہوئی تو حضرت خالد نے ولیمہ کیا، ابھی لوگ کھانا کھا کر فارغ نہ ہوتے تھے کہ رومی لشکر آن پہنچا اور گھمسان کی جنگ چھڑ گئی، حضرت خالد شہید ہو گئے۔ اُمّ حکیم اپنے جسم پر کپڑے لپیٹ کر نکلیں، خوشبو اُن کے کپڑوں سے مہک رہی تھی۔ نہر پر جنگ ہوئی، انہوں نے خیمہ کے ایک بانس سے سات رومیوں کو قتل کیا، یہ بانس اُس خیمہ کا تھا جس میں حضرت خالد نے گزشتہ رات گزاری تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے اُن سے شادی کر لی۔ ان سے فاطمہ پیدا ہوتیں۔

عاتکہ بنتِ زید، سعید بن زید کی بہن، حضرت عمرؓ کی چچا زاد بہن تھیں۔ مہاجر عورتوں میں سے تھیں۔ بڑی فصیح اور بہت جمیل تھیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر نے اُن سے شادی کی تھی، وہ ان پر شیدا تھے۔ ان کے بارے میں شعر بھی کہے تھے۔ جب اُن کی وفات ہو گئی تو عاتکہ نے ان کا مرثیہ کہا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اُن سے شادی کر لی۔

سبیعہ بنتِ الحارث، صلح حدیبیہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والی عورت ہیں۔ جب آیتِ امتحان نازل ہوئی تو رسولؐ اللہ نے اُن کی آزمائش کی اور اُن کے شوہر کو مہرِ مثل دے دیا اور حضرت عمرؓ نے اُن سے شادی کر لی۔

اولاد نو نرینہ اور پانچ غیر نرینہ اولاد تھی۔ سب سے بڑے عبداللہ تھے۔ بیٹیوں میں سے حفصہؓ اُمّ المومنین تھیں۔ فرزند یہ ہیں: عبدالرحمٰن الاکبر، حضرت عبداللہ اور حفصہ کے حقیقی بھائی۔ ان کی کنیت ابوعیسیٰ تھی۔ ان کی ماں زینب تھیں۔

عبداللہؓ: بعثت کے تین سال بعد پیدا ہوتے (اپنے والد کے ساتھ) بچپن میں اسلام لائے اور مدینے کی طرف ہجرت کے وقت ان کی عُمر دس سال تھی۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں کم عمری کی وجہ سے انہیں شرکت کی اجازت نہ ملی، تاہم جنگِ خندق میں اجازت مل گئی۔ اُس وقت اُن کی عُمر پندرہ سال تھی۔ فتح مکہ میں بھی آپ موجود تھے۔ اس کے بعد والے غزوات میں بھی شریک رہے۔

جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں خصومت قائم ہو گئی، تو وہ خانہ نشین ہو گئے اور حتی الامکان لوگوں سے علٰحدہ علٰحدہ رہنے لگے۔ اس دَور میں بہت سے صحابہؓ نے انہیں خلیفہ بننے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اختلافِ صحابہ میں کوئی حصہ نہ لیا۔ اس دَور میں وہ شدتِ تقویٰ، کثرتِ عبادت و دعا اور خوفِ الٰہی میں مشہور تھے۔

عبدالرحمٰن الاوسط، ان کی کنیت ابوشحمہ تھی، حضرت عمرو بن العاص نے شراب پینے کے جُرم میں مصر میں اُن پر حد لگائی تھی پھر انہیں مدینے بھیج دیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں تادیباً حد لگائی بعد ازاں وہ بیمار رہتے ———— ان کی ماں لہیبہ (امّ الولد) تھیں۔ عبدالرحمٰن الاصغر ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، ان کی والدہ ام الولد تھیں۔ زید الاکبر، رقیہ کے بھائی، ان دونوں کی ماں اُمّ کلثوم بنتِ علی تھیں۔

اُمّ کلثوم بنتِ جرول سے عبیداللہ تھے۔ جرول، حارثہؓ بن وہب صحابی کے ماں شریک بھائی تھے۔ عہدِ نبوت میں پیدا ہوتے اور باپ کی خلافت میں جہاد کیا۔ قریش کے شہسواروں اور سالاروں میں سے تھے۔

جب ابولؤلؤہ نے حضرت عمرؓ کو شہید کر دیا تو یہ عبیداللہ ہرمزان اور چند ایرانیوں کی طرف گئے اور انہیں قتل کر دیا۔ ۳۷ھ میں جنگِ صفین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شہید ہو گئے۔

عاصم کی ماں جمیلہ تھیں۔ سنہ ھ میں پیدا ہوئے، بڑے خلیق انسان تھے، حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے: "میں اور میرا بھائی عاصم کسی کی غیبت نہیں کرتے۔" بڑے لمبے اور موٹے تازے تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے: "ہر شخص کے منہ سے کچھ ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جو وہ کہنا نہیں چاہتا مگر عاصم ابن عمر اس عیب سے محفوظ ہیں۔" سنہ ھ میں ربذہ میں انتقال ہوا۔

آپ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نانا تھے، واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو پانی میں دُودھ ملانے سے منع کیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ چوکیداری کرتے ہوئے مدینے کے اطراف میں نکل گئے۔ ساتھ حضرت اسلم بھی تھے۔ رات گئے جب تھک کر چُور ہو گئے تو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، اندر سے آواز آئی کہ ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی: "اٹھ دُودھ میں پانی ملا دے۔" وہ بولی: "ماں تجھے معلوم نہیں کہ امیرالمومنین نے شدّت سے منع کیا ہے۔" بوڑھی نے کہا: "بیٹی امیرالمومنین نے کیا کہا ہے؟" وہ بولی: "منادی کرائی ہے کہ دُودھ میں پانی نہ ملاؤ۔" بوڑھی نے کہا: "بیٹی! دُودھ میں پانی ملا دے، تُو ایسی جگہ ہے جہاں تجھے عمر یا عمر کا منادی نہیں دیکھ رہا۔" وہ بولی: "ماں اگر عمر نہیں جانتا تو عمر کا خدا تو جانتا ہے، خدا کی قسم مجھے پسند نہیں کہ مجمع میں اس کی بات مانوں اور تنہائی میں نہ مانوں۔"

حضرت عمرؓ یہ ساری گفتگو سُن رہے تھے، ان کے دل میں یہ بات گھر کر گئی، فرمایا: "اے اسلم دروازے پر نشان لگا دے اور اس مقام کو اچھی طرح پہچان لے۔" پھر آپ چوکیداری میں مصروف ہو گئے، جب صبح ہوئی تو کہا: "اے اسلم! اُسی مقام پر جا اور دیکھ کہ کہنے والی کون تھی اور جس سے کہہ رہی تھی وہ کون تھی؟ اور آیا ان دونوں کے شوہر ہیں یا نہیں؟" حضرت اسلم وہاں گئے، دیکھا کہ وہ لڑکی بیوہ ہے اور اس کی ماں بھی بیوہ ہے لہٰذا آپ کو آکر اطلاع دے دی۔ آپؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ، عبدالرحمٰن اور عاصم کو بُلا کر کہا: "کیا تم میں سے کسی کو کسی عورت کی ضرورت ہے کہ میں اس کی شادی کرا دوں؟ اگر تمہارے باپ کو عورت کی طرف رغبت ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی اُس لڑکی کے ساتھ شادی نہ کر سکتا۔" حضرت عبداللہ نے کہا: "میرے پاس تو بیوی ہے۔" حضرت عبدالرحمٰن بولے: "میرے پاس بھی۔" حضرت عاصم نے کہا: "ابا، میرے پاس کوئی بیوی نہیں، مجھ سے شادی کرا دیجئے۔"

آپؓ نے لڑکی کو بُلا بھیجا اور حضرت عاصم سے شادی کرا دی، ان سے ایک لڑکا محمد اور ایک لڑکی اُمّ عاصم پیدا ہوئی۔ اُمّ عاصم سے عبدالعزیز بن مروان نے شادی کر لی اور ان سے عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔

عیاض کی والدہ عاتکہ بنت زید تھیں۔ اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کی ماں زینب بنت مظعون تھیں۔ بعثت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے پیشتر وہ خنیس بن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں۔ یہ جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے اور مدینے میں انتقال کیا۔ جب عدّت ختم ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو پیش کش کی۔ وہ خاموش ہو گئے۔ پھر حضرت عثمانؓ سے حضرت رقیہ بنت نبیؐ کی وفات کے بعد کہا تو انہوں نے فرمایا: "میں اپنے معاملہ میں غور کروں گا۔" بعدازاں ایک ملاقات میں فرمایا: "میں آج کل شادی کرنا نہیں چاہتا۔" اس کے بعد آپ نے رسول اللہ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: "حفصہ سے وہ شخص شادی کرے گا جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان اُس سے شادی کرے گا جو حفصہ سے بہتر ہے۔" بعدازاں حضرت ابوبکر عمر سے ملے تو کہا: "آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں، رسول اللہؐ نے حفصہ کا ذکر کیا تھا اور میں نے پسند نہ کیا کہ اُن کا راز فاش کروں، سوچا یہ تھا کہ اگر آپ نے حفصہ سے شادی نہ کی تو میں کر لوں گا۔" صحیح قول یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت عائشہ سے شادی کرنے کے تین سال بعد اُن سے شادی کی تھی۔ ان کے علاوہ حضرت حفصہؓ کی مندرجہ ذیل بہنیں تھیں:

رقیہ: ان کی ماں اُمّ کلثوم تھیں اور بھائی زید الاکبر تھے۔

فاطمہ: ان کی ماں اُمّ حکیم تھیں۔

صفیہ: نبی علیہ السلام کے ساتھ جنگِ خیبر میں شریک تھیں۔

زینب: ان کی ماں فکیہہ (اُمّ ولد) تھیں۔ یہ عبدالرحمٰن الاصغر کی بہن تھیں۔ یہ حضرت عمر کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں۔

بھائی بہنیں

حضرت عُمرؓ کے تین بھائی بہن تھے۔ زید اور فاطمہ، یہ دونوں آپ سے پہلے اسلام لا چکے تھے، اور ایک بہن صفیہ تھیں۔ روایت ہے کہ آپ کے ایک ماں شریک بھائی بھی تھے۔

زید: کُنیت ابوعبدالرحمان تھی۔ ان کی ماں اسماء بنت وہب تھیں۔ یہ بنو اسد سے تھیں۔ یہ آپ سے بڑے تھے اور آپ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بہت لمبے گندم گوں تھے۔ ہجرت کے بعد رسُول اللہؐ نے معن بن عدی بن العجلان کو ان کا بھائی بنا دیا تھا۔ یہ دونوں جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔

بدر، احد، خندق اور تمام لڑائیوں میں رسُول اللہ کے شریک رہے۔ جنگِ بدر میں حضرت عمرؓ کی اور ان کی ایک ہی زرہ تھی۔ دونوں یہی کہہ رہے تھے: "واللہ تیرے سوا اور کوئی اسے نہیں پہنے گا۔"

جنگِ اُحد کے دن جو چار حضرات رسُول اللہؐ کے پاس ہی رہے تھے۔ آپ بھی ان میں تھے آپ صبر و ثبات کے ساتھ کھڑے رہے۔ بھاگے نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں جنگِ یمامہ سنہ ۱۲ھ میں جھنڈا انہی کے ہاتھوں میں تھا۔ اس معرکہ میں شہادت پائی۔

حضرت عمرؓ کو اپنے بھائی زید کا بڑا ہی صدمہ تھا۔ فرمایا کرتے تھے: "جب بھی بادِ شرقی چلتی ہے تو زید کی بُو آتی ہے۔ وہ مجھ سے دو نیکیوں میں سبقت لے گئے۔ مجھ سے پہلے اسلام لائے اور مجھ سے پہلے شہید ہوئے۔" نیز فرمایا کرتے تھے: "اگر کوئی مجھے رُلانا چاہے تو زید کا ذکر کر دے میں رو پڑوں گا۔" جب کبھی آپ پر کوئی مصیبت پڑتی تو فرماتے: "مجھ پر زید کا صدمہ پڑا تو میں نے صبر کیا۔"

عمران العبدی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمرؓ بن الخطاب کے ساتھ نمازِ فجر پڑھی۔ جب نماز پڑھ کر لوٹے تو دیکھا کہ ایک چھوٹے قد والا کانا شخص مونڈھے پر کمان ڈالے اور ہاتھ میں عصا لیے چلا جا رہا ہے۔ دریافت فرمایا: "یہ کون شخص ہے؟" وہ بولا۔ "متمم بن نویرہ۔"

آپ نے اس سے کہا اپنے بھائی کا جو مرثیہ تُو نے کہا ہے مجھے سُنا تو اس نے مرثیہ سنانا شروع کیا۔ قسم ہے میری عمر کی میں مالک کو رونے کا عادی نہیں اور نہ کسی مصیبت پر گھبراتا ہوں مگر کیا کروں ایسے کو کفن پہنایا گیا ہے جو پیٹ بھر کر کھانے والا نہ تھا اور برجستہ کار تھا۔ ہم جذیمہ کے ندیموں کی طرح ایک عرصہ تک ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ لوگوں نے کہا یہ کبھی جُدا نہیں ہوں گے۔ جب ہم جُدا ہو گئے تو باوجود سالہا سال ساتھ رہنے کے ایسا لگا کہ مالک نے اور میں نے کبھی ایک رات بھی ساتھ نہیں گزاری۔ آپؓ نے فرمایا:

"واللہ! یہ ہے بَین۔ اللہ زید بن الخطاب پر رحم فرماتے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر میں شعر کہہ سکتا تو میں بھی اسی طرح روتا جیسے تو رو رہا ہے۔" بعدازاں فرمایا: "تجھے اپنے بھائی کا کتنا صدمہ ہوا؟" وہ بولا: "یہ آنکھ ضائع ہو چکی تھی لہٰذا میں تندرست آنکھ سے رویا کرتا تھا، جب بہت زیادہ رویا تو دوسری آنکھ بھی اچھی آنکھ کا ساتھ دینے اور آنسو بہانے لگی۔" آپ نے فرمایا: "یہ تو بڑی غمناکی ہے اس طرح تو مرنے والے پر کوئی بھی نہیں روتا۔" متمم بولا: "اگر میرا بھائی جنگِ یمامہ میں مارا جاتا جیسے آپ کا بھائی مارا گیا تو اُسے کبھی بھی نہ روتا لہٰذا حضرت عمرؓ کو صبر آ گیا اور بھائی سے کچھ تسلی ہو گئی، فرمایا: "کسی نے مجھے اس کے بارے میں تجھ سے بہتر تعزیت نہیں کی۔"

فاطمہ: سابقینِ اسلام سے تھیں، اپنے شوہر سعید بن زید بن عمرو بن نفیل عدوی کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ یہ عشرہ مبشرہ سے تھے۔ وہ حضرت عمرؓ سے پہلے اسلام لائیں اور وہی حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا سبب بنیں۔ وہ اسلام کی بہت زیادہ حمایت کرتی تھیں اور قریشی عورتوں کو اسلام پر برانگیختہ کرتی تھیں حتیٰ کہ ان کی کوشش سے بہت سی عورتیں اور بہت سے مرد داخلِ اسلام ہوئے۔ نیکی سے محبت کرتیں برائی سے نفرت کرتیں، نیک کاموں کی تلقین کرتیں اور برائیوں سے روکتی تھیں۔

صفیہ: سفیان بن عبدالاسد نے اُن سے شادی کی تھی۔ ان سے اسود پیدا ہوئے پھر قدامہ بن مظعون نے اُن سے شادی کر لی تھی۔

ان کے ماں شریک بھائی کا نام حکیم بن ابی الاوقص السلمی تھا، بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ وہ ان کا نہیں بلکہ حضرت زید کا ماں شریک بھائی تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خلافت کے بعد پہلا خطبہ

مجھے تم سے آزمایا جا رہا ہے اور تمہیں مجھ سے۔
میں اپنے دونوں پیشروؤں کے بعد تم میں جانشین
بن رہا ہوں، جو چیز ہمارے سامنے (یعنی مدینہ
میں) ہوگی اُسے ہم شخصی طور پر انجام دیں گے اور
جو چیز غائب (دُوسری جگہ) ہوگی تو اس کے لیے
قوی (قابل) اور امین (دیانت دار) لوگوں کو مامور
کریں گے۔ جو اچھا کام کرے گا اس پر ہمارا احسان
بھی زیادہ ہوگا اور جو بُرا کام کرے گا، ہم اُسے
سزا دیں گے۔
اللہ ہمیں اور تمہیں معاف کرے۔

www.KitaboSunnat.com

فاروق اعظم نمبر

انہوں نے دِلوں پر حکومت کیسے کی؟ بشر کے سارے انسانوں کو آزاد کیسے کیا!

محمد حسین ہیکل

حضرت عمرؓ کا دَور غزوات و فتوحات کا دَور تھا جس میں فتح و نصرت نے اسلامی پرچموں سے پیمانِ وفا باندھ رکھا تھا۔ ان کی حکومت مشرق میں افغانستان اور چین، شمال میں اناطولیہ اور قزوین، مغرب میں تیونس اور اُس سے آگے بڑھ کے شمالی افریقہ اور جنوب میں بلادِ نوبہ سے جا ملی تھی۔

ان فتوحات نے اس زمانے کی دُنیا اور اُن مورخین کو حیرت میں ڈال دیا جنہوں نے واقعات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد اُن کے اسباب کی چھان بین کرنی چاہی (ان فتوحات میں غازیانِ اسلام اور اُن کے ایرانی و رومی دشمنوں کی نفسیات کو بڑا دخل تھا ہی لیکن ایک سبب جس نے فتوحات کی وسعت پر غیر معمولی اثر ڈالا، وہ جزیرۃ العرب کا نظامِ حکومت تھا ——— یہ نظام ہجرتِ رسولؐ کے بعد کے بیس سال میں ایک ایسے انقلاب سے گزرا جس نے عربوں کو یہ قوت بخشی کہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ اُن عظیم الشان تاریخی حوادث کا مقابلہ کر سکیں۔ اس سکون و اطمینان نے ان کے جذبۂ خودداری کو بڑھایا۔ اُن میں اپنی قوت کا شعور بیدار کیا اور اُن کے اس یقین میں پختگی پیدا کی کہ جس پیغام کے وہ حامل ہیں، اسے ساری دُنیا تک پہنچانا اُن کا اور اُسے سُننا ساری دُنیا کا فرض ہے۔ چنانچہ کوئی طاقت اُن کی راہ کا بھاری پتھر بنی، نہ کوئی قوت انہیں اپنے پیغام کی اشاعت سے روک سکی۔

یہ نظام نہ کسی منطقی فکر آرائی کا نتیجہ تھا، نہ فقہا کی قانون سازی کا کارنامہ جنہوں نے مل بیٹھ کر اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے اسے مرتب کیا ہو اور اُس کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے خلفاء نے اس کو نافذ کر دیا ہو! نہیں! ہرگز نہیں!! یہ نوزائیدہ سلطنت اپنی طفولیت سے لڑکپن اور لڑکپن سے شباب تک کے ارتقائی مرحلے بڑی تیزی سے طے کر رہی تھی۔ اس لیے والیٔ سلطنت کا اوّلین فرض تھا کہ اُن حالات کا لحاظ رکھتے جو ارتقائی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اس کی سلطنت میں رونما ہو رہے تھے اور سب سے پہلے

اُس مرکزی قوت کو منظم کرتے جو اس انقلاب و ترقی کے پس پردہ کام کر رہی تھی اور مملکت کے مختلف حصّوں کو ایک مضبوط لڑی میں پرو کر انہیں ناقابلِ شکست بنا دے۔ بلادِ عرب میں اتحاد یا کسی قسم کا باقاعدہ نظمِ حکومت قائم ہونے سے پہلے ہی یہ مرکزی قوت اُبھرنی شروع ہو گئی تھی اور اس سے پہلے کہ عرب کسی نظمِ حکومت سے آشنا ہوں، آس پاس کے مُلکوں میں اپنے اپنے مستقل نظام قائم تھے۔

عراق پر ایرانی اور شام پر بیزنطینی نظامِ حکومت مسلط تھا لیکن مدینہ والوں نے ان دونوں میں سے کسی نظام کا چربہ اُتارنے اور ایک مکمل عربی یا اسلامی دستورِ حکومت کو کاغذ پر ثبت کرنے کی کوشش نہ کی جو مملکت کے نزدیک و دُور میں نافذ کیا جاتا۔ اگر کوئی اس قسم کی کوشش کرتا بھی تو اس کی تحریر اور اصلاح و ترمیم ہی میں کئی سال لگ جاتے جب کہیں مملکت کے مختلف حصّوں کے لیے ایک متحدہ دستور وجود میں آتا لیکن وسیع و برق رفتار فتوحات کے دَور میں تدوینِ دستور کی گنجائش ہوتی ہے نہ وہ اسے برداشت کرتا ہے۔ چنانچہ فتوحات کا دَور بالطبع اجتہاد کا دَور ہوتا ہے جس میں ہنگامی حالات اور اُن کے مقتضیات کو دیکھ کر ہی کوئی حکم دیا جاتا ہے۔ پھر جب فتوحات کی برق رفتاری کا وہ عالم ہو جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں تھا تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ دستورِ حکومت منطقی اصولوں سے زیادہ والیٔ سلطنت کے بدیہی فیصلوں پر موقوف ہو اور والیٔ سلطنت فتوحات کے ساتھ ساتھ چلتا رہے۔ نہ ایک قدم آگے بڑھے نہ ایک قدم پیچھے رہے۔

اس میں شک نہیں کہ جن بزرگ ہستیوں نے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کی جڑیں مضبوط کیں، وہی اپنی طاقتور شخصیتوں، اپنی تعلیمات اور اپنے کردار کی بنا پر اس وحدت کا محور تھیں۔ نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ذات والا صفات اور آپؐ کی رسالت اس وحدت کا سرچشمہ اور اساس تھی اور خلیفۂ اوّلؓ نے اُن محرکات و عوامل پر کاری ضرب لگائی جو اس وحدت پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دینا چاہتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو خلافت اس وقت سونپی گئی جب جزیرہ نمائے عرب کی وحدت پردوں میں سے جھلک رہی تھی اور جب اُس کے لیے تکمیل کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا تھا کہ مبادا وہ شانے کمزور ہو جائیں جنہیں آئندہ اُس کا بوجھ سہارنا ہے۔

حضرت عمرؓ ضعف کا شکار ہونے والوں میں سے نہ تھے۔ اُن کی شخصیت کی توانائی اور اس کے قوتِ ظہور کی روشن مثالیں تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں اور اس کا جو نمایاں اثر اسلام سے پہلے اور اس کے بعد کی عربی زندگی پر مترتب ہوا تھا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مدینہ کی ہجرت کے بعد اُن کی یہ خصوصیات اور بھی نکھر گئی تھیں، جہاں حضرت ابوبکرؓ کی طرح وہ بھی رسُول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیرِ خاص تھے۔ حضرت عمرؓ بعض معاملات میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف بھی کرتے تھے، جن میں سے اسیرانِ بدر جیسے دو چار مواقع پر قرآن نے ان کی تائید بھی کی اور چونکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر سچا ایمان رکھتے تھے، اس لیے جب وحی اُن کی رائے کے خلاف فیصلہ کرتی تھی تو وہ سب سے پہلے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی پیروی میں بھی انہیں ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ اُن کی رائے کے اختلاف کا یہ سلسلہ عہدِ صدیقیؓ میں بھی جاری رہا۔ جب حضرت ابوبکرؓ اپنی رائے پر اصرار فرماتے، حضرت عمرؓ اُسے تسلیم کر لیتے کہ صدیقِ اکبرؓ مسلمانوں کے امیر تھے لیکن اُن کی اطاعت نے اُن کی شخصیت کو کبھی محو نہ کیا اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ایمان ہونے کے باوجود انہوں نے وقت کی ضرورت اور سُنّتِ ثابتہ کا فرق کبھی فراموش نہ ہونے دیا بلکہ کبھی کبھی تو وہ سُنّت پر نظرِ ثانی کو بھی ممکن سمجھتے تھے اور اپنے اس یقین کے تحت کہ اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود ہوتے تو اپنے فیصلے سے رجوع فرما لیتے، اسے سنّت سے انکار پر محمول نہ کرتے تھے۔ (حالات کی تبدیلی سے خاص پس منظر میں دیے جانے والے احکامات تبدیل ہو جاتے ہیں)۔

حضرتِ صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمرؓ جن مسائل سے دلچسپی رکھتے تھے ان میں بلادِ عرب کی سیاسی وحدت بھی شامل تھی لیکن اُن کی اس دلچسپی نے انہیں حضرت ابوبکرؓ کی اعانت سے کبھی غافل نہ کیا اور وہ صدیقی سیاست کے نفاذ میں پورے خلوص سے کوشاں رہے۔ اس کے بعد جب وہ خود مسند آرائے خلافت ہوئے تو سب سے پہلے انہوں نے اپنی توجہ اسی وحدت کے استحکام پر مبذول فرمائی۔ اُن کے غور و فکر نے انہیں اس نتیجے پر پہنچایا کہ یہ وحدت اس وقت تک محفوظ و مامون نہیں رہ سکتی، جب تک وہ ہر قسم کے شائبے سے بالکل پاک نہ ہو جاتے اور اس کی یہی ایک صورت ہے کہ جس طرح عربوں کی زبان ایک ہے، اسی طرح اُن کا وطن اور اُن کے عقائد بھی مکمل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر ایک ہو جاتیں، لیکن یہودی اور عیسائی ابھی جزیرۂ عرب میں موجود تھے تو کیا کتاب اور سُنّت سے اختلاف کیے بغیر حضرت عمرؓ انہیں وہاں سے نکال سکتے تھے؟

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ پہنچتے ہی یہودیوں سے دوستی کا معاہدہ فرمایا لیکن وہ عہدشکنی کر کے غدّاری پر اُتر آتے اور مدینہ سے نکال دیتے گئے۔ اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جزیرہ نمائے عرب کی اکثر یہودی بستیوں سے جلاوطن فرما دیا۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہودیوں کا اپنی آبادیوں میں رہنا کوئی ایسا حق نہ تھا جس کا احترام ضروری ہو۔ اُن کے ساتھ دوستی کا معاہدہ صرف ایک سیاسی قدم تھا جو مدینہ کے ابتدائی دَور میں حکومت کی کسی مصلحت کے پیشِ نظر اٹھایا گیا تھا لیکن جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ حکومت کی اعلیٰ مصلحت[1] اسے درست نہیں سمجھتی تو اسے چھوڑ کر دوسرا طریقِ عمل اختیار کر لیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے میں حکومت کی اسی اعلیٰ مصلحت کا تقاضا تھا کہ تمام جزیرہ نمائے عرب میں صرف ایک عقیدہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت کا آغاز ہی اس سے کیا کہ نجران کے عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا۔ یعلیٰ بن اُمیّہ کو ان کا حکم تھا کہ عیسائیوں پر دین کے معاملے میں زبردستی نہ کی جائے لیکن جو عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہے، اُسے نکال دیا جائے اور جیسی اور جتنی زمین اس نے نجران میں چھوڑی ہو، ویسی اور اتنی ہی زمین اُسے عراق میں دے دی جائے اور ہر ایک کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا جائے۔ یہی کچھ اُن یہودیوں کے ساتھ کیا گیا جو خیبر اور فدک میں باقی رہ گئے تھے۔ انہیں وہاں سے جلاوطن کر کے شام بھیج دیا گیا۔ ان کی زمینوں کی قیمت انہیں دے دی گئی اور ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کی گئی۔ اس طرح جزیرۃ العرب اسلام کے سوا ہر عقیدے سے خالی ہو گیا اور اس وحدت کی بنیادیں وہاں استوار ہو گئیں، جو امیر المومنینؓ کا مطمحِ نظر تھی۔

یہ ہے اس سبب کی واضح تصویر جس کی بنا پر حضرت عمرؓ نے یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکالا تھا اور اپنے اس اقدام میں سُنّت سے اختلاف و تجاوز نہ کیا تھا، اس لیے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ سے جو عہد فرمایا تھا وہ کوئی ایسی سنّت نہ تھا جسے حکم کہا جا سکے بلکہ وہ ایک سیاست تھی جو عہدِ رسالتؐ ہی میں بدل گئی تھی تو پھر بعد کو اس کی تبدیلی میں کیا قباحت تھی۔ بدلتے ہوتے حالات، فتوحات کی وسعت اور جزیرۃ العرب میں وحدتی رشتوں کے استحکام کی شدید خواہش اس کی متقاضی تھی کہ اسے بدلا جائے۔ آخر حضرت عمرؓ اس عہدنامے پر کیوں جمے رہتے جو اپنی اصل کے اعتبار سے ایک خاص وقت تک کے لیے تھا، جو اپنی مدت ختم ہو جانے کے بعد خود بخود ختم ہو جاتا تھا اور جس کی تجدید اس وقت نہ ہو سکتی تھی جب تک امیر المومنینؓ ہی نہ چاہیں۔

بلادِ عرب میں وحدت کی بنیادیں استوار کرنے کے لیے تنہا یہی کافی نہ تھا کہ وہاں اسلام کے سوا کوئی مذہب نہ رہے، جب تک اس کے باشندوں میں وہ تمام امتیازات نہ مٹ جاتے جن کی بنا پر کچھ لوگ اپنے آپ کو عزّت و آزادی کا دوسروں سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور جب تک ان میں یہ شعور پیدا نہ ہو جاتا کہ صحیح مساوات ہی ہماری سلامتی کی ضامن ہے، اس وقت تک یہ خواب حقیقت نہ بن سکتا تھا۔ ارتداد اور ارتداد سے پیدا ہونے والی لڑائیوں نے عربوں میں بعض امتیازات پیدا کر دیتے تھے لیکن حضرت عمرؓ چونکہ صحیح وحدت کے خواہش مند تھے اس لیے اُن تمام امتیازات کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا اُن پر فرض تھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین پر جو پابندی لگائی تھی کہ وہ مُسلمانوں کی صف میں شامل ہو کر نہیں لڑ سکتے، حضرت عمرؓ نے اُسے ختم کر دیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ عرب غلاموں کو آزاد کر کے اُن کے رشتہ داروں کے پاس بھیج دیا جائے۔ اس لیے کہ وہ (عربوں میں) غلامی کے رواج کو ناپسند فرماتے تھے۔ اس طرح فاروق اعظمؓ نے ایک نئے دَور کا افتتاح کیا اور تمام عربوں کے دل میں عرب کے سب سے ہوش مند انسان کی روح سرایت کر گئی۔ وہ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصّوں سے تعلّق رکھنے کے

[1] اس کا جواز خود یہودیوں نے فراہم کیا تھا۔ اسلامی حکومت کے رویے کی تبدیلی کا سبب یہودیوں کی عہدشکنی تھی۔ ایک عہدشکن گروہ کے ساتھ معاہدہ باقی ہی کہاں رہتا ہے؟ کوئی بھی معاہدہ یکطرفہ نہیں ہوتا جب ایک فریق اس کے مطابق ذمہ داری ادا نہ کرے تو دوسرا اس کا طوق کیوں گلے میں ڈالے رہے۔ (ایڈیٹر)

باوجود اپنے آپ کو ایک قوم سمجھنے لگے، جس کا نصب العین مشترک تھا اور اُس نصب العین کی طرف انہیں لے چلنے والی ایک شوریٰ سیاست اور ایک اعلیٰ مصلحت تھی، جس کی نگرانی امیر المومنینؓ فرما رہے تھے۔

یہ اعلیٰ مصلحت، جس نے حضرت عمرؓ کو اسلام کے راستے میں قومی وحدت تک پہنچنے کی راہ دکھائی، اسی نے انہیں بتایا کہ وہ تاریخ و سنین کا نقطۂ آغاز رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کو قرار دیں۔ اس وقت تک عرب تاریخوں کا حساب کبھی عام الفیل سے لگاتے تھے اور کبھی عرب کی دوسری بڑی بڑی جنگوں سے۔ یہ جنگیں چونکہ سب کی سب جاہلیت سے تعلق رکھتی تھیں اور اسلام آیا ہی تھا جاہلیت کے آثار و رسوم مٹانے، اس لیے حضرت عمرؓ نے عہدِ رسالت کی اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ اس ہجرت کو قرار دیا جو نبی عربی علیہ التحیۃ والتسلیم نے مکّہ سے مدینہ کی طرف فرمائی تھی۔ کیونکہ اسی ہجرت کے بعد سے اللہ نے اپنے رسولؐ کو نصرت و کامرانی سے نوازنا شروع کیا تھا اور یہی ہجرت اللہ کے دین کی عزّت و سربلندی کا سبب بنی تھی۔ اس کامیاب انتخاب سے وحدت کو بڑی تقویت پہنچی اور اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ گئی کہ اس کی تکمیل ۱۶ھ میں ہوئی، جب اسلامی فوجیں کسریٰ اور قیصر کے ملکوں میں فاتحانہ پیشقدمی کر رہی تھیں اور مدائن میں گھس کر ایوانِ اعظم کے پرچم اُڑا رہی تھیں۔ ادھر بیت المقدس کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھل رہے تھے اور وہ کلیسائے قیامت کے پہلو میں مسجدِ اقصیٰ کی بنیاد ڈال رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب اس شاندار اسلامی سنِ تقویم کو ایرانی و رومی سنِ تقویم کے سامنے رکھ کر دیکھا تو یہ ان سے کہیں زیادہ روشن ثابت ہوا، اس لیے کہ اس سے دُنیا کی تاریخ کا ایک بہت بڑا واقعہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

فطری بات تھی کہ حضرت عمرؓ سیاست کے اصول مرتب کرنے میں اپنی طاقتور شخصیت اور خداداد بصیرت کا سہارا لیں۔ اس لیے کہ حکومت ابھی نشو و ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں تھی اور عراق و شام کی لڑائیاں انتہائی احتیاط اور ہوش مندی کی متقاضی تھیں۔ جن حالات سے حضرت عمرؓ کو اس زمانے میں دوچار ہونا پڑا تھا اگر وہی حالات ہمارے یا کسی اور زمانے میں پیش آجائیں تو جنگی ضروریات کا تقاضا یہی ہو گا کہ حکومت کی باگ ڈور کسی ایسے ذمّہ دار شخص کو سونپ دی جائے جو تمام تر اختیارات کا مالک ہو تاکہ جنگی کوششوں کی تنظیم اور اس کی دشواریوں کا مقابلہ کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہ آتے۔

کیا تیزی سے بدلتے ہوتے ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے لیے ممکن تھا کہ وہ آغازِ خلافت ہی میں ایک مفصّل نظام مرتب کر کے تمام بلادِ عرب میں نافذ کر دیتے یا عراق میں جو ایرانی نظام رائج اور شام پر جو بیزنطینی نظام مسلّط تھا، ان سے جزیرہ نمائے عرب کے لیے کوئی نظام اخذ کر لیتے؟ میں نہیں سمجھتا ان میں سے ایک بات بھی حضرت عمرؓ کے ذہن میں آئی ہو۔ جزیرۃ العرب اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کے پیشِ نظر عراق و شام سے جوہری اختلاف رکھتا تھا اور عرب جس زندگی سے مانوس تھے وہ ایران و روم کے نظاموں سے میل نہ کھاتی تھی۔ پھر اگر فاروقِ اعظمؓ کی تمام تر توجہ اور کوششیں جنگ پر مرکوز نہ ہوتیں تو شاید وہ اس مسئلے پر غور فرماتے لیکن عہدِ فاروقیؓ کی ابتداء میں اسلامی لشکرِ عراق کے محاذ پر نہایت نازک صورتِ حال سے دوچار تھا اور شام میں اُن کی فوجیں رومی قوتوں سے نبرد آزما تھیں جو سامان و تعداد کے لحاظ سے اُن سے دگنی اور چوگنی تھیں۔ ان حالات میں اُن کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ وہ جزیرہ نمائے عرب کو ایک آزاد اسلامی عربی وحدت میں ضم کر دیتے جس سے عوام میں خود اعتمادی پیدا ہوتی اور خود اعتمادی فاتحانہ قوتوں کو مہمیز کرتی اور اس کی تنظیم زمانے کے سپرد فرما دیتے کہ وہ کتاب و سنّت کی حدود میں اُسے آہستہ آہستہ پختہ کرتا رہتا۔

اگر حضرت عمرؓ جزیرۃ العرب کے مختلف حصّوں میں کوئی ایک نظام نافذ کرنے کی کوشش کرتے تو اُس کے نتائج نہ اُن کے لیے خوشگوار ثابت ہوتے، نہ مسلمانوں کے لیے۔ شہریوں کو بدویانہ نظام خوش نہ آتا اور بدوی شہری نظام قبول نہ کرتے۔ حضرت عمرؓ نے غلاموں کو واپس کرنے اور مرتدین پر سے پابندیاں اٹھانے کا جو حکم دیا تھا اس سے لوگ بہت خوش تھے۔ فاروقِ اعظمؓ کا یہ اقدام بالکل صحیح تھا کہ انہیں اسی طرح خوش رہنے دیا جاتے تاکہ اُن میں تعاون کا جذبہ پیدا ہو اور وہ جنگ کی دعوت پر بطیبِ خاطر لبیک کہہ کر اسلامی فوج کا بوجھ ہلکا کریں۔ اس اثناء میں کوئی حرج نہیں اگر جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں مثلاً یمن وغیرہ میں اُن کا سابقہ نظام بحال رہے اور حضرت عمرؓ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بس یہی کریں کہ ہر ریاست میں اپنا ایک والی بھیج دیں جو وہاں مدینہ کی حکومت قائم کرکے لوگوں سے صدقات وصول کرے۔ ان میں اللہ کی حدود قائم کرے اور انہیں دین کی تعلیم دے تاکہ وہ اپنی زندگی کو اس کے احکام کے سانچے میں ڈھال لیں۔ اس کے سوا باقی تمام معاملات میں ہر قوم اور ہر قبیلے کی شخصی آزادی برقرار رکھی جاتی جس کے وہ برسوں سے عادی چلے آرہے ہیں اور اُن ریاستوں کے باہمی روابط کو مملکت کے مجموعی مفاد پر اثر انداز نہ ہونے دیا جائے۔ اب کہ بلادِ عرب کا نظام یہ تھا ہمیں حق پہنچتا ہے کہ آج کل کی ایک دستوری اصلاح مستعار لے کر ان روابط کو ایک ایسے وفاق سے موسوم کریں جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ یا سوئٹزرلینڈ کی ریاستوں کے وفاق سے مشابہ تھا۔

مدینہ اس وفاق کا دارالسلطنت تھا۔ اُس کے اِس تقدم کی تنہا یہی وجہ نہ تھی کہ اُس نے مرتدین پر فتح پائی تھی۔ اگر ارتداد کا فتنہ سر نہ اٹھاتا تو بھی فطری طور پر مدینہ ہی اسلام کا سب سے پہلا دارالسلطنت ہوتا اور اسے تمام شہری اور بدوی آبادیوں پر فوقیت دی جاتی، کیونکہ یہی شہر تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی تھی۔ آپؐ کی بزرگ داشت اور آپؐ کی سازداری کی تھی۔ یہیں قرآن کی مکہ سے زیادہ آیتیں نازل ہوتی تھیں اور یہیں وہ مہاجرینؓ و انصارؓ جمع تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے اور آپؐ کی سنّت کو جانتے تھے اور جنہوں نے اللہ کے دین کی عزّت و نصرت کے لیے اپنی جانیں لڑا دی تھیں۔ چنانچہ مدینہ وحیٔ محمدی کا مقامِ نزول، اسلامی قانون سازی کا سرچشمہ اور دین کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والوں کا مستقر تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو اپنا دارالحکومت بنایا اور دینِ الٰہی کی دعوت کے لیے یہیں سے ملوک و امراء کے پاس اپنے ایلچی بھیجے تھے۔ جس شہر کی شان یہ ہو، عجب کیا اگر وہ دارالسلطنت بنایا جائے اور حیرت کیوں اگر ہر چہار طرف سے نگاہیں اُس کی طرف اٹھیں!

عہدِ فاروقیؓ میں مدینہ کا نظامِ حکومت اُسی بنیاد پر قائم تھا جو عہدِ رسالتؐ اور اس کے بعد عہدِ صدیقیؓ میں اُس کے لیے مقرر کی گئی تھی۔ یہ بنیاد شوریٰ تھی جس میں اللہ کے اس حکم سے استنباط کیا گیا تھا کہ: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (اور آپس کے مشورے سے کام کرتے ہیں) اور اس ارشادِ خداوندی سے جو اپنے نبیؐ سے خطاب فرماتے ہوئے کیا گیا تھا کہ: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (اور معاملات میں ان سے مشورہ لو)!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سب سے مقدم تھے۔ آپؐ ان دونوں سے فرمایا کرتے تھے "خدا کی قسم! اگر تم دونوں کسی مسئلے پر متفق ہو جاتے ہو تو میں تمہارے مشورے سے کبھی نہیں ہٹتا!" حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا"۔ اس کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ نے عنانِ خلافت سنبھالتے ہی حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو رُوم کی جنگ کے لیے بھیجا تو اُن سے اجازت چاہی کہ حضرت عمرؓ کو وہ مدینہ ہی میں رہنے دیں تاکہ حضرت ابوبکرؓ دُوسرے رفقاء کے ساتھ حضرت عمرؓ کے مشوروں سے بھی مستفید ہو سکیں۔ یہی طریق کار حضرت عمرؓ نے بھی اختیار کیا اور "شوریٰ" کو اپنی حکومت کی بنیاد قرار دیا۔

مہاجرینؓ و انصارؓ صحابہ میں سے ممتاز شخصیتیں اُن کے پاس تھیں۔ جس مسئلے کے متعلق وہ کتاب و سنّت میں کوئی حکم نہ پاتے۔ ان حضرات کی رائے کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرتے۔ یہ بزرگ شوریٰ کے خصوصی ارکان تھے جن میں حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عثمانؓ بن عفانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور اسی مرتبے کے دوسرے صحابہ نمایاں حیثیت رکھتے تھے لیکن حضرت عمرؓ اکثر و بیشتر عام مجلسِ شوریٰ منعقد کرتے تھے۔ چنانچہ لوگوں کو مسجدِ نبویؐ میں بلاتے یا مدینے سے باہر ہوتے تو انہیں نماز کے لیے جمع ہونے کا حکم دیتے، اور مشورہ طلب بات اُن کے سامنے رکھ دیتے۔ اِس مجلس میں ہر شخص کو اپنی اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہوتا تھا۔ اِس کے بعد بھی اگر مسئلہ حل نہ ہوتا تو نوجوانوں کو بُلا کر اُن کی رائے دریافت فرماتے کہ نوجوانی کی عقل تیز ہوتی ہے۔ جب عام مجلسِ شوریٰ میں اس کا کوئی حل نکل آتا تو اُسے نافذ فرما دیتے، ورنہ وہ مسئلہ خاص مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کرتے تا آنکہ بحث و تمحیص کے بعد اُس کے کسی بہتر حل پر مطمئن ہو جاتے۔

عراق میں ابوعبیدؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ وہ کیا کریں؟ اُن سب نے کہا: "آپ ہمیں اپنے ساتھ لے کر خود چلیں!" لیکن خواص نے یہ رائے دی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابیؓ کو عراق کا امیر لشکر بنا کر بھیج دیجیے اور خود مدینہ میں رہ کر اُن کی مدد کیجیے!" اس پر فاروقِ اعظمؓ نے اِن لوگوں کو دوبارہ جمع کرکے فرمایا: "مسلمانوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ ان کے معاملات مشورے سے طے ہوں۔ میرا بھی وہی خیال تھا جو تم لوگوں کا ہے، لیکن تمہارے اہل الرائے نے مجھے جانے سے روک دیا ہے اور اب میری بھی یہی رائے ہے کہ میں خود مدینہ میں رہوں اور عراق کسی اور شخص کو بھیج دوں!"

اس کے بعد جب وہ شام روانہ ہوئے اور سپہ سالارانِ عساکرِ اسلام نے اُن سے مل کر یہ کہا کہ شام کی سرزمین فساد زدہ ہو گئی ہے اور وہاں نہایت شدید طاعون پھیلا ہوا ہے تو انہوں نے لوگوں کو جمع کرکے مشورہ کیا کہ انہیں وباء کے باوجود شام کا سفر جاری رکھنا چاہیے یا مدینہ واپس ہو جانا چاہیے؟ لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ کی رائے تھی کہ سفر جاری رکھنا چاہیے اور دُوسرا گروہ کہتا تھا کہ واپس ہو جانا چاہیے۔ بالآخر دُوسرے گروہ کی رائے سے اتفاق کیا گیا اور حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ واپس ہو گئے۔

اُن کے نزدیک شوریٰ کی حیثیت ایک بنیادی نظام کی تھی جس پر مملکت کے تمام گوشوں میں عمل ہونا ضروری تھا۔ وہ اپنے امرائے لشکر اور والیوں کو بھی مشورے کا حکم دیتے تھے۔ ابوعبیدؓ کو عراق روانہ کرتے وقت انہوں نے فرمایا تھا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی بات سننا اور انہیں اپنے معاملے میں شریک رکھنا۔ فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا کیونکہ جنگ میں وہی شخص کامیاب ہوتا ہے، جس کے مزاج میں تحمّل ہو اور جو موقع سے فائدہ اٹھانا جانتا ہو"۔ وہ اپنے تمام والیوں کو اسی طرح ہدایت کرتے تھے، چاہے انہیں محاذِ جنگ کی نگرانی کے لیے بھیجا جا رہا ہو یا کسی علاقے کے انتظام و انصرام کے لیے۔

حضرت عمرؓ نے بنو ہاشم، کبار صحابہؓ اور رؤسائے قریش کو مدینہ میں اس لیے روکا تھا کہ ان کی غیر معمولی عقل و حکمت اور تجربہ و لیاقت سے فائدہ اٹھائیں اور انہیں اپنا مشیر بنائیں۔ اس لیے کہ شوریٰ حکومت کی بنیاد تھی اور چونکہ آخری رائے خلیفہ کی ہوتی تھی، ہر معاملے میں قولِ فیصل اُسی کی بات سمجھی جاتی تھی، اس لیے ان اختیارات کے بدلے حکومت کی تمام سیاسی ذمّہ داریاں بھی اُسی کو اٹھانی پڑتی تھیں؛ چنانچہ سارا اقتدار خلیفہ ہی کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ وہ کتاب و سنّت کی حدود میں رہ کر قانون بناتا اور اُسے نافذ کرتا تھا۔ وہی قاضی بھی ہوتا تھا اور وہی کمانڈر انچیف بھی۔ حضرت عمرؓ نے یہ تمام ذمّہ داریاں بطریقِ احسن اُٹھائیں اور تاریخ نے اُن کے نام کو بقائے دوام بخش کر اُس کے گرد عظمت و جلال کا ایک تابناک ہار بنا دیا۔

یہ دیکھ کر کہ حضرت عمرؓ نے یہ تمام ذمّہ داریاں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سنبھالیں، دِل حیرت و استعجاب میں ڈُوب جاتے ہیں اور اُن میں سے اکثر فاروقِ اعظمؓ کی اس عجیب و غریب مقدرت کا راز تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اگر کوئی سچّے دل سے اس راز کو معلوم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کہ یہ راز فاروقِ اعظمؓ کی بے نفسی اور اس خلوص میں مضمر تھا جو فرض کی اہمیت کا پورا پورا احساس کرتے ہوئے وہ ادائے فرض میں برتتے تھے۔ فرض کا یہ احساس اُن میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ تاریخ اپنے کسی دَور میں اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس احساس کی تصویر کھینچنے کے لیے حضرت عمرؓ کے اس قول سے بہتر الفاظ ہمیں کہیں مل سکتے ہیں کہ "میں رعایا کی دیکھ بھال کیسے کر سکتا ہوں جب تک مجھ پر بھی وہ کچھ نہ بیتے جو اِس پر بیتتی ہے"۔ غرور و نمائش سے وہ اتنا ڈرتے تھے کہ بعض روایات اس خوف کو حیرت ناک ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں عمرؓ کے ساتھ تھا کہ وہ ایک احاطے میں داخل ہو گئے اور دیوار کے پیچھے سے میں نے انہیں یہ کہتے سُنا، خطاب کا بیٹا عمرؓ اور امیر المؤمنینؓ! سبحان اللہ! خدا کی قسم! خطاب کے چھوکرے! خدا سے ڈر، ورنہ وہ تجھے ضرور اس کی سزا دے گا! کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنی پیٹھ پر پانی کا مشکیزہ لادے جا رہے تھے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا، میرے نفس نے مجھے بتلاتے غرور کرنا چاہا تھا، میں اسے ذلیل کر رہا ہوں"۔

عہدِ فاروقیؓ میں مملکت کو جو وسعت ہوئی، وہ حضرت عمرؓ کو اپنی راہ سے بھٹکا نہ سکی اور انہوں نے انتظامِ حکومت کے لیے مسجدِ نبویؐ کو چھوڑ کر کوئی الگ ایوان نہیں بنایا۔ اس خصوص میں ان کی شان وہی رہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہدِ فاروقیؓ کے ابتدائی زمانے میں مسجدِ نبویؐ بالکل ویسی ہی تھی جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُسے بنایا تھا۔ کچی اینٹوں کی دیواریں اور کھجور کی ٹہنیوں کی چھت۔ فاروقِ اعظمؓ اگر چاہتے تو اُسے ڈھا کر ازسرِ نو ایسی شاندار مسجد بنوا سکتے تھے جیسی اُن کے جانشینوں کے عہد میں بنوائی گئیں تاکہ اُن کی نشست گاہ اُن کے دفارِ سلطنت کے شایانِ شان ہو جاتی لیکن حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی چار سال میں مسجد کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ مگر جب مدینہ کی آبادی بڑھی اور مسجد نمازیوں پر تنگ ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد کو سند بنا کر "ہمیں مسجد کی توسیع کرنی چاہیئے!" اس کی توسیع کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: "اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے نہ سُنتا کہ ہمیں اپنی مسجد کو وسیع کرنا چاہیئے تو ہرگز اس کی توسیع نہ کراتا۔"

مسجد کی توسیع کا حکم دیتے وقت حضرت عمرؓ نے اُسے نماز اور معاملاتِ حکومت کے لیے مخصوص کرنا چاہا کیونکہ اہلِ مدینہ نے اسے اپنا دارالندوہ بنا رکھا تھا۔ وہیں بیٹھ کر تجارتی مسائل پر گفتگو کرتے اور اسی کو اپنی افسانہ گوئی اور تفاخر کا میدان بناتے۔ بعض اوقات تو یہاں تک ہوتا کہ امیرالمومنینؓ وہاں بیٹھے مہماتِ امور پر غور فرما رہے ہیں اور لوگوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی چنانچہ مسجد کی توسیع کے بعد اس کے ایک طرف "بطیحاء" کے نام سے فاروقِ اعظمؓ نے ایک جگہ مخصوص کر دی اور فرمایا: "جو کوئی شور مچانا یا اونچی آواز سے بات کرنا یا شعر پڑھنا چاہے وہ اس طرف چلا جائے!" مسجد کی عمارت میں حضرت عمرؓ نے جو ترمیم کی وہ اس سے زیادہ نہ تھی کہ صحن وسیع کرا دیا اور دروازوں کی تعداد بڑھوا دی۔ باقی مسجد اُسی طرح رہی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُسے تعمیر فرمایا تھا۔ وہی پتھروں کی بنیادیں اور وہی کچی اینٹوں کی دیواریں، وہی لکڑی کے ستون اور وہی کھجور کی ٹہنیوں کی چھت اور اسی سادہ وضع کی مسجد سے حضرت عمرؓ اپنے سپہ سالاروں کو احکام صادر فرماتے تھے۔ دیکھیئے! یہ کسریٰ کا ایوان اُس کے سر پر گر رہا ہے، یہ قیصر شام سے قسطنطنیہ کی طرف بھاگ رہا ہے اور یہ عظیم اسکندریہ۔ یہ اُس دَور کی عالمی تہذیب کا پایۂ تخت! اپنی کُنجیاں مسلمانوں کے حوالے کر رہا ہے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے جو سادہ زندگی اختیار کی تھی اور اُن کے ایمان نے دُنیا کو اُن کی نگاہوں میں جو بے اصل بنایا تھا، فتوحات کی وسعت نے اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ مسلمانوں نے اُن کی خلافت کے آغاز میں حضرت ابوبکرؓ کی طرح بیت المال میں اُن کا اور اُن کے اہل وعیال کا بھی حق مقرر کر دیا تھا لیکن جس وقت مدینہ میں مالِ غنیمت کے انبار لگے، اس وقت بھی حضرت عمرؓ نے اس میں سے اتنا ہی حصّہ لیا جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا تھا۔ کیونکہ خلافت کی بناء پر وہ اپنا حق دوسروں کے حق سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ ایک دن اُن سے کسی نے پوچھا کہ اللہ کے مال میں سے آپ کے لیے کیا جائز ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس میں سے میرے لیے کیا جائز ہے۔ کپڑوں کے دو جوڑے، ایک جاڑے کا اور دوسرا گرمی کا، حج اور عمرہ کے لیے ایک احرام اور میرے اور میرے اہل وعیال کے لیے فی کس آتنا کھانا جو قریش کے ایک آدمی کی خوراک ہے۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔ اس کے بعد میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، جو اُن کا حال سو میرا حال۔" وہ فرمایا کرتے تھے: "اللہ کا مال میرے لیے ایسا ہے جیسا کسی یتیم کا مال۔ ضرورت نہیں ہوتی تو اسے ہاتھ نہیں لگاتا اور حاجت مند ہوتا ہوں تو بقدرِ احتیاج لے لیتا ہوں۔ بیت المال سے کچھ لینے میں وہ اس قدر احتیاط برتتے تھے کہ بعض اوقات یہ احتیاط تکلیف دہ ہو جاتی تھی۔ ایک دن انہیں کوئی شکایت ہو گئی جس کے لیے شہد تجویز کیا گیا۔ بیت المال میں شہد کا ایک کُپّا تھا۔ منبر پر خطبہ دینے آئے تو کہا: "اگر تم اجازت دو تو میں بیت المال سے شہد لے لوں، ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے!" اور لوگوں نے اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ نے خلافت سے اپنے لیے کچھ نہ چاہا، بلکہ جس طرح وہ مسلمانوں کے اتحاد و آزادی کے امانت دار نگران تھے اسی طرح اپنے آپ کو اُن کے مال کا بھی امانت دار نگراں سمجھتے تھے۔ اس چیز نے انہیں سب کا محبوب بنا دیا تھا۔ عوام اُن سے یوں اور بھی محبت کرتے تھے کہ فاروقِ اعظمؓ کے نزدیک خلافت کو پدرانہ حیثیت حاصل تھی، یعنی جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے، اسی طرح خلیفۃ المسلمینؓ کو مسلمانوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ شفقت و دردمندی کو پدرانہ جذبات میں سب سے مقدّس اور سب سے بلند مقام حاصل ہے اور حضرت عمرؓ محتاجوں کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت و دردمندی سے پیش آتے تھے۔ اس لیے کہ وہ شفقت و دردمندی کو

اقامتِ عدل اور تحفظِ امن کی طرح حکومت کا ایک فرض سمجھتے تھے۔

ہمدردی اور اس مہربانی نے اُن کی حکومت کو لوگوں کے نزدیک محبوب بنا دیا تھا اور وہ خلیفہ کو ہر کمزور، ہر یتیم اور ہر محروم کا باپ سمجھنے لگے تھے۔ پھر لوگ حضرت عمرؓ کے بھی گرویدہ تھے۔ اس لیے کہ فاروقِ اعظمؓ کو عدل و انصاف سے فطری لگاؤ تھا اور وہ آزادی و مساوات سے بے انتہا محبت کرتے تھے جس کا آسان سا ثبوت یہ تھا کہ وہ اپنی ذات کو کمزوروں اور محتاجوں کی سطح پر رکھتے تھے۔ ایک دن مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوتے فرمایا: "میں نے تم پر عمّال اس لیے مقرر نہیں کیے ہیں کہ وہ تمہاری کھالیں اُدھیڑیں، تمہیں رُسوا کریں اور تمہارا مال چھینیں، بلکہ انہیں اس لیے عامل بنایا ہے کہ وہ تمہیں کتاب و سنت کی تعلیم دیں۔ پس اگر کسی پر اس کا عامل ظلم کرے گا اور اس کی شکایت مجھ تک پہنچے گی تو بدلہ لیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔" اور سپہ سالارانِ افواج کو لکھا: "مسلمانوں کو نہ مارنا کہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ انہیں محروم نہ کرنا کہ وہ بے دینی اختیار کر لیں گے، انہیں آپس میں شیر وشکر نہ ہونے دینا کہ وہ راہ سے بھٹک جائیں گے اور انہیں گھنے جنگل میں لے کر نہ اُترنا کہ وہ ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔"

یہ حکم انہوں نے سپہ سالارانِ افواج کو اس لیے دیا کہ براہِ راست اِن معاملات کو اپنے ہاتھ میں نہ لے سکتے تھے ورنہ جو کام وہ خود کر سکتے تھے، ہرگز کسی دوسرے کے سپُرد نہ فرماتے تھے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ انہوں نے اپنی خلافت کے آغاز میں کہا تھا: "خدا کی قسم! تمہارا جو معاملہ میرے سامنے پیش ہوگا، میں اپنے سوا کسی دوسرے کے ذمّے نہ کروں گا۔" اور اپنے اس قول کو انہوں نے سچ ثابت کر دکھایا کیونکہ وہ ہر چھوٹے بڑے معاملے کو خود طے کرتے تھے جس طرح فوجی معاملات کی تنظیم، عمّال کا تقرر، ملکی سیاست کی تعیین اور لوگوں کے درمیان منصفانہ فیصلوں جیسے اہم کام وہ خود انجام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا چھوٹے چھوٹے کاموں کو بھی نظر انداز نہ کرتے تھے۔ ایک دن حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے دیکھا کہ وہ مدینہ کے باہر دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ پوچھا: "امیرالمومنین کہاں؟" فرمایا: "صدقے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھاگ گیا ہے اُسے ڈھونڈنے جا رہا ہوں!" حضرت علیؓ نے کہا: "آپ نے اپنے جانشینوں کو تھکا دیا۔" ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فاروقِ اعظمؓ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پوچھا: "اس وقت آپ کیسے تشریف لائے؟" فرمایا: "ایک قافلہ بازار کے پہلو میں آکر اُترا ہے۔ مجھے ڈر ہے، مدینہ کے چور اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ آؤ اس کی حفاظت کریں!"

اپنی خلافت کے آخری دَور میں انہوں نے چاہا کہ لوگوں کے معاملات کا بطورِ خود مطالعہ کریں اور سلطنت کے ہر حصّے میں جا کر دیکھیں کہ وہاں کی عمومی حالت کیا ہے اور عمّال اپنے فرائض کس طرح انجام دے رہے ہیں؟ اُن سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ فتح مصر کے بعد انہوں نے فرمایا: "اگر میں زندہ رہا تو انشاءاللہ پوری رعایا کا دَورہ کروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگوں کی بعض ضرورتیں بالا ہی بالا قطع کر دی جاتی ہیں۔ نہ عمّال انہیں میرے سامنے پیش کرتے ہیں نہ حاجت مند مجھ تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ میں شام جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا۔ پھر جزیرے جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا۔ پھر مصر جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا۔ پھر بحرین جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا۔ پھر کوفہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا۔ پھر بصرہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا اور بخدا میرا یہ دَورہ بہت مفید و بہتر رہے گا۔" لیکن موت نے اُن کا یہ ارادہ پُورا نہ ہونے دیا۔

حضرت عمرؓ کا عدل آج تک ضرب المثل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ اور اس کے حساب سے ڈرنے والے تھے۔ اور لوگوں پر حکومت کرنے میں جس بے لاگ سوجھ بوجھ، باریک بینی اور محاسبۂ نفس کی ضرورت ہوتی ہے اسے خوب جانتے تھے۔ ایک دفعہ دو جھگڑنے والے ان کے پاس آئے تو فاروقِ اعظمؓ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور فرمایا: "یا اللہ ان کے بارے میں مجھے روشنی عطا فرما! ان میں سے ہر ایک میرا دین چاہتا ہے!" عدل قائم کرنے میں وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتتے تھے، بلکہ ایک بار جب انہوں نے لوگوں کو کسی بات سے روکنا چاہا تو اپنے اہل وعیال کے پاس گئے اور فرمایا: "میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جسے میں نے کسی کام سے روکا ہو اور پھر اس نے وہی کام کیا ہو۔ سوائے اُس شخص کے جسے سزا دینے میں مجھ سے کمزوری ظاہر ہوتی ہو۔" ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن مصر میں تھے۔ ایک دن انہوں نے ابوسَروعہ کے ساتھ نبیذ پی اور اُن پر نشہ طاری ہو گیا۔ وہ دونوں حضرت عمرو بن عاص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پاس پہنچے کہ وہ اُن پر حد جاری کریں۔ ابنِ عاصؓ کہتے ہیں کہ "میں نے انہیں جھڑک کر نکال دیا"۔ اس پر عبدالرحمٰن بولے: "اگر آپ نے حد جاری نہ کی تو جب میں والد کے پاس جاؤں گا یہ بات اُن سے کہوں گا"۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے ان دونوں پر حد نہ لگائی تو عمرؓ ناراض ہوں گے اور مجھے معزول کر دیں گے' اس لیے میں انہیں گھر کے صحن میں لایا اور ان پر حد لگائی۔ عبدالرحمٰن بن عمرؓ گھر کی کوٹھڑی میں گھس گئے اور اپنا سر مونڈا۔ خدا کی قسم! اس واقعے کے متعلق میں نے عمرؓ کو ایک حرف نہیں لکھا' یہاں تک کہ اُن کا یہ خط مجھے ملا: "اللہ کے بندے امیرالمومنین عمرؓ کی طرف سے عاصی بن عاصی کے نام! ابن عاصؓ تمہاری جرأت اور بدعہدی پر مجھے حیرت ہے اور میں تمہیں معزول کر کے چھوڑوں گا! تم نے عبدالرحمٰن کو اپنے گھر میں تازیانے لگائے اور وہیں اس کا سر مونڈا' حالانکہ تم جانتے تھے کہ یہ کام میری مرضی کے خلاف کر رہے ہو۔ عبدالرحمٰن تمہاری رعایا کا ایک فرد ہے' تمہیں اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہیے تھا جو تم دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہو' لیکن تم نے کہا وہ امیرالمومنینؓ کا بیٹا ہے' حالانکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے نزدیک کسی شخص سے حق وصول کرنے میں رعایت و نرمی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس وقت میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے' اسی وقت اسے ایک اُونی عبا پہنا دو اور کاٹھی پر بٹھا کر فوراً میرے پاس بھیج دو' تاکہ وہ بدکرداری کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے"۔ جیسا کہ ان کے والد نے کہا تھا۔ میں نے اسی طرح انہیں بھیج دیا اور عمرؓ کو معذرت نامہ لکھا کہ میں نے انہیں اپنے گھر کے صحن میں حد لگائی اور خدا کی قسم! جس سے بڑی کوئی قسم نہیں' میں ہر ذمی اور مسلمان کو اپنے گھر ہی میں حد لگاتا ہوں اور یہ خط عبدالرحمٰن بن عمرؓ کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن اپنے والد کے پاس لے جائے گئے۔ جب وہ ان کے سامنے پہنچے تو اُونی عبا ان کے جسم پر تھی اور سواری کی تکلیف سے وہ چل نہ سکتے تھے۔ ان کے والد نے پوچھا: "عبدالرحمٰنؓ! تم نے یہ حرکت کی ہے؟" عبدالرحمٰن بن عوف نے اُن کی سفارش کی اور کہا: "امیرالمومنینؓ! ان پر حد لگائی جا چکی ہے"۔ لیکن عمرؓ نے ان کی بات پر دھیان نہ دیا اور عبدالرحمٰن بن عمرؓ چلانے لگے: "میں بیمار ہوں۔ آپ مجھے قتل کر رہے ہیں"۔ روایت میں ہے۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے اُن پر دوبارہ حد لگوائی۔

محمد بن عمروؓ بن عاص نے ایک مصری کے تازیانے مارے' وہ مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: "لے! میں بڑوں کی اولاد ہوں!" حضرت عمروؓ بن عاص نے اس مصری کو قید کر دیا کہ مبادا وہ امیرالمومنینؓ سے ان کے بیٹے کی شکایت کر دے۔ جب وہ قید سے چھوٹا تو سیدھا مدینہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اسے تو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور ابن عاصؓ اور ان کے بیٹے کو مصر سے بلا کر مجلس قصاص میں طلب کیا۔ جب دونوں باپ بیٹے مجلس قصاص میں پیش ہوئے تو حضرت عمرؓ نے بلند آواز میں فرمایا: "مصری کہاں ہے؟ لے! یہ دُرّہ اور بڑوں کی اولاد کو مار!" مصری نے محمد کو دُرّے مارنے شروع کیے' یہاں تک کہ وہ بے دم ہو گئے۔ مصری انہیں مارتا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ کہتے جاتے تھے "بڑوں کی اولاد کو مار!" جب وہ جی بھر کے انہیں مار چکا اور دُرّہ امیرالمومنینؓ کو واپس کرنے لگا تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا: "عمروؓ کی چندیا پر مار! خدا کی قسم! بیٹا تجھے ہرگز نہ مارتا اگر اسے باپ کے اقتدار کا گھمنڈ نہ ہوتا"۔ ابن عاصؓ نے کہا: "امیرالمومنینؓ! آپ بھرپور سزا دے چکے ہیں!" اور مصری نے کہا: "امیرالمومنینؓ! جس نے مجھے مارا تھا' میں نے اس سے بدلہ لے لیا"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "قسم ہے خدا کی! اگر تو ابن عاصؓ کو مارتا تو ہم اُس وقت تک بیچ میں نہ آتے' جب تک خود ہی اپنا ہاتھ نہ روک لیتا"۔ اور عمروؓ کی طرف مخاطب ہو کر غضب ناک لہجے میں فرمایا: "عمروؓ! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنایا' اُن کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا"۔

فاروقِ اعظمؓ کا قول ہے کہ "عوام میں اس وقت تک ٹیڑھ پیدا نہیں ہوتی' جب تک اُن کے پیشوا اور رہنما ان سے سیدھے رہتے ہیں"۔ ایک اور جگہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ "جب تک راعی اللہ کی راہ میں چلتا رہتا ہے' رعایا اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہے لیکن جہاں اس نے پاؤں پھیلائے' رعایا اس سے پہلے پاؤں پھیلا دیتی ہے"۔ اسی لیے جو حیثیت وہ رعایا کے مقابلے میں عمّال کی سمجھتے تھے' وہی حیثیت عمّال کے مقابلے میں اپنی سمجھتے تھے' یعنی جس طرح عامل اپنے محکوموں کا ذمّہ دار تھا' اسی طرح وہ اپنے عمّال کے ذمّہ دار تھے۔ پس اگر عمّال اپنی رعایا پر ظلم کریں تو اُن سے بھی اسی طرح بدلہ لیا جانا چاہیے جس طرح مدینہ کے ایک عام آدمی سے' جو کسی پر ظلم کرے' لیا جاتا ہے۔ ذمّہ داری کے احساس کو حضرت عمرؓ نے اپنے اس فقرے میں واضح کیا ہے: "اگر کوئی عامل کسی کو ہدفِ ستم بناتے اور اس کی اطلاع مجھ تک پہنچ جاتے لیکن میں اس کے بعد بھی اس عامل کو تبدیل نہ کروں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس شخص پر ظلم میں نے کیا ہے"۔

حضرت عمرؓ زہد و اتقا کے مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ پھر فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ بھی انتہائی شفقت و ہمدردی اور انصاف و احسان سے پیش آتے تھے' اس لیے ان کی حکومت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی تھی اور اُن کی دُرشتی مزاج' اُن کے رُعب و جلال کا وہ پلڑا بہت بھاری پڑ گیا تھا' جس کی وجہ سے لوگ ان کے پاس جانے ڈرتے تھے۔ اپنی درشتی مزاج کے تحت حضرت عمرؓ دُرّہ لے کر مدینہ کا گشت فرماتے تھے کہ جہاں کوئی جماعت کے مروجہ آداب و اخلاق کی خلاف ورزی کرتا نظر آتے' چھوٹے بڑے کا لحاظ کیے بغیر اُس کی تادیب کریں۔ اس دُرّے نے لوگوں کے دلوں میں اور بھی ان کی ہیبت بٹھا دی تھی اور وہ اُن کے انصاف و احسان اور شفقت و ہمدردی کا یقین رکھتے ہوئے بھی اُن سے کانپتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت طلحہؓ' حضرت زبیرؓ' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کہیں جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ان سب میں نسبتاً حضرت عمرؓ سے بے تکلف تھے' اس لیے ان حضرات نے اُن سے کہا: "عبدالرحمٰنؓ! امیرالمومنینؓ سے لوگوں کی سفارش کرو! ایک شخص ان کے پاس حاجت لے کر جاتا ہے لیکن ہیبت اس کی زبان پکڑ لیتی ہے اور وہ بغیر کچھ کہے سُنے واپس آ جاتا ہے۔ اس بے چارے کی حاجت پوری نہیں ہوتی"۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ' فاروقِ اعظمؓ کے پاس پہنچے اور کہا: "امیرالمومنینؓ! لوگوں سے نرمی اختیار فرمایئے! آنے والا آپ کے پاس آتا ہے لیکن آپ کی ہیبت اس کے ہونٹ سی دیتی ہے اور وہ اپنی حاجت کا اظہار کیے بغیر ناکام واپس ہو جاتا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تمہیں خدا کی قسم ہے عبدالرحمٰن! کیا علیؓ' عثمانؓ' طلحہؓ' زبیرؓ اور سعدؓ نے تم سے یہ بات کہلوائی ہے؟" ابن عوفؓ نے کہا: "بخدا! یہی بات ہے!" حضرت عمرؓ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: "میں لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آیا۔ یہاں تک کہ اس نرمی نے مجھے خُدا سے ڈرا دیا۔ پھر میں نے اُن پر سختی کی' یہاں تک کہ اس سختی نے مجھے خُدا سے ڈرا دیا۔ اب جائیے تو کہاں جائیے؟" حضرت عبدالرحمٰنؓ اس جواب پر رو دیئے اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے اُٹھ آئے: "افسوس ہے آپ کے بعد اُن کے حال پر! افسوس ہے آپ کے بعد اُن کے حال پر!"

آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی ذمّہ داریاں کیسے سنبھالیں؟ اور فاروقِ اعظمؓ کی اُس بے مثال مقدرت کا راز بھی آپ پر منکشف ہو گیا ہو گا' جس کے بل پر حکومت کا غیر معمولی بوجھ انہوں نے اس شان سے اٹھایا کہ دل آج بھی اُن کے حضور حیرت و احترام کا خراج پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی آپ نے سمجھ لی ہو گی کہ عہدِ فاروقیؓ کے نظامِ حکومت کے وہ کون سے پہلو تھے' جنہوں نے فتوحات کی وسعت کا سامان فراہم کیا اور مُسلمانوں کے دل میں کامرانی و سربلندی کا شوق بھڑکایا؟ مسلمان امیرالمومنینؓ کو اپنے اور اپنے اُن اہل و عیال کے حقوق کا بہترین ضامن سمجھتے تھے' جنہیں گھروں میں تنہا چھوڑ گئے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ فاروقِ اعظمؓ ہر صاحبِ حق کا حق ادا کرتے اور اس کی ضرورت کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت پر مقدّم رکھتے ہیں۔ ان حالات میں اُن سب کا اپنے مستقبل اور اپنی اولاد و اقارب کے انجام کی طرف سے مطمئن ہو کر جنگ کے میدانوں میں کُود جانا ایک لازمی امر تھا۔ ان میں سے ایک بھی اللہ اور اسلامی سلطنت کی راہ میں قتل ہونے سے نہ گھبراتا تھا' کیونکہ اسے یقین تھا کہ اگر وہ شہید ہو گیا تو اس کی اولاد کو اس سے بہتر معاوضہ ملے گا' جو اس کے زندہ رہ جانے کی صورت میں اسے ملتا اور وہ اس پر ایمان رکھتا تھا کہ جو کوئی اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے جان دے گا' اُس کے لیے جنّت کے دروازے کھل جائیں گے۔

مغربی مؤرخین نے حضرت عُمرؓ کی ان صفات کا ذکر کر کے اُن پر تعریف و تحسین کے پھُول نچھاور کیے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض یہ خیال بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اگر ان صفات کے پیشِ نظر کسی نظامِ حکومت کا تصوّر کیا جائے تو وہ اس دَور کا مشہور عربی نظام ہو گا' جو قبائلی نظام سے مکمل مشابہت رکھتا تھا۔ قبائلی نظام میں حکومت کا تاج اُس شخص کے سر پر رکھا جاتا تھا' جو اپنی قوت سے اپنے قبیلے کے حامیوں کو حفاظت و صیانت کے بازوؤں میں سمیٹ کر یا دُور اندیشی سے اپنے قبیلے کا انتظام چلا کر' یا حسنِ تدبر سے اپنے قبیلے کے تعلقات دُوسرے قبائل سے استوار کر کے دوسروں پر اپنی عظمت و فوقیت ثابت کر دیتا تھا۔ چنانچہ اقتدار کی تمام کنجیاں۔ حضرت عمرؓ کی طرح۔ قبیلے کے سردار کے ہاتھ میں ہوتی تھیں۔ یہ سردار رواج سے اپنا قانون بناتا تھا اور اس قانون کی بنیاد پر اپنے قبیلے کے درمیان قصاص یا دیت کا فیصلہ کرتا تھا بلکہ جب کسی دُوسرے قبیلے کا کوئی مظلوم یا اُس کا وارث اس سردار کے پاس دعویٰ لے کر آتا تھا کہ آپ کے قبیلے کے فلاں آدمی نے مجھ پر ظلم کیا ہے تو اُس کے خوں بہا یا قصاص کا فیصلہ بھی اسی قانون کے تحت کیا جاتا تھا۔ ان مؤرخین کا خیال ہے کہ قرآن نے اس رواج کی تنظیم و تہذیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو کی جس سے عرب مانوس نہ تھے لیکن عربوں کو اس نظام کے دائرے سے باہر نہ نکالا جس پر وہ پہلے سے عمل پیرا تھے، یعنی حضرت عمرؓ اور ان سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی حکومت اسی عربی نظام پر قائم تھی اور اس کے اصول و قواعد سے متجاوز نہ ہوتی تھی چنانچہ یہ دونوں حکومتیں — حکومتِ صدیقیؓ اور حکومتِ فاروقیؓ — اس متمدن نظام کے مقابلے میں، جو اُن دنوں ایران و روم میں رائج تھا، بدوی نظام سے قریب تر تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی حکومت خالص عربی حکومت تھی، جو روم و ایران کے نظاموں سے نہ زیادہ متاثر ہوئی نہ کم، اور اسی لیے وہ اُس بدوی نظام کی طرح سادہ تھی جو اُن دنوں جزیرہ نمائے عرب کے اکثر گوشوں میں رائج تھا لیکن یہ حکومت اپنی تمام تر سادگی کے باوجود عہدِ رسالت کو عہدِ سلطنت سے ملانے والی ایک مضبوط کڑی اور اُس نظام کی فطری پیش رفت تھی، جو عہدِ رسالت ہی میں اُبھرنا شروع ہو گیا تھا۔ جس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ میں نزولِ اجلال فرمایا ہے، عرب کے دُوسرے علاقوں کی طرح وہاں بھی ایسے قبائل آباد تھے، جو اپنے اوپر کسی دُوسرے قبیلے کا اقتدار تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس لیے کبھی تو اوس و خزرج میں کشت و خون کا بازار گرم ہو جاتا اور کبھی مدینہ کے عربوں اور یہودیوں میں جنگ کے شعلے بھڑکنے لگتے اور جب تک کوئی بیرونی خطرہ ہی انہیں اچانک آکر نہ گھیر لیتا، باہمی اتفاق و اتحاد کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی لیکن جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ میں قیام فرما کر پہلے مہاجرینؓ و انصارؓ میں مواخاۃ قائم کی اور اس کے بعد یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا تو شوب و قبائل کے تمام تفرقے مٹ گئے اور مدینہ اس یک جہتی کے بعد ایک ایسی مدنی وحدت میں تبدیل ہو گیا، جس کی شریعت قرآن تھا اور جس کے فرمانروا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! نظامِ حکومت کے اس انقلاب سے اہلِ حجاز ناآشنا تھے لیکن فتحِ مکّہ کے فوراً بعد وہ مدینہ سے اُمّ القریٰ۔ مکّہ۔ میں منتقل ہو گیا اور غزوۂ حنین کے بعد اُس نے طائف کو بھی اپنے سایۂ رحمت میں لے لیا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات سے ایک سال پہلے جب مختلف بستیوں اور قبیلوں کے وفد مدینہ آئے اور انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا تو سرکارِ رسالتؐ نے اپنے چند صحابہؓ کو اُن بستیوں اور قبیلوں میں بھیجا کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور اُن سے صدقات وصول کریں۔ یہ حضرات گویا ہراول تھے اس انقلاب کے، جس کی طرف جزیرۃ العرب آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد جب ارتداد کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو دوسرے مسلمانوں کی طرح ان حضرات نے بھی ارتداد کا سر کچلنے کے لیے غیر معمولی شجاعت و سرفروشی کا مظاہرہ کیا اور اس طرح فتح و نصرت کا وہ حق مدینہ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا جس سے کوئی عرب انکار نہ کر سکا۔ ارتداد کی آگ ٹھنڈی پڑ جانے کے بعد اُن عاملوں اور والیوں کے اقتدار میں اضافہ ہو گیا جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے مختلف علاقوں میں مقرر فرمایا تھا۔ اب ان کے اختیارات صرف لوگوں کو دین کی تعلیم دینے اور ان سے صدقات وصول کرنے ہی تک محدود نہ رہے بلکہ اپنی اپنی عملداریوں میں انہیں بھی وہی حاکمانہ حقوق حاصل ہو گئے، جو قبیلے کے سردار یا مدینہ کے امیر کو حاصل تھے، چنانچہ احکام کا نفاذ، قضا اور فوج کے عہدے یہ سب کچھ اب ان کے ہاتھ میں تھا لیکن ان تمام اختیارات کے استعمال میں وہ خلیفہ کے سامنے ہر طرح جوابدہ تھے۔

حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں زمامِ خلافت اس وقت آئی، جب تمام مرتدین عرب صدقِ دل سے دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اس لیے اب اُن سے محتاط رہنے یا ان کی بغاوت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ خلیفہ کے عمّال آخر اُن پر جبر و تشدد کرتے بھی کیسے؟ جب تمام قبیلوں کے سورما جہاد کے میدانوں میں پہنچ گئے تھے اور وہاں اللہ کی راہ میں مر بھی رہے تھے اور مار بھی رہے تھے۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے محسوس فرمایا کہ ان کی وحدت کو اور مستحکم کر دیا جاتے اور اپنے عمّال کو حکم دیا کہ وہ بھی شیوۂ فاروقیؓ کے اتباع میں انصاف و دُور اندیشی اور لطف و مرحمت سے کام لیں۔

حضرت عمرؓ• عمّال کو لوگوں پر اس لیے حاکم بنا کر نہ بھیجتے تھے کہ وہ اُن کو ذلّت و حقارت کے گڑھے میں دھکیلیں، بلکہ اس لیے بھیجتے تھے کہ اُن کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی حدود قائم کریں۔ عمّال کو اُن کا حکم تھا کہ "سب کو ایک نظر سے دیکھو! قریب و بعید میں کوئی امتیاز روا نہ رکھو! اگر تم نے رشوت لی، حکومت میں ذاتی غرض شامل کی یا غصّے میں لوگوں کو ستایا تو اس کی سزا تمہیں کو بھگتنی پڑے گی۔ حق اگر دن

• حضرت عمرؓ کے عمّال اور انتظامیہ کے بارے میں پروفیسر محمد سلیم میر صاحب کا مضمون ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۷ پر ہیکل نے چند واقعات کا ذکر کیا ہے لیکن اس موضوع پر مفصل تحریر میر صاحب کی شاملِ اشاعت ہے۔

کی روشنی میں بھی قائم کرنا پڑے تو اسے قائم کر دو!" وہ مملکت کے ایک ایک گوشے میں عدل قائم کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے آپ کو اپنے ضمیر کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے، یعنی اگر اُن کے کسی عامل نے کوسوں دُور بھی کسی شخص پر ظلم کیا تو گویا خود انہوں نے اُس شخص پر ظلم کیا۔ ایک دن حاضرین سے فرمایا: "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر میں نے اپنے علم کے مطابق بہترین آدمی کو تم پر عامل مقرر کر کے اُسے عدل کا حکم دے دیا، تو میں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو گیا؟" لوگوں نے کہا: "جی ہاں!" فرمایا: "نہیں! یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ جو کچھ میں نے حکم دیا تھا، اُس پر عمل بھی کیا جا رہا ہے یا نہیں!" اسی لیے وہ ان عمّال کا محاسبہ اتنی شدّت سے کرتے تھے کہ ہمارے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی اور حضرت عمروؓ بن عاص کے مال کی تقسیم اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ روایات میں حضرت عمرؓ کے اس شدید محاسبے سے متعلق بعض ایسے واقعات ملتے ہیں، جن پر یقین کرتے ہوئے لوگ ہچکچاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے شام میں اپنے اہل و عیال کے لیے راحت و فراغت کے سامان فراہم کر لیے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کے مشاہرے میں کمی کر دی۔ یہاں تک کہ امین الامتؓ کی رنگت بگڑ گئی۔ کپڑوں کی حیثیت بدل گئی اور حالت تباہ ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا: "اللہ ابوعبیدہ پر رحم کرے! انہوں نے بڑے صبر و تقویٰ سے کام لیا" اور ان کی تنخواہ بحال کر دی۔ عمّال کے محاسبے میں حضرت عمرؓ کی شدّت کا یہ عالم تھا کہ وہ عامل کو کبھی ایسے شبہے پر معزول کر دیتے تھے، جو دلیل سے ثابت نہ ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات تو ایسے گمان پر بھی اس کی معزولی کا حکم دے دیتے تھے جسے صحیح معنی میں شبہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس کے متعلق ایک دفعہ ان سے سوال کیا گیا تو فرمایا: "اگر قوم کے معمولی سے فائدے کے لیے بھی کسی امیر کو بدلنا پڑے تو میں اسے بدل دوں گا۔"

کئی بار حضرت عمرؓ نے اپنے عمّال کو بغیر کسی شبہے کے محض بربنائے مصلحت ہی اُن کے عہدوں سے معزول کر دیا — جن میں سے ایک حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا معاملہ ہے جنہیں حضرت عمرؓ نے کوفہ کی ولایت سے صرف اس لیے ہٹا دیا تھا کہ اس شہر کے چند لوگ حضرت سعدؓ کے خلاف بھڑک اٹھے تھے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تھی کہ وہ تقسیم میں مساوات نہیں برتتے۔ رعایا سے انصاف نہیں کرتے اور جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ بھیجا اور باوجودیکہ انہوں نے لوگوں کو حضرت سعدؓ سے خوش پایا لیکن حضرت عمرؓ نے فتنے کے خوف سے حضرت سعدؓ کو معزول کر دیا کیونکہ ایرانی فوجیں اس وقت حملے کے لیے جمع ہو رہی تھیں۔

حضرت عمرؓ اپنے عمّال کو ہر سال حج کے موقع پر مکّہ میں جمع کرتے تھے۔ عمّال سے اُن کے کاموں کے متعلق پوچھتے اور عوام سے عمّال کا رویّہ دریافت فرماتے تھے۔ اس سے وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اپنے فرائض کے احساس میں عمّال کتنی احتیاط و ہوش مندی سے کام لیتے ہیں اور ادائے فرض کے وقت اپنے یا اپنے کسی رشتہ دار کے مفاد کا لحاظ تو نہیں رکھتے، اس لیے کہ بے غرضی فاروقِ اعظمؓ کے نزدیک ہر چیز پر مقدم تھی۔ چنانچہ جس وقت عمّال مقرر ہوتے تھے، اُن کے مالی اسباب کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا تھا اور اگر بعد کو اس میں اضافہ ہو جاتا تو ان کی امانت و دیانت مشکوک سمجھی جاتی تھی۔ فاروقِ اعظمؓ اُن سے حساب لیتے اور زائد سامان ضبط کر لیتے۔ پھر ان سے فرماتے: "ہم تمہیں والی بنا کر بھیجتے ہیں، تاجر بنا کر نہیں۔"

والیوں کے اس شدید محاسبے سے یہ غرض نہ تھی کہ اُن کی حاکمانہ شان کو نقصان پہنچایا جائے یا اُن کا وقار کم کیا جائے، نہیں! وہ اپنے اختیارات میں آزاد تھے۔ اُن کے احکام نافذ ہوتے تھے اور جب تک وہ عدل و انصاف کی راہ سے نہ ہٹتے تھے، اُن کا اقتدار حضرت عمرؓ کے اقتدار کے مساوی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود اگر کوئی خیرہ سر اُن کے ساتھ زیادتی یا کوئی دریدہ دہن اُن کی بے عزّتی کرتا تو اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔ اہلِ عراق نے ازراہِ تحقیر اپنے امام پر کنکریاں پھینکیں۔ اس سے پہلے بھی وہ ایک امام کے ساتھ یہی بدتمیزی کر چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کو غصّہ آ گیا اور انہوں نے اہلِ شام سے کہا: "اہلِ عراق کے خلاف تیّاری کرو کہ شیطان نے ان میں انڈے بچّے دے دیتے ہیں" حضرت عمرؓ اپنے عامل کی دلیل بھی سنتے تھے اور اگر اس دلیل سے مطمئن ہو جاتے تھے تو اُس کے مُنہ پر اپنے اطمینان کا اظہار کر دیتے اور جب وہ چلا جاتا تو اس کی تعریف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ گدھے پر سوار شام جا رہے تھے۔ دیکھا کہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان ایک شاندار جلوس کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے گھوڑے سے اُتر کر امیر المومنین کو سلام کیا لیکن فاروقِ اعظمؓ جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: "آپ نے انہیں تکلیف پہنچائی کم سے کم آپ اُن سے بات تو کر لیتے!" حضرت عمرؓ، حضرت معاویہؓ کی طرف متوجہ ہوتے اور فرمایا: "یہ شاندار جلوس تمہارا ہے؟" حضرت معاویہؓ نے جواب دیا: "جی ہاں!" فرمایا: "دوسری طرف تمہارا یہ حال ہے کہ تم ہر وقت گھر میں گھسے بیٹھے رہتے ہو، حالانکہ جانتے ہو اہلِ حاجات تمہاری ڈیوڑھی پر کھڑے ہیں؟" حضرت معاویہؓ نے کہا: "یہ بھی درست ہے!" بولے: "افسوس ہے تم پر! ایسا کیوں ہے؟" حضرت معاویہؓ نے جواب دیا: "ہمارے مُلک میں دُشمن کے جاسوس بہت ہیں۔ اگر ہم اس شان و شوکت سے نہ رہیں تو دشمن ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر ٹوٹ پڑے۔ رہی گھر میں گھسے بیٹھے رہنے کی بات، سو ہمیں ڈر ہے کہ ہماری فیاضی رعایا کو جری بنا دے گی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں آپ کا عامل ہوں۔ آپ مجھے گھٹائیں گے، گھٹ جاؤں گا، بڑھائیں گے، بڑھ جاؤں گا اور روک دیں گے، رُک جاؤں گا۔" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں جب تم سے باز پُرس کرتا ہوں۔ صاف بچ کر نکل جاتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو یہ ایک عقلمند آدمی کی رائے ہے اور جھوٹے ہو تو ایک چالباز کا دھوکا۔ میں نہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے روکتا ہوں!"

حضرت عمرؓ جب یہ دیکھتے تھے کہ اُن کے عمّال محض رعایا کی بھلائی کے لیے کام کر رہے ہیں تو اُن سے بہت خوش ہوتے تھے اور اُن کی بے انتہا تعریف فرماتے تھے۔ عُمیر بن سعد کو انہوں نے حمص کا والی مقرر کیا اور کچھ عرصے کے بعد انہیں لکھا: "جتنا خراج تم نے وصول کیا ہے، وہ سارے کا سارا لے کر میرے پاس پہنچو!" جب عُمیر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوتے تو پوچھا: "کیا کر آئے؟" انہوں نے جواب دیا: "آپ نے مجھے بھیجا اور میں وہاں پہنچا۔ میں نے قوم کے نیک لوگوں کو جمع کیا اور خراج وصول کرنے کی خدمت اُن کے سپرد کر دی۔ جب انہوں نے خراج جمع کر لیا تو میں نے اُسے موقع موقع سے خرچ کر دیا، اگر اس میں سے آپ کے لیے کچھ بچتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کچھ لے کر نہیں آتے؟" اور جب عُمیر نے یقین دلا دیا کہ انہوں نے سارا خراج اہلِ حمص پر خرچ کر دیا ہے تو کہا: "عُمیر کو پھر وہیں بھیج دو!"

یہ وہی عُمیر ہیں جنہوں نے ایک دفعہ حمص کے منبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا: "جب تک اسلام میں حکومت کا زور ہے، وہ ناقابلِ شکست رہے گا لیکن حکومت کے زور کا مطلب تلوار سے قتل کرنا اور تازیانے سے مارنا نہیں بلکہ حق کے ساتھ فیصلہ اور انصاف کے ساتھ مواخذہ کرنا ہے!" ایسی صورت میں کہ یہ حکیمانہ فقرہ اُن کا مدارِ عمل تھا، کوئی تعجب نہیں اگر حضرت عمرؓ نے اُن کے متعلق یہ فرمایا کہ "کاش عُمیر بن سعد جیسا کوئی آدمی میرے پاس ہوتا جس سے میں مسلمانوں کے کام میں مدد لیتا۔"

یہ عمّال عہدِ فاروقیؓ کے آغاز میں وہ تمام خدمات انجام دیتے تھے، جو مدینہ میں حضرت عُمرؓ کے ذمے تھیں۔ عدالت، صوبے کا انتظام اور فوج کی امارت یہ سب عہدے انہیں عُمّال کے پاس ہوتے تھے لیکن اپنی خلافت کے چند ہی روز بعد حضرت عمرؓ نے محسوس فرمایا کہ حکومت کے وسیع معاملات اور اعلیٰ سیاست نے اُنہیں ان تمام ذمّہ داریوں سے غافل کر رکھا ہے جن کے متعلق اپنی بیعت کے دن اُن کا خیال تھا کہ وہ اُنہیں خود سنبھالیں گے۔ عراق و شام کے اسلامی لشکروں کی خبریں اُن کی بہت سی توجہ اور ان کا بہت سا وقت لے لیتی تھیں اور مملکت کے مختلف حصّوں میں عُمّال کیا کچھ کر رہے ہیں، اس کے متعلق بھی وہ سوچتے رہتے تھے۔ پھر مدینہ کی آبادی بڑھنے اور وہاں روپے کی ریل پیل ہونے سے اہلِ مدینہ کے مفادات میں اُلجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی جا رہی تھیں اور اِدھر فتوحات کی وسعت اور مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق اس امر کا متقاضی تھا کہ حضرت عُمرؓ انتظامی معاملات میں امرائے لشکر کو مشورے اور ہدایتیں دیتے رہیں۔ اپنی ان تمام مصروفیتوں کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ معاون رکھنے پر مجبور ہو گئے جو عوامی مفاد کے لیے اس طرح کام کریں کہ اس سے حکومت کا مفاد متاثر نہ ہو۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے انہوں نے یہ کیا کہ مدینہ کے عدالتی فرائض سے سبکدوش ہو کر یہ خدمت ابوالدرداءؓ کے سپرد فرما دی اور اُنہیں قاضی کے نام سے موسوم کر دیا کہ لوگ اگر اپنے مقدمے لے کر اُن کے پاس آئیں تو وہ اُن کا فیصلہ کریں۔ پھر جب کوفہ اور بصرہ آباد ہو گئے، عربوں نے وہاں سکونت اختیار کر لی اور لوگوں میں باہمی تنازعات بڑھنے تو کوفہ کا قاضی شریحؓ کو بنایا گیا اور بصرہ کا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

کو۔ اس کے بعد مصر فتح ہوا اور وہاں کے مسلمانوں کا قاضی قیسؓ بن ابی العاص سہمی کو مقرر کیا گیا۔ یہ تمام قاضی کتاب و سنت کی حدود میں رہتے ہوئے آزادانہ فیصلے کرتے تھے اور ان کا تقرر اختیارات کی تقسیم و تنظیم کی طرف پہلا قدم تھا، لیکن ایک ایسا قدم جو مملکت کے بدلتے ہوئے حالات سے مجبور ہو کر ضرورت کے تحت اٹھایا گیا تھا۔ دنوں یہی صورت رہی اور اس قدم نے ایک ایسے مقررہ اصول کی شکل، جو مملکت کے ہر گوشے میں رائج ہو، عہدِ فاروقیؓ کے برسوں بعد اختیار کی۔

حضرت عمرؓ نے قضاۃ کے انتخاب میں، عُمّال کے انتخاب کی طرح، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کا ثبوت دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فقہ و شریعت کے عالم تھے اور اس باب میں اُن کی نظر اتنی گہری تھی کہ اور کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے: "عمرؓ کا علم اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جاتے اور عرب کے تمام قبائل کا علم دُوسرے پلڑے میں تو بھی عمرؓ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا!" اس میں تعجّب کی کوئی بات نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ مسلمان ہونے سے پہلے قریش کے عہدۂ سفارت پر مامور تھے۔ پھر جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ہر وقت خدمتِ رسالتؐ میں حاضر رہنے لگے۔ اللہ کی طرف سے جو وحی نبی عربی علیہ التحیۃ والتسلیم پر نازل ہوتی اُسے حضور سے سیکھتے اور آپ کی سنت و قضاء سے واقفیت بہم پہنچاتے۔ اس کے علاوہ اُن میں لوگوں کے جوہر پہچاننے اور اُن کے بعض کاموں سے اُن کی خصوصیات معلوم کرنے کا بڑا ملکہ تھا۔ شریحؓ کے قاضی کوفہ بنائے جانے کا واقعہ اس کا بہترین ثبوت ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر گھوڑا خریدا اور امتحاناً اس پر سوار ہوتے۔ گھوڑا چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ مالک نے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "کسی کو ثالث بنا لو!" مالک نے کہا: "شریحؓ عراقی!" دونوں شریحؓ کے پاس پہنچے۔ شریحؓ نے فریقین کے دلائل سُن کر کہا: "امیرالمومنینؓ! یا گھوڑا خرید لیجیے، یا جیسا تھا ویسا واپس کیجیے!" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "فیصلہ یہی ہے!" اور شریحؓ کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا، جہاں وہ ساٹھ برس تک اس منصب پر فائز رہے۔

حضرت عمرؓ کے مکاتیب و اقوال آج بھی اس امر کی زندہ شہادت ہیں کہ قضاء اور اس کے اصول و احکام پر اُن کی نظر کتنی وسیع تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام اُن کا ایک خط گویا آدابِ قضا کا ایک غیر فانی ٹکڑا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! اللہ کے بندے امیرالمومنینؓ کی طرف سے عبداللہ بن قیس کو سلام علیک! امابعد! قضاء ایک اہم فریضہ ہے، جسے لوگ ہر زمانے میں انجام دیتے رہے ہیں۔ جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو، اس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھو اور جب صحیح نتیجے پر پہنچ جاؤ تو اسے نافذ کر دو! کیونکہ زبانی فیصلہ بے سُود ہے تاوقتیکہ اسے عملاً نافذ نہ کیا جاتے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرو، کسی فریق سے بات کرنے یا عدالت میں بٹھانے یا انصاف کرنے میں کوئی امتیاز نہ برتو، تاکہ زوردار یہ توقع نہ کرے کہ تم اس سے رعایت برتو گے اور کمزور کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ تم اس کے ساتھ ناانصافی سے پیش آؤ گے۔ جو شخص دعویٰ کرے اس سے گواہ مانگے جاتیں اور جو دعویٰ نہ مانے، اس سے قسم لی جاتے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانی جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام، حلال اور حلال، حرام نہ ہو جاتے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا، آج اس سے بہتر فیصلہ تمہاری عقل نے تمہیں سُجھا دیا تو اپنے پہلے فیصلے کو رَد کر سکتے ہو اس لیے کہ حق ازلی ہے۔ اس کی طرف رُجوع کرنا غلطی پر اڑے رہنے سے بہتر ہے۔ جس مسئلے میں شبہ ہو اور وہ تمہیں قرآن و حدیث میں نہ ملے تو اس پر غور کرو، پھر غور کرو اور اس کے امثال و نظائر کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے قیاس و اجتہاد سے کام لو۔ کوئی شخص اگر اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے مہلت مانگے تو اسے مہلت دو، اور اگر وہ گواہ پیش کر دے تو اس کا حق دلا دو۔ ورنہ مقدمہ خارج کر دو۔ اس سے شک مٹے گا اور ظلم و ستم کی سیاہی دُور ہو گی۔ ہر مسلمان ثقہ ہے۔ سوائے ان اشخاص کے جنہیں کسی سنگین جُرم میں دُرّے لگائے جا چکے ہوں، یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو، یا ولد و نسب میں مشکوک ہوں۔ تمہاری چھپی ہوئی بداعمالیوں کا معاملہ خُدا کے ہاتھ ہے۔ دُنیا میں قانونی سزا سے بچنے کے لیے اس نے گواہی اور حلف ضروری قرار دیا ہے۔ خبردار! تمہارے دل میں اہلِ مقدمہ سے خفگی، اکتاہٹ یا چڑچڑاپن پیدا نہ ہو کیونکہ جو شخص حق و انصاف کے موقع پر حق و انصاف قائم کرتا ہے، وہ اللہ کے انعام اور اچھی شہرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جس کسی نے اپنی نیت درست رکھی، اس کے اور لوگوں کے درمیان اللہ کافی ہے اور جو اُن سے بناوٹی اخلاق سے پیش آیا اس کے لیے اللہ کے رزق و رحمت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی امید نہ رکھو! والسلام!"

دیکھیے آپ نے یہ اصول جو حضرت عمرؓ نے اس خط میں مقرر فرماتے ہیں۔ کیا انہی اصولوں پر آج کل کی اکثر مہذب قوموں کا نظامِ عدالت قائم نہیں ہے بلکہ کیا یہی وہ پائیدار اصول نہیں ہیں جو زمانے کے ساتھ نہیں بدلے اور جن کے سلسلے میں فقہ و قانون کی کتابوں کی تعلیقات و شروح دسیوں نہیں، سینکڑوں مجلدات میں لکھی گئیں؟ ان اصولوں کا حضرت عمرؓ کی طرف سے مقرر کیا جانا کوئی حیرت ناک بات نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بعض مقدمات ان کے سپرد فرماتے تھے اور خلافتِ فاروقیؓ کے ابتدائی دور میں بھی قضاء کے فرائض وہ خود ہی انجام دیتے تھے۔ پھر تعجب اس لیے بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بڑے بالغ النظر فقیہ تھے اور جو مسئلہ اُن کے سامنے پیش ہوتا تھا، اپنی بہترین معلومات سے کام لے کر اس کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو مشورے کے بعد اجتہاد فرماتے تھے اور ان کا اجتہاد درست ہی نہیں بلکہ حجت ہوتا تھا جسے بعد کے لوگ یقین و اطمینان کے ساتھ قبول کرتے تھے۔

کیا کسی متقی اور انصاف پسند قاضی کے سوا کوئی وہ بات کہہ سکتا ہے، جو حضرت عمرؓ نے قاضیوں کو ہدایت کرتے ہوتے فرمائی ہے:

"جب مدعی اور مدعا علیہ تمہارے سامنے پیش ہوں تو اُن سے منصفانہ شہادت طلب کرو، یا واضح قسم کھلواؤ! کمزور سے اتنے قریب ہو کر اس کا دل بڑھے اور زبان کُھل جائے اور غریب کی دل دہی کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو وہ اپنا حق چھوڑ کر چلا جائے گا اور اس کا حق ضائع کرنے والا وہ شخص ہوگا جس نے اس سے لطف و نرمی نہیں برتی۔"

قضاۃ کا تقرر ایک قدم تھا جو مملکت کے بدلتے ہوتے حالات میں ضرورت کے تحت اٹھایا گیا تھا۔ کوئی عمومی تنظیم نہ تھی جس سے نفسِ کسی اصول کی تطبیق مقصود ہوتی۔ چنانچہ جن والیوں پر کام کا غیر معمولی بوجھ نہ تھا اور جو عدالتی فرائض انجام دے سکتے تھے، فصلِ خصومات کی خدمت اُن سے الگ نہ کی گئی اور حضرت عمرؓ نے اُن کے صوبوں میں قاضی مقرر نہ فرمائے بلکہ تمام اختیارات انہی کے ہاتھ میں رہنے دیے۔ لیکن یہ ابتدائی قدم اٹھاتے ابھی چند ہی برس ہوتے تھے کہ وہ حکومت کے دوسرے نظاموں کی طرح ایک نظام بن گیا۔ چنانچہ عدالت کو انتظامیہ سے الگ کر دیا گیا اور قاضی کی ایک خاص حیثیت ہو گئی جسے ہر قسم کی عزت و احترام کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ کی توجہ جزیہ و خراج کے اموال نے اپنی طرف جذب کر لی جو اُن کے عُمّال بھیجتے تھے اور انہوں نے محسوس فرمایا کہ اُن اموال کی جمع و تقسیم کے لیے ایک نظام کا ہونا ضروری ہے۔ یہ وہ اموال نہ تھے، جو زکوٰۃ و صدقات کے سلسلے میں جزیرہ نمائے عرب کے مسلمان ادا کرتے تھے، اس لیے کہ وہ تو ان لوگوں میں تقسیم کر دیتے جاتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا:-

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا..... (الآیۃ) صدقات تو صرف فقیروں، مسکینوں اور عمالِ صدقات کے لیے ہیں۔

ان صدقات کا بیشتر حصہ مدینہ نہیں بھیجا جاتا تھا بلکہ ان اقوام و قبائل کے مسکینوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا جن سے یہ رقم وصول ہوتی تھی۔ اس میں سے جو کچھ مدینہ پہنچتا تھا۔ اور اس کا بڑا حصہ اونٹوں اور مویشیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور جو کچھ اُن اہلِ حاجت پر تقسیم کر دینے کے بعد بچتا تھا جن کا ذکر صدقات کی آیت میں کیا گیا ہے، اُن پر ایک خاص نشان لگا کر مدینہ کے قریب ایک جگہ رکھ دیا جاتا تھا، جس کا نام "حمیٰ" تھا۔ جب مسلمان کسی مُلک پر چڑھائی کرتے اور کسی کے پاس سواری کے لیے جانور یا لڑنے کے لیے ہتھیار نہ ہوتے، تو وہ اُن اونٹوں اور اس سامان سے مدد لیتا تھا اور اگر اس کے بعد بھی کچھ بچ رہتا تھا تو وہ غریب و محتاج مسلمانوں پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

غزواتِ نبویؐ میں مسلمانوں کو جو مالِ غنیمت ملتا تھا وہ لڑائی کے بعد اُن میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ نہ بچتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید فرمائی۔ چنانچہ عراق سے جتنا مالِ غنیمت آیا اہلِ مدینہ میں تقسیم کر دیا اور کوئی چیز اُس میں سے باقی نہ رہنے دی۔ عہدِ فاروقیؓ کے آغاز میں بھی یہی طریقہ رہا۔ لیکن فتوحات کی وسعت نے ایک طرف تو مالِ غنیمت میں بے پناہ اضافہ کر دیا اور دوسری طرف جزیہ و خراج کی بے شمار رقمیں مدینہ پہنچنے لگیں۔ مسلمان عراق و ایران اور شام و مصر کے جس علاقے پر قبضہ کرتے، اُس کے باشندوں سے جزیے کی شرط پر صلح کر لیتے جو بالا وسطاً دو دینار فی کس ہوتا تھا۔ یہ آمدنی اس خراج کے علاوہ تھی جو زمیندار اپنی زمینوں کے

بدلے ادا کرتے تھے۔ خراج کا ایک حصہ ملکی اصلاح و انتظام پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جو رقم بچتی تھی مدینہ بھیج دی جاتی تھی۔ اس سے پہلے ہی کہ ایران کی فتح مکمل اور مصر پر حملے کا آغاز ہو، آمدنی کے اس شعبے میں دولت کی وہ ریل پیل ہوئی کہ امیر المومنینؓ نوزائیدہ سلطنت کے لیے ایک مالی نظام مرتب کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے۔

مورخین نے اس سبب کی توضیح میں بہت سی روایات درج کی ہیں، جس نے حضرت عمرؓ کو اس موضوع پر سوچنے کے لیے مجبور کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے آئے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کا حال دریافت کرنے کے بعد ان سے پوچھا کیا لاتے ہو؟ جواب دیا "پانچ لاکھ درہم!" حضرت عمرؓ سمجھے کہ وہ مبالغے سے کام لے رہے ہیں۔ اس لیے پھر وہی سوال کیا۔ اور جب اُن سے وہی پہلا جواب سُنا تو فرمایا "تمہیں نیند آ رہی ہے۔ اپنے گھر جا کے سو رہو کل صبح میرے پاس آنا۔" دوسرے دن جب ابوہریرہؓ پہنچے اور انہیں یقین دلایا کہ وہ واقعی پانچ لاکھ درہم لاتے ہیں، تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے فرمایا: "یہ ہمارے پاس بڑی دولت لے کر آئے ہیں اگر تم کہو تو گن کر تم میں تقسیم کی جائے اور کہو تو وزن کر کے۔" ایک شخص بولا "امیر المومنینؓ! میں نے ان ایرانیوں میں دیوان۔ رجسٹر۔ کا رواج دیکھا ہے، وہ رجسٹروں کے اندراج کے مطابق لوگوں میں رقمیں تقسیم کرتے ہیں۔" چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔

کہا جاتا ہے دیوان۔ رجسٹر۔ مرتب کرنے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا "جتنا مال آپ کے پاس جمع ہو، سال کے سال تقسیم کر دیا کریں اور کوئی چیز باقی نہ رہنے دیں!" حضرت عثمانؓ بن عفان نے فرمایا "میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں میں بڑی دولت پھیلتی جا رہی ہے۔ اگر اس کا شمار نہ کیا گیا اور آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے کس کس کو ملا ہے اور کس کس کو نہیں، تو سارا نظام اتھل پتھل ہو جائے گا۔" ولید بن ہشام بن مغیرہ نے عرض کی "امیر المومنینؓ! میں شام گیا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ سلاطینِ شام رجسٹروں میں نام درج کرتے ہیں۔ آپ بھی ایسا ہی کیجیے!" اور حضرت عمرؓ نے اُن کی بات مان لی۔ چنانچہ عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مُطعم کو بلایا، جو عرب کے مشہور ماہرینِ انساب تھے اور ان سے کہا "حیثیت اور مرتبے کے مطابق لوگوں کی فہرست تیار کریں۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دیوان۔ رجسٹر۔ کی تدوین اور وظیفوں کی تعیین کے متعلق مہاجرینؓ و انصارؓ سے مشورہ کیا اور انہوں نے اُن کے حق میں رائے دی۔ پھر فاتحینِ اسلام سے مشورہ فرمایا اور انہوں نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ سوائے حکیم بن حزام کے جو مکہ کے سرداروں اور صائب الرائے لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ انہوں نے کہا "امیر المومنینؓ! قریش اہلِ تجارت ہیں۔ اگر آپ اُن کے وظیفے مقرر کریں گے تو وہ تجارت چھوڑ بیٹھیں گے۔ پھر آپ کے بعد کوئی ایسا فرمانروا آئے گا جو اُن کے وظیفے بند کر دے گا اور تجارت ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہو گی۔" حکیم کے ان فقروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا غیب کے پردے اُن کی نگاہوں سے ہٹا دیئے گئے تھے اور یہ بات اُن کے دل میں القاء کی گئی تھی، وظائف نے عربوں کو کاہل بنا دیا اور وہ روزی کے لیے دوڑ دھوپ کرنے سے بے پروا ہو گئے۔ اس کے بعد جب حالات بدلے، فتوحات کا سلسلہ رُکا اور غیر عرب اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے۔ اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب اسلام کا دارالسلطنت مدینہ سے دمشق اور دمشق سے بغداد منتقل ہوا، تو جزیرۃ العرب کے باشندوں کے وظائف بند کر دیئے گئے۔ آسائش و بے عملی کی گود میں پرورش پانے والی نسل نہ تجارت کی طرف لوٹ سکی، نہ روزی کے لیے جدوجہد کر سکی جس کے نتیجے میں حجاز ایسا ویران اور بنجر ہوا کہ آج تک نہیں پنپ سکا۔

یہ نتیجہ حضرت عمرؓ کی نگاہوں سے کیسے اوجھل رہ گیا؟ انہوں نے اس کا اندازہ کیوں نہ کیا اور اس سے بچنے کی تدبیر کیوں نہ سوچی؟ بالخصوص جب انہیں یہ بات جتا دی گئی تھی اور اس کے نتائج اُن کے سامنے پیش کر دیئے گئے تھے؟ یہ ہے ایک اعتراض جو جزیرہ نمائے عرب کے مفلس و قلاش ہو جانے کے بعد بظاہر دل میں اُبھرتا ہے! معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ کو اس بات کا اندازہ تھا اور وہ اس کی توقع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ عوام کو محنت و مشقت کرنے اور زیادہ سے زیادہ روزی کمانے کی تاکید فرماتے رہتے تھے اور دوسری طرف اُن لوگوں کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو نمائشی زہد و عبادت کے زیرِ اثر دُنیا سے بے تعلقی ظاہر کرتے تھے۔ ایک دن انہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ایک زاہد مُرتاض کو دیکھا۔ اس کے پاس گئے اور ایک دُرّہ مار کر بولے: "خُدا تجھے موت دے! ہمارے دین کا گلا کیوں گھونٹتا ہے؟"
وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے: "جس کے پاس دولت ہے اُسے دولت کو مفید کاموں میں لگانا چاہیے اور جس کے پاس زمین ہے اُسے زمین
کو آباد کرنا چاہیے کیونکہ عنقریب ایسا شخص آنے والا ہے جو اُسی کو دے گا جسے چاہے گا۔" ان کا اس پر ایمان تھا کہ انسان اپنی دُنیا کے
لیے اس طرح کام کرے گویا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اپنی عقبیٰ کے لیے اس طرح کام کرے گویا کل ہی مر جائے گا۔
حضرت عمرؓ نے رجسٹر مرتب کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جُبیر بن مُطعم کو بُلا کر کہا: "حیثیت اور مرتبے کے
لحاظ سے لوگوں کی فہرست تیار کرو!" ان لوگوں نے سب سے پہلے بنو ہاشم کے نام لکھے پھر حضرت ابوبکرؓ کے قبیلے بنو تمیم کے اور اس کے
بعد حضرت عمرؓ کے قبیلے بنو عدی کے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو فرمایا: "خدا کی قسم! چاہتا تو میں بھی یہی تھا۔ کاش ایسا ہوتا۔ لیکن تم
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے شروع کرو۔ جو حضورؐ سے قریب تر ہیں۔ سب سے پہلے وہ، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں یہاں
تک کہ عمرؓ کو وہاں رکھو جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے۔" روایت ہے کہ بنو عدی کو حضرت عمرؓ کی یہ بات معلوم ہوئی تو وہ ان کے پاس
آئے اور کہا: "آپ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے اپنا نام وہیں کیوں نہ رہنے دیا جہاں ان لوگوں نے لکھا تھا؟" حضرت
عمرؓ نے غضب ناک نگاہوں سے انہیں دیکھا اور فرمایا: "واہ! اے بنو عدی! چاہتے ہو کہ میری کمائی کھاؤ اور تمہاری وجہ سے میری
نیکیاں برباد جائیں۔ نہیں! خدا کی قسم! تم اسی ترتیب سے آؤ گے جس ترتیب سے تمہارے پاس دعوت پہنچی تھی، چاہے تمہارے نام
پر رجسٹر ختم ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔"
یہ ایک نیا مسئلہ تھا جس سے لوگوں کی طبقاتی درجہ بندی مقصود تھی۔ یہ نیا مسئلہ جو حضرت عمرؓ نے پیدا کیا تھا، صرف رجسٹر میں ناموں
کی ترتیب اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے آغاز کرنے ہی تک محدود نہ رہا، بلکہ اس سے گزر کر وظیفوں تک پہنچا جس کے
نتیجے میں مستقل گروہ پیدا ہو گئے۔
حضرت عمرؓ نے وظیفوں میں مُسلمانوں کو ایک دُوسرے پر فضیلت دی اور اس باب میں حضرت ابوبکرؓ کی روش سے ہٹ گئے۔
جتنی بے چینی حضرت عمرؓ کو وظیفے تقسیم کر لے کی تھی، اتنی ہی بے چینی جزیرۃ العرب اور مفتوحہ ممالک کے عربوں کو وظیفے وصول کرنے
کی تھی اور کیوں نہ ہوتی جب حضرت عمرؓ ان کے دلوں میں اس کا شوق بھڑکاتے تھے اور وظیفے کی رقم کو منفعت بخش کاموں میں لگانے
کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ سواد عربوں میں سے جب کسی کو وظیفہ ملے اُسے چاہیے کہ بکریاں خرید کر اپنے سرماتے
میں شامل کرلے اور جب دوبارہ وظیفہ ملے تو مویشی خرید لے۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بعد ایسے لوگ تمہارے والی بنیں گے، جو
اپنے دور میں وظیفے جاری نہیں کریں گے۔ اگر تم میں سے کوئی اس وقت تک زندہ رہا تو اس کے پاس اتنی جمع جکڑی ہوگی کہ وہ اس
کے سہارے زندگی بسر کرلے۔" اور اکثر لوگ حضرت عمرؓ کی اس نصیحت پر عمل کرتے تھے۔
جن حضرات کو حضرت عمرؓ نے وظائف میں امتیازی حیثیت دی تھی اُن میں سے کچھ بزرگ اس رقم کو صدقے کے طور پر
دے دیا کرتے تھے لیکن بلیشتر لوگ وظیفہ لے کر تجارت کرتے تھے۔ اس لیے جو وظیفہ یاب ہزاروں درہم وصول کرتے تھے اُن کی دولت
دُگنی اور چوگنی ہو گئی۔ اس سے طبقاتی امتیازات نے جنم لیا اور اجتماعی نظام پر اِن امتیازات کا اتنا واضح اثر پڑا کہ حضرت عمرؓ اپنی پالیسی پر
نظر ثانی کرنے کے لیے مجبور ہو گئے۔ انتہائی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں حضرت صدیقؓ نے مسلمانوں
کے درمیان جو مساوات رکھی تھی، وہی بہتر تھی اور وظائف کے معاملے میں انہیں بھی اسی روش پر چلنا چاہیے تھا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:
"خُدا کی قسم! اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو آخری آدمی کو پہلے آدمی سے ملا کر ایک وجُود بنا دوں گا۔" اور کہا: "اگر میں ایک سال
زندہ رہ گیا تو سب سے پست آدمی کو سب سے بلند آدمی سے ملا دوں گا۔" لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں کو ایک سطح پر لانے کے
لیے اگر امتیازی وظیفوں میں کمی کی گئی تو اس سے ایک ایسی ناراضی پھیل جانے کا اندیشہ ہے جس کے نتائج ناخوشگوار ہوں گے چنانچہ

حضرت عمرؓ کی اصلاحات کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی کا تفصیلی مضمون شامل اشاعت ہے، یہاں صرف مختصر الفاظ میں چند ضروری باتیں لکھ دی گئی ہیں۔

ان کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ چھوٹے وظیفہ یابوں کے وظیفوں میں اضافہ کر کے انہیں بڑے وظیفہ یابوں کی سطح پر پہنچا دیا جائے۔ اُن کا ارشاد تھا: "اگر میں دولت کی فراوانی تک زندہ رہا تو ہر مسلمان کا وظیفہ تین ہزار درہم کر دوں گا۔ ایک ہزار اُس کے جانوروں اور ہتھیاروں کے لیے، ایک ہزار خود اُس کے لیے اور ایک ہزار اُس کے اہل وعیال کے لیے۔" لیکن وہ سال بھر زندہ نہ رہے اور آنے والے سال سے پہلے ہی شہید کر دیے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طبقات باقی رہ گئے اور اُن طبقات کا آگے چل کر ملّتِ اسلامیہ کی زندگی پر جو اثر پڑا اس کی تفصیل ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے۔

حضرت عمرؓ نے صرف وظیفہ خواروں کا رجسٹر نہیں بنایا بلکہ کہا جاتا ہے اسلام میں سب سے پہلے مراسلت کا رجسٹر وجود میں آیا۔ شام، عراق اور مصر کے جو رجسٹر تھے، وہ علی الترتیب رومی، فارسی اور قبطی زبان میں لکھے جاتے تھے اور اُن کی ترتیب و تحریر مسلمانوں کے نہیں۔ ایرانیوں، رومیوں اور قبطیوں کے ہاتھ میں تھی۔ مراسلت کا یہ رجسٹر بھی خراج کے رجسٹر، سکّہ ڈھالنے کے لیے ٹکسال کی تعمیر اور مختلف شہروں میں بیت المال کے قیام کی طرح انہی برق رفتار تبدیلیوں کا مرہون تھا جو اسلامی فتوحات اور مسلمانوں کے ایرانی و رومی سلطنتوں کے مختلف گوشوں میں پھیل جانے کی وجہ سے ظہور میں آئی تھیں۔ اس سے پہلے اسلامی مملکت میں اس قسم کے رجسٹر کہیں نہ تھے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط آپؐ کے صحابہؓ لکھتے تھے اور ان خطوط کی نقل اور ان کے جواب کاشانۂ نبوتؐ میں محفوظ رکھے جاتے تھے۔ سرکارِ رسالتؐ نے کوئی بیت المال بھی قائم نہیں فرمایا تھا اس لیے کہ آپؐ غنیمت اور صدقات کی رقم وصول ہوتے ہی مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حضرت صدیقؓ نے بھی اسی سنّت پر عمل کیا۔ چنانچہ جو خطوط مرتدین اور اُن سے لڑنے والے امرائے لشکر کو لکھے اور عراق و شام کے محاذوں پر جانے کے لیے جو دعوت نامے فوج اور اس کے سپہ سالاروں کو بھیجے جاتے، وہ حضرت صدیقؓ ہی کے مکان میں جمع رہتے تھے۔ امرائے لشکر کا بھی یہی طریقہ تھا، وہ خلیفۃ المسلمینؓ کی خدمت میں جو عرائض ارسال بھیجتے، اپنے لشکر کو جو احکام دیتے، دشمن کو جو خطوط لکھتے اور مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے جو معاہدے کرتے وہ سب انہی کے پاس محفوظ رہتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس غنیمت کا جتنا مال آتا سب کا سب تقسیم فرما دیتے اور اس میں سے کوئی چیز باقی نہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد جب عہدِ فاروقیؓ میں مملکت کی حدُود وسیع ہوئیں اور اس کی وجہ سے حکومت کا کام بڑھا، سرحدی چوکیاں قائم کی گئیں اور جزیہ و خراج وغیرہ کی رقمیں پے در پے مدینہ آنے لگیں تو اس نئی صُورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اُن وسائل سے کام لینا ناگزیر ہو گیا جو اِن تمام معاملات کی تنظیم اس طرح کریں کہ ساتھ کے ساتھ مملکت کی اصلاح وفلاح کی راہیں بھی کھلتی جائیں اور لوگوں میں عدل وانصاف بھی قائم ہوتا جائے۔ پھر مفتوحہ علاقوں میں ایک ایسی حکیمانہ سیاست بروئے کار لائی جائے کہ وہاں کے باشندے اس حکومت سے خوش ہو جائیں جو قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی جگہ قائم ہوئی تھی۔

ایران اور روم کے شہنشاہوں کو یہ زعم تھا کہ اُن کے اقتدار کا سرچشمہ ان کا خداداد حقِ شاہی ہے لیکن امیرالمومنینؓ اپنے اقتدار کو اُن لوگوں کے تعاون کا نتیجہ سمجھتے تھے جنہوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان دونوں شہنشاہوں کے زور و جبر کی کوئی حد و نہایت نہ تھی اور وہ اپنی رعایا کا خون چوسنے، اس کی آزادی کا ہر طرح گلا گھونٹنے میں بالکل آزاد تھے۔ اس کے برعکس امیرالمومنینؓ کتاب وسنت کے پابند تھے اور اہل الرائے کے مشوروں کو پُورا پُورا وزن دیتے تھے۔ ان کے یہ مشیر نہایت آزادی و بے باکی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے لیکن حد سے آگے قدم نہ بڑھاتے تھے اور یہ حد قائم کرنے والے اللہ اور اس کے رسُولؐ اور اس رسالت پر اُن کا سچّا ایمان تھا جو اللہ نے دُنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے کے لیے عربوں کے سپرد فرمائی تھی۔ اربابِ شوریٰ اور دُوسرے تمام مسلمانوں کی آزادی اس بنیاد پر قائم تھی کہ اللہ اور اس کے اوامر و نواہی کے سامنے سب مسلمان برابر ہیں۔ کوئی امیر کسی عام آدمی پر اور کوئی عرب کسی عجمی پر۔ نیکوکاری و پرہیزگاری کے سوا۔ کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ اس مساوات اور اس آزادی پر ان کا یہ ایمان ہی تھا جس نے انہیں اخوت کے اس بلند مقام پر پہنچا دیا جہاں ہر مسلمان اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ چاہتا تھا جو وہ اپنے لیے پسند کرتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے سرکش بیوروکریسی کو نکیل کیسے ڈالی؟

پروفیسر محمد سلیم میر

انتظامیہ کی اہمیت

کسی بھی عہدِ حکومت کی کامیابی اور ناکامی اُس کی انتظامیہ پر منحصر ہے۔ شخصی حکومتوں میں بھی کسی حکمران کی کامیابی کا دار و مدار اسی بات پر ہے کہ بادشاہ اپنی انتظامیہ کے انتخاب میں کس حد تک مردم شناس ثابت ہوتا ہے لیکن نظریاتی مملکتوں میں بیوروکریسی کا انتخاب اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں بیوروکریسی کے فرائض صرف نظم و نسق کے قیام تک محدود نہیں ہوتے بلکہ ان میں مملکت کے بنیادی نظریے کی حفاظت کرنا اور اسے آگے بڑھانا بھی شامل ہوتا ہے۔ اس لیے اس مملکت کی انتظامیہ منتخب کرتے وقت اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ نظم و نسق کی قابلیت کے علاوہ منتخب کردہ افراد میں نظریاتی داعیہ ہو۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھیں تو حضرت عمر فاروقؓ کا عہدِ حکومت مثالی نظر آتا ہے۔ انہوں نے ایک ایسی انتظامیہ منتخب کی جس نے نہ صرف دنیا کی اس پہلی نظریاتی مملکت کی سرحدیں دُور دُور تک پھیلا دیں بلکہ اپنے حسنِ سلوک سے مفتوحہ اقوام کے دل اس طرح جیت لیے کہ تھوڑے ہی عرصے میں ان سب اقوام نے برضا و رغبت اپنے فاتحین کا نظریۂ حیات قبول کر لیا۔ یہاں تک کہ پھر فاتح اور مفتوح میں کوئی فرق نہ رہا اور یہ سب لوگ اخوتِ اسلامی کے تحت بھائی بھائی بن کر ایک ہی اسلامی برادری کے رکن بن گئے۔

حکومت کے وقار اور عوام کی آزادی میں توازن

دُنیا کی کوئی بھی حکومت اس وقت تک کامیاب شمار نہیں ہوتی جب تک عوام پر اس کا رعب و داب قائم نہ ہو۔ جو حکمران بے وقعت ہو اور لوگ اس کے مقرر کردہ قوانین کا مذاق اڑاتے پھیریں، تو اس کی مملکت فوراً اختلال پذیر ہو جاتی ہے۔ اس لیے دنیا کی ہر حکومت قانون کا احترام قائم کرنے کے لیے کسی قدر سختی ضرور روا رکھتی ہے۔ بیوروکریسی چونکہ حکمران کی طرف سے نظم و نسق کے قیام کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

اس لیے یہ حکمران کے نام پر سخت گیر پالیسی اختیار کر کے گویا اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ایک پرانا مقولہ ہے کہ اختیار آدمی کو اپنی حدود سے تجاوز کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ چونکہ افسروں کے پاس اختیارات ہوتے ہیں اس لیے وہ عوام کو اپنی رعایا سمجھ کر ان پر ظلم و ستم شروع کر دیتے ہیں۔ آپ لاکھ انہیں "خادمِ عوام" (PUBLIC SERVENTS) کا نام دیں، یہ اپنے آپ کو عوام کا حاکم سمجھتے اور عوام کو اپنا محکوم قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف ہر نظریاتی مملکت عوامی حقوق کے قیام کی مدعی بھی ہوتی ہے اور ان کی حفاظت کا دعویٰ بھی کرتی ہے۔ اب اگر عوامی حقوق کے نام پر انتظامیہ کو بے بس کر دیا جائے اور ہر موقع پر افسروں کو ذلیل و رسوا کیا جائے تو اس سے کاروبارِ حکومت اختلال پذیر ہو جائے گا اور ملک میں انارکی پھیل جائے گی لیکن اس کے برعکس اگر انتظامیہ کو من مانی کرنے کی اجازت دے دی جائے اور حکومت کا رعب و داب قائم کرنے کے نام پر عوامی حقوق غصب ہونے لگیں تو پھر عوام کی عزتِ نفس قائم نہیں رہے گی اور رفتہ رفتہ وہ اپنے آپ کو محکوم سمجھنے لگیں گے۔ اس لیے بیوروکریسی اور عوام کے حقوق میں توازن برقرار رکھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے نہ بیوروکریسی کو اپنی حد سے آگے بڑھنے دیا اور نہ عوام کو قانون کا مذاق اڑانے کی اجازت دی، بلکہ شبلی نعمانیؒ کے الفاظ میں حضرت عمرؓ نے حد درجہ کی شخصی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ حکومت کے جبروت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔ انہوں نے مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اس لیے عزت و خودداری اس کا بنیادی حق ہے جس سے کسی صورت میں اسے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے عہد کا مشہور واقعہ ہے کہ مصر کے گورنر عمرو بن العاصؓ کے فرزند نے گورنر کا بیٹا ہونے کے زعم میں ایک مقامی باشندے کو بے وجہ پیٹ ڈالا۔ حضرت عمرؓ کو جب پتہ چلا تو مجمع عام میں گورنر کے معزز فرزند کو اس قبطی کے ہاتھوں سزا دلوائی، جسے اس نے بے وجہ مارا تھا اور پھر عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

مذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا"

"تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنا لیا؟ حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا"

حضرت عمرؓ اپنے اس قول سے جو بات عمّال کے ذہنوں میں بٹھانا چاہتے تھے، وہ یہ تھی کہ تمہیں اگر کسی علاقے کا عامل مقرر کیا گیا ہے، تو محض نظم و نسق قائم رکھنے کے لیے۔ تمہیں اس بات کا اختیار نہیں دیا گیا کہ تم لوگوں کی عزتِ نفس سے کھیلنے لگو اور انہیں اپنا غلام سمجھ کر ان سے وہی سلوک کرنے لگو جو تم اپنے غلاموں سے کیا کرتے ہو۔

عوام کی عزتِ نفس کی حفاظت

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ عوام کی عزتِ نفس اور فطری آزادی کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور دبانے کے بجائے اسے اور زیادہ چمکنے کے مواقع فراہم کرتے رہتے تھے۔ بارہا مجمع عام میں لوگ اُن پر نہایت آزادانہ اور بیباکانہ نکتہ چینی کرتے تھے، جسے آج کے معیار کے لحاظ سے گستاخانہ بھی کہا جا سکتا ہے لیکن حضرت عمرؓ عوام کی اِس نکتہ چینی کو نہ صرف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور اپنے عمّال کے سامنے عملی مثال قائم کرتے تھے تاکہ وہ بھی عوام کی نکتہ چینی کو حکومتی وقار کا مسئلہ نہ بنائیں۔ یہ بات کس قدر حیران کن ہے کہ سربراہِ مملکت ہوتے ہوئے بھی وہ ایسی ایسی باتیں برداشت کر جاتے تھے جن پر آج کا ایک معمولی بیوروکریٹ بھی سیخ پا ہو جائے۔ مثال کے طور پر جب انہوں نے خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا اور پھر اپنے سفرِ شام کے دوران ایک مجمع عام میں ان کی معزولی پر گفتگو کی تو ایک شخص نے اُٹھ کر کہا:

"اے عمر! تو نے انصاف نہیں کیا۔ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عامل کو معزول کر دیا اور تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا اور تو نے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔"

ذرا تصور کیجیے کہ اگر آج کسی سربراہِ مملکت کے سامنے اس طرح تنقید کی جائے تو ایک لفظ نکالنے کے بعد پولیس اس گستاخ کو دوسرا لفظ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منہ سے نکالنے کا موقع نہیں دے گی اور اسی وقت اس کو گرفتار کر کے حوالۂ زنداں کر دے گی، لیکن حضرت عمرؓ چہرے پر تکدر لائے بغیر یہ ساری باتیں سنتے رہے اور جب وہ شخص دل کی بھڑاس نکال چکا تو آپ نے فرمایا:

"تمہیں اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا"

اور پھر آپ نے خالدؓ کی معزولی کی وجوہات بیان کیں جنہیں سن کر سب مطمئن ہو گئے۔ جب وہ خود عوام کی بے باکانہ نکتہ چینی پر چیں بجبیں نہیں ہوتے تھے تو اپنے عمال کو اس بات کی اجازت کیسے دے سکتے تھے کہ وہ لوگوں کی زبانیں کھینچ لیں۔ لہٰذا ان کے طرزِ عمل نے عوام کو حوصلہ بخشا کہ وہ اپنے حکام سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں اور ان سے ان باتوں کی وضاحت طلب کریں جو عوام کے فہم سے بالا ہوں۔

دراصل عوام کی نکتہ چینی اس وقت شروع ہوتی ہے جب انہیں اپنے حکام کے طرزِ عمل میں تضاد نظر آئے، لیکن حکام اگر اپنے طرزِ عمل کی وضاحت کرتے رہیں تو عوام مطمئن رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر چادروں کی تقسیم کا مشہور واقعہ ہے جس میں حضرت عمرؓ نے مالِ غنیمت میں آئی ہوئی چادریں لوگوں میں تقسیم کیں تو ہر شخص کے حصے میں ایک چادر آئی جب بعض افراد نے حضرت عمرؓ کو دو چادروں سے بنی ہوئی قمیض پہنے دیکھا تو ان کے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ انہوں نے ضرور خیانت کی ہے ورنہ ایک چادر سے یہ قمیض تیار نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اگلے روز حضرت عمرؓ عوام کو خطاب کرنے کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے اٹھ کر اعتراض کر دیا کہ ہم آپ کی بات تب سنیں گے جب آپ اس بات کی وضاحت کریں کہ آپ نے یہ قمیض کیسے بنوالی، حالانکہ ایک چادر سے اتنی بڑی قمیض تیار نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے ناراضگی کا اظہار کیے بغیر کہا کہ اس بات کا جواب میرے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ دیں گے۔ عبداللہ بن عمرؓ جو سامعین میں موجود تھے کھڑے ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ حضرت عمرؓ کا کرتہ پھٹا ہوا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے حصے کی چادر بھی انہیں دے دی تاکہ دو چادریں ملا کر وہ نئی قمیض سلوا لیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس وضاحت سے شکوک و شبہات صاف ہو گئے اور لوگوں نے کہا کہ ہاں! اب آپ جو حکم دیں گے اس کی خوشدلانہ تعمیل کی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر سربراہ مملکت کا اپنا کردار شکوک و شبہات سے بالا (ABOVE BOARD) ہو اور عوام کو اس پر تنقید کرنے کا حق ہو تو اس کی انتظامیہ از خود اس طرزِ عمل کو اپنا لیتی ہے۔ دراصل حکام کے لیے سربراہِ مملکت کی ذات مثالی ہوتی ہے۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ سربراہِ مملکت نے اپنی ذات کو تنقید سے بالا نہیں رکھا تو وہ بھی اپنے آپ کو عوامی تنقید کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا کوئی عمل بھی عوام کی فہم سے بالا نہیں ہوتا اور عوام اطمینانِ قلب کے ساتھ ان کے احکام کی تعمیل کرنے لگتے ہیں۔ حضرت عمرؓ عوام کے جوہرِ تنقید کو چمکانے کے لیے وقتاً فوقتاً ان کی تربیت کرتے رہتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ جب آپ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں اور بے انصافی کرنے لگوں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ وہیں ایک شخص کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا ہم تمہیں تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اسے مصنوعی طور پر ڈانٹ کر کہا کہ تم میری شان میں یہ لفظ کہہ رہے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں، ہاں، تمہاری شان میں کہہ رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے۔ قوم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ اگر میں ٹیڑھا ہوں گا تو وہ مجھے سیدھا کر دیں گے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ عوام کو بتانا چاہتے تھے کہ سربراہِ مملکت کو سیدھا رکھنا ان کے فرائض میں شامل ہے۔ اس لیے وہ ہر وقت اسے احتسابی نظروں سے دیکھتے رہیں کہ کہیں وہ سیدھی راہ سے بھٹک تو نہیں گیا ہے۔ دراصل انہیں معلوم تھا کہ اقتدار کا نشہ صاحبِ اقتدار کو گمراہ کر سکتا ہے اس لیے اسے راہِ راست پر قائم رکھنے کے لیے عوامی احتساب کی موجودگی نہایت ضروری ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ عوام میں سبھی اس قدر جرأتمند نہیں ہو سکتے جو صاحبِ اقتدار کو برسرِ عام ٹوک سکیں۔ اس لیے انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ملتِ اسلامیہ میں چند لوگ ایسے موجود ہیں جو انہیں راہِ راست سے بھٹکنے نہیں دیں گے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس قسم کے افراد کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ صاحبِ اقتدار کی گمراہی کا امکان کم سے کم ہو جائے۔

انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے — (POWER CORRUPTS AND ABSOLUTE POWER CORRUPTS ABSOLU

TELY) (اقتدار انسان کو راہِ راست سے بھٹکا دیتا ہے اور مکمل اقتدار انسان کو مکمل طور پر گمراہ کر سکتا ہے۔) اس لیے وہ اپنی اور اپنی انتظامیہ کی بھلائی کے لیے عوام کے احتساب کو زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو عوام کا مربّی خیال کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً لوگوں کو بتاتے رہتے تھے کہ خلیفہ کے حقوق و فرائض کیا ہیں۔ ایک مرتبہ دورانِ تقریر کہا:

"مجھے تمہارے بیت المال میں صرف اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربّی کو یتیم کے مال میں ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو تمہارے مال میں سے کچھ نہ لوں گا۔ اور اگر ضرورت پڑے گی تو دستور کے مطابق کھانے کے لیے لوں گا۔ لوگو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت ناجائز طریقے سے جمع نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جب خراج اور مالِ غنیمت میرے ہاتھ میں آ جائے تو بے جا طریقے سے خرچ نہ ہونے پائے۔ تیسرے یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں چوتھے یہ کہ میں تمہیں خطروں میں نہ ڈالوں۔"

حضرت عمرؓ کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ صاحبِ اقتدار عوام کے سامنے جواب دہ ہے وہ نہ صرف اس سے مواخذہ کر سکتے ہیں بلکہ انہیں وقتاً فوقتاً مواخذہ کرتے رہنا چاہیئے۔ وہ مامور من اللہ نہیں ہے جو صرف خدا کے سامنے ہی جواب دہ ہو۔ خدا کے سامنے تو جوابدہ ہر شخص ہے اور اسے اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا لیکن اپنی خوشدلانہ بیعت سے جب لوگ کسی کو اپنا سربراہ منتخب کرتے ہیں تو دراصل وہ اسے اپنے معاملات کا مربی مقرر کرتے ہیں۔ اگر یہ مربی اپنے حقوق سے تجاوز کرے تو عوام کا فرض ہے کہ اسے سیدھا کر دیں۔ عوام میں احتساب کا جذبہ جس قدر توانا ہو گا خلیفہ اسی قدر راہ راست پر قائم رہے گا اور اگر یہ جذبہ کمزور پڑ جائے گا تو خلیفہ نہ صرف خود ہلاکت میں پڑے گا بلکہ اپنے ساتھ پوری اُمت کو بھی لے ڈوبے گا۔

بیوروکریسی عوام سے ممتاز نہیں ہے

بیوروکریسی کے دماغ میں خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اسے محسوس ہو کہ وہ عوام سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ برصغیر میں انگریزوں نے افسروں کی تربیت میں سب سے پہلا اصول یہی قائم کر رکھا تھا کہ وہ عوام کے حاکم ہیں ان کے خادم نہیں۔ انگریز اپنے افسروں اور عوام کے درمیان زیادہ میل جول پسند نہیں کرتے تھے بلکہ انتظامی افسروں کو الگ تھلگ رہنے کی ہدایت کرتے تھے تاکہ عوام کے دلوں میں ان کا رعب داب قائم رہے۔ اس پالیسی کے تحت انہوں نے افسروں کی رہائش کے لیے بڑے بڑے شہروں میں سول لائنز (CIVIL LINES) کے نام سے خوبصورت بستیاں تعمیر کیں۔ یہ سول لائنز شہر کی دوسری آبادی کے مقابلے میں صاف ستھری، خوبصورت اور برتر آبادیاں سمجھی جاتی تھیں اور یہاں کے رہنے والوں میں خواہ مخواہ احساسِ برتری پیدا ہو جاتا تھا۔ پھر اپنے افسروں کو عوام سے میل جول بڑھانے سے روکنے کے لیے انہوں نے مختلف کلب بنا رکھے تھے جہاں فارغ اوقات میں ہم مرتبہ افسر گپ شپ لڑاتے تھے۔ ان کلبوں میں کوئی عام آدمی پھٹک نہیں سکتا تھا۔ اپنے مرتبے کا احساس (STATUS CONSCIOUNESS) برطانوی دور کی بیوروکریسی کا سنگِ بنیاد تھا جو اب تک آنے والے افسروں کو سابق افسروں سے ورثے کے طور پر ملتا رہتا ہے۔ اسی طرح تربیتی اداروں میں تربیت کے دوران افسروں کے دماغ میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ وہ عوام سے بالا ہیں اس لیے وہ اپنے سٹیٹس کی حفاظت کریں۔ اگر کوئی افسر عام آدمیوں کے قریب ہونے کی غلطی کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کی خفیہ رپورٹیں خراب ہو جاتی تھیں اور پھر اس پر ترقی کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ اس کے برخلاف اپنے افسروں کے دل میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ عوام سے ممتاز نہیں ہیں۔ اگرچہ اسلام نے تقویٰ یعنی پارسائی کو عزت کا معیار قرار دے رکھا تھا اور عوام کے دلوں میں صرف اس آدمی کی عزت جاگزیں ہوتی تھی جو تقویٰ میں آگے ہو لیکن حکام کے پاس اختیار کی طاقت ہوتی ہے اس لیے یہ تقویٰ کے بغیر بھی ظاہری شان و شوکت کے سہارے حصولِ عزت کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کا سدّباب کرنے کے لیے افسروں کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ وہ ظاہری شان و شوکت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مظاہروں سے گریز کریں اور اپنے آپ کو عوام سے ممتاز خیال نہ کریں اس ضمن میں بھی وہ اپنے طرزِ عمل سے افسروں کے لیے مثال پیش کرتے تھے۔ ان کا طرزِ معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ تھا۔ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کے سخت مخالف تھے سفر و حضر میں جلوت و خلوت میں گھر میں اور بازار میں کوئی شخص اُن کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ سربراہِ مملکت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ایلچی مسجدِ نبوی میں آکر ڈھونڈتے تھے کہ شہنشاہِ اسلام کہاں ہیں؟ حالانکہ شہنشاہ وہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشہ میں بیٹھا عوام کے کاموں میں مصروف ہوتا تھا۔ یہ طرزِ معاشرت انہوں نے اس ملک میں اختیار کر رکھی تھی، جہاں ہر شخص اور ہر قبیلہ اپنے آپ کو دوسرے اشخاص اور دوسرے قبائل سے افضل سمجھتا تھا اور جہاں بیہودہ تفاخر کی بنا پر آپس میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں لیکن حضرت عمرؓ کی سادگی و انکساری ان کی ہیبت یا رعب و دبدبہ میں کسی کمی کا سبب نہ بنتی تھی۔ اس سادگی کے باوجود افسر اُن سے خوف زدہ رہتے تھے اور انہیں علم تھا کہ حضرت عمرؓ ان کی ذرا سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کریں گے۔ لیکن دوسری طرف حضرت عمرؓ اپنے آپ کو عوام یا دیگر حکام سے ممتاز نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے آپ کو انہی میں سے ایک فرد قرار دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عمال ان کو برابری کی سطح پر خطوط لکھتے تھے اور ان کے لیے وہی القاب استعمال کرتے تھے جو حضرت عمرؓ خود عمال کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اسی اصولِ مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے خاص طور پر اپنے عمال پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ مصر کے گورنر عمرو بن العاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا ہے تو انہیں لکھ بھیجا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان تو نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو۔

حکام و عمال میں احساسِ برتری اور تفوق کے سدِ باب کے لیے حضرت عمرؓ ہر عامل کی تقرری کے موقع پر اس سے چند باتوں کا عہد لیتے تھے جنہیں تمام مورخین نے بالصراحت نقل کیا ہے۔ پھر یہ باتیں اس کے پروانۂ تقرری میں درج کر دی جاتی تھیں تاکہ اس کے حلقہ اختیار کے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ یہ افسر کن باتوں کا عہد کر کے آیا ہے تاکہ عہد شکنی کی صورت میں وہ مرکز کو مطلع کر سکیں۔ یہ باتیں کیا تھیں؟

نمبر ۱۔ میں تُرکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں گا۔

جو وقت کے نمرود تھے جو وقت کے فرعون — فاروقؓ کی ہیبت سے ہوئے خوار و زبوں کار
وہ دبدبہ و رعب و جلال اُن کو ملا تھا — اس نام سے لرزاں تھے جہانگیر و جہاندار
اِس نام سے کفار جو کل خوف زدہ تھے — اس نام سے ہیں خوف زدہ آج بھی کفار
فاروقؓ کا رتبہ کوئی تاریخ سے پوچھے — تاریخ میں ہے آج بھی یہ نام ضیابار
اللہ کے محبوب کے محبوب تھے فاروقؓ — کس مسلمِ صادق کو ہے اس بات سے انکار
جو اُن کی فضیلت کو گھٹاتے ہیں ذرا بھی — وہ لوگ ہیں شیطان کے پھندے میں گرفتار
اصحابؓ میں جو فخر ہے فاروقؓ کو حاصل — لاریب کہ وہ اُس سے زیادہ کے ہیں حقدار
ہوتی نہ محمدؐ پہ اگر ختمِ رسالت — فاروقؓ تھے اِس عظمتِ کبریٰ کے سزاوار
فاروقؓ کی عظمت کا جو قائل نہیں بزمی — وہ شخص ہے توہینِ رسالت کا گنہگار

خالد بزمی

نمبر ۲۔ باریک کپڑے نہیں پہنوں گا۔
نمبر ۳۔ چھنا ہوا آٹا نہیں کھاؤں گا۔
نمبر ۴۔ دروازے پر دربان مقرر نہیں کروں گا۔
نمبر ۵۔ اہلِ حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھوں گا۔

اگر ان شرائط پر غور کریں تو صاف نظر آئے گا کہ حضرت عمرؓ بیوروکریسی کے سرکش گھوڑے کو لگام دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ انسانی نفسیات کے ماہر تھے کہ اگر افسروں کو من مانی کرنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ رعایا کو غلام بنالیں گے۔ اس لیے از روئے آئین انہیں پابند کر دیتے تھے کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کریں گے جو ان کے دماغ میں نشۂ تفوق پیدا کرے۔ ترکی گھوڑے پر سوار ہونا یا باریک کپڑے پہننا یا چھنا ہوا آٹا کھانا بجائے خود کوئی بری بات نہیں لیکن اس دور میں یہ سب باتیں احساسِ برتری کا موجب بن سکتی تھیں اس لیے حضرت عمرؓ نے عمال کو ان باتوں سے مجتنب رہنے کی ہدایت کی۔ اسی طرح دروازے پر دربان رکھنا یا اہلِ حاجت کے لیے دروازہ بند رکھنا سول لائن پالیسی کا حصہ ہے جسے ایک سامراجی یا شخصی حکومت تو پسند کر سکتی ہے، اسلام کی نظریاتی حکومت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

حضرت عمرؓ جب کسی شخص کو کسی علاقے کا عامل مقرر کرتے تو فرمانِ تقرری دیتے وقت جیّد صحابہ کے ایک گروہ کو گواہ ٹھہرا لیتے۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ جس شخص کو عامل مقرر کیا جا رہا ہے، صحابہ کو بھی اس کی لیاقت اور قابلیت کا اندازہ ہو جائے لیکن اس کا زیادہ اہم فائدہ یہ تھا کہ وہ جن شرائط کو تسلیم کر کے عامل مقرر ہو رہا ہے، صحابہ اور ان کی وساطت سے دیگر لوگوں میں بھی ان شرائط کا اعلان ہو جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے عمال کے فرائض میں کیا بات شامل ہے؟ اور ہمارے حقوق کیا ہیں۔ پھر جب کوئی شخص عامل مقرر ہو کر کسی صوبے میں جاتا تھا تو جلسۂ عام میں اس کا فرمانِ تقرری پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ اس فرمانِ تقرری میں عامل کے فرائض کی تصریح اور وہ شرائط درج ہوتی تھیں جنہیں قبول کر کے وہ عامل مقرر ہوا۔ اس سے بھی لوگوں کو عامل کے فرائض اور اپنے حقوق کا علم ہو جاتا تھا اور جب وہ اپنے اختیارات سے تجاوز کرتا تھا تو لوگ مزاحمت کرتے تھے اور مرکز میں اس کی شکایت کرتے تھے۔

عمّال کا اصل فریضہ

نظم و نسق کا قیام اور لوگوں کی مشکلات کا حل اگرچہ ہر دورِ حکومت میں بیوروکریسی کا فریضۂ اوّل رہنا چاہیئے لیکن نظریاتی مملکت اپنے عمّال سے اس سے زیادہ کی توقع رکھتی ہے۔ دراصل عمّال اور حکّام سربراہِ مملکت کے نائبین کی حیثیت سے عوام کی قیادت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ اس لیے اُن میں لیڈرشپ کے خواص کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے چن چن کر ایسے افراد کو عامل مقرر کیا جو اپنے اندر قیادت کی صلاحیت رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ بڑے مردم شناس تھے اس لیے ان کا انتخاب بھی لاجواب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی انتظامیہ بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔ وہ اپنے عمّال کی خط و کتابت کے ذریعے اکثر رہنمائی کرتے رہتے تھے اور انہیں بتاتے رہتے تھے کہ ان کا اصل فریضہ کیا ہے۔ انہوں نے بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر عمال کے حقوق و فرائض کے بارے میں خطبے بھی دیئے جو تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں۔ ایسے ہی ایک خطبے میں انہوں نے فرمایا:

"یاد رکھو! میں نے تمہیں لوگوں پر حاکم اور جبّار بنا کر نہیں بھیجا کہ تم لوگوں پر سختی کرو، بلکہ میں نے تمہیں لوگوں کا امام بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ تم لوگوں کے حقوق ادا کرو اور ان کو زدوکوب نہ کرو کہ ان کی عزّتِ نفس مجروح ہو جائے اور نہ ان کی بے جا تعریف کرو کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔ ان پر اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں اور نہ ان پر کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح دو کہ یہ ان پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پالیسی بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ عمال کے بارے میں ان کا تصور امام اور قائد کا تھا، حاکم اور جبار کا نہ تھا۔ یعنی وہ لوگوں کو اچھا مسلمان بنانا چاہتے تھے اور اپنے عمال سے اس بات کی توقع رکھتے تھے کہ وہ عوام کے سامنے مثالی مسلمان کے کردار کا مظاہرہ کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ اُس دور میں ابھی دین و دنیا میں دوئی پیدا نہیں ہوئی تھی، نہ مولوی اور مسٹر کے الگ الگ طبقے وجود میں آئے تھے اس لیے دینی اور سیاسی لیڈر شپ ایک ہی شخص میں مرکوز ہوتی تھی مرکز میں حضرت عمرؓ تمام مسلمانوں کے دینی قائد بھی تھے اور سیاسی رہنما بھی، اسی طرح صوبوں میں ان کے مقرر کردہ عمال بھی ان کے نائب کی حیثیت سے لوگوں کے رہنما تھے۔ مرکز میں حضرت عمرؓ مسجد میں مسلمانوں کو نماز بھی پڑھاتے تھے اور دیگر معاملات میں سربراہی کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ اسی طرح صوبوں میں ان کے مقرر کردہ عمال پیش امام بھی تھے اور حاکم بھی لیکن وہ بھی اپنے مرکزی سربراہ حضرت عمرؓ کی طرح نہ تنگ نظر تھے نہ تنگ دل۔ اس لیے انہوں نے اپنی ذاتی زندگی سے ایسی خوبصورت مثالیں پیش کیں کہ تمام مفتوحہ علاقے برضا و رغبت مسلمان ہو گئے۔ اگر غور کریں تو حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں مسلمان جہاں جہاں بھی فاتحانہ طریقے سے پہنچے، وہ تمام علاقے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمان ہو گئے۔ لہٰذا اسلامی فتوحات نہ مالِ غنیمت کے لیے ہوتی تھیں نہ کشور کشائی کے لیے، بلکہ حضرت عمرؓ کے زیرِ ہدایت اسلامی لشکر اپنے مدِ مقابل کو سب سے پہلے قبولِ اسلام کی دعوت دیتا تھا۔ اگر وہ قبولِ اسلام پر راضی نہ ہوتے تو انہیں ایک معمولی حفاظتی ٹیکس کے عوض جسے جزیہ کا نام دیا جاتا تھا، مسلمانوں کے زیرِ حفاظت آنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ اگر یہ دونوں پیشکشیں قبول نہ ہوتیں تو پھر تلوار سے فیصلہ ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عمال اور فوجی افسروں کو ہدایات جاری کر رکھی تھیں کہ تمہارا اولیں فریضہ تبلیغ اسلام کا ہے۔ تم نے لوگوں کو دین سکھانا ہے۔ لہٰذا ان کے عمال اس بات کو پرِکاہ کے برابر اہمیت نہیں دیتے تھے کہ اہلِ ذمہ کے کثیر تعداد میں قبولِ اسلام سے جزیہ کی آمدنی کم ہو جائے گی۔ اس بات کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد کی افسر شاہی نے اپنے خلفا کو ڈرانا شروع کر دیا تھا کہ لوگوں کے اجتماعی طور (MASS SCALE) پر قبولِ اسلام سے خزانے کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ بنو امیہ کے دور میں جب طرزِ حکومت کی تبدیلی سے بیوروکریسی کا مزاج بھی تبدیل ہو گیا تو عمال حکومت نے قبولِ اسلام کے بعد بھی اہلِ ذمہ سے جزیہ کی وصولی بند نہ کی کیونکہ اُن کے خیال میں یہ تبدیلیٔ مذہب محض جزیہ کی ادائیگی سے بچنے کا بہانہ تھی۔ جب حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ خلیفہ مقرر ہوئے اور نومسلموں نے اُن سے شکایت کی کہ قبولِ اسلام کے بعد بھی ہم سے جزیہ وصول کیا جا رہا ہے تو اُن کی افسر شاہی نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی یہی بات سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر نومسلموں سے جزیہ کی وصولی بند کر دی گئی تو سرکاری خزانے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی چونکہ مزاجاً خلفائے راشدین ہی کی طرح سوچتے تھے، اس لئے انہوں نے یہ کہہ کر جزیہ معاف کر دیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے مبلغ بنا کر بھیجے گئے تھے نہ کہ محصّل یعنی ان لوگوں کا کام لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینا تھا محصول اکٹھا کرنا نہیں تھا۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے جب پاکستانی عوام کی طرف سے شراب پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ پیش کیا گیا تو ہماری بیوروکریسی کے بعض کل پرزوں نے یہی عذر پیش کیا کہ منشیات پر پابندی سے سرکاری خزانے کو کروڑوں روپے سالانہ کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ گویا ان افسرانِ گرامی کے نزدیک پاکستان کی نظریاتی مملکت محض اس لیے وجود میں آئی تھی کہ سرکاری خزانے کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم فراہم کرے۔ اس کے نظریاتی تشخص یا اخلاقی نظام کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

عمّال کا محاسبہ

حضرت عمرؓ کی نگاہِ مردم شناس نے اگرچہ حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لیے بہترین افرادِ کار کا انتخاب کیا تھا لیکن اس پر بھی انہوں نے محاسبے کے عمل کو ڈھیلا نہیں پڑنے دیا۔ چونکہ خلافتِ راشدہ کا دور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے متصل تھا، اس لیے لاتعداد ایسے افراد ابھی باقی تھے، جنہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل کی تھی۔ حضرت عمرؓ کے عمال کا بیشتر حصہ انہی تربیت یافتہ حضرات پر مشتمل تھا۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ کے فطرت شناس ذہن نے محسوس کیا کہ اگر بہترین اخلاق و کردار کے حامل افراد بھی کھلے چھوڑ دیے جائیں اور انہیں پتہ ہو کہ کوئی محاسبہ کرنے والی آنکھ اُن کی نگرانی پر مقرر نہیں ہے تو ان نفوسِ قدسیہ کے گمراہ ہونے کا اندیشہ

بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے حضرتؓ نے اپنے عمّال حکومت کے محاسبے کا زبردست نظام قائم کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

مالی کوائف کی پڑتال

فتوح البلدان میں علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب بھی کسی کو عامل مقرر کرتے، اس کے مال و اسباب کی مفصل فہرست تیار کرا کے اپنے پاس محفوظ رکھ لیتے تھے۔ پھر اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی محسوس ہوتی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ بعض حکام کے بارے میں جب انہیں اطلاع ملی کہ ان کے مال میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے تو انہوں نے ان کی موجودات کا جائزہ لے کر آدھا مال بیت المال میں جمع کر دیا۔ مالی معاملات میں وہ کسی بڑے سے بڑے شخص کی پروا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالاری کے منصب سے ہٹا کر ابوعبیدہ بن جراحؓ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک اور واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ حضرت خالدؓ نے کسی شاعر کو دس ہزار کی خطیر رقم انعام میں دے دی۔ حضرت عمرؓ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھا کہ اگر خالدؓ نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور اگر بیت المال سے دیا تو خیانت کی ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ چنانچہ جو قاصد حضرت عمرؓ کا یہ خط لے کر آیا تھا، اس نے حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق معزولی کی علامت کے طور پر خالد بن ولیدؓ کے سر سے پگڑی اتار لی اور سرتابی کی سزا کے لیے انہی کے عمامہ سے اُن کی گردن باندھ دی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ اتنا بڑا جرنیل جس کی نظیر کا کوئی شخص مسلمانوں میں موجود نہیں تھا اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کیا تھا، اس سے اس طرح جواب طلب ہوا کہ کسی کو دم مارنے کی جرأت ہوئی۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ بڑے سے بڑے افسر کی من مانی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان کے نزدیک قابل سے قابل شخص بھی ناگزیر نہیں تھا۔

۲۔ پرچہ نویسی

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلامی سلطنت کی حدود بہت وسیع ہو گئی تھیں اور ان میں مزید توسیع کا عمل بھی جاری تھا۔ اس لیے دُور دراز مقامات کے حالات سے باخبر رہنا خاصا مشکل کام تھا لیکن حضرت عمرؓ نے پرچہ نویسی کا ایسا مربوط نظام قائم کر رکھا تھا کہ انہیں ایک ایک بات کی خبر پہنچتی رہتی تھی۔ خاص طور پر انہوں نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے۔ جنگِ قادسیہ کے دوران وہ فوج کو مفصل ہدایات بھیجتے رہے۔ اگرچہ ان کے اور افواج کے درمیان ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا لیکن فوجی افسر ایسے محسوس کرتے تھے گویا حضرت عمرؓ ان کے ساتھ موجود ہوں۔ عمرو بن معدیکرب ایک بہادر سپاہی تھے اور انہیں ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا لیکن ایران کی فتوحات میں ایک مرتبہ انہوں نے اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا۔ ہوا یہ کہ عراق کے ایک معرکے میں سردارِ لشکر نے عمرو بن معدیکرب کو دوہرا حصہ نہ دیا۔ عمرو بن معدیکرب نے وجہ پوچھی تو سردار نے کہا تمہارا گھوڑا دوغلا ہے، اس لیے اس کا حصہ نہیں ملے گا۔ عمرو کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا۔ بولے کہ ہاں دوغلا ہی دوغلے کو پہچان سکتا ہے۔ پرچہ نویسوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی۔ انہوں نے اسی وقت ایک خط کے ذریعے عمرو بن معدیکرب کو ایسی تنبیہ کی کہ آئندہ پھر اُن کو ایسی گستاخی کی جرأت نہ ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے۔ دولت و نعمت کے نشے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بیوی کو ایک خط لکھا جس میں عربی کا ایک شعر درج تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہم لوگ محلوں میں رندانہ زندگی گزار رہے ہیں جس کی خبر اگر امیر المومنین کو ہو گئی تو بُرا مانیں گے۔ حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی۔ انہوں نے نعمان بن عدی کو معزولی کا پروانہ روانہ کرتے ہوئے لکھا کہ ہاں مجھے خبر ہو گئی ہے۔ اور میں نے برا منایا ہے۔ اسی قسم کی پرچہ نویسی کا اہتمام انہوں نے سول افسروں کے لیے بھی کر رکھا تھا۔ ایک اچھے اور کامیاب سربراہِ مملکت کے لیے حالات سے باخبر رہنا نہایت ضروری ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ اس امر سے اچھی طرح آگاہ تھے اس لیے انہوں نے برید یعنی ڈاک کا محکمہ قائم کرنے کے علاوہ پرچہ نویسی کا بھی اہتمام کیا جس سے انہیں پل پل کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳- شعبۂ تحقیقات

پرچہ نویسی کے علاوہ ایک خاص شعبہ افسروں کی تحقیقات کے لیے قائم کیا۔ پرچہ نویسوں کے ذریعے عمّال کی جو شکایات موصول ہوتی تھیں ان کی تحقیق کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ مقرر تھے جو اکابر صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ تمام غزوات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے تھے اور ایک دفعہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہم پر باہر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر گئے تھے۔ ان کی اس جلالتِ شان کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے انہیں انکوائری کمشن کا سربراہ مقرر کر رکھا تھا۔ جب کسی عامل کی شکایت موصول ہوتی تو محمد بن مسلمہ کو تحقیقات پر مامور کر دیا جاتا تھا۔ وہ موقع پر جا کر مجمع عام میں لوگوں کے بیانات لیتے تھے۔ ۲۱ھ میں فاتح قادسیہ حضرت سعد بن وقاصؓ جب کوفہ کے گورنر تھے تو لوگوں نے اُن کے خلاف حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی۔ یہ وہ وقت تھا جب ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کر رکھی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر نہاوند کے قریب پہنچ چکے تھے، جن کے مقابلے کے لیے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں حضرت سعد بن وقاصؓ کی شکایت پہنچی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ نہایت پرخطر وقت ہے لیکن یہ مجھے سعد بن وقاصؓ کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ چنانچہ اس وقت محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ روانہ کیا گیا جنہوں نے ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے بیانات لیے اور واپسی پر سعد بن وقاصؓ کو بھی اپنے ہمراہ مدینہ لیتے آئے جہاں حضرت عمرؓ نے خود ان سے بیان لیا۔ اسی طرح جب بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے خلاف شکایت موصول ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور ابو موسیٰ کو مدینہ میں بلا کر تحقیقات کی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی عمرؓ!! کیا عاملوں کے لیے چند قواعد مقرر کر کے تم عذابِ الٰہی سے بچ جاؤ گے؟ کیا تم کو خبر ہے کہ مصر کا گورنر عیاض بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس نے دروازے پر دربان مقرر کر رکھا ہے؟ حضرت عمرؓ نے اس وقت محمد بن مسلمہؓ کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ مصر جاؤ اور عیاض بن غنم کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لیتے آؤ۔ محمد بن مسلمہؓ نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض نے باریک کپڑے کا کرتہ پہن رکھا تھا۔ چنانچہ محمد بن مسلمہؓ عیاض بن غنم کو اسی حالت میں مدینہ لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا ململ کا کرتہ اتروا کر انہیں بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر ان کے سپرد کیا کہ اسے جنگل میں لے جا کر چراؤ۔ عیاض کو مجالِ انکار نہ تھی۔ وہ بادلِ ناخواستہ گلہ لے کر روانہ ہوئے لیکن ساتھ ہی ساتھ کہتے جاتے تھے کہ اس سے تو موت بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تجھے اس سے عار کیوں ہے؟ تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ غرض عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور پھر جب تک زندہ رہے نہایت تن دہی سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

ایک مرتبہ اطلاع ملی کہ حضرت سعد بن وقاصؓ نے کوفہ میں اپنے لیے ایک محل بنوایا ہے جس میں ڈیوڑھی بھی ہے۔ حضرت عمرؓ ڈیوڑھی کو عوام اور والی کے درمیان رکاوٹ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اسی وقت انہوں نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مامور کیا کہ وہ کوفہ جا کر سعدؓ کی ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں۔ اس حکم کی پوری طرح تعمیل ہوئی اور سعد کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس قسم کی باتیں بظاہر قابلِ اعتراض نظر آتی ہیں کہ حضرت عمرؓ والیوں کے ذاتی معاملات میں دخل دیتے تھے اور ان کو ایک خاص طرزِ معاشرت اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے لیکن علامہ شبلیؒ کے بقول پورے ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنا چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے عمّال اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں۔ عام آدمیوں کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں کریں کیونکہ ان کے افعال کا اثر بھی انہی تک محدود ہوتا ہے لیکن جو لوگ ارکانِ سلطنت ہوں ان کی معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں احساس کہتری پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے شخصی سلطنت کی وہ تمام خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جن میں ایک شخص آقا اور باقی سب اس کے غلام بن جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ اسلام سے قبل شخصی حکومتوں کا رواج رہا ہے اور اسلام تاریک رات میں روشنی کی پہلی کرن ہے۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ شخصی حکومت کی طرف واپس جانے والے تمام ناکے بند کر دیے جائیں اور لوگوں میں عزتِ نفس اور حریتِ فکر کے جذبات پیدا کیے جائیں تاکہ وہ

حکام کو اپنا خدمت گار تصور کریں آقا نہ بنا لیں۔ اسی لیے وہ حکام کی چھوٹی سی چھوٹی بات پر بھی گرفت کرتے تھے۔ خصوصاً اُن باتوں پر سخت مواخذہ ہوتا تھا جن سے احساسِ برتری اور احساسِ غرور ٹپکتا ہو۔ جب کسی عامل کی نسبت یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ کمزور کی عیادت کو نہیں جاتا یا کمزور اس کے دربار میں بار نہیں پا سکتا، تو اسے موقوف کر دیا جاتا تھا۔ اضلاع کے جو عمّال تھے ان کی نسبت اور باتوں کے علاوہ حضرت عمرؓ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ اُن کا سلوک کیسا ہے۔ اگر کسی ضلعی عامل کی جانب سے غلاموں کی طرف سے بے اعتنائی کی شکایت موصول ہوتی تو اُس کو اسی جرم پر معزول کر دیتے تھے۔ اس امر میں بھی وہ اپنے ذاتی طرزِ عمل سے اپنے افسروں کے لیے نمونہ پیش کرتے تھے۔ غلاموں کو اکثر اوقات بلا کر ساتھ کھانا کھلاتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھاتے سے عار ہے۔ انہوں نے تمام سردارانِ لشکر کو لکھ بھیجا تھا کہ تمہارا کوئی غلام اگر دشمن کو امان دے تو وہ تمام مسلمانوں کی طرف سے امان سمجھی جائے گی اور امیرِ لشکر کو اس امان کی پابندی کرنی ہو گی۔ ان کے ذاتی کردار سے متاثر ہو کر اُن کے عمّال اور حکام نے بھی آزاد اور غلام کا فرق مٹا دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو ائمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں اور جن کو حضرت عبد اللہ ابنِ عباسؓ نے فتوے کی اجازت دی تھی اور نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جن کے سلسلہ روایت کو محدثین سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، دونوں غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ۔

۴- عمّال کی سالانہ حاضری

بیوروکریسی کے احتساب کے لیے پرچہ نویسی اور انکوائری کمیشن کے تقرر کے علاوہ حضرت عمرؓ نے یہ اہتمام بھی کر رکھا تھا کہ تمام عمّال ہر سال حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں حاضر ہوں۔ اس موقع پر چونکہ حج کے لیے ہر طرف سے عام لوگ بھی آئے ہوتے تھے اس لیے تمام لوگوں کی موجودگی میں عمال کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ اس موقع پر کھڑے ہو کر حضرت عمرؓ اعلان کرتے تھے کہ جس شخص کو کسی عامل سے کوئی تکلیف ہو وہ بیان کرے۔ یہ کھلا دربار اس قسم کا نہیں ہوتا تھا جس میں افسر شاہی اپنی مرضی کے شکایت کنندوں کو ریہرسل کرا کے سربراہِ مملکت کے سامنے پیش کر دے اور اصل شکایت کنندوں کو قریب بھی نہ پھٹکنے دے۔ گذشتہ دور میں ہم اس قسم کے کافی ڈرامے دیکھ چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی کھلی کچہری میں بڑے سے بڑے افسر کے خلاف شکایت پیش کرنے کی پوری آزادی تھی۔ اور یہ شکایت "مناسب کارروائی" کے لیے سرد خانے میں نہیں ڈال دی جاتی تھی، نہ ہی "زیرِ غور" کا لیبل لگا کر معاملے کو نپٹا دیا جاتا تھا بلکہ تحقیق کر کے اگر شکایت درست ثابت ہوتی تو متعلقہ افسر کو موقع پر ہی سزا دے دی جاتی تھی۔ فوری انصاف کی یہی روح تھی جس سے کسی افسر کو اپنی حدود سے تجاوز کی جرأت نہیں ہوتی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سربراہِ مملکت اس کے سٹیٹس کا لحاظ کیے بغیر ساری پبلک کے سامنے اسے سزا دینے سے اجتناب نہیں کریں گے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جو عمّال تمہارے لیے مقرر کر کے بھیجتا ہوں، اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہیں طمانچے ماریں اور تم سے تمہارا مال چھین لیں بلکہ میں انہیں اس لیے بھیجتا ہوں کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں سو اگر کسی عامل نے کسی کے خلاف کچھ کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اس کا انتقام لوں۔ مصر کے گورنر عمرو بن العاصؓ نے اٹھ کر کہا:

"امیر المومنین! اگر کوئی عامل ادب سکھانے کے لیے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے؟"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا:-

"اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں ضرور اس کو سزا دوں گا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خبردار! مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ ان کا احساسِ عزت جاتا رہے گا اور ان کے حقوق تلف نہ کرو —— ورنہ وہ کفرانِ نعمت پر مجبور ہو جائیں گے۔"

حضرت عمرؓ کو عوام کے احساسِ عزت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" کے مصداق وہ ہر انسان کو قابلِ عزت سمجھتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ کسی شخص کی عزتِ نفس مجروح ہو جائے تو اُس کی شخصیت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ اس لیے وہ لوگوں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزتِ نفس کی بڑی حفاظت کرتے تھے اور اگر کسی افسر کے ہاتھوں کسی شخص کی عزتِ نفس مجروح ہوئی ہو تو افسر کو اس کے ہاتھوں سزا دلا کر اس کی عزتِ نفس بحال کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کھلی کچہری میں جب سب عمّال حاضر تھے، ایک شخص نے کھڑے ہو کر شکایت کی کہ آپ کے خلاف عامل نے مجھے بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کے بعد جب الزام کو درست پایا تو مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمعِ عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمّال پر گراں ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں مجرم سے انتقام نہ لوں؟ آج کا دور ہوتا تو عامل کے لیے تنبیہ کی سزا کافی سمجھی جاتی یا مستغیث اگر زیادہ ہی بااثر ہوتا تو عامل کی سالانہ ترقی روک دی جاتی یا تبادلہ کر دیا جاتا یا اس کی تنزلی کر دی جاتی لیکن غور کیجیے کیا اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہو جاتے!

۵۔ افسروں کے تبادلے

بیوروکریسی کا زور توڑنے کے لیے حضرت عمرؓ افسروں کے اکثر تبادلے کرتے رہتے تھے، وہ جانتے تھے اگر کوئی ایک افسر ایک ہی جگہ زیادہ عرصہ تک کام کرتا رہے تو وہ زور پکڑ لیتا ہے اور حکومت کے لیے دردِ سر ثابت ہو سکتا ہے اس لیے وہ افسروں کو ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبہ جات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ ملکی افسروں میں سے کسی کی نسبت زیادہ زور پکڑ جانے کا خدشہ ہوتا تو اسے علیحدہ کر دیتے تھے۔ جو لوگ زیادہ صاحبِ اثر تھے انہیں دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ ایک دفعہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ آپ لوگ یہ دولت بہت جمع کر چکے ہیں اس لیے آپ دار الخلافہ ہی میں مقیم رہیے۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے پوچھا کہ آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ یہ لوگ اگر مفتوحہ علاقوں میں پھیل گئے تو لوگ عقیدت کی بنا پر ان کے گرد اکٹھے ہو جائیں گے جس سے نظمِ مملکت میں اختلال پیدا ہو جائے گا۔ حضرت عثمانؓ نے بعد میں ان لوگوں پر سے یہ پابندی اٹھا دی جس سے سخت فتنہ پیدا ہوا اور حضرت عمرؓ کے خدشات درست ثابت ہوئے۔

افسران کی تنخواہیں

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کی پہلی نظریاتی سٹیٹ کے لیے بہترین انتظامیہ منتخب کی اور کسی ایسے شخص کو کسی کلیدی منصب کے قریب نہ پھٹکنے دیا جو مملکت کے بنیادی تصورات کے بارے میں متذبذب یا متشکک ہو۔ بلکہ چن چن کر ایسے والی مقرر کیے جن کی اسلام سے وفاداری طویل آزمائشوں سے گذر کر ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہو چکی تھی اور جن کی ذاتی قربانیوں نے ان کے دعویٰ اخلاص پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی تھی۔ اپنی منتخب انتظامیہ کا خاص خیال رکھا اور اپنے ذاتی کردار کو ان کے سامنے بطور مثال پیش کیا۔ وہ وقتاً فوقتاً والیوں کو ہدایات دیتے رہتے تھے اور ان کی رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ ساتھ ہی اپنی بیوروکریسی کے لیے سخت احتسابی نظام قائم کیا اور اس بات کا خیال رکھا کہ ان کے افسر عوام کے حقوق غصب نہ کرنے پائیں۔ یہ ساری باتیں تبھی ممکن ہو سکتی تھیں جب ان کے مقرر کردہ حکّام معاشی لحاظ سے آسودہ حال اور مطمئن ہوں۔ اس لیے انہوں نے عمّال کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں تاکہ بالائی آمدنی کی ضرورت ہی پیش نہ آئے، خاص طور پر عدلیہ کے شعبے میں جو قاضی مقرر کیے انہیں اس زمانہ کے معیارِ زندگی کے لحاظ سے بہت زیادہ تنخواہیں دیں۔ مثلاً سلیمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص آسودہ حال اور معزز نہ ہو اسے قاضی مقرر نہ کیا جائے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر کوفہ کو اس سلسلے میں انہوں نے جو فرمان تحریر کیا اس میں اپنے اس فیصلے کی وجہ یہ بیان کی کہ آسودہ حال رشوت کی طرف مائل نہیں ہو گا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب وداب کا اثر نہ ہو گا۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ بقول مولانا شبلی نعمانیؒ کسی قاضی کو تجارت یا خرید وفروخت کی اجازت نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کے ان اصولوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ خلافتِ راشدہ سے لے کر بنو امیہ کے دور تک عدلیہ ظلم وناانصافی کے الزام سے پاک رہی۔

ہمارے آج کے دور میں کرپشن کا بڑا رونا رویا جاتا ہے لیکن اس کی وجوہات پر سائنٹیفک انداز میں کبھی غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ جس سرکاری ملازم کو اتنی تنخواہ بھی نہ ملے کہ وہ جسم وجان کا رشتہ برقرار رکھ سکے، اسے آپ ناجائز ذرائع کے استعمال سے کیسے روک سکتے ہیں؟ یہ درست ہے کہ ہوسِ زر نے بعض گریڈ بیس اور بائیس کے ان قلیل تعداد افسرانِ عالی مقام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے جو ہزاروں روپیہ ماہوار تنخواہ لیتے ہیں لیکن چھوٹے گریڈوں کے لاتعداد سرکاری ملازمین گزارہ الاؤنس سے بھی کم تنخواہ پاتے ہیں۔

پبلک سروس کمیشن

اگرچہ حضرت عمرؓ بڑے مردم شناس تھے اور تھوڑے ہی عرصہ میں کسی شخص کی صلاحیتوں کو بھانپ لیتے تھے لیکن عرب کی کل آبادی کو جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انتظامی افسروں کے انتخاب میں وہ دوسرے لوگوں کی آرا سے مدد بھی لیتے تھے۔ آج پبلک سروس کمیشن اعلیٰ ملازمتوں کے لیے مناسب افراد کا چناؤ کرتے ہیں، اگر اس کے ارکان ایک نظریاتی مملکت کے تقاضوں سے واقف ہوں تو وہ اچھے افسر منتخب کر سکتے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں ابھی کسی باقاعدہ سروس کمیشن کا وجود عمل میں نہیں آیا تھا البتہ اس کی روح ضرور موجود تھی۔ رجال کی کتابیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرب کے لائق ترین افراد کو اپنی عدلیہ اور انتظامیہ کے لیے منتخب کیا۔ ظاہر ہے اتنا بڑا کام ایک شخص کی ذمہ داری پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا، لہذا حضرت عمرؓ نے مجلسِ شوریٰ منعقد کی اور مقتدر صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو اور کون کرے گا" چونکہ اس دور میں ملکی انتظامات میں حصہ لینا زہد وورع کے خلاف سمجھا جاتا تھا اس لیے حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا:

"اے عمرؓ! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرنا چاہتے ہو؟" حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں ان لوگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں مناسب مقرر کرو تاکہ یہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔ غرض حضرت عمرؓ نے لوگوں کی رائے اور مشورت سے نہایت دیانت دار اور قابل لوگ منتخب کیے اور ملکی خدمتیں ان کے سپرد کر دیں۔ زیادہ اہم عہدہ کے لیے تمام ارکانِ شوریٰ کی طرف سے انتخاب ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن حنیفؓ کا تقرر اسی طریقے سے ہوا۔ بعض اوقات رائے میں اختلاف بھی ہوتا تھا جو ایک فطری امر ہے۔ مثلاً عمار بن یاسرؓ بڑے رتبے کے صحابی اور زہد وتقدس میں بے نظیر تھے، لیکن سیاست وتدبیر اور انتظامی صلاحیتوں سے زیادہ بہرہ ور نہ تھے۔ لوگوں کے زور دینے پر حضرت عمرؓ نے انہیں کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد سب کو پتہ چل گیا کہ ان سے یہ کام نہیں چل سکے گا لہذا انہیں علیحدہ کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے تمام اصحابِ شوریٰ کو بتا دیا کہ کسی شخص کے ذاتی تقدس اور زہد وورع سے اس غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہیے کہ وہ انتظامی عہدے کے لیے بھی موزوں رہے گا۔ اس اصول پر حضرت عمرؓ سختی سے کاربند رہے۔ انہوں نے چن چن کر ایسے افراد منتخب کیے جو نیک اور دیانت دار ہونے کے ساتھ ساتھ انتظامی صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور تھے۔

پاکستانی افسر شاہی کا المیہ

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمیں ایک سامراجی حکومت کی تربیت یافتہ بیوروکریسی ورثے میں ملی جسے ہم نے من وعن ایک نظریاتی نظامِ حکومت چلانے پر مقرر کر دیا۔ حالانکہ ان دونوں نظامہائے حکومت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر اس کے بعد نئے عہدے داروں کے چناؤ میں بھی ایک نظریاتی انتظامیہ کی ضروریات کو ملحوظ نہ رکھا گیا اور سابقہ طریقوں ہی سے نئے افسروں کا انتخاب جاری رہا۔ اس کے بعد تربیت کا مرحلہ آتا ہے جس میں آج تک ہم کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہم نے نہ شاملِ ملازمت (INSERVICE) افسروں کے ذہنی غسل کا کچھ انتظام کیا اور نہ نئے منتخب ہونے والے افسروں کے تربیتی پروگرام میں کوئی تبدیلی کی۔ ستم بالائے ستم کہ پبلک سروس کمشنوں کے لیے بھی اس نئی مملکت کے افسران منتخب کرنے کے لیے نیا لائحہ عمل مرتب کیا نہ ہی ان کمشنوں کے لیے اسلامی ذہن کے افراد مقرر کیے۔ اس ساری صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے افسر حسبِ سابق منتخب ہوتے رہے۔ انہیں اعلیٰ ہوٹلوں میں تربیت کے لیے ٹھہرایا جاتا رہا اور شروع ہی سے ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جاتی رہی کہ تم باقی لوگوں سے برتر ہو اس لیے تم انہیں مناسب فاصلے پر رکھو۔ ابھی تک ہم سول لائن پالیسی پر عمل پیرا ہیں، اس لیے ہمارا اسلامائیزیشن کا عمل مطلوبہ نتائج پیدا کرنے سے قاصر رہا ہے۔ اگر ہمارے حکمران حضرت عمرؓ کی طرح ایک اچھی انتظامیہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو آج پاکستان کا نقشہ مختلف ہوتا۔

GG

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

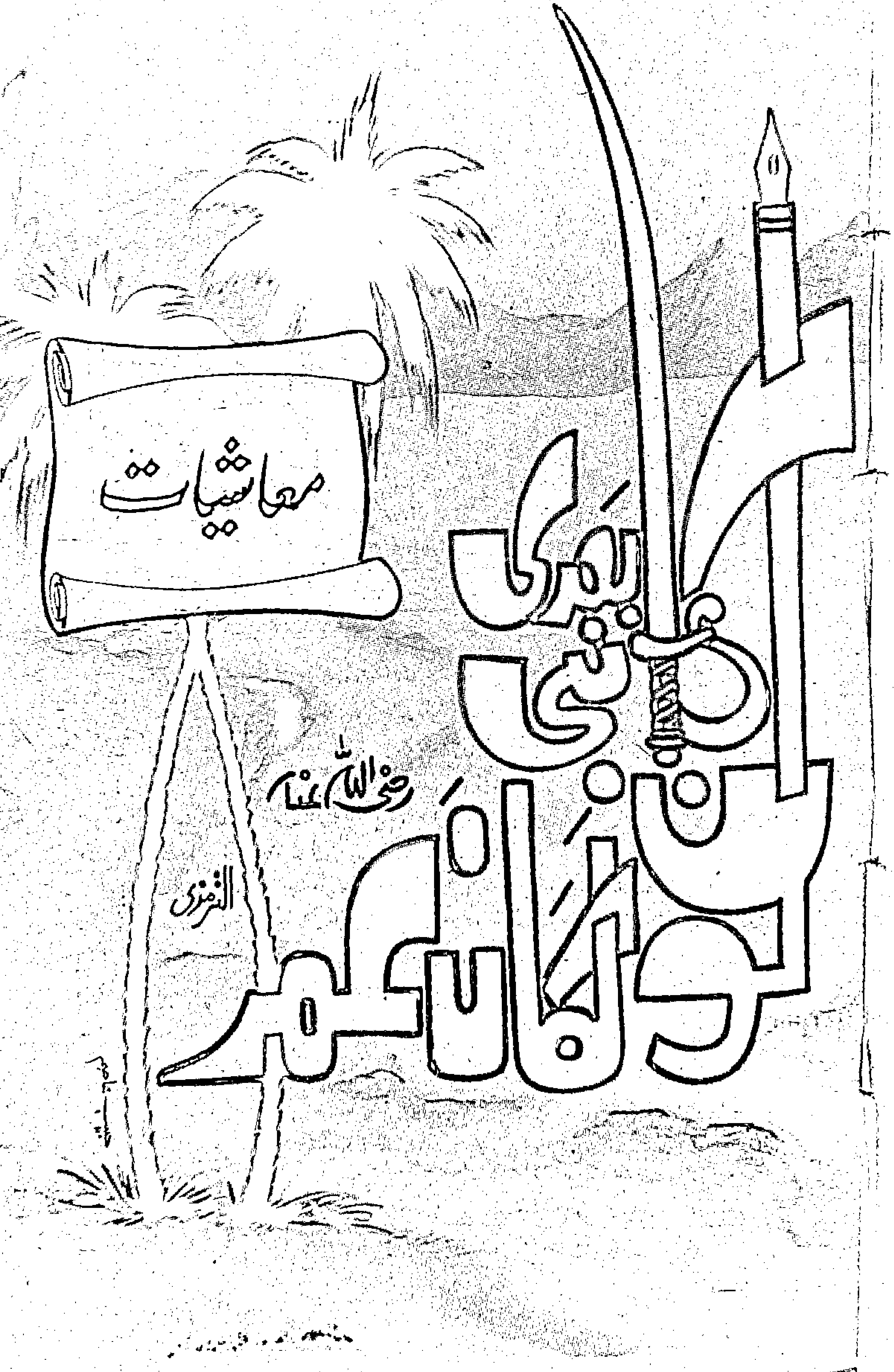

نازش پرتاب گڈھی

فاروقِ اعظمؓ

نہ وہ غنچوں کی رنگت ہے نہ شاخِ گل کے وہ سائے
گلستانِ جہاں میں آج صدہا خار اُگ آئے

سبھی نظریں ہیں کجلائی سبھی چہرے ہیں سنولائے
اسی کا نام ہے جینا تو ہم جینے سے باز آئے ،

کہیں باقی نہیں عدل و مساوات آج دنیا میں
کوئی ایسا نہیں جو قسمتِ جمہور چمکائے ،

ستاروں کی تُنک تابی کو حد سمجھا ہے دنیا نے
رُخِ خورشید سے ظلمت کی چادر کون سرکائے

جھلس کر راکھ ہوتا جا رہا ہے عالمِ امکاں
ضرورت ہے کہ اب رحمت کا بادل پھر سے گھر آئے

زمانہ منتظر ہے آج اُس مردِ مسلماں کا
جو ظلم و جور کے مارے ہوؤں پر لُطف فرمائے

یہ دنیا ڈھونڈتی ہے آج ایسا پاسباں اپنا
جو ڈوبے اس وقت پہرا اُٹھ کے جب یہ دہر سو جائے

ایک ایسا شاہ جو گردان لے مجرم خود اپنے کو
قلمرو میں کسی جانب جو کوئی اونٹ کھو جائے

ایک ایسے عادل و منصف کی حاجت ہے زمانے کو
پسر کی پشت پر خود اپنے ہاتھوں دُرّے برسائے

قدم انصاف کی مسند پہ جب رکھے تو یوں رکھے
کہ بدلہ مصر کے عامل سے اک نادار پا جائے ،

مساواتِ بشر کا جس کے دل میں ہو خیال اتنا
قصاص اک مفلس و نادار کو شاہوں سے دلوائے ،

دیانت دار ایسا ہو ، امینِ قوم ایسا ہو
کہ بیت المال کی دمڑی نہ استعمال میں لائے ،

علالت میں ذرا سے شہد کی جب آ پڑے حاجت
تو لوگوں کو اکٹھا کر کے استفسار فرمائے ،

امیر ایسا کہ روم و شام دیتے ہوں خراج اس کو
خود اس کے تن پہ لیکن خلق بوسیدہ عبا پائے ،

شدید اتنا کہ حق کے واسطے لڑ جائے اپنوں سے
اور ایسا رحمدل جو اپنے قاتل پر ترس کھائے ،

ہو ایسی سادگی کہ اپنے کپڑے خود ہی دھوتا ہو
اور ایسا رعب ہو سارا جہاں ہیبت سے تھرائے ،

عروجِ آدمیت کی اُس اک منزل کا رہرو ، جو
بٹھا کر اونٹ پر نوکر کو چلنے سے نہ شرمائے

اگر ہو بھوک سے بیتاب کوئی شہر سے باہر
تو اپنے دوش پر غلہ اٹھا کر خود ہی پہنچائے ،

پئے تسکینِ شوہر خیمے سے باہر ہو خود آقا
اور اندر شاہ بانو بیوی کی خدمت بجا لائے

سفر میں ساتھ ہو سامانِ آسائش نہ کوئی بھی
ببولوں پر پھٹی چادر کو تانے اور سو جائے ،

ہو اتنا بے تکلف لیٹ جائے صحنِ مسجد میں
مگر کسریٰ کا قاصد اس کو دیکھے تو لرز جائے

کوئی دیکھے جو اس کا گھر تو ساماں ہو نہ کھانے کا
اُٹھے کشور کشائی کو تو نصرت سر کے بل آئے

سبق آزادیٔ انساں کا یوں دے اس زمانے کو
کہ اک نادار ٹوکے اور نہ ماتھے پر شکن آئے

جہاں کو مل سکے ایسا ہی کوئی راہبر نازشؔ
کوئی اسے کاش پھر فاروقیت کی شان دکھلائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی مسئلہ انھوں نے کیسے حل کیا؟

فاروق اعظم

غلام احمد پرویز

"دُنیا کی تمام ناکامیوں میں سب سے بڑی ناکامی خود انسان کی ہے۔ اِس انسان کی جو سب سے زیادہ مدنی الطبع حیوان ہے اور سب سے زیادہ عقلمند بھی۔ اس کی وہ ناکامی یہ ہے کہ یہ آج تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں کر سکا جسے دُور سے بھی اچھی حکومت کہا جا سکے۔ اُس نے اِس باب میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ بہت سی ایسی جو فی الواقعہ محیّر العقول ہیں اور بہت سی ایسی جو بڑی جرأت آزما تھیں لیکن جب اُن کی عملی تنفیذ کا وقت آیا، تو نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ نظری طور پر حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنے کا ذریعہ ہے' اور اربابِ حکومت پبلک کے خادم ہیں، لیکن جب اس نظریے پر عمل کا وقت آتا ہے تو حکومت کا فریضہ پبلک کی خدمت نہیں' سلب و نہب ہو جاتا ہے"۔

یہ الفاظ کسی عہدِ قدیم کے سیاستدان یا مفکّر کے نہیں جو اس نتیجے پر اس زمانے میں پہنچا ہو جب انسان نے ہنوز دو ایک اسالیبِ حکومت کا تجربہ کیا تھا اور اسے ان نظامہائے حکومت کا علم نہیں تھا (نہ ہی اس وقت ان کا علم ہو سکتا تھا) جنہیں انسانوں نے بعد میں وضع کیا۔ یہ الفاظ خود ہمارے زمانے کے ایک نامور ماہرِ سیاست مسٹر مینکن (H. J. MENCKEN) کے ہیں جنہیں اس نے اپنی کتاب (TREATISE ON RIGHT AND WRONG) میں عہدِ قدیم سے لے کر عصرِ حاضر تک کے تمام نظامہائے حکومت کا جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے۔

مینکن نے ایک مثالی حکومت کے متعلق کہا یہ ہے کہ "وہ افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے"۔[1]

مثالی حکومت

آئیے ہم دیکھیں کہ عہدِ فاروقی، مسٹر مینکن کے اس معیار کے مطابق مثالی حکومت کا دَور قرار پا سکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ مغربی ذہنیت کی رُو سے چونکہ انسانی زندگی عبارت ہوتی ہے فقط انسان کی طبعی زندگی (PHYSICAL LIFE) سے'

[1] افسوس کہ اس کے سامنے اسلام کے صدرِ اوّل کا نظامِ حکومت نہیں تھا، ورنہ وہ اپنے کلیہ کی ایک استثنار ضرور دیکھ لیتا۔

اس لیے اس کی ضروریات بھی محدود ہوتی ہیں طبعی ضروریات (یعنی انسانی جسم کی نشوونما) تک، لیکن قرآنی نقطۂ نگاہ سے انسان کی زندگی محض اس کی طبعی زندگی نہیں۔ اس کے طبعی جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے' جسے انسانی ذات کہا جاتا ہے۔ انسانی ذات، نہ فطرت کے عملِ تخلیق کے طبعی ارتقا کا نتیجہ ہوتی ہے' نہ ان طبعی قوانین کے تابع جن کے مطابق اس کے جسم کی مشینری مصروفِ حرکت و عمل رہتی ہے۔ انسانی ذات میں خالقِ کائنات نے ایسی صلاحیتیں مضمر رکھی ہیں کہ اگر اُن کی مناسب نشوونما ہو جائے' تو انسان کی اِس دنیا کی (انفرادی اور اجتماعی) زندگی بھی شادابیوں اور کامرانیوں کے جھولے جھولتی ہے اور آخرت کی زندگی بھی سرفرازیوں کے مدارج طے کرتی ہے۔ یہ آخری الفاظ ذرا وضاحت طلب ہیں۔ جب انسان کے جسم کی مشینری (طبعی قوانین کے تابع) حرکت کرنے سے رُک جائے، تو اُسے مَوت کہا جاتا ہے' اور مغرب کے مادّی نقطۂ نگاہ سے' مَوت سے اس فرد کا خاتمہ ہو جاتا ہے . . . لیکن قرآنی نقطۂ نگاہ سے' اگر انسان کی ذات کی مناسب نشوونما ہو جائے' تو جسم کی موت سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ یہ آگے چلتی ہے اور زندگی کے مزید ارتقائی مراحل طے کرنے کے نئے پروگرام کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے۔ اِس طرح ایک نشوونما یافتہ ذات کی اس دنیا کی یہ زندگی بھی حسین ہوتی ہے اور آخرت کی زندگی بھی حسین۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (۲/۲۰۱) سے یہی مراد ہے۔

جسم اور ذات کی نشوونما

لیکن زندگی کی موجودہ سطح پر' انسانی ذات کے ارادے اور فیصلے انسان کی طبعی زندگی کے ذریعے رُوبہ عمل آتے ہیں' اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے طبعی جسم کی بھی صحیح نشوونما ہوتی جائے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ انسانی ذات ایک سوار ہے' اور اس کا جسم اس کا مرکب (گھوڑا) جس پر سوار ہو کر وہ زندگی کا سفر طے کر کے (موجودہ سطحِ زندگی کی) آخری منزل تک پہنچتا ہے۔ ایک سوار کے نزدیک' اس کا گھوڑا مقصود بالذّات نہیں ہوتا' اس کے مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے' لیکن چونکہ وہ اس ذریعے کے بغیر' اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ نہیں سکتا، اس لیے اس کے گھوڑے کا تنومند و توانا ہونا اور رہنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ حیثیت ہے قرآنی نقطۂ نگاہ سے انسان کی طبعی زندگی کی۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآنی نقطۂ نگاہ سے انسانی زندگی کی ضروریات کو مندرجہ ذیل تین حصّوں میں تقسیم کیا جائے گا:

۱۔ انسانی جسم کی پرورش کے لیے سامان و ذرائع۔ اِن میں خوراک، لباس، مکان، علاج اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کی آسائش کے دیگر اسباب شامل ہوں گے۔

۲۔ عقل و فکر کی صلاحیتوں کی نشوونما' جسے اصولی طور پر تعلیم سے تعبیر کیا جائے گا، اور

۳۔ انسانی ذات کی نشوونما۔

انسانی ذات کی نشوونما مستقل اقدارِ خداوندی کے اِتّباع سے ہوتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی مملکت ایسا معاشرہ قائم کرے جس میں افرادِ معاشرہ مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اسے قرآن کریم کی جامع اصطلاح میں "اقامتِ صلوٰۃ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ نظامِ صلوٰۃ اپنی کُلّی حیثیت سے زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہے اور صلوٰۃ (نماز) کے اجتماعات اس نظامِ صلوٰۃ کا ایک گوشہ ہیں۔ اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ انسانی ذات کی نشوونما اسی نظام کی رُو سے ہوتی ہے۔ باقی دو شقوں (یعنی شق ۱، ۲ کے لیے) مادّی اسباب و ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے قرآن کریم نے "ایتائے زکوٰۃ" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی سامانِ نشوونما بہم پہنچانا —— اور اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ دونوں کو اسلامی حکومت کا فریضہ قرار دیا ہے (۲۲/۴۱)۔

اس مقام پر ایک اور اہم نکتہ کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ معاشی نظام کا تعلق طبعی سامان و ذرائع سے ہے لیکن کوئی معاشی نظام کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس کی بنیاد انسانی ذات کے تصوّر پر استوار نہ ہو۔ بظاہر یہ بات کچھ عجیب سی نظر آئے گی لیکن ہے یہ حقیقت۔ تفصیل اس حقیقت کی تو طول طویل ہے' لیکن اجمالاً اسے دو فقروں میں سمٹایا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی نظام اور انسانی ذات

آجکل جس معاشی نظام کو بہترین قرار دیا گیا ہے، اس کا اصل الاصول یہ ہے کہ پیداوار کے ذرائع (زمین، کارخانے وغیرہ) حکومت کے قبضے میں ہونے چاہئیں۔ ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں، حکومت ایک قانون پاس کرکے تمام ذرائع پیداوار کو اپنے قبضے میں لے سکتی ہے؛ چنانچہ سوشلسٹ ملکوں نے ایسا کیا بھی، لیکن پھر بھی وہ نظام کامیاب ثابت نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ تو قانون کی رُو سے کیا جاسکتا ہے کہ ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت سے چھین کر حکومت کی اجتماعی ملکیت میں لے لیے جائیں، لیکن یہ چیز کسی قانون کی رُو سے ممکن نہیں کہ ایک محنت کش دن بھر جان مار کر محنت کرے، اور اس کے بعد اپنی محنت کے ماحصل میں سے کم از کم اپنے لیے رکھ کر، باقی سب کا سب، دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دے دے۔ وہ بطیب خاطر ایسا کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا، اور اگر اس سے اس کی محنت کا ماحصل زبردستی چھینا جائے، تو وہ محنت کرنا چھوڑ دے گا۔ یہ ہے وہ چٹان جس سے ٹکرا کر سوشلسٹ نظاموں کی کشتی پاش پاش ہو جاتی ہے اور اس مشکل کا حل ان کے پاس کوئی نہیں۔

اس کا حل، انسانی ذات اور حیاتِ آخرت پر ایمان کی رُو سے مل سکتا ہے۔ انسانی جسم کی پرورش اور نشوونما ہر اُس چیز سے ہوتی ہے، جسے انسان اپنے صرف میں لاتا ہے یعنی جسے وہ اپنے لیے "لیتا ہے"۔ لیکن قرآن کی رُو سے انسانی ذات کی نشوونما ہر اُس چیز سے ہوتی ہے جسے انسان دوسروں کے لیے "دیتا ہے"۔ اس ایمان کی رُو سے ایک فرد جان مار کر محنت کرتا ہے اور اپنی محنت کے ماحصل میں سے کم سے کم اپنی ضروریات کے لیے رکھ کر، باقی سب، دوسروں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے دے دیتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ محنت کرتا ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دوسروں کو دے سکے اور اس طرح اس کی ذات کی نشوونما زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔

یہ ہے وہ اساسِ محکم جس پر قرآن کے معاشی نظام کی عمارت اُستوار ہوتی ہے (یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے فریضے کو بیشتر اکٹھا بیان کیا گیا ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں) اس نظام میں جملہ ذرائع پیداوار مملکت (کی ملکیت میں نہیں اس) کی تحویل میں رہتے ہیں تاکہ ان سے وہ افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے، اور افرادِ معاشرہ میں سے ہر ایک زیادہ سے زیادہ محنت کرتا ہے تاکہ اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ اپنی ذات کی نشوونما کر سکے۔

معاشی مسئلے کی پیچیدگی

معاشی مسئلے کی پیچیدگی کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے، اسے ایک مثال سے سمجھیے۔ ایک صبح کسی عظیم الشان کوٹھی کے ایک مزین کمرے میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے، اور اسی وقت اُس کوٹھی کے سرونٹس کوارٹر (نوکر گھر) میں اس کوٹھی کے ملازم کے ہاں بھی ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ تو کوٹھی میں پیدا ہونے والے بچے کی کوئی ہنرمندی یا اعلیٰ صلاحیت تھی جس کی وجہ سے وہ اس امیر گھرانے میں پیدا ہو گیا اور نہ ہی نوکر گھر میں جنم لینے والے بچے نے کوئی جُرم کیا تھا جس کی پاداش میں اسے وہاں پھینک دیا گیا لیکن یہ امتیاز اُن دونوں کی زندگی میں آخری دم تک ساتھ رہتا ہے۔ امیر کا بیٹا اپنے باپ کی دولت کے بل بوتے پر دُنیا کی ہر آسائش سے متمتع اور ہر مقامِ عزت و تکریم پر فائز رہتا ہے اور غریب کے بیٹے کی ساری عمر محنت اور مشقت میں کٹ جاتی ہے۔ نہ اسے دنیا کی آسائشیں نصیب ہوتی ہیں، نہ اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کے لیے سامان و ذرائع اور نہ ہی ان کی نمود کے مواقع۔ یہ اس لیے کہ ہر شخص کی اولاد کی پرورش، تعلیم اور نشوونما کی ذِمّہ داری انفرادی قرار دی جاتی ہے یعنی جس کی اولاد، وہی اس کے رزق کا ذِمّہ دار۔

دوسری مثال یہ لیجیے کہ ایک مزدور دن بھر جان مار کر محنت کرتا ہے، لیکن اسے جو اُجرت ملتی ہے اس میں اس کا اور اس کے بیوی بچوں کا پیٹ نہیں پلتا۔ ان کی ضروریاتِ زندگی پوری نہیں ہوتیں، لیکن معاشرے میں اُس سے کسی کو سروکار نہیں ہوتا کہ اس

محنت کش کی ضروریات، اُس کی محنت کے معاوضے سے پوری ہوتی ہیں یا نہیں؛ اور اگر وہ بیمار پڑ جائے، کسی حادثے کی وجہ سے معذور ہو جائے، اسے کام نہ ملے، یا وہ فوت ہو جائے، تو ان مصائب کو اس کے خاندان کو خود ہی بھگتنا پڑتا ہے، یہ کسی کی ذمے داری نہیں ہوتی کہ ان کی ضروریات پوری کرے۔

یہ ہیں رزق کے سلسلے میں وہ پیچیدگیاں جن کا حل، انسانوں کے وضع کردہ معاشی نظاموں میں سے کوئی نظام نہیں کر سکا۔ اس کا حل قرآن نے بتایا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ضروریاتِ زندگی کا پورا کرنا افراد کی ذمے داری نہیں، یہ نظامِ مملکت کی ذِمّہ داری ہے۔ افراد کے ذمے، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اس کام کا سرانجام دینا ہے، جو اُن کے سپرد کیا جائے۔ اُن کی اور اُن کے اہل و عیال کی ضروریاتِ زندگی پورا کرنا مملکت کا کام ہے۔ صرف انہی افراد کی نہیں، بلکہ مملکت کے دائرے کے اندر، ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری قرآنی حکومت کے سر پہ ہے۔

حضورؐ کی اپنی زندگی

حضور نبی اکرمؐ نے سب سے پہلے اسلامی مملکت قائم فرمائی۔ اس میں اُس معاشی نظام کی بھی بنیاد رکھی۔ اس کے لیے حضورؐ کو چونکہ بہت کم وقت ملا، اس لیے عہدِ رسالتمآبؐ میں یہ فی الجملہ اپنی ابتدائی منزل میں ہی رہا، لیکن یہ ایک عظیم حقیقت ہے کہ عام مسلمانوں پر تو اس نظام کی منزلِ اوّل سے متعلق احکام کا اطلاق ہوتا تھا، لیکن خود نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ اس کے اس انتہائی دَور کی آئینہ دار تھی جس میں زائد از ضرورت کسی کے پاس کچھ نہیں رہتا۔ اس نظام کا آغاز حضورؐ کی مکی زندگی سے ہو گیا تھا جب اسلامی مملکت کا قیام تو ایک طرف (مسلمانوں کی مختصر سی) جماعت کی زندگی بڑی عُسرت اور مفلوک الحالی میں گزر رہی تھی۔ اس زمانے میں حضورؐ نے جماعت کے لیے کیا طریق کار اختیار فرمایا، اس کا اندازہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی اس روایت سے لگ سکتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے:

اشعر قبیلہ والوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کسی جنگ میں ان کے ہاں کھانا تھوڑا رہ جاتا، یا ان کے ہاں (کسی حادثے کی وجہ سے) فاقوں کی نوبت آجاتی، تو یہ لوگ اپنے کھانے کی چیزوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے، اور ایک برتن میں برابر حصّے لگا کر آپس میں تقسیم کر لیتے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں اور مَیں ان میں سے ہُوں۔ (صحیحین)

مدینہ پہنچنے کے بعد اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی گئی۔ حضورؐ کی وفات کے وقت اس کی وسعت قریب دس لاکھ مربع میل پر پھیل چکی تھی، لیکن سربراہِ مملکت (علیہ التحیۃ والسلام) کی اپنی زندگی کا یہ عالم تھا کہ (حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق):

"حضورؐ کا کوئی کپڑا تہ کرکے نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک جوڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں ہوتا تھا جسے تہ کرکے رکھا جاتا۔ جن کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی، ان میں اُوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

"مرض الموت کے وقت حضورؐ کے ہاں چند دینار کہیں سے آئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا: انہیں صدقہ کر دو (یعنی بیت المال میں بھیج دو، تاکہ ان سے حاجتمندوں کی ضروریات پوری ہوں) لیکن اس کے بعد حضورؐ پر غشی طاری ہو گئی اور سب لوگ آپ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ آپؐ کو ہوش آیا، تو فرمایا: "وہ دینار لاؤ۔" دینار کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ پر رکھا اور کہا: "محمدؐ کا اپنے رب کے متعلق کیا گمان ہوگا جب وہ اپنے رب سے ملے اور اس کے پاس یہ دینار ہوں۔" اس پر حضورؐ نے انہیں خود صدقہ کر دیا (یعنی بیت المال میں بھیج دیا)۔"[1]

---

[1] اسی قسم کی اور کئی روایات بھی موجود ہیں، جن سے واضح ہے کہ حضورؐ کو یہ خیال اپنی حیاتِ ارضی کے آخری لمحات ہی میں نہیں آیا تھا، بلکہ حضورؐ کا زندگی بھر یہی مسلک رہا تھا کہ زائد از ضرورت مال گھر میں نہ رہے، بیت المال میں چلا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک حضورؐ کے ترکہ کا تعلق ہے، بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمادیا تھا:

"میرے ورثے میں ایک دینار بھی بطور ترکہ تقسیم نہیں ہوگا۔ میری بیویوں کی ضروریات اور منتظم کے اخراجات کے بعد جو کچھ بھی بچے، وہ صدقہ ہوگا۔"

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"آنحضرتؐ نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔"

اور بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے خچر اور ہتھیاروں کے سوا کچھ نہیں چھوڑا تھا۔

یہ اس لیے کہ اگرچہ مملکت ایسی وسیع وعریض تھی لیکن اس کے ساتھ رعایا جس قدر فلاکت زدہ تھی، اور ان کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی جو عظیم ذمہ داری حضورؐ نے اپنے اوپر لے رکھی تھی، اس کی وجہ سے حضورؐ اپنا معیارِ زندگی اس سے بلند کر ہی نہیں سکتے تھے۔

معاشی ذمے داریاں

سربراہِ مملکت کی ذمہ داریوں کا اندازہ حضورؐ کے ان ارشاداتِ گرامی سے لگایا جاسکتا ہے جو کتبِ تاریخ واحادیث میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مسندِ امام احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا، اس بستی سے خدا کی نگرانی اور حفاظت کا ذمہ ختم ہوگیا۔"

اسلامی حکومت کا فریضہ ہے وہ کسی کو محسوس نہ ہونے دے کہ وہ تنہا یا لاوارث (یتیم) ہے۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا: "جس کا کوئی سرپرست نہ ہو، اس کا سرپرست 'اللہ اور اس کا رسولؐ' (یعنی اسلامی نظامِ حکومت) ہے۔" (ترمذی)

حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں مرجائے کہ اس پر کسی کا قرض ہو اور وہ تنگدستی کی وجہ سے اسے ادا نہ کرسکا ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی بھی مملکت کے ذمے ہوگی؛ چنانچہ حضورؐ نے اعلان فرمادیا تھا: "میں مسلمانوں سے ان کے اپنے افرادِ خاندان کی نسبت زیادہ قریب ہوں سو ان میں سے جو وفات پاجائے، اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمے ہے۔" (ابو عبید، کتاب الاموال)

دیگر روایات (مسلم، ترمذی وغیرہ) میں ہے کہ ایسے شخص کے قرض کی ادائیگی تو حکومت کے ذمے ہوگی، لیکن جو کچھ وہ بطور ترکہ چھوڑ جائے، وہ اس کے ورثا کا حق ہوگا۔ اسی سلسلے میں حضورؐ نے فرمایا تھا:

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنادے اور وہ لوگوں کی ضروریات کی طرف سے لاپروائی برتے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور احتیاجات کی طرف سے لاپروائی برتے گا۔" (ابو داؤد)

یہی روایت ترمذی میں ان الفاظ میں آئی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"جو امام ضرورت مندوں، محتاجوں اور مسکینوں پر اپنے دروازے بند کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور احتیاجات کے لیے آسمان کے دروازے بند کردیتا ہے۔"

زائد از ضرورت

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قرآن کے معاشی نظام کی رو سے کوئی شخص اپنی ضروریات سے زائد مال اپنے پاس رکھ نہیں سکتا۔ حضورؐ کے زمانے میں اس انتہائی اصول پر کس انداز سے عمل ہوتا تھا، اس کا اندازہ مسلم کی اس روایت سے لگ سکتا ہے جس میں حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا:

"ہم لوگ رسول اللہؐ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو، وہ اس آدمی کو دے دے جسے اس کی ضرورت ہو۔ جس کے پاس زائد زادِ راہ ہو، وہ اسے دے دے جس کے پاس

زادِ راہ نہ ہو۔ اس طرح آپؐ نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی ضرورت سے زائد کسی چیز کے رکھنے کا حق حاصل نہیں۔"

حضرت بلالؓ سے مروی ہے:

"رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو رزق تجھے عطا کیا گیا ہے، اسے چھپا کر نہ رکھ، اور جو کچھ تجھ سے مانگا جائے، اس میں بخل سے کام نہ لے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ، یہ کیسے ہوسکے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ یا یہ روش اختیار کرنا ہوگی یا جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔" (حاکم)

مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے:

"رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بندہ 'میرا مال، میرا مال' کہتا ہے، حالانکہ مال میں اس کا حصہ تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) جو کچھ وہ کھا کر ہضم کرلیتا ہے (۲) جسے وہ پہن کر پرانا کردیتا ہے اور (۳) جو کچھ وہ دوسروں کے لیے دے کر اپنے لیے ذخیرۂ آخرت کرلیتا ہے۔ ان تین چیزوں کے علاوہ جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ یا تو چلا جاتا ہے اور یا وہ دوسروں کے لیے چھوڑ کر مرجاتا ہے۔"

یہ ہیں معاشی نظام کے متعلق وہ چیدہ چیدہ اقوال واعمالِ نبویؐ جو ہمیں کتبِ روایات میں ملتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے حضورؐ، قرآن کے معاشی نظام کی (کہ جسے نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے) صرف ابتدا کرسکے تھے، لیکن حضورؐ کی سیرتِ طیبہ میں اس ابتدا میں بھی اس انتہا کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ حضورؐ نے ضرورتمندوں کے لیے وظائف مقرر کرنے کا بھی سلسلہ شروع کردیا تھا جسے حضرت صدیقِ اکبرؓ نے اپنے زمانے میں مزید ترقی دی تھی (اس کی تفصیل اسی مضمون میں آگے بیان کی جائے گی)۔ —— حضورؐ مختلف قبائل میں اپنے عمال بھیجتے کہ وہ وہاں کے ضرورت مند لوگوں کی فہرستیں مرتب کرکے مرکز میں بھیجیں۔ مرکز سے ان کی مناسب امداد کی جاتی۔ نیز آپ نے زرعی اصلاحات کا بھی آغاز فرمادیا تھا (اس کی تفصیل بھی عہدِ فاروقی کے نظام کے ضمن میں سامنے لائی جائے گی)۔

❁

رسول اللہؐ کے بعد خلافت کا بارِ امانت حضرت صدیقِ اکبرؓ نے اٹھایا۔ ایک تو ان کا عہدِ خلافت بڑا مختصر تھا، اور دوسرے ان کا بیشتر وقت اندرونی اور بیرونی سازشیں فرو کرنے میں صرف ہوگیا، اس لیے انہیں بھی معاشی نظام کو اس کی انتہا تک پہنچانے کا موقع نہ ملا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی کو وظائف کی صورت میں پورا کرنے کے لیے بڑے بڑے اہم اقدامات کیے۔

سیرتِ صدیقیؓ

جہاں تک ان کی اپنی ذات کا تعلق ہے، وہ اسوۂ رسولؐ کی جگمگاتی تصویر تھے۔ خلافت سے پہلے آپ تجارت کرتے تھے اور اچھے خوشحال تھے۔ خلافت کی ذمہ داریوں نے آپ کا سارا وقت لے لیا، تو حضرت عمرؓ کی تجویز اور دیگر صحابہؓ کے مشورے سے بیت المال سے وظیفہ لینا قبول کرلیا، لیکن وہ اتنا ہی تھا جس میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا غریبانہ انداز سے گزارہ ہوسکے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ کو یہ خیال بار بار ستا رہا تھا کہ میں نے مسلمانوں کے بیت المال سے جس قدر لیا ہے، اس کے مطابق ان کی خدمت بھی کرسکا ہوں یا نہیں۔ اس اضطراب کو مبدل بہ سکون کرنے کے لیے انہوں نے اپنے رشتے داروں سے کہا کہ ایک مختصر سا قطعۂ زمین ان کے پاس ہے، اسے فروخت کردیا جائے اور جس قدر رقم انہوں نے بیت المال سے لی ہے، اسے ادا کردیا جائے؛ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اس حساب کو یہیں بیباق کرکے خدا کے سامنے گئے۔

مجھے اپنے یادداشتوں کے کاغذات میں دو واقعات ایسے ملے ہیں جن سے سیرتِ صدیقی مہرِ تابندہ کی طرح جگمگاتی ہوئی سامنے آجاتی ہے، لیکن (مجھے افسوس ہے کہ) میں ان کے حوالے لکھنے بھول گیا، اس لیے میں انہیں درج کرنے میں متامل تھا، لیکن چونکہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کی حیاتِ طیبہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دیگر کوائف واحوال پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ روایات صحیح ہوں گی اس لیے میں انہیں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، بایں اُمید کہ اگر ان میں سے کسی صاحب نے انہیں کتبِ تاریخ و سیر میں دیکھا ہو تو مجھے ان کے حوالے سے مطلع فرمائیں۔

وظیفے کا تعیّن

پہلا واقعہ یہ ہے کہ جب یہ سوال زیرِ غور تھا کہ خلیفۃ المسلمین کا وظیفہ کیا ہونا چاہیئے، تو حضرت صدیقؓ نے دریافت فرمایا کہ مدینے میں ایک مزدور کی کم از کم اُجرت کیا ہے، وہی اُجرت آپ نے اپنے لیے بطور وظیفہ مقرر کر لی ——— رفقاء میں سے کسی نے آپ سے کہا کہ اتنے کم روزینے میں آپ کا گزارہ کیسے ہوگا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس میں میرا گزارہ اسی طرح ہوگا جس طرح اس مزدور کا گزارہ ہوتا ہے اور اگر گزارہ نہ ہوا، تو میں اس مزدور کی اُجرت بڑھا دوں گا تاکہ اس طرح میرا وظیفہ بھی بڑھ جائے۔ جُوں جُوں مزدوروں کی اُجرت بڑھتی جائے گی، میرا معیارِ زندگی اُسی نسبت سے بلند ہوتا جائے گا۔

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن کھانے کے بعد آپ نے بیوی سے کہا کہ کوئی میٹھی چیز نہیں؟ انہوں نے کہا کہ بیت المال سے جو راشن آتا ہے، اس میں میٹھی چیز کوئی نہیں ہوتی۔

زائد از ضرورت

بات آئی گئی ہوگئی۔ چند دنوں کے بعد آپ نے دیکھا کہ کھانے میں حلوہ بھی ہے۔ آپ نے بیوی سے کہا کہ تم نے تو کہا تھا کہ ہمارے راشن میں میٹھی چیز آتی نہیں، تو آج یہ حلوہ کیسے پک گیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے جو اُس دن محسوس کیا کہ آپ میٹھی چیز پسند کرتے ہیں، تو میں نے یُوں کیا کہ راشن میں جتنا آٹا ہر روز آتا تھا، اس میں سے مُٹھی بھر آٹا الگ رکھتی گئی۔ آج اتنا آٹا جمع ہوگیا کہ اس کے بدلے میں بازار سے کھجور کا شیرہ منگالیا جائے۔ اس طرح یہ حلوہ پک گیا اور آپ نے اسے تناول فرمایا اور بیوی کا شکریہ ادا کیا۔

کھانے کے بعد سیدھے بیت المال کے مودی کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہمارے ہاں راشن میں جس قدر آٹا جاتا ہے، آج سے اس میں ایک مُٹھی کے برابر کم کر دینا، کیونکہ ہفتے بھر کے تجربے نے بتایا ہے کہ ہمارا گزارہ مٹھی بھر کم آٹے میں بھی ہو جاتا ہے۔

یہ ہے عملی تفسیر قرآن کریم کے اس اصول کی جس میں کہا گیا ہے: "اے رسُول، یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم دوسروں کی ضرورت کے لیے کس قدر دیں؟ ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری اپنی ضرورت سے زائد ہے، وہ سب۔" ($\frac{2}{219}$) لہٰذا اگر ایک مُٹھی بھر آٹا بھی اپنی ضرورت سے زائد ہے، تو ایک مردِ مومن اسے بھی اپنے صَرف میں نہیں لائے گا۔ اسے دوسروں کی ضرورت پورا کرنے کے لیے دے دے گا۔

ایسے ہوتے ہیں وہ حضرات جن کے ہاتھوں اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آتا ہے۔

عہدِ فاروقی رضؓ

قبل اس کے کہ ہم اس گوشے کی طرف آئیں کہ حضرت عمرؓ نے اسلامی مملکت کے بنیادی فریضہ (ایتائے زکوٰۃ یا ربوبیت عالمینی) کو کس انداز سے پورا کیا تھا اور اس کے لیے کیا کیا عملی اقدامات کیے تھے، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ انہیں اس فریضے کا احساس کس قدر شدّت سے تھا اور انہوں نے (باتباعِ سنّتِ رسولُ اللہ) خود اپنی زندگی کو کس طرح قرآن کے معاشی نظام کی آخری منزل میں رکھا تھا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے:

(۱) ہر ذی حیات کے رزق کی ذِمّہ داری خدا نے اپنے اوپر لے رکھی ہے۔

(ii) وہ اپنی اس ذِمّہ داری کو براہِ راست پورا نہیں کرتا تو اسے اسلامی مملکت پورا کرتی ہے۔

رزق کی جستجو کرو

اس اصول کی تشریح کرتے ہوئے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: "تم میں سے کوئی شخص رزق کی طلب و جستجو سے باز نہ رہے اور یہ نہ کہتا رہے کہ اے اللہ! مجھے رزق دے۔ یاد رکھو، آسمان سے مَن نہیں برسا کرتا۔ اللہ ایک انسان کو دوسرے انسان کے ہاتھوں رزق پہنچاتا ہے" غور فرمائیے قرآنی غوامض پر آپ کی نگاہ کس قدر عمیق تھی۔

یہ جو آپ نے کہا ہے: "اللہ تعالیٰ ایک انسان کو دوسرے انسان کے ہاتھوں رزق پہنچاتا ہے" اس سے ہمیں (مسلم میں درج شدہ) ایک حدیثِ قدسی یاد آگئی۔ ہمارے ہاں عام طور پر حقوق کو دو شقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد لیکن قرآن میں "حقوق اللہ" کا ذکر (سوائے ایک مقام کے) کہیں نہیں ملتا۔ ہر جگہ حقوق العباد (یعنی ایک انسان کے ذمّے دوسرے انسانوں کے حقوق) ہی کی تاکید ملتی ہے۔

حقوق اللہ

وہ ایک مقام جہاں "اللہ کے حق" کا ذکر آیا ہے سورۂ انعام کی آیت $\frac{6}{142}$ ہے، جہاں پہلے یہ کہا گیا ہے کہ کھیتوں کی فصلیں اور باغات کے پھل سب عطیاتِ خداوندی ہیں۔ انہیں بطیب خاطر کھاؤ پیو ——— لیکن فصل کاٹتے وقت اس میں سے "خدا کا حق" بھی دے دیا کرو۔ اس "حق" کے متعلق دوسری جگہ فرمایا کہ یہ "بھُوکوں کا حصہ" ہے۔ یعنی جسے خدا نے اپنا حق کہا ہے، اس کے متعلق بھی وضاحت کر دی کہ وہ درحقیقت ضرورت مندوں اور محتاجوں کا حق ہے۔

آپ نے دیکھا جس ایک مقام پر خدا نے اپنے حق کا ذکر کیا ہے وہ بھی درحقیقت بندوں ہی کا حق ہے۔ قرآن کریم کے اس پس منظر میں اس حدیث کو دیکھیے جسے عام طور پر حدیثِ قدسی کہا جاتا ہے (روایت کے مطابق) رسُول اللہؐ نے فرمایا:

"خداوند عزّ وجل قیامت کے دن فرمائے گا: "اے ابنِ آدم! میں بیمار پڑا، تو تُو میری عیادت کو نہ آیا۔"

ابنِ آدم جواب دے گا: "پروردگار! میں تیری عیادت کو کیسے آتا، تُو تو ربّ العالمین ہے۔" اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا، تو تُو اس کی عیادت کو نہ گیا۔ اگر تو اُس کی عیادت کو گیا ہوتا، تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو تُو نے مجھے کھانا بھی نہ کھلایا۔" وہ کہے گا: "پروردگار! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا، تُو تو خود ہی سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانے کو مانگا، تو تُو نے اُسے کھانا نہیں کھلایا۔ اگر تُو نے اُسے کھانا کھلایا ہوتا، تو اُسے میرے پاس پالیتا۔"

(اسی طرح اللہ تعالیٰ پیاسے کو پانی پلانے کے متعلق کہے گا) (مسلم بحوالہ العدل الاجتماعیہ۔ سیّد قطب)

یہ ہیں وہ "خدا کے حقوق" جو اسلامی حکومت کی وساطت سے پورے ہوتے ہیں۔

رزق کی تنگی

قرآن کریم نے رزق کی تنگی کو خدا کا عذاب قرار دیا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے: "جو ہمارے قوانین سے اعراض برتتا ہے، ہم اس کی روزی تنگ کر دیتے ہیں اور اسے ہم قیامت کے دن بھی اندھا اُٹھائیں گے۔" ($\frac{20}{124}$)

اور سورۂ نحل میں ہے کہ "خوف اور بھوک خدا کا عذاب ہیں، ان میں اُن قوموں کو مبتلا کر دیا جاتا ہے، جو کفرانِ نعمت کرتی ہیں۔" ($\frac{16}{112}$)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف، قرآن کریم میں ہے کہ اگر قوانینِ خداوندی کو فراموش کر دیا جائے تو رزق کی فراوانی بھی قوموں کی تباہی کا موجب بن جاتی ہے۔ (۲۸/۵۸)

حضرت عمرؓ نے افراط و تفریط کے ان دونوں گوشوں کو ایک ہی قول میں اس طرح سمٹا دیا: "اے اللہ! میرے لیے رزق کی اتنی افراط بھی نہ ہو جائے کہ میں تجھ سے سرکشی اختیار کر لوں، اور نہ ہی اتنی کمی کر دینا کہ میں تیری راہ کو فراموش کر کے (اور ہی راستے اختیار کرنے لگ جاؤں)۔"

دولت کی افراط سے اندیشہ

حضرت عمرؓ کا یہی احساس تھا جس کی بنا پر یہ واقعہ بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ جب جلولا کا مالِ غنیمت آیا، تو اُسے دیکھ کر اہلِ مدینہ کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ لوگ اسے دیکھ کر فرطِ مسرت سے جھُوم رہے تھے لیکن حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ مسجد کے ایک گوشے میں کھڑے آنسو بہا رہے ہیں۔ حضرت ابن عوفؓ نے کہا کہ امیر المؤمنین! یہ وقت فخر و مسرت کا ہے یا رونے کا؟ آپ نے فرمایا: "ابن عوفؓ اس وقت ہم لوگوں کی حالت کچھ اور ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ ہمارے بعد ہماری قوم کی حالت بھی ویسی ہی نہ ہو جائے جیسی دولت کی افراط سے اقوامِ سابقہ کی ہو گئی تھی۔ دولت کی فراوانی سے وہ آپس میں ایک دوسرے کی دشمن بن گئیں اور ان میں حسد کے جذبات اُبھر آئے۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور بحضور رب العزت عرض کیا:

"الٰہ العالمین! تو میری حفاظت فرما کہ میں کہیں ہلاکت کی طرف نہ چلا جاؤں۔ میں نے قرآن میں (تیری اس بات کو) سُن لیا ہوا ہے کہ ہم ایسی قوموں کو اس طرح بتدریج تباہی کی طرف لے جاتے ہیں کہ انہیں اس کا پتہ بھی نہیں چلتا۔" (۶۸/۴۴)

(۳) ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ہر ذی حیات کے رزق کی ذمّہ داری خدا پر ہے۔" یہ ذمّہ داری اسلامی حکومت پر کس طرح عاید ہوتی ہے، اسے حضرت عمرؓ نے ایک فقرے میں اس جامعیت سے بیان کر دیا ہے کہ اس سے زیادہ بلیغ انداز ذہن میں نہیں آسکتا۔ آپ نے فرمایا:

"اگر فرات کے کنارے کوئی کُتّا بھی بھُوک سے مر گیا، تو قیامت کے دن عمرؓ سے اس کی بھی باز پُرس ہو گی۔"

شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا میں ایک اور قول نقل کیا ہے جس میں کلب (کُتّے) کی جگہ جمل (اُونٹ) کہا گیا ہے۔ بہر حال کُتّا ہو یا اُونٹ، خلافت کی ذمّہ داری کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے۔ وہ جو روایات میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک شخص کو خدا نے اس لیے اپنے دامانِ رحمت میں جگہ دی کہ اس نے پیاسے کُتّے کو پانی پلایا تھا، اور ایک عورت کو اس لیے داخلِ جہنم کر دیا کہ اُس نے ایک بلّی کو باندھے رکھا تھا۔ نہ اُسے خود ہی کچھ کھانے پینے کو دیتی تھی اور نہ ہی کھُلا چھوڑتی تھی کہ وہ اپنا پیٹ آپ بھر لے، تو یہ اسی فریضۂ خداوندی سے عہدہ برآ ہونے کی تاکید تھی۔

(۴) ایک دفعہ آپ کے خادم (حضرت) اسلمؓ نے کہا کہ بیت المال میں ایک اُونٹنی آئی ہے جو اندھی ہے، اُسے کیا کیا جائے؟ آپ نے جب یہ دیکھا کہ اس کا کوئی مصرف نہیں، تو فرمایا کہ اسے ذبح کر لو۔ ذبح کرنے کے بعد آپ نے اس کا گوشت ازواجِ مطہراتؓ اور صحابہ کبارؓ کے ہاں تحفۃً بھیج دیا۔ گوشت ملنے پر حضرت عباسؓ آئے اور کہا کہ امیر المؤمنین آپ ہمارے لیے ہر روز اسی طرح کیا کرتے تو کیا اچھا ہوتا۔ اس پر آپ نے فرمایا: "عباسؓ، مدینے میں بہت سی بھُوکی عورتیں ہیں جن کا پُرسانِ حال کوئی نہیں، ان کا بھی تو خیال رکھنا ہے۔"

مُحتاج عورتیں

معاشرے میں عورتیں سب سے زیادہ کسمپرسی کی حالت میں ہوتی ہیں، اس لیے جب حضرت عمرؓ نے یہ کہنا چاہا کہ میں ایسا انتظام کرنا چاہتا ہوں کہ معاشرے میں کوئی فرد محتاج نہ رہے، تو آپ نے اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا: "اگر میں زندہ رہا تو (مدینہ تو ایک طرف) عراق

تک کی بیواؤں کو ایسا بنا دوں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہیں۔"

(۵) کفالتِ عامہ کے سلسلے میں اعلان فرمایا: "قلمروِ خلافت میں بلا تخصیصِ مذہب و ملّت، ہر تنگدست کی امداد کی جائے۔ ہر مقروض کا قرضہ ادا کیا جائے۔ ہر کمزور، ضعیف اور مظلوم کی اعانت کی جائے۔ ہر ظالم کو ظلم سے روکا جائے، ہر ننگے کو کپڑا مہیا کیا جائے۔"

یعنی کوئی ضرورت مند ایسا نہ رہنے پائے جس کی ضرورت حکومت کی طرف سے پوری نہ کی جائے۔

محتاجوں اور ناداروں کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنی احتیاج کی اطلاع خود خلیفہ تک پہنچائیں، خلیفہ کا فرض تھا کہ وہ رعایا کے ہر فرد کی ضروریات سے باخبر رہے اور انہیں از خود پورا کرے۔ اس سلسلے میں آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جو محتاج آپ تک پہنچ جاتا، اس کی ضروریات کو پورا کرنا آپ کسی اور پر نہ چھوڑتے۔ خود دیکھتے کہ ایسا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ ایک قاصد (قیس اشجعی) آپ کے پاس آیا۔ اس کا بیان ہے: "میں آیا تو آپ لکڑی کی ٹیک لگائے اس طرح کھڑے تھے جس طرح چرواہا اپنے ریوڑ کے پاس کھڑا ہوتا ہے۔ آپ لوگوں کو کھانا کھلوا رہے تھے۔ آپ چکر لگاتے جاتے اور فرماتے جاتے: اے یرفا! اسے گوشت دے، اسے روٹی دے، اسے شوربا دے۔"

احترامِ انسانیت

اس طرح افرادِ معاشرہ کی ضروریات پوری کرتے تھے اور ایسا کرنے میں احترامِ انسانیت اور شرفِ انسانیت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت اسلمؓ کی روایت ہے کہ ایک دن میں حضرت عمرؓ کے ساتھ بازار گیا، تو وہاں ایک نوجوان عورت آپ سے ملی اور کہنے لگی: "امیر المؤمنین! میرا شوہر مر گیا اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے، ان کے کھانے پینے کے لیے کوئی سامان نہیں۔ میں خفاف بن ایماء الغفاری کی بیٹی ہوں جو حدیبیہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ تھے۔" آپ اس کی باتیں خاموشی سے سُنتے رہے۔ گھر آئے اور ایک تنومند و توانا اونٹ پر سامانِ رسد اور دیگر اشیائے ضروریہ لاد کر اس کے پاس گئے اور کہا کہ بیٹی! اسے ہنکا لے جا، اب تجھے خود آنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تمام ضروری سامان تم تک خود بخود پہنچ جایا کرے گا۔ ایک شخص نے دیکھا تو کہا: امیر المؤمنین! آپ نے اس لڑکی کو بہت زیادہ دے دیا۔ فرمایا کہ تجھے کیا خبر کہ وہ کس باپ کی بیٹی اور کس بھائی کی بہن ہے، یہ میں جانتا ہوں۔

(۷) قحط کے زمانے میں آپ نے رعایا کے کھانے پینے کے جو انتظامات کیے تھے، وہ اپنی مثال آپ ہیں ——— جب بدوی قبائل کے بھُوکے لوگ ہجوم کر کے مدینے آ گئے تھے، تو آپ نے پہلے یہ حکم دیا تھا کہ جس جس گھر میں کچھ وسعت ہے، میں اس گھر کے افراد کی تعداد کے برابر ان محتاجوں کو ان کے خاندانوں کا جزو بنا دوں گا تاکہ جو کچھ اس خاندان کے لیے ایک وقت میں پکتا ہے، اسے یہ سب مل کر کھا لیں۔ اس سے لوگ ہلاکت سے بچ جائیں گے۔"

اس کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ اہلِ مدینہ اور باہر سے آنے والوں کے لیے مشترکہ دسترخوان بچھا دیے گئے اور جو کچھ مدینے میں موجود تھا اور جو کچھ باہر سے آیا، اسے سب نے مل بانٹ کر کھا لیا۔ یہ اس سنّتِ رسول اللہؐ کے اتباع میں تھا جس کی رُو سے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میں اشعری قبیلے والوں میں سے ہوں۔ اسی ارشادِ نبویؐ کی تشریح میں حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے: "اللہ کے نزدیک سب سے بہتر کھانا وہ ہے جسے سب مل کر کھائیں۔"

بات ہم یہ کر رہے تھے کہ قرآنی مملکت میں رزق کی ذمّہ داری افراد کی الگ الگ نہیں ہوتی، بلکہ اجتماعی نظام کی ہوتی ہے۔ مملکت میں جو سامانِ زیست بھی ہو، وہ سب کے لیے مشترک ہوتا ہے۔ اس میں ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کسی دعوت میں گئے تو دیکھا کہ اہلِ خانہ کے ملازم دسترخوان پر موجود نہیں۔ دریافت کرنے پر صاحبِ خانہ نے کہا کہ ہم پہلے کھا لیتے ہیں، وہ بعد میں کھاتے ہیں۔ اس پر آپ نے برافروختہ ہو کر فرمایا: "خدایا! اس قوم کا کیا حشر ہو گا جو اپنے آپ کو اپنے ملازموں پر ترجیح دیتی ہے۔" پھر آپ نے اُن ملازموں کو بلایا اور پہلے انہیں کھلایا اور بعد میں خود کھایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

...ں سے مرجانے والے کا خون بہا

(۸) رزق کے معاملے میں حکومت کی ذمّے داری کے سلسلے میں فاروق اعظمؓ ایسی شدّت برتتے تھے کہ ایک دفعہ ایک بستی کے رہنے والوں نے ایک پیاسے مسافر کو پانی نہ دیا اور وہ پیاس کی وجہ سے مرگیا، تو آپ نے اُس کا خون بہا خود ادا کیا اور پھر اُسے اس بستی والوں سے وصول کیا۔ اسی فاروقی فیصلے کی رُو سے قانون بن گیا کہ اگر کسی بستی میں کوئی شخص بھوک پیاس سے مرجائے، تو اہلِ بستی پر اس کی دیت (خون کی قیمت) لازم آجاتی ہے۔

(ضمناً) امام ابن حزمؒ (وفات ۴۵۶ھ) اندلس کے مشہور محدّث اور فقیہہ تھے۔ انہوں نے ان قوانین کو اپنی کتاب المحلیٰ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ پہلے کہتے ہیں: فقہا کا قول ہے کہ اگر کوئی پیاسا ہے اور اسے موت کا خطرہ لاحق ہوگیا ہے تو اس پر فرض ہوجاتا ہے کہ وہ جہاں کہیں پانی پائے چھین کر پی لے۔ اگرچہ اس کے لیے جنگ ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

امام ابن حزمؒ کے فتاویٰ

اس کے بعد امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں: "پھر اس میں کیا فرق ہے کہ پیاس کی وجہ سے موت سے بچنے کے لیے جنگ کو جائز قرار دیا جائے اور بھوک اور عریانی کے سبب موت سے بچنے کے لیے قتال سے منع کیا جائے، حالانکہ نوعیت دونوں کی ایک جیسی ہے"۔

اسی بنا پر وہ کہتے ہیں "مضطر (یعنی جو بھوک پیاس سے مجبور ہو جائے) کو مقاتلہ کا حق حاصل ہے۔ اس مقاتلہ اور مقابلہ میں اگر وہ مضطر مارا جائے، تو حق روکنے والے پر اس کا خون بہا لازم آجائے گا، لیکن اگر وہ روکنے والا مارا جائے تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔ اس لیے کہ کسی کے حق کو روکنے والا درحقیقت بغاوت کے جُرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے جو مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تھا، تو وہ اسی بنا پر تھا۔"

یہ امام ابن حزمؒ کا فتویٰ ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں مضطر کو مقاتلہ کا حق انفرادی طور پر نہیں دینا چاہیئے، اس سے معاشرے میں فوضویت (انارکی) پھیل جائے گی۔ یہ حق مضطر کی طرف سے حکومت کو حاصل ہونا چاہیئے؛ بہرحال یہ ایک ضمنی گوشہ تھا۔ ہم کہہ یہ رہے تھے کہ جس پیاسے کو اہلِ بستی نے پانی نہیں دیا تھا اور وہ پیاس سے مرگیا تھا، اس کی دیت حضرت عمرؓ نے خود ادا کرکے اسے اہلِ بستی سے وصول کیا تھا۔ یہ تھا رزق کے معاملے میں حکومت کی ذمّے داری کا عملی مفہوم۔

حکومت کے واجبات کس کے ذمّے ہو سکتے ہیں؟

(۹) حضرت عمرؓ کا یہ بھی فیصلہ تھا کہ حکومت کے واجبات کی ادائیگی اس وقت لازم آتی ہے جب متعلقہ شخص حکومت کے رفاہِ عامہ سے مستفید ہوچکا ہو۔ اسی ضمن میں ایک آزاد شدہ غلام (سعید) کا بیان کردہ واقعہ بصیرت افروز ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں اپنی آزادی حاصل ہونے کے بعد حکومت کے واجبات کی رقم جمع کرانے کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس آیا، تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے حکومت کے بیت المال سے کچھ فائدہ بھی اٹھایا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، ابھی تک تو میں نے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اس پر آپ نے فرمایا: "پھر اپنی رقم واپس لے جاؤ، جب تمہیں ہماری طرف سے کچھ مل جائے تو پھر اسے لے کر آنا۔"

(۱۰) یہ تھی مختصراً رزق کے معاملے میں خلافت (اسلامی مملکت) کی ذمّہ داریوں کی ایک ہلکی سی جھلک۔

اللہ کا مال اللہ کے بندوں کے لیے

یہ بھی ظاہر ہے کہ جب حکومت یہ فریضہ اپنی ذمّے داری کے طور پر ادا کرے، تو اس سے وہ رعایا کے سر پر احسان نہیں دھرے گی۔

مثال کے طور پر قحط کے دوران حضرت عمرؓ نے اپنے آپ کو فاقوں سے ادھ مؤا کرلیا اور جب تک اس کا اطمینان نہیں کرلیا کہ ہر بھوکے کو کھانے کے لیے مل گیا ہے، اپنے منہ میں لقمہ تک نہیں ڈالا، اور وہ لقمہ اسی کھانے کا تھا جو ہر ایک نے کھایا تھا۔ جب قحط رفع ہوگیا اور قافلے اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے لگے، تو حضرت عمرؓ انہیں رخصت کرنے کے لیے خود تشریف لے گئے۔ وہ لوگ اپنا سامان لاد رہے تھے اور خوش وخرّم واپس جا رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں مسرّت کے آنسو بھر آئے۔ اہلِ قافلہ میں سے (بنی محارب) کے ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ اہلِ قافلہ کو آپ سے کوئی شکایت نہیں، وہ سب آپ کے ممنونِ احسان اور شکر گزار ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "بھئی، تم نے ایسا کیوں کہا۔ جو کچھ میں نے آپ لوگوں پر خرچ کیا ہے یہ مال میرا یا میرے باپ خطّاب کا نہیں تھا۔ یہ اللہ کا مال تھا (اس لیے میری شکر گزاری کیسی)۔ مال اللہ کا ہوتا ہے اور سربراہِ مملکت کی حیثیت (حضور نبیٔ اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق) قاسم کی ہوتی ہے۔ وہ اسے احکامِ خداوندی کے مطابق تقسیم کرتا ہے (زاد المعاد) اور حضرت عمرؓ کی یہی سب سے بڑی خصوصیت ہے کہ جسے حضرت ابن عباسؓ نے آپ کی وفات کے وقت ان الفاظ میں بیان کیا تھا: "وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرتے اور برابر تقسیم کرتے تھے"۔

ذمّہ داری کا احساس

ا حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ پالان پر سوار تیز تیز جا رہے ہیں۔ میں نے پُوچھا امیر المومنین! کدھر؟ کہنے لگے: مالِ زکوٰۃ کا ایک اُونٹ گُم ہوگیا ہے، اُسے ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔ حضرت علیؓ نے کہا آپ نے کسی اور سے کیوں نہ کہہ دیا کہ وہ اس اونٹ کو تلاش کرلے۔ آپ نے کہا: کہ خدا کی قسم! یہ تو اونٹ ہے اگر بیت المال کی ایک بکری بھی کہیں گُم ہوگئی تو عمرؓ سے اس کی بھی بازپرس ہوگی اور جب بازپرس عمرؓ سے ہوگی تو یہ ڈیوٹی بھی عمرؓ ہی کی ہونی چاہیئے کہ وہ گم گشتہ اُونٹ کو تلاش کرے۔

۲- ایک دن سخت گرمی تھی حضرت عثمانؓ کیا دیکھتے ہیں ایک شخص دو اونٹ ہنکائے چلا آرہا ہے۔ گرمی سے زمین تپ رہی تھی فضا جھلس رہی تھی۔ آپ نے دل میں کہا کہ نہ جانے اس شخص کو کیا مصیبت پیش آئی ہے کہ اس وقت یوں بھاگے پھر رہا ہے؟ قریب آنے پر دیکھا کہ وہ امیر المومنین حضرت عمرؓ ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے پُوچھا کہ اس گھڑی کیا مصیبت آئی تھی۔ فرمایا بیت المال کے دو اونٹ باقی اونٹوں سے پیچھے رہ گئے تھے۔ میں نے کہا انہیں باقی اُونٹوں سے ملا دوں تاکہ کہیں ضائع نہ ہوجائیں، اور اللہ مجھ سے مواخذہ نہ کرے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا آپ اندر تشریف لائیے۔ سایے میں بیٹھیے۔ پانی پیجیے۔ ہم یہ کام کسی دوسرے سے کرائے دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا شکریہ! آپ آرام کیجیے۔ یہ کام میں خود ہی کروں گا۔ یہ کہا اور اونٹوں کو ساتھ لیے آگے بڑھ گئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا "جس شخص نے قوی وامین انسان کو دیکھنا ہو، وہ انہیں دیکھ لے۔"

آیئے اب ہم دیکھیں کہ جس شخص کے احساسِ ذمّہ داری کا یہ عالم تھا، بحیثیت امیر المومنین اس نے اپنی پوزیشن کیا رکھی تھی۔

سربراہِ مملکت کی اپنی پوزیشن

وظیفہ خلافت کی ذمّہ داریاں سنبھالنے کے بعد حسبِ معمول سب سے پہلا سوال خلیفہ کے وظیفہ کا سامنے آیا۔ اُس کے متعلق رفقاء نے مختلف مشورے دیئے لیکن جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا وظیفہ آپ مقرر کیا تھا، اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی اپنے لیے آپ وظیفہ تجویز کیا، اور وہ یہ تھا:

کپڑوں کے دو جوڑے، ایک سردی کا، ایک گرمی کا۔ حج اور عمرہ کے لیے ایک ایک احرام اور میرے اہل وعیال کے لیے فی کس اتنا کھانا جو قریش کے ایک آدمی کی خوراک ہے۔ نہ اس سے زیادہ، نہ اس سے کم۔ اس کے بعد میں مسلمانوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ایک فرد ہوں۔ جوان کا حال سو میرا حال۔

بیت المال میں سے اتنا سا لیتے وقت بھی دل پر جو بوجھ تھا اُس کا اظہار نہایت بلیغ اور مؤثر انداز سے کیا۔ قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ تم یتیموں کے مال کا نہایت دیانتداری سے انتظام کرو، اگر تم ضرورت مند نہیں ہو، تو اس خدمت کے معاوضہ میں کچھ نہ لو، لیکن اگر تم خود صاحبِ احتیاج ہو، تو اس کے عوض قاعدہ اور قانون کے مطابق تھوڑا سا اُجرت لے سکتے ہو (۴/۶)۔ حضرت عمرؓ نے (اپنے وظیفے کے سلسلے میں) فرمایا: "اللہ کا مال میرے لیے یتیم کے مال کی طرح ہے۔ اگر ضرورت نہیں ہوتی، تو اُسے ہاتھ تک نہیں لگاتا اور حاجت مند ہوتا ہوں، تو بقدرِ احتیاج لے لیتا ہوں۔"

بیت المال میں حق

اربابِ تحقیق کا اندازہ ہے کہ حضرت عمرؓ جو کچھ اپنے لیے بیت المال سے لیتے تھے وہ بقدر دو درہم روزانہ کے حساب سے ہوتا تھا اور (علامہ طنطاوی کی تحقیق کی رُو سے) ایک درہم ہماری چوّنی کے برابر ہوتا تھا۔ اس حساب سے حضرت عمرؓ بیت المال سے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے زیادہ سے زیادہ آٹھ آنے یومیہ لیتے تھے، لیکن اس میں گزارہ بڑی تنگی سے ہوتا تھا۔ رفقاء نے اسے محسوس کیا تو کسی کو اس کی جرات نہ ہوئی کہ آپ سے کہتا کہ اس میں اضافہ کر لیجیے۔ انھوں نے مشورہ کر کے آپ کی بیٹی، اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کو اس کے لیے آمادہ کیا۔ وہ باپ کے پاس گئیں اور کہا کہ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مملکت کو کشائش عطا کر دی ہے، آپ بھی اپنے روزینے میں کچھ اضافہ فرما لیجیے تاکہ گزارہ قدرے سہولت سے ہو جائے۔ آپ نے سنا، تو جواب فرمایا:

"بیٹی! تم نے اپنی قوم کا ساتھ دیا لیکن اپنے باپ کے ساتھ خیر خواہی نہ کی۔ جہاں تک تمہارے مشورہ کا تعلق ہے، مَیں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے گھر والوں کا میرے مال اور میری جان پر حق ہے۔ دین اور امانت میں ان کا کوئی حق نہیں۔"

ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو وظیفہ اپنے لیے مقرر کیا تھا اس میں قریش کے ایک عام آدمی کے معیار کے مطابق کھانا اور دو جوڑے (سالانہ) کپڑے تھے۔ اب دیکھئے اس کھانے اور اُن کپڑوں کی کیفیت کیا تھی۔ پہلے کھانے کو لیجیے۔

امیر المومنین کا کھانا

حضرت ساریہؓ کا پیغامبر جب آپ کے پاس آیا ہے، تو آپ اُسے اپنے ساتھ گھر لے آئے اور اُسی کے سامنے اندر سے آپ کا کھانا آ گیا۔ کھانے میں جَو کی روٹی، زیتون کا تیل اور موٹا پسا ہوا نمک تھا۔ اس مہمان نے کہا کہ امیر المومنین آپ گیہوں کے آٹے کی روٹی کیوں نہیں کھاتے؟ آپ نے جواب میں کہا:

"ابن فرقد! سرزمینِ عرب میں اس وقت مجھ سے زیادہ صاحبِ مقدرت کوئی ہے"؟

اس نے جواب میں کہا کوئی نہیں! تو آپ نے فرمایا: اس مقدرت کے باوجود میں جو گیہوں کے بجائے جَو کی روٹی کھاتا ہوں، تو اس کی وجہ عدمِ مقدرت نہیں، کچھ اور ہے۔ تم بتاؤ کیا اس وقت ہماری مملکت میں ہر شخص کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے؟ اس نے کہا مَیں ایسا تو نہیں کہہ سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

عمر کو اس وقت اس کا یقین ہے کہ مملکت میں ہر شخص کو کم از کم جَو کی روٹی میسر آ رہی ہے وہ گیہوں کی روٹی اس دن کھائے گا جس دن اُسے اس کا اطمینان ہو جائے گا کہ ہر شخص کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے۔

یہ تو عام حالات میں کھانے کا معیار اور اصول تھا۔ قحط کے زمانے میں آپ نے اپنے، اور اپنے اہل و عیال پر جو مزید پابندیاں عاید کر لی تھیں، ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ عام حالات میں جب سالن میسر آتا تھا تو وہ ایک ہی ہوتا تھا۔ دسترخوان پر کبھی ایک سے زیادہ سالن نہیں دیکھے گئے۔ "ایک سے زیادہ سالن" کا بھی آپ کے نزدیک معیار عجیب تھا۔ ایک دفعہ کھانے میں گوشت اور دودھ آیا تو آپ نے کہا کہ یہ دو سالن ہیں۔ ان میں سے ایک وقت میں صرف ایک ہی کھایا جائے' اور ان میں سے بھی وہ کھایا جائے گا جس کے متعلق اطمینان ہو کہ وہ عام مسلمانوں کو میسر آ سکتا ہے۔ ایک دفعہ آذر بائیجان کا قاصد آتے وقت آپ کے لیے وہاں کا کچھ حلوہ لیتا آیا۔ آپ نے چکھا تو فرمایا کہ بہت اچھا ہے لیکن ساتھ ہی پوچھا کہ کیا یہ حلوہ وہاں تمام مسلمانوں کو میسر آ جاتا ہے۔ قاصد نے کہا نہیں یہ تو خاصّہ کی چیز ہے۔ یہ سُن کر آپ نے ہاتھ روک لیا اور فرمایا کہ اسے واپس[2] لے جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی عامل کو خط لکھا:

"میاں! اس قسم کا حلوہ کھانا نہ تمہارے بس کی بات تھی نہ تمہاری ماں کے۔ وہی کچھ کھاؤ اور مسلمانوں کو کھلاؤ جو کچھ ہم اپنے گھروں میں کھاتے ہیں۔"

اس قسم کی پُرتکلف چیزوں کے استعمال سے اجتناب کیوں برتا جاتا تھا، اس کے لیے آپ نے ایک دفعہ جو دلیل دی تھی وہ دیدۂ بصیرت کے لیے وجہِ صد فروغ ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا ہے کہ ایک دن میں حضرت عمرؓ کے ہاں گیا، تو میرے ہاتھ میں تازہ گوشت کا ٹکڑا تھا۔ آپ نے کہا جابر یہ کیا؟ مَیں نے عرض کیا "گوشت کھانے کو جی چاہا تھا خرید لایا"۔ فرمایا:

"کیا صورت یہ ہوئی کہ جس چیز کو جب بھی جی چاہا اُسے خرید لیا؟ کیا تو اس ارشادِ خداوندی سے نہیں ڈرتا جس میں کہا گیا ہے کہ جب کفار کو جہنّم کے کنارے لایا جائے گا تو وہ خدا سے عرض کریں گے کہ کیا اس زندگی کی خوشگواریوں میں ہمارا کوئی بھی حصّہ نہیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا۔ (۴۶/۲۰) تم اپنے حصّے کی خوشگوار چیزیں دنیاوی زندگی میں لے کر ختم کر چکے ہو۔"

جب کھانا سامنے آیا تو وہ قدرے پُرتکلف تھا۔ فرمایا:

یہ تو ہمارے لیے ہُوا۔ اُن محتاجوں کے لیے کیا ہے جو بھوکے مر رہے ہیں اور جنھیں نانِ جویں تک میسر نہیں

حضرت خالد بن ولید نے کہا: ان کے لیے جنّت ہے۔ یہ سُن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور فرمایا کہ خالد! اگر ہماری قسمت میں یہ ہے اور ان کے مقدر میں جنت، تو پھر سوچو یہ فرق کتنا بڑا ہوا؟

واضح رہے حضرت عمرؓ اپنے آپ کو ان آسائشوں سے اس لیے محروم نہیں رکھتے تھے کہ آپ (اہلِ تصوف کی طرح) زہد و تورّع کی فقیرانہ زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ قطعاً نہیں۔ اس قسم کی زندگی بسر کرنے والوں کو آپ سختی سے ڈانٹتے تھے — اس کی وجہ یہ تھی، جسے آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا:

"اگر مجھ پر وہ کچھ نہ گزرے جو عوام پر گزرتی ہے تو مجھے ان کی تکلیفوں اور پریشانیوں کا احساس کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جب مجھے ان کا احساس ہی نہیں ہو گا تو مَیں انھیں رفع کرنے کی فکر کیسے کر سکوں گا۔ دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا: اگر میں پیٹ بھر کر کھڑا ہو جاؤں اور دوسرے انسان بھوکے ہوں، تو اس کے ایک ہی معنی ہیں کہ مَیں لوگوں کا اچھا والی نہیں ہوں۔"

---

[1] ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ عتبہ بن فرقد کے ساتھ پیش آیا تھا جو کوفہ کے عامل تھے۔
[2] ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اُسے شہداء کے بچوں میں تقسیم کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر المومنین کا لباس

کھانے کے بعد لباس کی طرف آئیے۔ یعنی سردی اور گرمی کے لیے ایک ایک جوڑے کی طرف۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں نے عمر ابن الخطابؓ کو دیکھا۔ آپ کے ازار میں اکیس پیوند چمڑے کے اور ایک پیوند کپڑے کا تھا۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے: "میں نے حضرت عمرؓ کی قمیص میں، ان کے مونڈھوں کے درمیان چار پیوند دیکھے"۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے "میں ایک دن حضرت عمرؓ سے ملنے کے لیے گیا۔ آپ گدھے پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ گدھے کے گلے میں سیاہ رسّی بندھی تھی اور حضرت عمرؓ ایک قمیص اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ تہبند کا یہ عالم تھا کہ وہ پنڈلیوں سے اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔ میں اُسے ایک طرف سے ٹھیک کرتا تو دوسری طرف سے اوپر چڑھ جاتا۔ یہ دیکھ کر آپ مسکرائے اور کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ تمہاری بات نہیں مانے گا۔ اتنے میں ہم ایک باغ میں داخل ہو گئے تو آپ نے تہبند میری طرف پھینکتے ہوئے فرمایا کہ ذرا ہاتھ بٹاؤ اور اسے دھو ڈالو۔ یہ کہہ کر قمیص خود دھونے لگ گئے۔

کبھی کبھی آپ وقتِ مقررہ پر گھر سے باہر نہیں آتے تھے۔ اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کے ذمے دار میرے کپڑے ہیں۔ ایک ہی جوڑا ہے۔ اسے دھو کر ڈال دیتا ہوں تو یہ سوکھنے میں دیر لگا دیتا ہے۔

حج کا خرچ

حج کے اجتماع میں شرکت امیر المومنین (اور دیگر عمالِ حکومت) کی "سرکاری ڈیوٹی" تھی۔ ظاہر ہے اس کے اخراجات حکومت کو برداشت کرنے ہوتے تھے۔ صدرِ مملکت کس "شان و شوکت" سے یہ سفر کرتے تھے، اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہؓ کی اس روایت سے لگ سکتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: "میں ایک دفعہ حج کے سفر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا۔ آپ کے لیے نہ کہیں خیمہ لگایا گیا نہ سائبان۔ نہ کوئی ایسی عمارت تھی جس میں آپ آرام کر سکتے۔ جہاں قیام کرنا ہوتا، ایک چادر کسی درخت پر ڈال دیتے اور اس کے سائے میں ہم سب آرام کر لیتے"۔

حضرت یسارؓ بن نمیر کی روایت ہے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اس مرتبہ حج پر کُل کیا خرچ آیا۔ میں نے کہا پندرہ دینار (دوسری روایت میں دو سو اسّی درہم کہا گیا ہے) اس پر آپ نے فرمایا: "ہم نے بیت المال کا بہت سا روپیہ اُڑا دیا"۔

مکان، امیر المومنین کا وہی تھا جس میں زمانہ خلافت سے پہلے رہا کرتے تھے۔ جب ایوانِ حکومت وہی مسجد تھی تو ایوانِ صدر جداگانہ کیوں ہوتا؟ حضرت عمرو بن عاصؓ نے آپ کو اطلاع دی کہ انھوں نے صدرِ مملکت کے لیے مصر میں ایک مکان بنوایا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انھیں جواب دیا: "بھائی ذرا سوچو! حجاز میں رہنے والے کا مکان مصر میں کیسے ہو سکتا ہے۔ اس مکان کو رفاہِ عامہ کے لیے کھلا رہنے دو"۔

مکانات کے متعلق عام لوگوں کے لیے بھی آپ کی ہدایت یہی تھی کہ وہ نہایت سادہ سے ہونے چاہئیں۔ جب کوفہ کی چھاؤنی تعمیر ہوئی، تو وہاں پہلے بانس کے مکانات بنائے گئے۔ ایک دفعہ ان مکانوں میں آگ لگ گئی تو وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے اس پر آپ نے اجازت دے دی کہ ان کی جگہ مکانات پختہ بنا لیے جائیں، لیکن ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی کہ کوئی شخص نہ تین کمروں سے بڑا مکان بنائے، نہ زیادہ اونچا۔

بہرحال، یہ تھی امیر المومنین کی زندگی۔ ایک دفعہ قیصرِ روم نے ایک قاصد مدینہ بھیجا کہ وہ حالات کا جائزہ لے۔ اس نے مدینہ پہنچ کر لوگوں سے پوچھا کہ آپ کا بادشاہ کہاں ہے؟ انھوں نے کہا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں۔ ایک امیر ہے جو مدینے سے باہر کہیں گیا ہے۔ وہ آپ کی تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ آپ اپنے چُغّے کو سر کے نیچے رکھے کھردرے فرش پر دھوپ میں سو رہے ہیں اور آپ کا پسینہ پیشانی سے ٹپک کر زمین کو تر کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا اور بیساختہ کہنے لگا: "عمرؓ! تو لوگوں سے عدل کرتا ہے، اس لیے اس طرح بے خوف سوتا ہے۔ ہمارا بادشاہ ظلم کرتا ہے، اس لیے وہ بیدار اور خوف زدہ رہتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں، تیرا دین برحق ہے۔ اگر میں قاصد کی حیثیت سے نہ آیا ہوتا تو اسی وقت اسلام قبول کر لیتا۔ اب جا کر واپس آؤں گا، تو اسلام قبول کر لوں گا"۔

یہ تھا اندازِ زیست اس امیر المومنین کا جس کی مملکت بائیس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کی زندگی کا ایسا انداز کیوں تھا؟ اس لیے کہ جس معلم (علیہ التحیۃ والسّلام) سے اس رضؓ نے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، اُسؐ کا ارشاد تھا "سربراہِ مملکت کی حیثیت محض ایک خزانچی (قاسم) کی ہوتی ہے۔ اس کے پاس ڈھیروں مال جمع رہتا ہے لیکن سب اس لیے کہ جہاں تقسیم کرنے کا اُسے حکم دیا جائے، وہاں تقسیم کر دے"۔
(زاد المعاد۔ جلد ۲)

اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہماری اور قوم کی مثال ایسی ہے، جیسے کچھ لوگ سفر کے لیے نکلے، تو انھوں نے اپنا اپنا سرمایہ کسی ایک شخص کے سپرد کر دیا کہ وہ اس سے مشترکہ طور پر سفر کے اخراجات پورے کرتا جائے۔ کہا، کیا اس صورت میں اُس شخص کے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک کرے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا بس یہی کیفیت قوم اور اس کے سربراہ کی ہے۔

اس باب میں آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ آپ بیت المال سے قرض تک لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

یہ تھی امیر المومنین کی زندگی۔ ہم نے اسلام کے معاشی نظام کے سلسلے میں، خود سربراہِ مملکت کی زندگی کو پیش کرنا اس لیے ضروری سمجھا ہے کہ اس نظام کو وہی شخص متشکل کر سکتا ہے، جو اپنی زندگی اس قسم کی رکھے، اور اس حقیقت پر ایمان رکھے کہ،

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب — خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

آمدنی اور اس کی تقسیم

صحاح کی مشہور حدیث ہے، حضورؐ نے فرمایا: قیامت میں جن امور کے متعلق خصوصیت سے باز پُرس ہو گی، اُن میں ایک اہم معاملہ یہ بھی ہو گا کہ مال کے متعلق پُوچھا جائے گا۔

کہاں سے لیا، کہاں خرچ کیا؟

یعنی یہی نہیں کہ مال خرچ کرنے کے متعلق ہی باز پُرس ہو گی، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی پُوچھا جائے گا کہ تم نے وہ مال حاصل کس طریق سے کیا تھا۔ سو جب یہ باز پُرس ایک ایک فرد سے ہو گی تو حکومت سے اس کا مؤاخذہ بدرجۂ اولیٰ ہو گا۔ اسلامی حکومت اس امر کی جوابدہ ہوتی ہے کہ "اُس نے کہاں سے لیا اور کیسے خرچ کیا"؟

جغرافیائی پوزیشن اور آب و ہوا کے لحاظ سے ملکِ عرب کی جو حالت تھی، اس کی وجہ سے اس کے ذرائع پیداوار نہایت محدود تھے۔ ملک کا بیشتر حصہ ریگستان تھا۔ اس میں جہاں جہاں نخلستان تھے، وہاں گھاس، چارہ ہو جاتا تھا اور اس سے قبائل بھیڑ بکریاں پال لیتے تھے۔ یہی اُن کا مال تھا۔ اُسی مال کی لڑائیوں میں لُوٹ پڑتی تھی —— بلکہ یوں کہیے کہ اکثر و بیشتر اسی مال کی خاطر لڑائیاں ہوتی تھیں —— عربی زبان میں بھیڑ بکریوں کو غنم کہتے ہیں۔ اسی لیے جنگ میں لُوٹ کے مال کو غنیمت کہا جاتا تھا۔

مالِ غنیمت

اُن کے ہاں آمدنی کا بیشتر حصہ مالِ غنیمت پر مشتمل ہوتا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ جنگ میں جو شخص اپنے غنیم کو قتل کر دے، اس کا مال و اسباب اس (قاتل) کو بطورِ غنیمت مل جاتا تھا۔ قرآن کریم نے سب سے پہلے اس میں اصلاح کی اور کہا کہ سب سے پہلے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جنگ، مالِ غنیمت کے لیے نہیں کی جائے گی، بلکہ اس لیے کی جائے گی کہ خدا کا نظامِ عدل و انصاف غالب رہے (لکلمۃ اللّٰہ العلیا)۔ اس ایک اصلاح سے جنگ کا جذبۂ محرکہ یکسر بدل گیا۔ اب رہا مالِ غنیمت، سو اس کے متعلق فرمایا اسے انفرادی طور پر لوٹا نہیں جائے گا بلکہ اجتماعی طور پر حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے گا جو اسے انفرادی اور اجتماعی ضروریات کے مطابق تقسیم کرے گی۔ سورۂ انفال میں ہے: یاد رکھو! جو کچھ تمہیں بطورِ مالِ غنیمت حاصل ہو، اس کا پانچواں حصّہ اللّٰہ اور رسولؐ کے لیے اور ذی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل کے لیے ہے۔ (۸/۴۱)

یہ اس مالِ غنیمت کے متعلق ہے جو حریف سے جنگ کرنے کے بعد حاصل ہو، لیکن اگر دشمن بغیر جنگ کیے بھاگ جائے اور کچھ مال اسباب پیچھے چھوڑ جائے (جسے اصطلاح میں مالِ فے کہا جاتا ہے) تو اس کے متعلق کہا کہ وہ سب کا سب حکومت کی تحویل میں چلا جائے گا۔ (۵۹/۶)

مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ (خمس) یا مالِ فے، جو حکومت کی تحویل میں جائے گا، وہ سربراہِ مملکت کی ذاتی ملکیت قرار نہیں پائے گا۔ سربراہِ مملکت کو تو دیگر افرادِ معاشرہ کی طرح، کفاف (روزینہ) ملے گا جس سے اُس کی اور اُس کے اہل و عیال کی ضروریات پوری ہوں۔ یہ مال، مملکت کی اجتماعی ضروریات پوری کرنے اور رفاہِ عامہ کے لیے خرچ کیا جائے گا؛ چنانچہ حضور نبی اکرمؐ نے یہ فرما کر اس کی تشریح کر دی "تمہارے مالِ غنیمت میں سے میرے لیے پانچواں حصّہ ہے، اور یہ حصّہ بھی تم ہی لوگوں کو واپس دے دیا جاتا ہے۔"
(بخاری و مسلم)

اب رہا وہ مال جو لوگوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس کے متعلق قرآن کریم نے دو بنیادی اصول بیان کر دیے۔ ایک یہ کہ جو کچھ رسول تمہیں دے دے (بطیبِ خاطر) قبول کر لو۔ جو نہ دے اس سے رُکے رہو۔ (۵۹/۷)
یعنی اس تقسیم کا اختیار حکومت کو حاصل ہے۔ ہر ایک کو اس کا فیصلہ بطیبِ خاطر قبول کر لینا چاہیئے اور دوسرا اصول خود حکومت کے لیے کہ "ایسا نہ ہو کہ یہ مال تم میں سے دولت مندوں کے طبقہ ہی میں گردش کرتا رہے"۔ (۵۹/۷)
یعنی تقسیم ایسی نہ ہو کہ یہ مال اوپر کے طبقے ہی میں گردش کرتا رہے۔ اسے تمام معاشرہ میں اس طرح گردش کرتے رہنا چاہیئے جس طرح انسانی جسم میں خون رواں دواں رہتا ہے کہ ہر عضو کو ضرورت کے مطابق سامانِ نشو و نما ملتا رہتا ہے۔ اس اصول پر نبی اکرمؐ نے جس طریق سے عمل فرمایا، جب نگہِ بصیرت اس پر غور کرتی ہے تو انسان وجد میں آ جاتا ہے۔

اراضیات کا بندوبست

خالقِ کائنات نے انسان کو پیدا کیا تو جن چیزوں پر اس کی زندگی اور پرورش کا دار و مدار تھا انہیں بھی ساتھ ہی مہیا کر دیا۔ "ساتھ ہی" نہیں، بلکہ یوں کہیئے کہ انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ـــــ پانی، ہوا، روشنی، حرارت، سب، انسان کی پیدائش سے بھی پہلے، دنیا میں بکھرے ہوئے تھے اور خدا کی طرف سے بلامعاوضہ بطور موہبت عطا ہوئے تھے، لیکن ان کے ساتھ، انسان کو خوراک کی بھی ضرورت تھی، اس کے خزانے زمین (ارض) میں مدفون تھے، اور زمین بھی خدا کی طرف سے بلامزد و معاوضہ عطا ہوئی تھی۔ شروع شروع میں دنیا میں انسانوں کی آبادی بہت کم تھی اور زمین کی قدرتی پیداوار اس کثرت سے تھی کہ کسی کے دل میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھے بھوک لگی تو میں کھاؤں گا کہاں سے۔ قرآن کریم نے انسانوں کی اس اوّلین زندگی کو "جنتِ ارضی" کہہ کر پکارا ہے جس میں کیفیت یہ تھی کہ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ (۲/۳۵) جہاں کسی کو بھوک لگے اسے پیٹ بھر کر کھانے کو مل جاتا تھا۔ ذرا آگے بڑھے تو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ زمین کو کھود کر (بذریعہ کاشت) اس کے اندر سے غذا برآمد کی جائے۔ اس سے انسانوں کی زرعی معیشت کا دور شروع ہوا۔ زمین کھلی پڑی تھی۔ ہر شخص، یا ہر خاندان اور قبیلہ، اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اسے کاشت کر کے خوراک حاصل کر لیتا تھا۔

کہا جاتا ہے انسانی تاریخ میں وہ دن سب سے منحوس تھا جب کسی غلام نے اپنے آقا کو اتنا کما کر لا دیا جو اس سے زیادہ تھا، جتنا وہ آقا اس غلام پر صرف کرتا تھا۔ اس سے ایک انسان دوسرے انسان کے لیے آمدنی کا ذریعہ بن گیا۔ اسی سے نظامِ سرمایہ داری کی پہلی اینٹ رکھی گئی۔ وہ صنعتی دَور نہیں تھا کہ غلاموں کے مالک ان سے کچھ چیزیں بنوا کر، اپنے لیے آمدنی حاصل کرتے، وہ زرعی معیشت کا دَور تھا اس لیے وہ اپنے غلاموں سے زمین ہی کاشت کرا سکتے تھے۔ اس مقصد کے لیے صاحبِ اقتدار لوگوں نے زمین پر لکیریں کھینچ کر "میری زمین اور تیری زمین" کا انسانیت کش تصور وضع کیا۔ اس سے "خدا کی زمین، خدا کے بندوں کے لیے عام" نہ رہی۔ انسانوں کی ملکیت بن گئی۔ قرآن نے اس انسانیت سوز تصور کا نہایت سختی سے ابطال کیا اور زمین (یعنی سرچشمۂ رزق) پر ذاتی ملکیت کو انسانیت کے خلاف سنگین جُرم قرار دیا۔

قرآن کریم نے جو اصول دیا کہ زمین پر انفرادی ملکیت نہیں ہو سکتی، اسے مملکت کی تحویل میں رہنا چاہیئے تا کہ وہ اس کا انتظام اس طریق سے کرے جس سے تمام افرادِ معاشرہ کو سامانِ زیست مہیا ہوتا رہے، اسے اسلامی مملکت نے عمل میں لانا تھا، لیکن انسانی معاشرہ میں اس قسم کی بنیادی تبدیلی شباشب نہیں لائی جا سکتی۔ اسے حالات کے تقاضے کے مطابق، بتدریج عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق حضور نبی اکرمؐ نے اس انقلاب کی ابتداء فرمائی۔ مکہ تو وادی غیر ذی زرع ـ (بے برگ و گیاہ زمین) تھی اس لیے وہاں زرعی اصلاحات کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ویسے بھی وہاں اسلامی مملکت کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ مدینہ میں انصار کے پاس زرعی زمین کے چھوٹے چھوٹے قطعات تھے، جن میں وہ کاشت کرتے تھے۔ اسی لیے اس انقلاب کی ابتداء وہاں سے ہوئی۔ اس سلسلے میں حضورؐ نے اصولی طور پر اعلان فرمایا کہ زمین بھی اللّٰہ کی ہے اور انسان بھی اللّٰہ کے بندے ہیں، اس لیے اللّٰہ کی زمین اللّٰہ کے بندوں کے لیے رہنی چاہیئے۔
(ابوداؤد)

چونکہ زیرِ نظر تحریر کا اساسی موضوع عہدِ فاروقی سے متعلق ہے اس لیے ہم اس مقام پر ان اصلاحات کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، جنہیں حضور نبی اکرمؐ نے آہستہ آہستہ نافذ فرمایا۔ مختصراً یہ سمجھ لیجئے کہ حضورؐ نے اس طریق کی ممانعت فرما دی جس کی رُو سے ایک شخص زمین کا مالک قرار پاتا تھا اور دوسرا شخص اس کی زمین میں کاشت کرتا تھا اور اس کے عوض مالکِ اراضی اس مزارع سے یا زمین کی پیداوار میں سے ایک حصّہ (بٹائی) لے لیتا تھا یا نقد کرایہ (پٹہ)۔ اسے اصطلاح میں مزارعت کہتے ہیں، جو ہمارے ہاں عام ہے (بلکہ یوں کہیئے کہ مسلمانوں میں صدیوں سے مسلسل چلا آ رہا ہے)۔ حضورؐ نے اصولاً یہ فیصلہ صادر فرمایا "جس شخص کے پاس زمین ہو، وہ اس میں خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو مفت دے دے۔"
(مسلم۔ ابوداؤد وغیرہ)

اس فیصلہ کی عملی تنفیذ کے سلسلے میں کتبِ احادیث میں متعدد روایات ملتی ہیں، مثلاً حضرت ابنِ ابی نعیمؓ کی روایت ہے:
رافع بن خدیجؓ نے ایک زمین پر کاشت کی۔ وہ اسے پانی دے رہے تھے کہ حضورؐ کا گزر اُدھر سے ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا: زمین کس کی ہے اور کھیتی کس کی۔ رافعؓ نے کہا کہ یہ کھیتی میرے بیج اور میری محنت کا نتیجہ ہے۔ اس کا ایک حصّہ میرا ہوگا اور ایک حصّہ فلاں خاندان کا جس کی یہ زمین ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم دونوں سُودی کاروبار کر رہے ہو۔ زمین، صاحبِ زمین کو واپس کر دو اور اپنا خرچہ اس سے وصول کر لو۔ (ابوداؤد)

حضورؐ کے اس فیصلے کی تشریح میں نسائی میں یہ تصریح آئی ہے:
رسول اللّٰہؐ سے سوال کیا گیا کہ کیا زمین کا مالک کاشتکار سے تھوڑا بہت اناج بھی نہیں لے سکتا۔ فرمایا، نہیں۔ پھر سوال کیا گیا، اچھا غلہ نہ سہی بھوسہ تو لے سکتا ہے۔ فرمایا بالکل نہیں۔

جس انقلاب کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی، وہ عہدِ فاروقی میں کئی منزلیں آگے بڑھ کر وہاں پہنچ گیا تھا جہاں اراضیات کو مملکت اپنی تحویل میں لے لیتی ہے۔ یہ سوال اس وقت زیرِ غور آیا جب شام اور عراق کا علاقہ فتح ہوا۔ عراق میں دجلہ اور فرات کی وادیاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح معنوں میں زرخیز (سونا اگلنے والی) تھیں۔ اس قسم کی اس قدر وسیع اراضیات جب مفتوحہ قرار پائیں تو اُن کی تقسیم کا سوال سامنے آیا۔ اس سے پیشتر مفتوحہ زمینوں کو مالِ غنیمت قرار دیا جاتا تھا۔ اس لیے وہ سپاہیوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔

شام و عراق کی اراضیات کا مسئلہ

حضرت عمرؓ ان اراضیات کو بھی حسبِ دستورِ سابق، سپاہیوں میں تقسیم کر دینا چاہتے تو اس کے لیے کسی غور و فکر اور بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اُن کا خیال اس سے مختلف تھا اس لیے انھوں نے ضرورت سمجھی کہ اسے مجلسِ مشاورت میں پیش کیا جائے، چونکہ یہ سوال بڑا اہم ہے —— اس حیثیت سے بھی کہ اس میں اس طریقے کے خلاف فیصلہ کیا گیا جو عہدِ رسالت مآبؐ اور دورِ صدیقی رضؓ میں نافذ العمل تھا اور اس جہت سے بھی کہ معاشیات کے سلسلے میں یہ ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ اس کے متعلق جو بحث ہوئی تھی، اُسے پوری تفصیل کے ساتھ درج کر دیا جائے حضرت عمرؓ نے جب "غیر رسمی طور پر" صحابہؓ کے سامنے اپنی رائے کا اظہار فرمایا تو آپ نے دیکھا کہ جہاں اکثر صحابہؓ آپ سے متفق تھے، بعض کو اس سے اختلاف بھی تھا۔ ان (موخر الذکر) میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ جیسے حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے مجلسِ مشاورت کے سامنے اپنی تقریر میں فرمایا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں زمین کو آپ لوگوں میں تقسیم کر دوں اور بعد کے لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ اس میں اُن کا کچھ حصہ نہ رہے۔ کیا آپ لوگوں کا مقصد ہے کہ اس کی آمدنی ایک طبقے میں سمٹ کر رہ جائے اور نسلاً بعد نسلاً اسی طبقے میں منتقل ہوتی رہے، اگر میں نے ایسا کر دیا تو سرحدوں کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی؟ بیواؤں اور حاجت مندوں کی کفالت کہاں سے ہوگی؟ مجھے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بعض لوگ پانی کے بارے میں بھی فساد کرنے لگیں گے۔"

اس کی تائید میں حضرت علیؓ نے تقریر کی جس میں فرمایا:

"میری رائے ہے کاشتکاروں اور اراضی کو جوں کا توں رہنے دیجئے تاکہ یہ (اراضیات) سب لوگوں کے لیے یکساں معاشی قوت کا ذریعہ ہوں۔ فوجوں میں زمین تقسیم کرنے سے یہ انہی میں سمٹ کر رہ جائے گی۔"

حضرت معاذؓ نے فرمایا:-

"اگر آپ نے زمینیں تقسیم کر دیں تو زرخیز زمینوں کے بڑے بڑے ٹکڑے فوج میں بٹ جائیں گے۔ پھر ان کے مرنے کے بعد کسی کی وارث کوئی عورت ہوگی اور کسی کا وارث کوئی اکیلا مرد۔ اس کے علاوہ سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کے لیے حکومت کے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ اس لیے آپ کو وہ کام کرنا چاہیئے جس میں آج کے لوگوں کے لیے بھی فائدہ اور سہولت ہو اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی۔"

اس تجویز کی مخالفت میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ نے جو تقاریر فرمائیں ان کا ملخص یہ تھا:

"جو مال اللہ نے ہمیں غلبے سے عطا فرمایا ہے، وہ ہم لوگوں میں تقسیم ہونا چاہیئے اسی طرح جس طرح رسول اللہؐ نے خیبر تقسیم کر دیا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ جو لوگ اس وقت موجود نہیں، ان کے بیٹوں اور پوتوں کے خیال سے ہماری حق تلفی کی جائے۔ ہم اپنی اولاد کے لیے ہیں اور بعد والے اپنی اولاد کے لیے۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امیر المومنین کو مخاطب کر کے، متعین طور پر پوچھا "کیا یہ اراضی اور ان کے غیر مسلم ممالک، اللہ نے ہمیں فتح

لہ خیبر کی اراضی کے معاملہ میں بھی تاریخ میں بڑا الجھاؤ ہے، لیکن چونکہ اس کا تعلق عہدِ فاروقی سے نہیں، اس لیے ہم اسے زیرِ بحث نہیں لانا چاہتے۔

کے نتیجے میں نہیں دیے۔

اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"اے عبدالرحمٰن! بات وہی ہے جو آپ فرماتے ہیں لیکن میں ان اراضیات کی تقسیم کے حق میں نہیں، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اب میرے بعد، کوئی ایسا ملک فتح نہیں ہوگا جس سے مسلمانوں کو اتنا نفع حاصل ہو جتنا اب تک ہو چکا ہے، بلکہ (یہ بھی ممکن ہے کہ) آئندہ فتح ہونے والے علاقے مسلمانوں پر بار ثابت ہوں۔ سو اگر شام اور عراق کی اراضیات موجود مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں تو آئندہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مال کہاں سے آئے گا اور آج کے بعد فتح ہونے والے علاقوں کے یتیموں اور بیواؤں کی کفایت کیونکر کی جا سکے گی!

لیکن یہ حضرات اس پر بھی حضرت عمرؓ کی تجویز سے متفق نہ ہوئے۔ لہٰذا طے پایا کہ اس مسئلے پر مجلسِ مشاورت کی آئندہ نشست میں غور کیا جائے۔ اس مجلس کی دوسری نشست میں انصار کے قبیلہ اوس و خزرج کے ممتاز عمائد کو بھی دعوتِ شرکت دی گئی کیونکہ وہ اراضیات کے معاملے میں مہاجرین کے مقابلہ میں بہتر تجربہ رکھتے تھے۔ اس نشست کا افتتاح کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"میں نے آپ حضرات کو اس لیے دعوت دی ہے کہ جس بارِ امامت کو آپ نے میرے سر پر رکھا ہے، اس کی ادائیگی میں آپ میری اعانت فرمائیں۔ اس وقت مجلس میں میری حیثیت خلیفہ کی نہیں، بلکہ آپ میں سے ایک فرد کی ہے۔ اس لیے آپ میں سے ہر شخص کو اپنی رائے آزادی سے پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔ میں نے جو تجویز پیش کی تھی، اس میں بعض حضرات نے میری مدافعت کی تھی اور بعض نے مخالفت۔ مجھے نہ اس پر ملال ہے کہ اس باب میں کس نے میری مخالفت کی ہے، اس پر فخر کہ کس نے میری مدافعت کی۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حضرات میری مرضی کا اتباع کریں اور جسے آپ حق سمجھتے ہیں اُسے میری خاطر چھوڑ دیں۔ میں آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں، جسے میں حق سمجھتا ہوں۔ لیکن حق کا معیار نہ آپ کی رائے ہے نہ میری۔ حق کا معیار خدا کی کتاب ہے اور یہ کتاب جس طرح میرے پاس موجود ہے، اسی طرح آپ کے پاس موجود ہے، یہی ناطق بالحق ہے۔ آپ اسے سامنے رکھ کر جواب دیں کہ اس باب میں اس کا فیصلہ کیا ہے اس پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہوگا۔"

آپ نے یہاں تک فرمایا تھا کہ آوازیں آنے لگیں "اے امیر المومنین! ہمیں تسلیم ہے کہ جو آپ کرنا چاہتے ہیں وہی مناسب ہے"

حضرت عمرؓ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"آپ نے میرے ان دوستوں کی آوازیں سُنی ہوں گی، جو اس باب میں میری مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ میں شاید ان کی حق تلفی کرنا چاہتا ہوں، حالانکہ میرے نزدیک کسی فرد کی بھی حق تلفی کرنا جائز نہیں۔ خدا شاہد ہے کہ میں نے آج تک کسی شخص کے جائز حق پر تصرف کر کے اس پر ظلم نہیں کیا۔ یہ حضرات خود گواہ ہیں کہ مالِ منقولہ میں نے فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ حتیٰ کہ خمس بھی اُس کے مناسب موقع پر صرف کر دیا۔ اب سوال زمین کا ہے۔ اس بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ اسے تقسیم نہ کیا جائے (اسے مملکت کی تحویل میں رہنے دیا جائے۔ اس کے انتظام کے متعلق میں نے سوچا ہے کہ) اسے موجودہ کاشتکاروں کے پاس رہنے دیا جائے اور ان سے خراج وصول کر لیا جایا کرے، تاکہ یہ آمدنی اجتماعی مفاد کے کام میں لائی جا سکے اور اس کے ذریعے فوج کے اخراجات نیز موجودہ اور بعد میں آنے والی نسلوں کی پرورش کا سامان مہیا کیا جائے۔ آپ حضرات غور کیجیے! کیا یہ ممالک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے؟ آخر جزیرہ، بصرہ، کوفہ، عراق، شام اور مصر وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں میں فوجیوں کی چھاؤنیاں نہیں بنانی پڑیں گی؟ آخر ان کا خرچ کہاں سے پورا کیا جائے گا؟"

اس مقام پر دو قسم کی روایات سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے سورۂ حشر کی ان آیات سے، جن کا ذکر اب کیا جائے گا، اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجمع میں استدلال فرمایا تھا جس پر تمام حضرات متفق ہو گئے، اور بعض روایات میں ہے کہ یہاں بھی اختلاف ہوا تو آپ نے مزید غور و فکر کے لیے تین دن کی مہلت طلب کی اور اس دوران میں قرآن مجید پر گہری سوچ میں ڈوبے رہے۔ تیسرے دن جب مجلس کا انعقاد ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کتاب اللہ پر مزید غور و فکر کیا تو بلله الحمد مجھے اس سے اپنی تجویز کے حق میں راہ نمائی مل گئی ہے۔ اس کے بعد آپؓ نے سورہ حشر کی آیات (۵۹/۱۰) تلاوت فرمائیں ——— اور کہا کہ دیکھیے، ان میں مالِ فے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس میں:

(۱) مہاجرین کا حق ہے ——— مہاجرین میں، جنگ میں شرکت کرنے والوں اور شرکت نہ کرنے والوں میں کوئی تخصیص و تمیز نہیں کی گئی۔ صرف احتیاج (ضرورت مندی) کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

(۲) انصار کا حق ہے۔ اور ان میں بھی مندرجہ بالا تفریق نہیں کی گئی۔

ان دونوں کے بعد کہا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ (۵۹/۱۰)

اور ان لوگوں کا بھی حق، جو ان کے بعد آئیں۔

روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے اس قرآنی استدلال کو سن کر صحابہؓ کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اور وہ (مخالفین و موافقین سب) جوشِ مسرت سے بیک زبان پکار اٹھے:

"آپ کی رائے بالکل درست ہے۔ ہم سب آپ سے متفق ہیں۔"

اس طرح اس مشکل ترین، اور اہم ترین معاملہ کا فیصلہ نہایت خوش اسلوبی سے طے پا گیا۔

مستنبط نتائج

آگے بڑھنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے جو اہم اصولی نتائج مستنبط ہوتے ہیں ان پر غور کر لیا جائے۔ ان تاریخی واقعات کو سامنے لانے کا حقیقی مقصد ہی یہ ہے۔ وہ اصولی نتائج یہ ہیں کہ:

(۱) اسلامی نظامِ مملکت کی رو سے، قرآن کریم کے عطا کردہ اصول تو ابدی طور پر غیر متبدل رہتے ہیں، لیکن ان اصولوں کی جزئیات اور ان پر عمل کرنے کے طریق حالات کے مطابق بدلے جا سکتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں عہدِ فاروقی کی اسلامی حکومت نے اس اہم مسئلے میں جو فیصلہ کیا وہ اس سے مختلف تھا جس پر عہدِ رسالتمآب اور دورِ صدیقی میں عمل ہوتا رہا۔ اس فیصلے کے متعلق صحابہؓ میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا کہ ایسا کرنا خلافِ سنت ہے اور اسے صحیح سمجھنا انکارِ رسالت ہے۔ تاریخ میں اس قسم کی متعدد مثالیں مذکور ہیں جن کی رو سے حضرت عمرؓ نے اپنے سے پہلی حکومتوں کے فیصلوں میں تبدیلی کر دی، اور بعض امور میں نئے فیصلے بھی دیئے۔ یہی طریق آج کی "اسلامی حکومت" بھی اختیار کرے گی۔ جو جب اور جہاں بھی قائم ہو گی۔ یعنی وہ قرآنی اصولوں کی جزئیات کی تعیین میں صاحبِ اختیار ہو گی کہ اپنے زمانے اور حالات کے مطابق جس قسم کا جزئی قاعدہ چاہے، مرتب اور نافذ کر دے۔

(۲) اس قسم کا فیصلہ کرنے کا حق کسی فرد کو حاصل نہیں ہوتا، حتیٰ کہ امیر المومنین کو بھی انفرادی حیثیت سے انہیں اس کا فیصلہ امت کی مجلسِ مشاورت میں بحث و تمحیص کے بعد ہو سکتا ہے۔

(۳) مجلسِ مشاورت میں سربراہِ مملکت کی حیثیت بھی دیگر ارکان جیسی ہوتی ہے، اور ہر رکن کو آزادیٔ رائے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

(۴) اختلافی امور کے فیصلہ کا معیار یہ ہے کہ خدا کی کتاب اس باب میں کیا راہ نمائی دیتی ہے۔

(۵) اس راہ نمائی کے سامنے آجانے پر تمام اختلافات ختم ہو جاتے ہیں اور مخالف و موافق سب اس کے سامنے سرِ تسلیم

ختم کر دیتے ہیں اور

(۶) اسلامی حکومت میں "علماء" کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا جن سے اختلافی معاملات میں فتویٰ مانگا جائے۔ اس میں تمام امور کے فیصلے حکومت کرتی ہے، اور انہی فیصلوں کو (جو قانون کی حیثیت سے نافذ کیے جاتے ہیں) "شریعتِ اسلامی" کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

اراضیات کے متعلق مذکورہ بالا فیصلہ اصولی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس کا اطلاق عراق اور شام کی زمینوں تک محدود نہیں رہا، مصر کی زمینوں پر بھی یہی فیصلہ نافذ کیا گیا۔ اس فیصلے کا اعلان حضرت عمرؓ نے ان مختصر اور جامع الفاظ میں فرما دیا کہ "تمام زمینیں ہماری (یعنی حکومت کی) ہیں"۔ (کتاب الاموال)

زمینیں واپس بھی لی جا سکتی ہیں

اسی بنا پر حکومت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ مفادِ عامہ (یعنی ربوبیتِ عامہ) کے پیشِ نظر، اراضیات کا جو انتظام مناسب سمجھے کرے۔ قادسیہ (ایران) کی لڑائی میں، قوم بجیلہ کے کافی افراد جنگ میں شریک تھے۔ فتح کے بعد، حضرت عمرؓ نے وہاں کی زمینوں میں سے خاصا رقبہ اُن افراد کو دے دیا لیکن دو تین سال کے بعد، جب حکومت کو ضرورت پڑی، تو ان سے یہ قطعات واپس لے لیے گئے۔ (کتاب الاموال)۔ لوگوں کو جو رقبے اس طرح دیئے جاتے تھے، انہیں قطائع کہا جاتا تھا۔ قطائع کے متعلق اصول یہ تھا کہ یہ کسی خاص مقصد (بالخصوص اُفتادہ زمین کو آباد کرنے) کے لیے دیے جاتے تھے اور حکومت کو اس کا حق حاصل ہوتا تھا، کہ وہ جب مناسب سمجھے انہیں واپس لے لے! چنانچہ تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ جن لوگوں کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطائع عطا فرمائے تھے، مفادِ مملکت کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ نے ان میں سے بعض کو واپس لے لیا۔ (مثلاً) رسول اللہؐ نے وادیٔ عقیق میں ایک قطیعہ حضرت بلالؓ بن حارث کو جو حضورؐ کے قریب ترین صحابہ میں سے تھے، دے رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا "رسول اللہؐ نے آپ کو یہ زمین اس لیے نہیں دی تھی کہ اسے نہ آپ خود آباد کریں نہ دوسروں کو آباد کرنے دیں۔ لہٰذا جتنی زمین آپ آباد کر سکیں، اپنے پاس رکھیں، باقی زمین حکومت کے حوالے کر دیں۔" یہ سن کر حضرت بلالؓ نے کہا "جو زمین مجھے رسول اللہؐ نے عطا فرمائی تھی، میں اسے واپس نہیں کروں گا خواہ میں اُسے آباد کروں یا نہ کروں"۔ حضرت عمرؓ نے زمین کی واپسی پر اصرار کیا اور آباد شدہ حصے کو چھوڑ کر، باقی زمین واپس لے لی۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص زمین آباد نہیں کرے گا، اس سے وہ زمین واپس لے لی جائے گی۔ جن لوگوں کے پاس زمین رہے گی، اُن سے حکومت مفادِ عامہ کے سلسلے میں کیا لے گی، اس کے لیے حضرت علیؓ نے فرمایا، "حکومت صرف وہ لے سکتی ہے جو کاشتکار کی ضرورت سے زائد ہو"۔

یہ فیصلہ، قرآن کریم کے اِس اصول کی ترجمانی کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے: "لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم دوسروں کی ضروریات کے لیے کتنا دیں ——— قل العفو ——— ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری اپنی ضروریات سے زاید ہو وہ سب۔" (۲/۲۱۹)

اُس زمانے میں، مویشی پالنا، نظامِ معیشت میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس مقصد کے لیے چراگاہوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان کے متعلق حضورؐ نے فرما دیا تھا: "چراگاہیں صرف خلافت کی ہیں"۔ (بخاری)

حضرت عمرؓ نے، نہ صرف یہ کہ پہلی چراگاہوں کو مفادِ عامہ کے لیے رکھا بلکہ ان میں اضافہ بھی فرمایا۔ ان چراگاہوں کے متعلق تاکید

---

[1] زمین کو بے آباد رکھنا تو ایک طرف، مولانا جامی نے نفحات الانس میں شیخ علاؤ الدین سمنانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص زمین کا ایسا قطعہ رکھتا ہے جس سے ہزار من غلہ حاصل ہو سکتا ہے، اگر اس کی سستی اور کوتاہی سے اس سے نو سو من غلہ حاصل ہوا اور اس وجہ سے مخلوقِ خدا سو من غلہ سے محروم رہ گئی تو قیامت کے دن اُس سے اِس کی باز پرس ہو گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی کہ ان میں غریبوں کے مویشی چر یں چگیں۔ جن صاحبانِ ثروت کے ہاں اپنا انتظام ہے، ان کے جانور ان "پبلک چراگاہوں" میں نہ آئیں (حضرت) اسلمؓ کی روایت ہے حضرت عمرؓ نے ایک کارندے ہنیؓ کو پبلک چراگاہوں کا محافظ مقرر فرمایا اور اُسے تاکید کی:

"جو لوگ غریب ہیں، اُن کے جانوروں کو یہاں چرنے دو۔ دیکھو (صاحبِ ثروت مثل) عثمانؓ بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اونٹ یہاں داخل نہ ہونے پائیں۔ کیونکہ اگر ان کے جانوروں کو چارے کی ضرورت ہوگی تو ان کے لیے بہت کھیتیاں اور کھجوروں کے درخت موجود ہیں، لیکن اگر غریبوں کے جانور بھوک کے مرنے لگے تو وہ سوائے اس کے کہ میرے پاس واویلا کرتے ہوئے آئیں اور کیا کر سکیں گے۔"

حضرت عمرؓ ان چراگاہوں کی حفاظت خود کیا کرتے تھے اور دیکھتے تھے کسی نے ان کے گھاس چارہ یا درختوں کو نقصان تو نہیں پہنچایا۔

جب حضرت عمرؓ نے مدینہ کی چراگاہ کو سرکاری تحویل میں لے لیا اور اس پر نگران مقرر کر دیئے تو ایک بدوی نے آکر آپ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: اے عمرؓ! کیا ہم نے اسلام کی خاطر اس لیے لڑائیاں لڑی ہیں کہ آپ ان چیزوں کے استعمال پر ہماری نگرانی کریں"؟ اس پر آپ خفا ہوئے اور اس سے کہا کہ سُن رکھو! مال اللہ کا مال ہے اور بندے اللہ کے بندے ہیں۔ اس لیے میں ایسا نہیں کر سکتا کہ (انہیں ضرورت مندوں کے لیے مختص نہ کر دوں)

باقی رہے چشمے، سو ان کا پانی تو کوئی روک ہی نہیں سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میری زمین تک پانی پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے لیکن جس شخص کی زمین سے وہ راستہ گزرتا تھا وہ مجھے اس میں سے ... پانی نہیں لے جانے دیتا۔ آپ نے اس شخص کو بلایا اور اس سے ڈانٹ کر کہا کہ تجھے پانی کے لیے راستہ دینا ہوگا: "یہ تو تیری زمین ہے۔ اگر پانی کا راستہ تیرے پیٹ کے سوا کوئی اور نہیں ہوگا تو وہ تیرے پیٹ کے اُوپر سے پانی لے جائے گا۔"

بات اساساً اراضیات کی ہو رہی تھی۔ آپ نے اراضیات کو مملکت کی تحویل میں لے کر ان کی سروے (پیمائش) کرائی۔ زمین کی حیثیت اور نوعیت کے اعتبار سے اس کی قسمیں مقرر کیں اور پھر اسی نسبت سے ان کا خراج (لگان) مقرر کیا۔ اس حُسنِ انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ مملکت کے خراج میں محیّر العقول اضافہ ہوگیا۔

مملکت کی آمدنی بے انتہا بڑھ گئی

جب حضرت ابوہریرہؓ بحرین کا خراج لے کر آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا: کیا لائے ہو؟ انھوں نے کہا۔ پانچ لاکھ آپ نے کہا کچھ جانتے بھی ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا ایک لاکھ ایک لاکھ (اسے پانچ بار دہرایا) حضرت عمرؓ نے کہا تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ نیند کا خمار ہے۔ جاؤ جا کر بال بچوں میں یہ صبح گئے تو پانچ لاکھ پیش کر دیے

یہ ایک علاقہ کا خراج تھا! اس سے مملکت کی کل آمدنی کا اندازہ لگا لیجیے۔

لیکن مملکت کی اس قدر مرفّہ الحالی، صرف حُسنِ انتظام کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس کے ساتھ (بلکہ بنیادی طور پر اس میں) سربراہِ مملکت کی دیانت و امانت بھی شامل تھی۔ اس باب میں حضرت عمرؓ کس حد تک متشدّد تھے۔ اس کا اندازہ ہم کئی واقعات سے لگا سکتے ہیں اس وقت صرف ایک واقعہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ ایک صاحب حضرت عمرؓ کے پاس تھوڑا سا دودھ لائے جسے پی کر آپ خوش ہوئے۔ اس سے پوچھا کہ یہ دُودھ کہاں سے لائے؟ اس نے کہا کہ فلاں چشمہ پر صدقہ (بیت المال) کے اونٹ جمع تھے اور نگران ان کا دودھ دوہ رہے تھے۔ اس میں سے اُنھوں نے مجھے بھی دے دیا۔ یہ سُنتے ہی حضرت عمرؓ نے حلق میں انگلی ڈالی اور قے کر کے دُودھ نکال دیا اور فرمایا: بیت المال سے کچھ بھی بلاقیمت لینا جائز نہیں قرار پا سکتا۔

سربراہِ مملکت کی اپنی اس احتیاط کا نتیجہ تھا کہ دیگر عمّالِ حکومت بھی اس قدر امین اور دیانت دار تھے' اور اسی امانت و دیانت کے ساتھ حسنِ انتظام کا نتیجہ تھا کہ مملکت میں زر و مال کی اس قدر فراوانی تھی۔

وظائف کا تعیّن

لیکن مملکت میں زر و مال کی فراوانی مقصود بالذّات نہیں تھی۔ یہ ایک عظیم مقصد کا ذریعہ تھی۔ اسلامی مملکت کی بنیادی ذمّہ داری "ایتائے زکوٰۃ" (۲۲/۴۱) ہے یعنی (ابتدا) افرادِ معاشرہ (اور آخر الامر عالمگیر انسانیت) کو سامانِ نشوونما بہم پہنچانا۔ ذرائع پیداوار کو مملکت کی تحویل میں لینا اور دیگر وسائلِ آمدنی میں نظم و ضبط پیدا کرنا اُس مقصد کے حصول کا ذریعہ یا مملکت کے لیے اس عظیم ذمّہ داری سے عہدہ برا ہونے کا موجب ہے جو مملکت اس ذمّہ داری کو پورا نہیں کرتی، اس کے لیے ذرائع پیداوار کو اپنی تحویل میں لینا تو ایک طرف، کسی فردِ معاشرہ سے ایک حبہ تک وصول کرنا بھی جائز نہیں قرار پا سکتا۔

ظاہر ہے اس ذمّہ داری کا پورا کرنا مملکت کے حالات کی نسبت ہی سے ہو سکتا ہے۔ حضور نبی اکرمؐ نے جب اس مملکت کی بنیاد ڈالی تو کیفیت یہ تھی کہ ملک میں افلاس اور غربت کا دور دورہ تھا اور مملکت کی آمدنی نہ ہونے کے برابر۔ یہ تھے وہ حالات جن پر حضورؐ کے لب پر اکثر اس قسم کی دعائیں رہتی تھیں "پروردگار! یہ بھوکے ہیں تو انہیں پیٹ بھر کر کھلا۔ یہ ننگے ہیں، تو انہیں کپڑے پہنا۔ یہ پیدل سفر کرتے ہیں، تو انہیں سواری عطا فرما"

ظاہر ہے ان دعاؤں سے مقصد یہ تھا کہ مملکت کو اس قدر فراوانی حاصل ہو جائے کہ وہ ان محتاجوں اور ناداروں کی تمام ضروریات مہیا کرنے کے قابل ہو جائے۔ اِس پروگرام کی منزلِ اوّل میں یہ ضروریات، انفرادی طور پر خوشحال لوگوں کے عطیات (صدقات) کی رُو سے پُوری ہوتی تھیں، لیکن انفرادی خیرات و صدقات کا جو نفسیاتی اثر ہوتا ہے' نگہِ رسالت اس سے بے خبر نہیں تھی۔

صدقہ کا نفسیاتی اثر

آپ کہا کرتے تھے الصدقۃ تمیت القلب۔ صدقہ و خیرات انسان کے قلب کی موت ہیں۔ اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے: "کسی کا اپنی پشت پر بوجھ لادنا بہتر ہے' اس سے کہ وہ دوسروں سے سوال کرے۔" (بخاری کتاب الزکوٰۃ) بنا بریں حضورؐ نے کوشش فرمائی کہ حاجتمندوں کی ضروریات' انفرادی خیرات کے بجائے، حکومت کی طرف سے پوری ہوا کریں۔ اس مقصد کے لیے آپؐ نے وظائف کا سلسلہ شروع فرمایا۔ وظائف کے تعیّن کے لیے حضورؐ نے اصول کیا اختیار فرمایا ہے، اس ضمن میں علامہ ابن القیم (زاد المعاد میں) لکھتے ہیں "حضورؐ دولت مندوں اور غریبوں کو برابر نہیں دیتے تھے۔ نہ ہی میراث کے قاعدے کے مطابق تقسیم فرماتے تھے۔ آپؐ ضرورت کے مطابق عطا فرماتے تھے۔ یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے' مقروضوں کا قرض ادا کرتے تھے اور غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔"

ہر ایک کی ضرورت کے مطابق

حضرت صدیقِ اکبرؓ کے عہد میں، مملکت کی آمدنی میں وسعت ہوئی' تو آپ نے وظائف کے سلسلے کو بھی اُسی نسبت سے آگے بڑھایا اور اصول بھی وہی برقرار رکھا جسے رسول اللہؐ نے اختیار فرمایا تھا یعنی کسی قسم کی تخصیص و تمیز کے بغیر ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق۔ اس پر بعض صحابہؓ نے (جن میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی شامل تھے) اعتراض کیا اور کہا کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی، اس کی خاطر اس قدر تکلیفیں برداشت کیں۔ ہجرت کی، جہاد کیے، ان کے ساتھ ترجیحی سلوک ہونا چاہیئے۔ صدیقِ اکبرؓ نے ان کے جواب میں جو کچھ فرمایا' وہ اربابِ بصیرت کے لیے ابدی مشعلِ ہدایت ہے۔ آپ نے کہا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

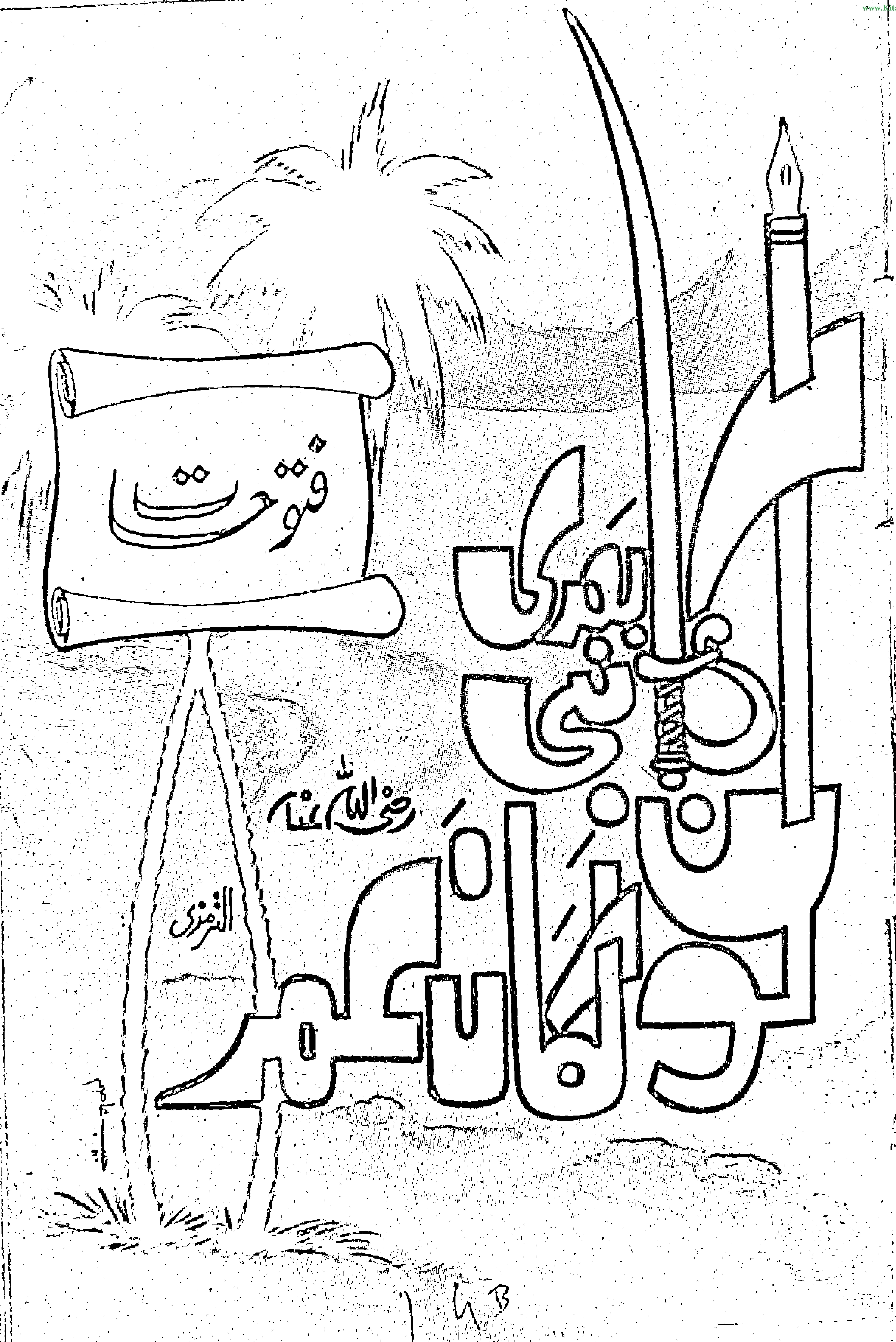

آپ لوگوں نے ان حضرات کی جس اوّلیت وافضلیت کا ذکر کیا ہے میں اس سے بخوبی واقف ہوں۔ انہیں اس کا اجر ان کے خدا کے ہاں سے ملے گا، لیکن یہ معاش کا معاملہ ہے جس میں ترجیحی سلوک کے بجائے اصولِ مساوات تقاضائے عدل ہے۔ یعنی بلاتخصیص ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق۔ (کتاب الاموال۔ ابی عبید)

مردم شماری

حضرت صدیق رضؓ کے زمانے میں مملکت کی آمدنی اتنی کثیر نہیں تھی، اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ وظائف کا سلسلہ عالمگیر نہیں ہو سکا تھا۔ عہدِ فاروقی میں مملکت کی آمدنی میں اضافہ ہوا تو آپ نے فیصلہ کیا کہ وظائف کا سلسلہ عام کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے مردم شماری کرائی۔ اس مردم شماری پر تبصرہ کرتے ہوئے، مشہور جرمن مستشرق فان کریمر لکھتا ہے:

یوں تو مردم شماری قدیم ایشیائی سلطنتوں میں بھی کی جاتی تھی اور سلطنت روما میں بھی، لیکن اس سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ کوئی فرد حکومت کے ٹیکس سے بچنے نہ پائے۔ (حضرت) عمر رضؓ نے جو مردم شماری کرائی تو اس سے مقصد کچھ اور تھا کہ کوئی فرد اپنے اس حق سے محروم نہ رہنے پائے۔ جو ازروئے اسلام، مملکت کے ذمے واجب تھا۔

وظائف کا ترجیحی معیار

ان اعداد و شمار اور احوال و کوائف کے مطابق آپ نے مختلف فہرستیں مرتب کرائیں اور انہیں وظائف کے رجسٹروں میں درج کیا (روایات کی رُو سے) آپ نے وظائف کے تعین میں، ترجیحی سلوک کا اصول اختیار کیا، اور ترجیح کے لیے دو معیار مقرر کیے۔

(۱) رسول اللہ صلعم سے قرابت داری اور (۲) مسابقت فی الاسلام۔

مسابقت فی الاسلام کی بنا پر مدارج میں اختلاف خود قرآن کریم میں مذکور ہے اور حضرت عمر رضؓ نے اپنے فیصلے کی تائید میں یہی دلیل پیش کی تھی۔ اس حد تک اس باب میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن ان مدارج کو معاش کی تقسیم کا معیار قرار دینا (اگر یہ روایت صحیح ہے تو) آپ کی اجتہادی غلطی تھی۔ اس کا جواب وہی تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے دیا تھا۔

احساس

وظائف کا یہ نظام ۱۵ھ میں شروع ہوا تھا۔ دو ہی سال کی قلیل مدت میں جب اس کے مضرت رساں نتائج سامنے آنے شروع ہوئے تو (روایات کے مطابق) حضرت عمر رضؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا! چنانچہ اس کے ازالہ کے لیے آپ رضؓ نے فرمایا:

(۱) جب مجھے اپنے پہلے فیصلے پر نظرِ ثانی کا موقع ملا تو میں دولت مندوں سے ان کی فاضلہ دولت لے کر حاجت مندوں میں تقسیم کر دوں گا۔

(۲) اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو سارے ملک کا دورہ کرونگا اور وظائف کا اصول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی طرح مساوات پر مبنی کر دوں گا۔

(۳) اس مساوات میں یہ نہیں کروں گا کہ بلند لوگوں کو پست لوگوں کی جگہ پر لے آؤں' بلکہ پست لوگوں کو بلند لوگوں کی سطح پر لے جاؤں گا اور اس طرح آخری آدمی کو پہلے آدمی سے ملا دوں گا اور ——

(۴) یہ کچھ اس طرح کروں گا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہ رہے جس تک گھر بیٹھے اس کا رزق نہ پہنچ جائے، اگرچہ اس نے کوئی کام بھی نہ کیا ہو اور کوئی مشقت بھی نہ اٹھائی ہو۔ (یعنی جہاد وغیرہ میں شرکت کی شرائط بھی اٹھا دی جائیں گی، اور معیار صرف ضروریات قرار دے دیا جائے گا)۔

لیکن اس "اگلے سال" کے آنے سے پہلے ہی آپ کی شہادت ہو گئی' اور یہ خونِ گشتہ آرزوئیں حسرت بن کر رہ گئیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابل اجمیری

فاروقِ عصر و فاتحِ دَوراں کب آئے گا

دیں کا نقیب، حق کا نگہباں کب آئے گا
مِٹ جائیں جس سے عہدِ غلامی کی لعنتیں،
کوئی خدا پرست مسلماں کب آئے گا
جانے وہ انقلاب وہ طوفاں کب آئے گا

جو داستانِ شوق کو رنگیں بنا سکے
مدّت سے تشنہ کام ہے ہستی کا قافلہ
آخر وہ اشکِ خُوں سرِ مژگاں کب آئے گا
کوئی بتائے چشمۂ حیواں کب آئے گا

چھائی ہوئی ہے کب سے فضاؤں پہ تیرگی
گونجے گی کب اذانِ بلالی سے بزمِ دہر
کیا جانے آفتابِ درخشاں کب آئے گا
اس بُتکدے میں بندۂ یزداں کب آئے گا

صدیوں سے تک رہا ہے بشر جس کا راستہ
سوکھی پڑی ہے کب سے غریبوں کی کشتِ شوق
وہ روزِ انقلاب بداماں کب آئے گا
رحمت بدوش ابرِ خراماں کب آئے گا

ہر سمت ایک معرکۂ کربلا ہے گرم
مُردہ دلوں میں رُوحِ عزائم جو پھُونک دے
کوئی غلامِ شاہِ شہیداں کب آئے گا
محفل میں ایسا مردِ رجز خواں کب آئے گا

انسان کر رہا ہے خدا سے بغاوتیں
فاروقِ عصر و فاتحِ دَوراں کب آئے گا؟

انھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کا حق کیسے ادا کیا؟

نبی احمد سہا

جنگِ بدر

۱۷ رمضان ۲ ہجری مطابق ۱۳ مارچ ۶۲۳ء کو منگل کے دن جنگِ بدر ہوئی۔ یہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلا، مشہور اور اہم معرکہ تھا۔ صبح کے وقت اللہ کے سپاہی اُس کے دین کا پرچم بلند کیے، اُس کی حمد اور اُس کی بڑائی کا کلمہ پکارتے اپنے ذہنوں میں مقابلے کے وقت سب کچھ کر گزر جانے کا سودا لیے، اور شوقِ شہادت دلوں میں جگائے، اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ہاتھ کے اشارے پر جس میں تیر تھا، صف بستہ ہو گئے۔ ان خدا پرستوں کی کل تعداد ۳۱۳ تھی۔ ان میں بوڑھے، جوان اور کم عمر بھی تھے، مگر عمر اور جسم وجان کے اس فرق کے باوجود، جوش سب کا یکساں تھا۔

حضرت عمرؓ اس یادگار معرکے میں ہر مرحلے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون و مشیر رہے۔ بایں ہمہ ان کے ذاتی کردار کی چند جھلکیاں یہ ہیں:

۱۔ اس جنگ میں سب سے پہلا شہید آپ کا ایک خدمت گار مہجع تھا۔

۲۔ آپ کا ماموں عاصی بن ہشام قریشِ مکہ کے رئیسوں میں سے تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو زندہ واپس نہیں جانے دیا اور خود بڑھ کر قتل کر دیا۔

۳۔ آپ کے ساتھ آپ کے خاص دوست اور قبیلے کے گیارہ آدمی اس جنگ میں سربکف ہو کر لڑے، جو یہ ہیں: زیدؓ، عبداللہؓ، عمروؓ، واقدؓ، خولیؓ، مالکؓ، عامرؓ (ربیعہ کا بیٹا)، عامرؓ (بکیر کا بیٹا)، خالدؓ، یاسؓ، اور عاقلؓ۔

۴۔ قریش کے سارے قبیلے مجتمع ہو کر بدر میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے، لیکن حضرت عمرؓ کے قبیلے کا کوئی ایک آدمی بھی آپؓ کے ذاتی اثر و دبدبے کی وجہ سے نہیں آیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵ ۔ اسیرانِ جنگ کے بارے میں اکثر صحابہؓ اور ابوبکرؓ نے رائے دی کہ اُن کو فدیے لے کر چھوڑ دیا جائے، مگر حضرت عمرؓ نے اس سے اختلاف کیا اور کہا: "میری رائے ہے کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور جو قیدی جس مسلمان کا عزیز ہے، وہی اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے"۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مائل کرم ہوئی۔ اکثریت کی رائے کو قبول فرما کر قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد وحی نازل ہوئی[1] حضرت عمرؓ کی تجویز پہلے ہی سے یہی تھی۔

۶ ۔ جنگ ہار کر مشرکین مکہ چلے گئے۔ وہ اپنی ہزیمت اور شکست و ریخت پر سر جھکیے ہوئے سانپ کی طرح تلملا رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کریں؟ چنانچہ ابنِ امیہ نے عُمیر بن وہب کو، جو دل سے اسلام اور حضورؐ کا دشمن تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینے آیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے دیکھ لیا اور ایک ہاتھ سے گردن پکڑ کر دھکیلتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپؐ کے سوال کے جواب میں عُمیر نے بتایا: "میرا بیٹا جنگی قیدیوں میں ہے، اُسے چھڑانے آیا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا: "مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ کیوں نہیں کہتا کہ تجھے صفوان بن اُمیہ نے میرے قتل کے لیے بھیجا ہے"۔ یہ سن کر عُمیر نے اُسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، کیونکہ اس راز کو سوائے اُس کے اور صفوان کے کوئی اور نہیں جانتا تھا۔

جنگِ اُحد

بدر کی لڑائی کو ابھی ایک سال ہی ہُوا تھا کہ قریش کا لشکر پہلے سے تین گنا زیادہ تعداد اور چار گنا زیادہ سامان کے ساتھ مسلمانوں کے استیصال کے ارادے سے چل پڑا، اور لوگوں نے اپنی لڑکیاں اور بیویاں بھی ساتھ لے لیں تاکہ اگر حالات موافق نہ ہوں، تو مشرکین انہیں چھوڑ کر نہ بھاگیں، اور اگر حالات سازگار ہوں تو وہ اپنے عزیزوں اور سرداروں کے مُسلمان قاتلوں کو فرشِ زمین پر لوٹتے اور دم توڑتے دیکھ سکیں۔ یہ بُت پرستوں کا لشکرِ جرار اس انداز سے آکر اپنی آخری منزل وادیٔ اُحد میں اُتر گیا۔

اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی شوال کی ۴ تاریخ ۳ ہجری مطابق ۲۹ مارچ ۶۲۴ء جمعے کی نماز پڑھ کر ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ راستے میں منافقوں کے سردار نے اپنے تین سو ساتھی جمعیت میں سے نکال لیے اور چلتا بنا۔ اب اصل فداکاروں کی کل تعداد سات سو رہ گئی۔ ظاہر ہے حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوںؓ کا سہارا صرف اللہ پر تھا، اس لیے وہ مطلق پریشان نہیں ہوئے بلکہ حضورؐ نے فرمایا: "اِن اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کے اندر کچھ کم عمر لڑکے بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اس لیے پوری عمر کے شمشیر زن رہنے دیے جائیں"۔

ان بچوں کے شوقِ شہادت کا یہ عالم تھا کہ انہیں نکلنا کسی صورت گوارا نہ تھا۔ وہ پنجوں کے بل تن تن کر کھڑے ہوتے اور عرض کرتے "اے اللہ کے نبیؐ! ہم تو چھوٹے نہیں ہیں"۔ ان میں حضرت رافعؓ بھی تھے، جن کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور رو دے لیے گئے۔ وہیں قریب ہی ایک لڑکے سمرہؓ کھڑے تھے۔ جب ان سے کہا گیا کہ واپس جاؤ، تو انہوں نے جواب دیا: "واہ میں کیوں جاؤں؟ رافعؓ سے تو میں قوی ہوں"۔ آخر دونوں کی کشتی کرائی گئی جس میں انہوں نے رافعؓ کو پچھاڑ دیا، اور اس طرح لشکر میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔

ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کو پشت کی طرف رکھ کر صف بندی کرائی۔ حضرت مصعبؓ علم بردار مقرر ہوئے۔ حضورؐ نے اعزاز کے طور پر اپنی تلوار ابو دجانہؓ کو عطا کی۔ اُن کا رُواں رُواں خوشی سے جھومنے لگا۔ انہوں نے اپنا سُرخ عمامہ سر سے باندھا، پھر اشعارِ شجاعت پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور دشمنوں کی صفوں کو توڑ ڈالا۔ اس ابتدائی حملے میں مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے، خاص کر حضرت ابو دجانہؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ۔

---

[1] مطالعہ کریں قرآن حکیم پارہ ۱۰، سورۂ انفعال رکوع ۹، آیات ۶۷ تا ۶۹

کفار کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ اپنے علمبردار صواب کے مارے جانے کے بعد بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمان مالِ غنیمت لُوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ مسلمان تیر اندازوں کے دَرّے سے چلے آنے کے بعد، کافر فوجوں کے ایک دستے نے، جس کی قیادت خالدؓ بن ولید کر رہے تھے، اس طرف سے اچانک حملہ کر دیا۔ حضورؐ زخمی ہو گئے اور دشمنوں نے پکار دیا کہ آپؐ شہید ہو گئے۔ اس صُورتِ حال کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ کی صورت تبدیل ہو گئی۔

حضرت عمرؓ اس معرکے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ راست رہے۔ مختصراً آپؓ کے کردار کی چند جھلکیاں یہ ہیں:

۱۔ ابتدا میں قیام گاہِ رسولؐ کے پہرے دار محمدؐ بن مسلمہؓ تھے۔ شکست کے بعد موقع پاکر قریش نے حملہ کیا تو ابنِ مسلمہؓ کی ڈیوٹی آپؓ نے لے لی اور ساتھیانِ رسولؐ کے گرد تلوار لے کر چکر لگانے لگے۔

۲ ۔ جب حضورؐ مسلمانوں کی ابتری اور سراسیمگی دیکھ کر معرکۂ کارزار میں آگے بڑھے تو حضرت عمرؓ بھی کافروں پر جھپٹ پڑے، اور جب حضورؐ گڑھے میں ہو گئے اور ابنِ قمۂ کافر نے حضرت مُصعبؓ علم بردارِ اسلام کو شہید کیا اور پکار دیا کہ میں نے نعوذ باللہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کر دیا ہے، تو آپؓ جہاں لڑ رہے تھے، وہیں پر فرطِ غم سے بیٹھ گئے اور ہتھیار زمین پر پھینک دیے۔ اتنے میں حضرت انسؓ بن نضر پاس سے گزرے اور کہا، "عمرؓ! یہاں کیا کرتے ہو؟" اندوہناک آواز میں جواب دیا: "سرکارؐ شہید ہو گئے"۔ اس کے بعد آپ اُٹھے اور دیکھا کہ حضورؐ (گڑھے سے باہر نکالے جانے کے بعد) موجود ہیں۔ ابو دجانہؓ آنحضرتؐ کی جانب رُخ کر کے اپنی پشت پر تیروں کو روک رہے ہیں اور طلحہؓ چابکدستی سے حملہ آوروں پر تیروں کی بارش کر رہے ہیں۔ آپؓ بھی اُسی جانب بڑھ کر کافروں پر پل پڑے۔ اسی اثنا میں دو صحابہ، حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت حارثؓ بن صمہؓ بھی ان جانثاروں میں شامل ہو گئے اور حضورؐ کو پُوری حفاظت سے پہاڑی پر لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

۳ ۔ پہاڑی پر چڑھنے کے دوران دیگر صحابہؓ بھی اس جتھے میں شامل ہو گئے۔ تاریخ کی معتبر روایات میں اُن کی تعداد تیس بیان ہوئی ہے۔ کفار نے دیکھا کہ آپؐ بسلامت ہماری دسترس سے نکلے جا رہے ہیں تو اُن کے ایک قائد خالد بن ولید نے حملہ کرنے کے لیے ادھر کا رُخ کیا۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کو ساتھ لے کر چٹانیں لڑھکائیں اور پتھر برسائے، یہاں تک کہ وہ واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔

۴ ۔ قریش کے سردار ابوسفیان نے ایک اونچے تودے پر چڑھ کر پکارا "اُعْلُ هُبَل" (ھُبل سربلند رہ)۔ یہ سُن کر رسول اللہؐ نے عمرؓ کو حکم دیا کہ جواب دو "اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلّ" (صرف اللہ ہی بلند و برتر ہے)۔

۵ ۔ ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز پہچان لی اور اُن کا نام لے کر آواز دی۔ حضورؐ نے بھی اس کی آواز سُنی اور فرمایا: "جاؤ، اور دیکھو وہ کیا کہتا ہے"۔ آپؓ گئے، تو ابوسفیان نے پوچھا: "عمرؓ! بتاؤ، محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے ہیں یا نہیں؟" آپؓ نے فرمایا: "دشمنِ خدا! وہ پہاڑی پر موجود ہیں اور تیری آواز سُن کر انہوںؐ ہی نے مجھے بھیجا ہے"۔ ابوسفیان نے کہا: "ٹھیک ہے کیونکہ تم میرے نزدیک ابنِ قمۂ سے (جس نے پکار دیا تھا کہ میں نے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا) زیادہ سچے ہو"۔ اس کے بعد اُس نے کہا کہ یہ بدر کا بدلہ ہے۔ آئندہ سال تم سے مقابلہ پھر ہو گا۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: "کہہ دو ہمیں منظور ہے"۔

جنگِ احزاب

مکہ اور دوسرے علاقوں کے مُشرکین، نیز خیبر کے یہودیوں کی دس بارہ ہزار فوج شوال ۵ ہجری میں مدینے کی بستی پر اچانک حملہ آور ہونے کے لیے، دبے پاؤں، نہایت پُراسرار انداز میں چل پڑی۔ شمال کی طرف سے بنی نضیر اور قینقاع کے یہودی قبائل، جو اب خیبر میں آباد تھے، مشرق کی جانب سے غطفان کے مُشرک قبائل (بنو سلیم، بنو فزارہ، بنو مرہ، بنو اشجع، اور قبائل اسد و سعد وغیرہ) اور جنوب کی طرف سے تمام قبائلِ قریش اور اُن کے حلیف۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کے اچانک حملے سے مسلمانوں کو بچالیا۔ سرورِ کائنات ؐ کو دشمنوں کی ایک ایک بات اور ایک ایک اقدام کی اطلاع مل رہی تھی۔ قبل اس کے کہ یہ ٹڈی دَل مسلمانوں کے شہر تک پہنچتا، اللہ کے پیغمبرؐ نے چند دن کے اندر اندر مشرق سے مغرب کی طرف شہرِ مدینہ کے شمال میں پانچ ہاتھ گہری خندق کھدوالی اور تین ہزار مشتاقانِ شہادت کو خندق کے اس طرف لے کر مدافعت کے لیے تیار ہو گئے۔ مدینے پر حملہ صرف اسی جانب سے ہو سکتا تھا، کیونکہ دوسری اطراف قدرتی طور پر محفوظ تھیں۔

قائدِ مسلمین رحمۃ للعالمین ؐ نے خندق کو حصّوں میں بانٹ کر کمانڈروں میں تقسیم کر دیا تھا کہ دشمن فوجیں کسی حصّے کو پھلانگنے نہ پائیں۔ ایک حصّے کے کمانڈر حضرتِ فاروق ؓ تھے۔ جس حصّے پہ آپؓ مقرر تھے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اُمّت نے اسی مقام پہ ایک مسجد بنائی تھی، جو آج تک مسجدِ عمرؓ کے نام سے مشہور ہے۔

ایک دن کافروں نے آپ کے حفاظتی حصّے پر حملہ کر دیا۔ آپ نے ایسا پُرزور جوابی حملہ کیا کہ وہ تتر بتر ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ نے خندق پار کر لی اور دست بدست جنگ کر کے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ایک دن آپ جنگ میں اس قدر مصروف رہے کہ نمازِ عصر قضا کے قریب ہو گئی۔ آپ نے اپنے آقا و مولیٰ ؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ آج کافروں نے مجھے بھی نماز پڑھنے کا موقع نہ دیا۔

صلح حدیبیہ

مسلمانوں کو مکّے سے ہجرت کیے ہوئے ۶ سال ہو گئے تھے اور قریش نے اُن کے لیے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ اس مدت میں انہوں نے کسی کو حدودِ حرم کے قریب تک نہ پھٹکنے دیا۔ ادائے حج کے حضورؐ بھی خواہش مند تھے۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے ہیں اور عُمرہ کیا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کا خواب واجب التعمیل ہوتا ہے۔ حضورؐ نے صحابہؓ کو خواب سُنایا اور عُمرے کے لیے روانگی کا اعلان کر دیا۔ بغیر ہتھیار لگائے جانے کا پروگرام تھا۔ چنانچہ چودہ سو صحابہؓ قربانی کے جانور ساتھ لیے لبّیک لبّیک کی صدائیں بُلند کرتے، اللہ کے رسولؐ کی معیّت میں حرمِ مکّہ کی سرحد پہ واقع حُدَیبیہ کے مقام پہ پہنچے تو پہلے خزاعہ کا سردار بُدیل بن ورقا اور پھر احابیش کا لیڈر حُلَیس بن علقمہ آئے اور حضورؐ سے آمد کی وجہ پوچھی۔ قافلے پہ نظر ڈالی۔ زائرین کو احرام باندھے دیکھا اور واپس جا کر کہا: "وہ سب طواف و زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اگر اُن کو روکو گے، تو صدیوں کے دستور کو توڑو گے، اور ہو سکتا ہے کہ اس زیادتی کی وجہ سے بعض قبیلے تمہارے خلاف ہو جائیں۔" مگر مشرکین مکّہ اپنی ضد پہ قائم رہے اور کہا: "ہم یہ ندامت لینے کے لیے تیار نہیں کہ ہمارے دشمن آئے اور عُمرہ کر کے چلے گئے۔"

ذاتِ اکرمؐ نے ایلچی کے فرائض انجام دینے کے لیے حضرت عمرؓ کو منتخب فرمایا۔ آپؓ نے عرض کیا مجھے جانے میں کیا عذر ہو سکتا ہے، مگر میں نے سب سے زیادہ ان کے ساتھ سختی و عداوت کی ہے۔ میں اُن کا دشمن ہوں اور وہ میرے ـــــ کسی ایسے شخص کو بھیجیے جس کی قریش کے درمیان عداوت کی خلیج اس قدر گہری نہ ہو، تاکہ اُسے مقصد حاصل کرنے میں میری نسبت زیادہ آسانی ہو۔ اس پر حضرت عثمانؓ کو بھیجا گیا، لیکن کافروں نے اُن کی بھی نہیں سُنی، بلکہ ان کو روک لیا۔ اسی دوران یہ خبر اُڑ گئی کہ وہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اگر ایسا ہی ہے تو جب تک ہم عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لیں گے، یہاں سے نہیں جائیں گے۔" حضورؐ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہؓ بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ تاریخ نے اس کے لیے "بیعتِ رضوان" کی اصطلاح قرآن کے اس بیان کی روشنی میں وضع کی کہ "اللہ مومنوں سے راضی اور خوش ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔"

حضرت عمرؓ کی فراستِ دینی اور رسالت کی مزاج دانی کا یہ عالم تھا کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ اب دین کا تقاضا کیا ہے اور اس وقت اللہ کے رسولؐ کا رویّہ کیا ہو گا۔ بخاری میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبداللہؓ جا رہے تھے، تو انہوں نے دیکھا کہ حضورؐ جہاد کے لیے عہد لے رہے ہیں۔ وہ بیعت کرنے کے بعد

اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو دیکھا وہ تلوار لیے کھڑے ہیں اور گھوڑے کا انتظار کر رہے ہیں۔ عبداللہؓ نے واقعہ بتایا تو اُسی وقت حضرت عمرؓ نے مجمع میں پہنچ کر سرورِ دو عالمؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

فتحِ مکّہ کے موقع پر

۸ ہجری میں اس خدائی نصرت و فتح کے موقع پر حضرت عمرؓ کے کردار کی چند جھلکیاں یہ ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد ابوسفیان حضرت عمرؓ کے پاس آیا تاکہ آپؓ کی حمایت حاصل کر کے از سرِ نَو معاہدہ صلح اُستوار کر سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تمہارے دوست نوفل بن معاویہ نے نہ صرف یہ کہ معاہدے کا احترام نہیں کیا بلکہ تمہاری مدد سے حرم کے اندر پناہ لینے کے باوجود خزاعہ کے کئی آدمیوں کو مار کر خود تمہارے دینِ کفر کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لیے تم، قریش اور براہِ راست سنگین جرم کرنے والے بنو بکر، سب گردن زدنی ہو۔ میں پوچھتا ہوں، تمہیں جرأت کیسے ہوئی یہاں آنے کی؟"

۲۔ مکّے کی فتح کے موقع پر انسانِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ جب یکایک شہرِ مکّہ کے قریب "مرّالظہران" میں پڑاؤ کیا اور پوری وادی میں پھیل کر ہر طرف آگ روشن کرنے کا حکم دیا تو قریش ہکا بکّا رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ صحرائے عرب میں اس قدر انسان تو جمع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ابوسفیان دو سرداروں کو ساتھ لے کر دریافتِ حال کے لیے آیا۔ حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ انہیں رحم آ گیا۔ کہا: "آؤ میرے ہمراہ، اطاعت کے جذبہ کے ساتھ، امن کی طلب کے لیے۔" وہ ان کے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ اُن دونوں کے ساتھ ہی خیمہ رسولؐ میں پہنچے اور درخواست کی: "حکم دیجیے کہ اس دشمن کا سر اُڑا دوں۔" رحمتِ عالمؐ نے آپ کو روکا، اور ابوسفیان کو امان دے کر حضرت عباسؓ کے حوالے کیا۔ وہ رات بھر انہی کے خیمے میں رہے اور صبح کو سرکارِ دو عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔

۳۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی شکر گزاری کے بے پناہ جذبے کے ساتھ مکّے میں داخل ہوئے، اور درِ کعبہ پر کھڑے ہوئے نہایت پُرمعنی اور انقلاب انگیز تقریر فرمائی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ سب بیعت کرنے کے لیے آ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ قریب ہی بیٹھے تھے۔ مردوں کے بعد عورتوں کی بیعت شروع ہوئی۔ وہ مسائل اور سوالات حضورؐ سے پوچھتی تھیں، مگر (آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق) بیعت عمرؓ کے ہاتھ پر (حضورؐ کے لیے) کرتی تھیں۔ یہ بیعت اللہ کے حکم سے ان چھ گناہوں کے اجتناب سے تھی، جن کو سورۂ ممتحنہ کی آیت بارہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

حُنین اور محاصرۂ طائف سے حضورؐ کی واپسی ذیقعدہ کی ابتدائی تاریخوں میں ہوئی۔ آپؐ نے خواتین کو ایک مکان میں مجتمع ہونے کا حکم دیا اور حضرت عمرؓ کو اُن سے بیعت لینے کے لیے بھیجا۔

۹ ہجری کے پانچویں مہینے میں خبر ملی کہ قیصرِ روم ہرقل عرب پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اُس کا مقابلہ کرنا، دُنیا کی سب سے بڑی طاقت سے ٹکر لینا تھا۔ حضورؐ نے اس کے لیے بذاتِ خود اپیل کی، جس کے جواب میں تمام مسلمانوں نے حسبِ حیثیت حصّہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنا آدھا مال و اسباب لا کر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

اقوالِ عمرؓ

- مشغولی سے پہلے فراغت اور موت سے پہلے بڑھاپا غنیمت جان۔
- دوزخ سے بچو اگرچہ آدھے خرما ہی کی بدولت ہو۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو میٹھی بات ہی سہی۔
- عزّتِ دنیا مال سے ہے اور عزّتِ آخرت اعمال سے۔
- ہم حرام کے خوف سے نو حصّے حلال بھی ترک کر دیتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے عرب و عجم پر اسلام کا پرچم کیسے لہرا دیا؟

فاروق اعظم

شاہ معین الدین ندوی

آپ رضی اللہ عنہ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق دو محاذوں پر جنگ چھڑی ہوئی تھی، اس لیے تختِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ان مہموں کی طرف توجہ کی۔ آپ کی بیعت کے سلسلے میں عرب کے مختلف حصوں کے مسلمان مدینہ آتے ہوتے تھے، آپ نے ان کے سامنے جہاد پر تقریر کر کے اُن کو ایران کی مہم میں شرکت کے لیے ابھارا۔ بنی ثقیف کے سردار ابوعبید ثقفی نے اُٹھ کر اپنے کو اس خدمت کے لیے پیش کیا۔ ان کی پیشقدمی پر ہر طرف سے تائید ہونے لگی اور تمام مسلمان شرفِ جہاد حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ابوعبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا گیا۔

عراق کی گزشتہ معرکہ آرائیوں نے ایرانیوں کو بہت ہوشیار کر دیا تھا، اس لیے اُنہوں نے بھی از سرِ نو فوجی تنظیم کی۔ بوران دخت نے خراسان کے نامور مدبر اور مشہور بہادر رستم کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اُس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران میں آگ لگا دی اور پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ہمہ تن جوش بن گئی۔ جدید فوجی تنظیم کے سلسلے میں بوران دخت نے ایران کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رستم کی امداد پر مامور کیا تھا۔ یہ دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکل چکے تھے۔ دوسری طرف سے ابوعبید رضی اللہ عنہ آ رہے تھے۔ نمارق پر جابان سے مقابلہ ہو گیا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ نے اُسے شکستِ فاش دی۔ اُس کے دو ممتاز افسر مارے گئے اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا، وہ پہچانتا نہ تھا، اس لیے جابان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کر لی۔ بعض مسلمانوں نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کر لیا لیکن ابوعبید رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر کہ جس کو ایک مُسلمان رہا کر چکا ہے، اس سے بدعہدی نہیں کی جا سکتی، رہا کر دیا۔ جابان کو شکست دینے کے بعد ابوعبید رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور مقام سقاطیہ میں دوسرے افسر نرسی کو بھی شکستِ فاش دی۔ اُس کی شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب و جوار کے ایرانی امراء نے اطاعت قبول کر لی۔

ان پیہم شکستوں کی خبر سُن کر رستم نے مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا اور ایرانیوں کا مقدس علم دُرفش کاویانی جو فتح و ظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کر دیا۔ مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں آتاریں، دوسری طرف مسلمان تھے۔ ہر فریق دریا کے پار جانے سے

بچنا چاہتا تھا لیکن ابوعبید رضی اللہ عنہ جوشِ جہاد میں ایسے مخمور تھے کہ دُوسرے مُسلمان امراء کے اختلافِ رائے کے باوجود فرات کو عبور کر کے اس پار چلے گئے۔ دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ مسلمان جس میدان میں اُترے وہ نہایت ناموزوں تھا۔ ایرانی فوج میں دیو پیکر ہاتھی تھے جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا، اس لیے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک گئے اور مُسلمانوں کو پیدل جانا پڑا۔ گھوڑوں سے اُتر کر انہوں نے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو گرانا شروع کیا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا لیکن وار خالی گیا اور ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لپیٹ کر پیروں کے نیچے مَسل ڈالا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہی مسلمان پسپا ہو گئے لیکن جگہ بہت کم تھی، آگے ایرانی تھے اور پیچھے دریا۔ اس لیے پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکلوں سے تین ہزار جانیں بچائیں۔

ایرانیوں کی شکست

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی جانوں کی بربادی کا سخت قلق ہوا۔ آپ نے اس کے انتقام کے لیے پُرجوش خطبوں سے عربوں میں آگ لگا دی۔ عیسائی عرب بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بجلی کی ماتحتی میں ایک تازہ دم فوج محاذِ جنگ پر روانہ کی۔ دوسری طرف مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر سرحدی قبائل کی علیحدہ ایک فوج تیار کر لی تھی۔

بوران دخت کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو اس نے مہران بن جادویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ مقابلے کے لیے بھیجا۔ مُسلمان بویب میں خیمہ زن تھے، اس لیے مہران سیدھا بویب آیا اور فرات کو عبور کر کے صف آرا ہوا۔ مُسلمان پہلے سے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ گزشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، وہ اس کی تلافی میں اس بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجہ شہادت حاصل کیا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے۔ اس ریلے میں بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کر دیا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ فرات کے پُل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہ تیغ کر دیا۔ اس معرکہ کے بعد مُسلمان سارے عراق میں پھیل گئے۔

ایرانیوں کا جوش

ایرانی فوجوں کی شکست اور بربادی کی خبر پایۂ تخت پہنچی تو ایرانیوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ انہوں نے بوران دخت کو تخت سے اُتار کر سترہ سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سرِ نو فوجی انتظامات کر کے چند دِنوں میں تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو جنگی سامانوں سے بھر دیا۔ ان انتظامات کے ساتھ ہی سازش کر کے مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلا دی۔ اس بغاوت میں بہت سے علاقے ان کے قبضے سے نکل گئے اور مثنیٰ رضی اللہ عنہ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے اور فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال کی اطلاع بھجوائی۔ آپ نے تمام عرب کے نامور بہادروں، رئیسوں، خطیبوں اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا۔ آپ کی دعوت پر سارا عرب اُمڈ آیا، انہیں ساتھ لے کر آپ نے بہ نفسِ نفیس میدانِ جنگ میں نکلنے کا ارادہ کیا مگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی کہ آپ کا دارالخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں، اس لیے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور عہدِ رسالت ﷺ میں بڑے کارہائے نمایاں کر چکے تھے، سپہ سالارِ اعظم مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ ایران روانہ کیا، اور چلتے وقت بڑی بیش قیمت نصیحتیں کیں۔ اس فوج میں ستر بدری صحابی، تین سو بیعتِ رضوان کے جانثار، اسی قدر فتح مکہ میں شریک ہونے والے اصحاب اور اتنے ہی صحابہ زادے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تجارت کے سلسلہ میں سارے عراق کا سفر کر چکے تھے اور یہاں کے چپے چپے سے واقف تھے، اس لیے فوج کی نقل و حرکت، اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی سب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں، چنانچہ انہوں نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فوج کی تنظیم اور پیش قدمی کے متعلق مختلف ہدایات بھیجیں۔ شراف کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کا پورا نقشہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق ہدایات بھیجیں اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغِ اسلام کے لیے دربارِ ایران بھیجا جائے۔

اسلامی سفارت

اس حکم پر سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے قادسیہ کے میدان میں مورچہ بندی کی اور اشعث ابن قیس کندی کو چند آدمیوں کے ساتھ تبلیغِ اسلام کے لیے ایرانی لشکر میں بھیجا۔ رستم نے پوچھا کہ تم کس ارادے سے آئے ہو؟ مسلمانوں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب دیا، یزدگرد کے قصد سے دونوں میں گفتگو ہوئی' آخر مسلمانوں نے کہا ہمارے نبیؐ کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمہاری زمین پر قابض ہوں گے رستم نے اُن کی تحقیر کے لیے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ لو ہماری زمین میں تمہارا یہ حصہ ہے۔ عمرو بن معدی کرب یہ خاک دامن میں لے کر لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا ان کے ملک پر قبضہ کے لیے یہ فال نیک ہے۔ رستم کے بعد ان لوگوں نے یزدگرد کے پاس جاکر اسلام پیش کیا۔ اس نے جوشِ غضب میں کہا اگر سفیروں کا قتل کرنا ناروا نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی گردن سلامت نہ لے جاسکتا اور رستم کو سخت تنبیہ کی کہ اس نے انہیں کیوں آنے دیا۔

رستم کو مسلمانوں کا پورا تجربہ ہو چکا تھا اس لیے وہ جنگ سے بچنے کے حیلے ڈھونڈتا تھا۔ چنانچہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا اور قادسیہ پہنچنے کے بعد اس نے پھر جنگ روکنے کی کوشش کی' اور سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ وہ گفتگو کے لیے دوبارہ آدمی بھیجیں۔ انہوں نے مغیرہؓ بن شعبہ کو چند آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ رستم نے انہیں مرعوب کرنے کے لیے بڑے ٹھاٹھ سے دربار آراستہ کیا۔ مغیرہؓ کی تلوار بھی قرینہ کی نہ تھی' نیام کے بجائے اوپر چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے اسی شان سے دربار میں داخل ہوئے' دونوں میں بڑی طویل گفتگو ہوئی۔ آخر میں رستم نے انہیں طمع دلائی کہ غالباً تم لوگ معاش کی تنگی اور پریشان حالی کی وجہ سے جنگ کے لیے نکلے ہو' ہم تم کو اتنا دینے کے لیے تیار ہیں کہ تمہارا پیٹ بھر جائے' تمہاری اور جو خواہشیں ہیں انہیں بھی پوری کرنے کے لیے تیار ہیں۔ مغیرہؓ نے جواب دیا' بے شک ہم بھوکے تھے لیکن خدا نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث کیا' جس کی پیروی کی وجہ سے ہماری بدبختی خوش بختی سے بدل گئی۔ اس نے ہم کو اپنے دین کے معاندین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے۔ اس لیے ہم تم کو خدائے واحد کی پرستش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر اسے قبول کرتے ہو تو فبہا ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی۔" یہ سن کر رستم جوشِ غضب سے بھر گیا اور کہا آفتاب دماغتاب کی قسم کل طلوعِ صبح سے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دوں گا۔ مغیرہؓ یہ سن کر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتے ہوئے لوٹ آئے۔

قادسیہ کی جنگ

رستم نے فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا اور راتوں رات ایرانی فوجیں مرتب ہو گئیں۔ صبح ہوتے ہوتے قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا سمندر موجزن تھا۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے۔ محرم ۱۴ھ میں فریقین صف آراء ہوئے' عین اس موقع پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو عرق النساء کا دورہ ہوا' اور وہ نقل و حرکت سے مجبور ہو گئے' اس لیے اپنی جگہ خالد ابن ارقط کو سپہ سالار مقرر کیا اور خود میدانِ جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا ٹھہر گئے اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکام بھیجتے رہتے تھے۔ بعد نمازِ ظہر جنگ کا آغاز ہوا اور رات کی تاریکی تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جو یوم ارماث کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا' عین لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی سفر آ ممتاز بہادروں کے لیے تحائف لاتے اور میدانِ جنگ میں اعلان کیا امیر المومنین نے اُن بہادروں کے لیے یہ تحائف بھیجے ہیں جو اپنے کو ان کا مستحق ثابت کریں۔ مسلمانوں نے جانیں لڑا دیں اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی' رات کی تاریکی میں دونوں الگ ہوئے۔ اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی' اس کے بڑے بڑے ممتاز اور نامور افسر مارے گئے' دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہو گئی' اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے۔

رات گزرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا۔ یہ دونوں گزشتہ معرکوں سے زیادہ ہولناک تھا اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں تھیں' انہیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بھڑکتے تھے۔ مسلمانوں نے گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر ان کا جواب پیدا کیا' لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رُخ کر دیتی تھی' صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی' یہ صورت دیکھ کر چند جانباز مسلمان نیزے لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور تاک تاک کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں۔ قعقاعؓ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہو گئی' وہ جھرجھری لے کر بھاگا۔ اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور یہ دیوارِ آہن ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا' اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا اور اس گھمسان

کا رن پڑا کہ تلواروں کی کھچا کھچ' نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی' دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی' دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا۔ رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کرتا رہا تھا لیکن آخر میں زخموں سے چُور ہو کر بھاگا۔ راستہ میں ایک ندی تھی' اس میں کود کر نکل جانا چاہا' مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب میں تھا ندی سے نکال کر قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے۔ ایرانیوں کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ بھیجا جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی حضرت عمرؓ کو بڑی بے چینی کے ساتھ خبروں کا انتظار رہتا تھا اور آپ قاصد کے انتظار میں روزانہ مدینہ کے باہر نکل جاتے تھے' اس لیے سعدؓ بن ابی وقاص کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا۔ اس سے حالات پوچھے' وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا' اس لیے سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے' یہاں اس کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین یہی ہیں۔ اس وقت وہ بہت سراسیمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کچھ ہرج نہیں تم حالات بیان کرتے جاؤ۔ زبانی حالات سننے کے بعد مسلمانوں کو جمع کر کے سعدؓ بن ابی وقاص کا خط انہیں سنایا اور حسبِ ذیل تقریر کی: "مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں' میں خود خدا کا غلام ہوں' البتہ خلافت کا بارِ گراں میرے اوپر ڈالا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکوں کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ تو میرے لیے عین سعادت ہے۔ اگر میں خواہش کروں کہ تم میرے دروازے پر حاضری دیا کرو تو میری بدبختی ہے۔ اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہو گی اور غم زیادہ۔

مدائن پر قبضہ

قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کر دی تھی' اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور وہ ان کو شکست دے کر بابل' کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایران کے پایۂ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے۔ بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پُل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں' اس لیے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا۔ سعدؓ ابن ابی وقاص نے خدا کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا' انہیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اتر گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ پار پہنچ گئی۔ ایرانی دور سے حیرت و استعجاب کے ساتھ یہ منظر دیکھتے رہے اور جب مسلمان کنارے پر پہنچ گئے تو "دیواں آمد دیواں آمد" کہہ کر بھاگ نکلے۔ یزدگرد پایۂ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص صفر ۱۶ھ میں مدائن میں داخل ہو گئے۔ جمعہ کے دن ایوانِ کسریٰ میں تختِ شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نمازِ جمعہ ادا کی' یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمینِ ایران میں پڑھا گیا' مدائن کے خزانے میں صدیوں کی جمع شدہ دولت اور زر و جواہر کے ذخائر کے علاوہ سلاطینِ عجم کے نادرِ روزگار عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں' یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ بھجوا دیے۔ ان نوادر میں نوشیرواں کا ملبوسِ شاہی اور ایران کا تاریخی فرشِ بہار بھی تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص مُحلّم کو پہنایا گیا۔ جب اس نے پہنا تو جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور انقلابِ دہر کا عجیب عبرتناک منظر سامنے آ گیا۔ فرشِ بہار سلاطینِ عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا' اس پر وہ بہار کے موسم میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ اس میں اس عہد کی ساری صناعیاں صرف کر دی گئی تھیں' بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے۔ سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جاتے لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے حکومتِ ایران کی طرح اس فرشِ بہار پر بھی خزاں آ گئی' اور ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا۔

جلولاء کا معرکہ

ایرانیوں نے اب جلولاء کو مرکز بنا لیا اور رستم کے بھائی خرزاد نے یہاں ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستوں پر گوکھرو بچھوا دیے۔ اس لیے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق ہاشم ابن عتبہ اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیجا' انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ جلولاء نہایت مستحکم شہر تھا اور یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا' اس لیے اس کی تسخیر میں کئی مہینے لگ گئے لیکن ہاشم نے عہد کر لیا تھا کہ بغیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے ہوتے ڈٹلیں گے۔ بالآخر کئی مہینے کی خونریز لڑائیوں کے بعد قعقاع کی شجاعت سے جلولاء فتح ہوگیا اور بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

حلوان پر قبضہ

یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا۔ اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان چھوڑ کر رَے بھاگ گیا۔ اُس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاع یہاں پہنچے اور خسرو شنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا اور عام منادی کرا دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کریں گے، ان کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا۔ اس اعلان پر بہت سے امرا دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

جزیرہ

عراق کے زیرنگیں ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے تھے اور فرماتے تھے کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک حائل ہوتی کہ نہ وہ (ایرانی) ہم پر حملہ آور ہو سکتے اور نہ ہم ان پر۔ مالِ غنیمت کے مقابلہ میں مجھے مسلمانوں کی جان زیادہ عزیز ہے، مگر عراق ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کر سکتے تھے اور اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا۔ پہلے صرف حکومت کا مقابلہ تھا مگر عراق نکل جانے کے بعد پوری قوم مقابلے میں آگئی اور اہلِ جزیرہ نے جن کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی، تکریت میں بڑا زبردست اجتماع کیا۔ سعدؓ بن ابی وقاص کو ایران پر فوج کشی کے بارے میں حضرت عمرؓ کے خیالات معلوم تھے، اس لیے انہوں نے ان کو یہ حالات لکھ بھیجے۔ ان حالات میں حضرت عمرؓ کے لیے بھی بجز مقابلہ کے کوئی چارۂ کار نہ تھا، چنانچہ آپ نے عبداللہ بن غنم کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا۔

تکریت پر قبضہ

اس حکم پر وہ سنہ ۱۶ھ میں پانچ ہزار فوج لے کر تکریت پہنچے اور اس کا محاصرہ کر کے چالیس دن تک برابر حملہ کرتے رہے لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے، اس لیے کامیابی نہ ہوتی تھی۔ عبداللہؓ نے عربوں کے پاس خفیہ نامہ و پیام کر کے انہیں ملا لیا، چنانچہ اس کے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو پشت سے عرب بھی حملہ آور ہو گئے اور ایرانی دونوں کے درمیان پس کر رہ گئے اور تکریت پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی، پھر سنہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے عیاض بن غنم کو مامور کیا۔ انہوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی لڑائیوں کے بعد رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمساط، سروج اور قرقیسیا فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ زیرنگیں کر لیا۔

خوزستان

عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ رکھنے کے لیے یہاں ایک فوجی چھاؤنی بصرہ قائم ہو چکی تھی، مگر اس کی سرحد خوزستان اب تک ایرانیوں کے قبضے میں تھی، اس لیے بصرہ کی حفاظت کے لیے خوزستان پر قبضہ ضروری تھا، چنانچہ سنہ ۱۶ھ میں بصرہ کے والی مغیرہ بن شعبہ نے اہواز پر حملہ کر کے یہاں کے والی ہرمز کو مطیع بنایا لیکن چند دنوں کے بعد وہ پھر باغی ہو گیا۔ اس وقت ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے والی تھے۔ انہوں نے ہرمز کو شکست دے کر اہواز پر مستقل قبضہ کر لیا۔ سوس کی فتح کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا۔ اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔ ابوموسیٰؓ کی فتوحات دیکھ کر ہرمزان نے یزدگرد کے پاس جا کر درخواست کی، اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے متعلق کر دی جائے تو عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے منظور کر لی اور اس کو اہواز اور فارس کی حکومت کا پروانہ دے کر کچھ فوج بھی اس کے ساتھ کر دی۔ یہ پروانہ لے کر ہرمزان شوستر آیا اور جنگی استحکامات درست کر کے ایک عظیم الشان فوج جمع کر لی۔

ابوموسیٰؓ کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دے کر مزید مدد مانگی۔ آپ نے عمارؓ بن یاسر والیٔ کوفہ کو حکم دیا وہ کوفی فوجیں لے کر ابوموسیٰؓ کی مدد کو روانہ ہو جائیں۔ جریر بن عبداللہؓ بجلی بھی فوج لے کر آ گئے۔ ابوموسیٰؓ ان دونوں کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے، ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ انہیں روکا، بہت سے مسلمان کام آتے لیکن آخر میں وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ ابوموسیٰؓ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا۔ اس کے ذریعے ایک مسلمان خفیہ راستے سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا اور تھوڑے سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر تہ خانہ کے ذریعہ شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کے دروازے کھول دیے۔ مسلمان باہر منتظر تھے، شہر کے دروازے کھلتے ہی گھس پڑے۔ ہرمزان نے قلعہ میں پناہ لی اور ابوموسیٰؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر نکل آؤں گا کہ مجھے عمرؓ کے پاس بھجوا دیا جائے۔ ابوموسیٰؓ نے منظور کر لیا اور ہرمزان مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کیا۔

نہاوند کا معرکہ

یزدگرد اس وقت مرو میں تھا، یہیں اسے خبر ملی کہ خوزستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور اس کا قوتِ بازو ہرمزان بھی گرفتار ہو گیا۔ اب تک ایرانی سمجھتے تھے کہ عربوں کا سیلاب سرحد پر آ کر رک جائے گا لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو نظر آیا کہ یہ سیلاب سارے ایران کو بہالے جائے گا۔ اس لیے ان کی درخواست پر یزدگرد نے ایران کے تمام چھوٹے چھوٹے ماتحت حکمرانوں کو مدد کے لیے لکھا۔ وہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے اور ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلے کے لیے جمع ہو گئی۔ کوفہ کے گورنر حضرت عمارؓ بن یاسر نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی، آپ نے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ آپ خود اہلِ حرم کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلیے لیکن حضرت علیؓ نے مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ خود جائیے گا تو اندرونِ عرب بغاوت ہو جائے گی۔ آپ ممالکِ محروسہ کی ایک تہائی فوج طلب کر کے اس کو نہاوند بھیجیے۔ اس مشورہ پر آپ نے فوجیں جمع کر کے نعمان ابن مقرن کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔ انہوں نے نہاوند سے چند میل ادھر منزل کی۔ مردان شاہ پہلے سے موجود تھا، اس نے صلح کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے مسلمان سفراء بلا بھیجے۔ نعمان نے مغیرہؓ بن شعبہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

مردان شاہ بڑے ٹھاٹھ سے سر پر زرنگار تاج رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا، درباری تلواریں اور زیورے لگائے کھڑے تھے جن کی چمک سے نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ مغیرہؓ نے کوئی توجہ نہ کی اور ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ اندر گھستے چلے گئے۔ راستے میں درباریوں نے روکنا چاہا، مغیرہؓ نے کہا "سفراء کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا"۔ مردان شاہ کے پاس پہنچ کر مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا: "اہلِ عرب! دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت، فاقہ مست اور نجس و ناپاک قوم جو ہو سکتی تھی وہ تم ہو، ہماری سپاہ کبھی کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم اپنے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے۔ اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا ورنہ تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپتی نظر آئیں گی۔" مغیرہؓ نے جواب دیا: "تمہارا جیسا خیال ہے بے شک ہم ایک زمانہ میں ایسے ہی تھے لیکن ہمارے رسولؐ نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اس نے ہم سے دنیا میں نصرت و فتح اور آخرت میں جنت کا وعدہ کیا اور اس وقت سے برابر فتح و نصرت ہمارے رکاب میں ہے، اس لیے اب ہم اُس وقت تک واپس نہیں جا سکتے جب تک تمہارے ملک کو فتح نہ کر لیں یا ہماری لاشیں نہ تڑپیں۔"

غرض مردان شاہ کی نخوت سے یہ سفارت ناکام رہی اور اس کی واپسی کے بعد جنگ چھڑ گئی اور ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ عجم کی لڑائیوں کے سلسلے میں قادسیہ کے سوا ایسی جنگ نہ ہوئی تھی۔ مسلمان نہایت ثبات و پامردی سے لڑے، ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں۔ نعمان ابن مقرن زخمی ہو کر گرے۔ زخم مہلک تھا لیکن انہوں نے منع کر دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی ان کی جانب متوجہ نہ ہو، چنانچہ ان کے گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم نے علم سنبھال لیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی اور اسی زور شور کے ساتھ جنگ جاری رہی۔ رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک اُن کا تعاقب کر کے ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر اس سروسامان کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آ سکے۔ اسی لیے عرب مورخین اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اختتامِ جنگ کے بعد معقل، نعمان بن منذر کے نیم جان لاشہ کے پاس پہنچے، کچھ کچھ جان باقی تھی، اس حالت میں بھی زبان سے نکلا: "مسلمانوں کا کیا انجام ہوا؟" جواب ملا "خدا نے فتح دی۔" فرمایا "الحمد للہ، عمرؓ کو اطلاع دو" یہ مژدہ سن کر جانِ جان آفریں کے سپرد کی۔ حضرت عمرؓ کو مہینوں سے بیقراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا، عین اس حالت میں قاصد کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لیے ہوئے پہنچا۔ فتح کا مژدہ سن کر آپ کو بڑی مسرت ہوئی لیکن نعمانؓ کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار رونے لگے اور جواہرات فروخت کر کے فوج میں تقسیم کرا دیے۔

ایران پر عام لشکر کشی

حضرت عمرؓ سرزمین ایران کی طرف نہ بڑھنا چاہتے تھے لیکن عراق نکل جانے کے بعد سے ایرانی چین سے نہ بیٹھے تھے اور وہ برابر فوجیں جمع کر رہے تھے۔ مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دیتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یزدگرد مرو میں بیٹھا ہوا آئے دن نئے نئے فتنے اٹھاتا رہتا تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ کو بڑا تردد تھا اور آپ ان بغاوتوں کو مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ چند مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات میں شریک تھے، اس کا اظہار بھی کیا: "معلوم ہوتا ہے مسلمان ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں، اس لیے وہ باغی ہو جاتے ہیں۔" ان لوگوں نے اس کی تردید کی۔ احنف بن قیسؓ نے کہا: "امیر المومنین! اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک بڑھنے سے روک دیا ہے اور اس کا بادشاہ ملک میں موجود ہے۔ جب تک وہ باقی رہے گا اس وقت تک وہ برابر غدر کرتے رہیں گے کیونکہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے جب تک ہم کو اندرون ملک فوج کشی کر کے ان کے بادشاہ کا قلع قمع کرنے کی اجازت نہ ملے گی، اس وقت تک یہی صورت قائم رہے گی اور جب تک وہ بادشاہ سے مایوس نہ ہوں گے اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں گے۔ حضرت عمرؓ نے احنفؓ کی دانشمندانہ رائے بہت پسند کی اور اسی وقت ایران پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا۔

کچھ دنوں بعد آپ نے پھر صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے اس وقت تک یہ فتنہ و فساد ختم نہ ہوگا۔ اس مشورہ کے بعد آپ نے ایران پر عام فوج کشی کا فیصلہ کیا اور اس کے مختلف حصوں کے لیے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کیے۔ ۲۱ھ میں یہ سب افسر اپنی اپنی مہموں پر روانہ ہو گئے۔ ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر متعدد افسروں کو مامور کیا۔

اصفہان

عبداللہ بن عبداللہ نے ۲۱ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی یہاں کا رئیس اسبیذان سواد اصفہان میں فوجیں لیے ہوا تھا۔ مقدمۃ الجیش کی کمان ایک پرانے اور تجربہ کار بہادر شہریار کے ہاتھوں میں تھی۔ عبداللہ کے پہنچنے کے ساتھ دونوں میں ایک خونریز معرکہ ہوا۔ شہریار نے مبارزطلبی کی، عبداللہ مقابلے میں آئے، شہریار مارا گیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور اسبیذان نے صلح کر لی۔

ہمدان کی بغاوت

نعیمؓ بن مقرن ہمدان فتح کر چکے تو ہمدان کا محاصرہ کیا۔ اہل ہمدان نے صلح کر لی لیکن اس کے بعد ہی دیلم، رے اور آذربیجان کے رؤسا، ابوالنصر خان اور اسفندیار اپنی فوجیں لے کر اہل ہمدان کی مدد کو پہنچ گئے۔ نعیم کو خبر ہوئی تو مقابلہ کے لیے نکلے، وادی رود میں نہایت خونریز جنگ ہوئی، ایرانیوں نے شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی۔

رے

وادی رود کے معرکہ کے بعد نعیمؓ بن مقرن رے پہنچے یہاں کے حاکم سیاوش نے جو بہرام چوبین کا پوتا تھا، طبرستان، قومس اور جرجان کے امراء سے مدد طلب کی، یہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچے۔ رے کا ایک رئیس زینبی جو سیاوش سے کسی بات پر برہم تھا، نعیم سے مل گیا اور حسن تدبیر سے رے پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دیا۔ یہاں قریب قریب مدائن کے برابر مال غنیمت ملا۔ اس خدمت کے صلہ میں نعیم نے زینبی کو رے کی حکومت عطا کی اور یہیں سے اپنے بھائی سوید کو بھیج کر قومس پر قبضہ کرایا۔ ۲۲ھ میں طبرستان کا پورا علاقہ مطیع ہو گیا۔

آذربیجان

حضرت عمرؓ نے عتبہؓ بن فرقد کو آذربیجان کی مہم پر مامور کیا تھا، بکیر بن عبداللہ ان کے شریک تھے۔ یہ دونوں ۲۳ھ میں آذربیجان کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ بڑھے۔ کوہستان جرمیدان میں آذربیجان کے حاکم اسفندیار کا جو وادی رود کی مہم سے ناکام واپس آ رہا تھا، بکیرؓ بن عبداللہ سے سامنا ہوا، اسفندیار شکست خوردہ تھا، اس لیے بکیرؓ نے اسے دوبارہ آسانی سے شکست دے کر گرفتار کر لیا، اس کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے بکیرؓ سے پوچھا آئندہ کیا چاہتے ہو صلح یا جنگ؟ بکیرؓ نے جواب دیا صلح۔ اسفندیار نے کہا اگر صلح چاہتے ہو تو مجھے اپنے پاس روکے رکھو، چنانچہ بکیرؓ نے روک لیا۔ اس درمیان میں عتبہ بن فرقدؓ نے بھی اپنی مہم سے فراغت حاصل کر لی اور بکیرؓ حضرت عمرؓ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لیے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اسفندیار کا بھائی بہرام پشت کی طرف سے بڑھا لیکن عتبہ نے شکست دے دی۔ اس کے شکست کھانے کے بعد اسفندیار نے جو عتبہ کے پاس تھا کہا کہ اب جنگ ختم ہو گئی اور عتبہ سے مصالحت کر لی۔ اس طرح آذربیجان کا پورا علاقہ صلحاً مطیع ہو گیا۔

آرمینیہ کا ایرانی حاکم شہریار آرمینیوں کو نہایت ذلیل سمجھتا تھا، چنانچہ وہ عبدالرحمٰنؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا مخلوط النسل ارمنی کتوں کا کوئی حسب نسب نہیں ہے اور کوئی سمجھدار عالی نسب، عالی نسبوں کے مقابلہ میں کمینوں کی مدد نہیں کر سکتا۔ اس لیے مجھ کو آرمینیوں سے

کوئی ہمدردی نہیں ہے، میرے ملک اور میری قوم کو تم لوگ فتح کر چکے، اس لیے میں بھی تمہارا مطیع اور مددگار ہوں لیکن اتنی درخواست ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور اپنے دشمن ارمنیوں کے مقابلے میں کمزور نہ کرو۔ اس کی درخواست سن کر عبدالرحمٰنؓ نے اس کو سراقہ کے پاس بھجوا دیا، اس نے سراقہؓ سے بھی یہی کہا۔ انہوں نے کہا جزیہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے اور شہریار کی درخواست منظور کر کے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دے دی، انہوں نے بھی اس فیصلہ پر پسندیدگی ظاہر کی۔

فارس

فارس پر حملے کے لیے درمیان میں دریا پڑتا تھا اور حضرت عمرؓ مسلمانوں کو دریا کے خطرات میں ڈالنا نہ چاہتے تھے چنانچہ اکثر فرمایا کرتے تھے کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھ سکتے اور نہ وہ ہماری طرف آ سکتے، مگر ایک اولوالعزم جانباز مسلمان علاءؓ بن حضرمی والی بحرین نے ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا تھا، لیکن سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اسلامی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور جو بچا اسے اہل فارس نے گھیر لیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت قلق ہوا اور فوراً عتبہ بن غزوان کو لکھ کر مدد کے لیے فوجیں بھجوائیں۔ انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقی ماندہ مسلمانوں کو بچایا۔

اس کے بعد جب ایران پر عام فوج کشی ہوئی تو ساریہ بن زنیم کنانی ۲۳ھ میں فارس کی طرف بڑھے۔ اہل فارس اس وقت توج میں جمع تھے، مسلمان ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جو سمت ان کے لیے متعین کر دی گئی تھی سیدھے اسی رخ پر بڑھتے چلے گئے، اس لیے اہل فارس بھی توج سے منتشر ہو گئے۔ ان کے منتشر ہونے کے بعد مجاشع بن مسعودؓ سابور اور اردشیر خرہ کی طرف بڑھے اور توج میں فارسیوں کا مقابلہ ہوا، مسلمانوں نے شکست دے کر توج فتح کر لیا۔ دوسری طرف عثمانؓ بن ابی العاص اصطخر کی طرف بڑھے، یہاں کے باشندوں نے مقام جور میں مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ عثمان نے جور اور اس کے بعد اصطخر پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح فارس کے بڑے حصے پر قبضہ ہو گیا۔

سیستان

کرمان کے بعد عاصمؓ بن عمرو نے سیستان پر فوج کشی کی، اہل سیستان روکنے کے لیے بڑھے، مسلمانوں نے شکست دی اور تعاقب کرتے ہوئے دور تک بڑھتے چلے گئے۔ زرنج پہنچ کر اس کا محاصرہ کر کے دریا کا بند کھول دیا جس سے سارے سیستان میں سیلاب آ گیا اور اہل سیستان نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے۔ مسلمانوں نے منظور کر لیا اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھا کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی گزر جاتے تھے کہ فصل چھو نہ جائے۔

مکران

سیستان ایران کی آخری حد ہے، اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایران کی سرزمین کے بعد اسلام کا علم ہندوستان کی حدود کی طرف بڑھا، چنانچہ سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے۔ یہاں کا فرمانروا راسل سندھ کے حکمران کی مدد لے کر مقابلہ میں آیا، دریائے ہلمند پر دونوں کا مقابلہ ہوا، ایک خونریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی۔ اس شکست میں مکرانیوں کی بڑی تعداد کام آئی۔

خراسان پر فوج کشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں مقیم تھا، مقدس آگ ساتھ تھی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا، اس لیے احنف بن قیس سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد کے مستقر مروشاہجہان کا رخ کیا اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا۔ مروشاہجہان کی طرف احنف کا رخ دیکھ کر یزدگرد مرو الروذ چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی۔ احنف کو خبر ملی تو وہ فوراً مرو الروذ پہنچ گئے۔ یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا، احنف بھی تعاقب میں پہنچے، یزدگرد شکست کھا کر نہر پار کر کے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہو گئے۔

یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیر نگیں کر لیا اور مرو الروذ واپس ہو کر حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ لکھا۔ آپ سن کر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے یہاں پہنچا، اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان آیا۔ احنف اس وقت مرو الروذ میں تھے، یہیں دونوں کا مقابلہ ہوا، کچھ دنوں فریقین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جھڑپ ہوتی رہی۔ ایک دن حسبِ معمول خاقانِ چین کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل و دمامہ بجاتے ہوئے نکلے، احنف نے یکے بادیگرے تینوں کو قتل کر دیا۔ خاقان نے اس سے فال بدلی، اس کو مسلمانوں کی قوت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا، اس لیے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور دوسروں کے لیے لڑ کر انہیں خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانا مناسب نہیں ہے، فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لے کر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا۔ ایرانیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے روکا کہ چینیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے، معلوم نہیں وہ کیسا برتاؤ کریں گے۔ ان سے بہتر مسلمان ہیں کہ وہ دین و مذہب رکھتے ہیں اور عہد کے پابند ہیں۔ اس لیے چین جانے سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لے جانے پر مصر ہوا۔ ایرانیوں نے جب دیکھا ملک کی کل دولت نکلی جا رہی ہے تو زبردستی چھین لی اور یزدگرد ناکام و نامراد ترکستان چلا گیا۔ ایرانیوں نے احنف کے پاس جا کر ان سے صلح کر کے کل خزانہ حوالے کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی اس کے صلہ میں ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور مسلمانوں سے مصالحت کے بعد ان کو جو راحت اور فارغ البالی نصیب ہوئی وہ اکاسرہ کے زمانہ میں بھی میسر نہ آئی تھی۔ اس مصالحت کے بعد احنف نے حضرت عمرؓ کو دوہرا خط لکھا، آپ اسے لے کر مسجد میں آئے اور مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا اور یہ مختصر مگر مؤثر تقریر کی: "آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اُن کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی زمین، ان کا ملک، اور اُن کی دولت کا تم کو اس لیے وارث بنایا ہے کہ تم کو آزمائے، اس لیے تم اپنی حالت نہ بدلو، ورنہ خدا بھی تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا۔ مجھ کو اس اُمت کے لیے خود اس کے افراد سے خوف ہے۔"

شام کی فتوحات

محاصرہ دمشق

دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا اور اس کی فتح عہدِ فاروقی میں عمل میں آئی۔ دوران محاصرہ دمشق کے بطریق کے گھر میں بچہ پیدا ہوا، اس کے جشن میں اہلِ شہر نے خوب شرابیں پیئیں اور ایسے بدمست ہو کر سوتے کہ کسی بات کی خبر نہ رہی۔ خالدؓ بن ولید راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر خبریں لیا کرتے تھے اس لیے انہیں اس کی اطلاع ہو گئی، وہ کمند لگا کر مع چند جانبازوں کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اتر گئے اور پھاٹک کے محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیے۔ مسلمان باہر منتظر تھے، وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہو گئے۔ اہلِ شہر اس ناگہانی مصیبت سے گھبرا گئے، ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا، وہ سیدھے ابوعبیدہؓ کے پاس جو دوسری سمت متعین تھے پہنچے اور ان سے صلح کی درخواست کی، انہیں اس صورتِ حال کا علم نہ تھا اس لیے صلح قبول کر لی اور شہر کی ایک سمت سے خالدؓ بن ولید فاتحانہ داخل ہوتے اور دوسری طرف سے ابوعبیدہؓ مصالحانہ لیکن چونکہ ابوعبیدہؓ مصالحت کر چکے تھے، اس لیے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اور نہ مالِ غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا۔ یہ فتح ۱۴ھ میں ہوئی۔ دمشق شام کا مرکزی شہر تھا، اس کے نکل جانے کا رومیوں کو بڑا صدمہ تھا اور انہوں نے مسلمانوں کو روکنے کے لیے صوبہ اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں۔ ۱۴ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، کئی خونریز معرکوں کے بعد عیسائیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور اردن کا پورا صوبہ فتح ہو گیا۔

حمص

دمشق اور اُردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے، اس لیے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں حکومت کی کوئی فوج نہ تھی، شہر کی آبادی حکومت کی امداد کی امید پر کچھ دنوں تک مدافعت کرتی رہی لیکن مسلمانوں نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا، اس لیے شہر والوں نے مایوس ہو کر آخر میں صلح کر لی۔ حمص کے محاصرہ کے درمیان میں ابوعبیدہؓ نے حماۃ، شیزر اور معرۃ النعمان چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لیے۔ حمص کی تسخیر کے بعد یہاں عبادہؓ بن صامت کو چھوڑ کر ابوعبیدہؓ لاذقیہ روانہ ہو گئے۔ یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا، ابوعبیدہؓ نے اسے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا۔ لاذقیہ فتح کرنے کے بعد ہرقل کے پایۂ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچ گیا کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے، اس لیے رُک جانا پڑا۔

رومیوں کی فریاد

دمشق، اردن اور حمص کی فتوحات نے رومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا، انہوں نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی: "مسلمانوں نے سارا شام پامال کر ڈالا ہے اور کوئی طاقت ان کو روکنے والی نہیں ہے۔" ان کی فریاد پر ہرقل نے چند معزز اور صاحب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا: "کیا وجہ ہے عرب تم سے تعداد، اسلحہ اور سروسامان ہر چیز میں کم ہیں پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے؟" اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا، ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا: "عربوں کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ہمارا یہ حال ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں، وعدہ کی پابندی نہیں کرتے، دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش و استقلال ہوتا ہے اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہیں۔"

مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور ان کے مقابلے میں رومیوں کی درماندگی دیکھ کر قیصر نے شام چھوڑ کر قسطنطنیہ چلے جانے کا قصد کیا تھا لیکن جوق در جوق بے کس رومیوں کی فریاد سن کر اُسے غیرت آ گئی اور وہ پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گیا اور تمام ممالکِ محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے لیے فرمان جاری کر دیے۔ رومی پہلے سے جذبۂ انتقام سے سرشار ہو رہے تھے، قیصر کے فرمان نے اور آگ لگا دی اور انطاکیہ میں فوجوں کا طوفان اُمڈ آیا۔ رومیوں کا یہ جوش و خروش دیکھ کر ابوعبیدہؓ نے افسرانِ فوج سے مشورہ کیا اور یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجیں ایک جگہ جمع کر لی جائیں۔ چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا، چونکہ اس وقت مسلمان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے جزیہ کی رقم جو درحقیقت حفاظت کا معاوضہ تھی، انہیں واپس کر دی گئی۔ اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے۔ دمشق میں اجتماع کے بعد ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو نئی صورتِ حال کی اطلاع بھجوائی۔ رومیوں کی تیاریوں کا حال سن کر اہلِ مدینہ میں بھی جوش پیدا ہو گیا اور ہر شخص سربکف میدانِ جہاد میں جانے کے لیے آمادہ ہو گیا اور حضرت عمرؓ نے تھوڑی سی مزید امدادی سپاہ شام روانہ کر دی۔

فیصلہ کُن معرکہ

اُردن کے علاقہ میں یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لیے نہایت موزوں اور مناسب تھا۔ اُس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک نہ تھی، اس لیے ابوعبیدہؓ نے رومیوں کے مقابلہ کے لیے اسی میدان کا انتخاب کیا اور کل فوجیں دمشق سے یرموک میں منتقل کر دیں۔ قریب ہی مقام دیر الجبل میں رومیوں کا ٹڈی دل آ کر خیمہ زن ہوا، ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی۔ رومیوں کے مذہبی جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ مقدس راہب تک جنہوں نے کبھی حجرۂ عبادت سے قدم نہ نکالا تھا، عام سپاہیوں کے ساتھ ہو گئے تھے، مسلمانوں کی تعداد بیس تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی لیکن سب منتخب بہادر تھے۔ ان میں ایک سو بدری اور ایک ہزار عام صحابہ تھے۔ رجب ۱۵ھ میں پہلا مقابلہ ہوا، اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہو گئی، التوائے جنگ کے بعد رومیوں نے مصالحت کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے سفیر طلب کیے۔ ابوعبیدہؓ نے خالد بن ولید کو بھیجا لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور دوبارہ رومی اس شان کے ساتھ میدان میں آئے کہ آگے آگے مقدس پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے ہوئے یسوع مسیح کا نام لے لے کر جوش دلا رہے تھے۔ تین ہزار رومیوں نے پیروں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ میدان سے منہ موڑنے کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے۔ یہ جوش و خروش دیکھ کر خالد بن ولیدؓ نے از سرِ نو فوجوں کو مرتب کیا اور ان کو جدید طریقہ سے چھتیس حصوں پر تقسیم کر کے صف آرائی کی۔ مسلمانوں کے صف آرا ہوتے ہی رومیوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ درمیان میں بعض بعض موقعوں پر مسلمانوں کا بازو کمزور پڑ گیا لیکن انجام کار میدان انہی کے ہاتھ میں رہا۔ رومیوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ اس شکست نے رومیوں کی قوت بالکل توڑ دی، چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ یرموک کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو مژدۂ فتح بھیجا۔ آپ کئی دن سے انتظار میں سوتے نہ تھے، فتح کی خبر سن کر سجدہ میں گر پڑے۔ یرموک کے معرکے نے رومیوں کی قوت پاش پاش کر دی تھی۔

رومیوں کی جانب سے ایک حد تک اطمینان ہو گیا تو عمروؓ بن العاص نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ اس دوران میں ابوعبیدہؓ بھی پہنچ گئے، عیسائیوں نے چند دنوں تک مدافعت کی لیکن اُن کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی، اس لیے آخر میں صلح کے لیے تیار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ے اور یہ شرط پیش کی کہ امیر المومنین خود آ کر صلح کا معاہدہ لکھیں، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے منظور فرمایا اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ھ میں بیت المقدس روانہ ہوتے۔ تمام مسلمان افسروں کو اطلاع دے دی گئی تھی مقام جابیہ میں انہوں نے آپ کا استقبال کیا۔ ان کے بدن پر دیبا و حریر کی پُرتکلف قبائیں تھیں، حضرت عمرؓ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر غصہ آگیا اور کنکریاں مار کر فرمایا تم نے اتنی جلد عجمی عادتیں اختیار کر لیں، ان لوگوں نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آگئے تھے، چنانچہ یہیں معاہدہ لکھا گیا اور اس پر تمام معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔ کسی مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزوں سے متعلق ہو سکتے ہیں، جان و مال اور مذہب اس معاہدہ میں یہ تینوں چیزیں محفوظ قرار دی گئیں۔ یہودیوں کا بیت المقدس سے اخراج عیسائیوں کی رعایت سے تھا کہ وہ ان کے قومی اور مذہبی دشمن اور بڑے فتنہ پرست تھے، یونانی گو مسلمانوں کے حریف تھے لیکن بیت المقدس میں اُن کے قیام کی صورت میں اُن کے ساتھ بھی اہلِ ایلیا کی طرح مراعات کی گئیں اور نکل جانے کی صورت میں بھی جان و مال اور عبادت گاہیں محفوظ قرار دی گئیں۔ ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے ساتھ اس سے زیادہ منصفانہ سلوک اور کیا ہو سکتا ہے؟

بیت المقدس میں کئی دن حضرت عمرؓ کا قیام رہا۔ ایک دن حضرت بلالؓ نے شکایت کی کہ امیر المومنین! ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدے کی روٹیاں کھاتے ہیں اور عام مسلمان کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا انہوں نے عرض کیا کہ یہاں سب چیزیں نہایت ارزاں ہیں، حجاز میں جس قیمت پر روٹی اور کھجور ملتی ہے، یہاں اُسی قیمت پر پرند کا گوشت ملتا ہے۔ اس جواب پر آپ انہیں منع تو نہ کر سکے لیکن تنخواہ کے علاوہ سپاہیوں کی خوراک بھی مقرر کر دی۔

ایک دن آپ نے حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا میں نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ کہوں گا لیکن آج اور صرف آج آپ کی خواہش پوری کروں گا۔ بلالؓ جب اذان دینے لگے تو صحابہؓ کی نگاہوں کے سامنے عہدِ نبوی کا سماں پھر گیا، سب کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں، حضرت معاذ بن جبل روتے روتے بے تاب ہو گئے اور حضرت عمرؓ کی ہچکی بندھ گئی۔

خالدؓ بن ولید کی معزولی

شام کی فتوحات اور ۱۸ھ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت خالدؓ ابن ولید کی معزولی کا ہے۔ عام طور پر مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے زمام خلافت سنبھالتے ہی خالدؓ کو معزول کر دیا تھا لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔ یہ واقعہ ۱۸ھ کا ہے اور اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ جس جانباز کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا حضرت عمرؓ نے عین محاذِ جنگ میں اسے معزول کر دیا۔ اس کے علاوہ اور حیثیتوں سے بھی سبق آموز ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید اپنے شجاعانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپروائی برتتے تھے چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے سے وہ کبھی فوجی مصارف کا حساب و کتاب نہیں بھیجتے تھے۔ انہوں نے اُن کو فہمائش بھی کی تھی لیکن خالدؓ اس پر آمادہ نہ ہوتے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کی خدمات کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیا، حضرت عمرؓ کو اسی زمانے سے ان کی یہ روش پسند نہ تھی، ان کے زمانے میں بھی یہی روش قائم رہی۔ آپ نے ان کو تاکید کی کہ وہ آئندہ سے ان کی اجازت کے بغیر کسی کو ایک بکری بھی نہ دیں، خالدؓ نے جواب دیا میں ابو بکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہوں، اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ لکھا تم سپہ سالار اسی شرط پر رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو لیکن اس وقت بھی خالدؓ اپنی ضد پر قائم رہے، اس پر بھی حضرت عمرؓ نے ان کو معزول نہیں کیا بلکہ حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۷ھ میں انہوں نے ایک شاعر کو دس ہزار کی خطیر رقم دے ڈالی، حضرت عمرؓ نے اُن سے بازپرس کی اور ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ اگر خالدؓ نے یہ رقم اپنی جیب سے دی ہے تو اسراف کیا اور بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی، دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

جو قاصد یہ حکم لے کر گیا تھا، اس نے خالدؓ سے پوچھا یہ رقم تم نے کہاں سے دی ہے؟ اس وقت بھی خالدؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس لیے قاصد نے بھرے مجمع میں نشانِ معزولی کے طور پر ان کے سر سے ان کی ٹوپی اتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا میں انہی کے عمامہ سے اُن کی گردن باندھ دی۔

خالدؓ نے اس طرزِ عمل کے جواب میں کہا تو یہ کہا کہ میں نے اس حکم کو سُنا اور مانا اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔ اس واقعہ سے خالدؓ کی حق پرستی اور حضرت عمرؓ کے دبدبہ اور شکوہ دونوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سپہ سالار کو بھرے مجمع میں معزول کیا جاتا ہے لیکن وہ دم نہیں مارتا۔

مصر کی فتوحات

شام کے زیرنگیں ہونے کے بعد اُس کے ہم سرحد ملک مصر پر فوج کشی ہوئی۔ اس کی فتح کا سہرا تمام تر حضرت عمروؓ بن العاص کے سر ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ میں اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے، اسی زمانے سے مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی۔ اس پر فوج کشی کا دوسرا محرک یہ سبب تھا کہ مصر کی قبطی حکومت قیصرِ روم کی ماتحت تھی اور رومیوں کا اس پر پورا اثر تھا اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعے شام یا کم از کم اس کے سرحدی علاقوں میں شورش بپا کرا سکتے تھے، اس لیے شام کی حفاظت کے لیے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ شام کی فتح کے بعد عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی، آپ نے احتیاط کے خیال سے انکار کر دیا لیکن پھر عمروؓ بن العاص کے پیہم اصرار پر رضامند ہو گئے اور چار ہزار سپاہ ساتھ کر دی۔

حضرت عمرؓ سے اجازت لینے کے بعد عمروؓ بن العاص نے ۲۱ھ میں مصر پر فوج کشی کی اور عریش کے راستہ سے فرما پہنچے۔ یہاں کی رومی فوجوں نے روکا، عمروؓ بن العاص نے انہیں شکست دی اور آگے بڑھ کر بلبیس پر ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوتے فسطاط پہنچے۔ فسطاط اس زمانہ میں غیر آباد تھا لیکن یہاں حکومتِ مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں مصری فوجیں رہا کرتی تھیں۔ عمروؓ بن العاص نے اُن کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ نہایت مستحکم تھا اور مصریوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لیے عمروؓ بن العاص نے دار الخلافہ سے مزید امدادی فوجیں مانگ بھیجیں، حضرت عمرؓ نے حضرت زبیر بن عوام اور چند صحابہؓ کو دس ہزار فوجیں دے کر بھیجا۔ عمروؓ بن العاص نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا۔ کامل سات مہینے تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر میں حضرت زبیرؓ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، بعض اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچ کر ان لوگوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ میں گھس آتے بدحواس ہو کر قلعہ سے بھاگ نکلے۔ حضرت زبیرؓ نے قلعہ میں اتر کر پھاٹک کھول دیا اور اسلامی فوج داخل ہو گئی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مقوقس فرمانروائے مصر نے صلح کر لی۔ مقوقس قیصرِ روم کا ماتحت تھا۔ قیصر کو اس مصالحت کی خبر ہوئی تو مقوقس کو لکھ بھیجا اگر تم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی جو تم نے صلح کر لی اور اسی وقت ایک لشکرِ گراں قسطنطنیہ سے اسکندریہ روانہ کیا۔

اسکندریہ کی تسخیر

مقوقس صلح پر قائم رہا اس لیے اب مسلمانوں کا مقابلہ رومیوں سے تھا، رومی فوجیں اسکندریہ میں تھیں اس لیے ۲۱ھ میں عمروؓ بن العاص نے فسطاط کی فتح کے بعد اسکندریہ کا رُخ کیا۔ راستہ میں جابجا رومیوں اور ان کے ساتھ قبطیوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے۔ مقام کریون میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت فاش شکست دی۔ اس کے بعد پھر کسی نے راستے میں روکنے کی جرأت نہ کی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ مقوقس فرمانروائے مصر بذاتِ خود لڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن قیصرِ روم کے خوف سے نہ علانیہ صلح پر قائم رہ سکتا تھا اور نہ کوئی دوسری صلح کر سکتا تھا اس لیے بظاہر مقابلہ پر ڈٹا رہا لیکن خفیہ عمروؓ بن العاص سے طے کر لیا کہ وہ اور اس کی قوم اس جنگ میں دل سے شریک نہیں ہے اس لیے قبطیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے، چنانچہ قبطی خفیہ مسلمانوں کی مدد بھی کرتے تھے۔

عرصہ تک اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو بڑی تشویش تھی، انہوں نے عمروؓ بن العاص کو خط لکھا: "معلوم ہوتا ہے وہاں کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش و عشرت میں پڑ گئے ہو ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی، میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کر دو"۔ اس خط پر عمروؓ بن العاص نے فوج کے سامنے جہاد پر وعظ کہہ کر اس کو گرمایا اور عبادہؓ بن صامت کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں اسکندریہ فتح ہو گیا۔ اسی وقت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرِ فاروق رضہ

اے عمرؓ! اے پیکرِ عزم و جلال بے پناہ
تھا غریب اسلام جب اسلام تو لایا نہ تھا
راستے سے تیرے کتراتا تھا ابلیسِ لعین
زندگی تیری ہے تفسیرِ صحابی کالنجوم
جو ترا دشمن ہے وہ اسلام کا بھی ہے عدو
تو اشداءُ علی الکفار کی تصویر ہے !
تو مرے محبوب کا عاشق بھی ہے محبوب بھی
آج تیری مدح بھی ہے مستحقِ تعزیر کی

ہے جہاں بالوں میں اونچی سب سے تیری بارگاہ
مل گئی اس کو پناہ جب تو نے لی اس میں پناہ
کس قدر تقدیس کی حامل تھی تیری شاہراہ
تو چلے جس پر وہی دینِ ہدیٰ کی بھی ہے راہ
دوست جو تیرا ہے وہ ہے دین کا بھی خیر خواہ
بھاگتی ہے نام سے تیرے شیاطیں کی سپاہ
تیری خاکِ پا ہے مجھ کو سرمۂ قلب و نگاہ
آہ! تہذیبِ نوی کی فہرسِ جرم و گناہ

کس طرح بدلی گئی اسلام کی تقدیر دیکھ
ہتھکڑی ہے اور دستِ بندگانِ حق پرست
آکہ تیرے واسطے ہیں دیدہ و دل فرشِ راہ
مدعی اسلام کے قانع غلامی پر ہوئے
دیکھ تجدید و نبوت کے کرشمے نو بہ نو
دیکھ مشرق کو کہ ہے وارفتۂ تہذیبِ غرب
نوجوانوں کا شباب آوارۂ فسق و فجور! !

مدحِ اصحابِ محمدؐ موجبِ تعزیر دیکھ
اہلِ مغرب کا طریقِ بندشِ تقریر دیکھ
ہند میں اسلام کی کم ہوگئی، تنویر دیکھ!
یہ نئی اِک انتم الاعلون کی تفسیر دیکھ
ایک کی تفسیق اور ایک کی تکفیر دیکھ
دیکھ یہ فتنہ اور اس فتنے کو عالمگیر دیکھ
مبتلائے حسرتِ ذوقِ گنہ ہر پیر دیکھ

کر عطا مجھ کو بھی اپنا دُرّۂ عزم و جلال
میں بدلنا چاہتا ہوں قوم کی تقدیر دیکھ

مولانا نصر اللہ عزیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے اِصلاحات، تعمیرات، ایجادات میں اپنا سکہ کس طرح منوالیا؟

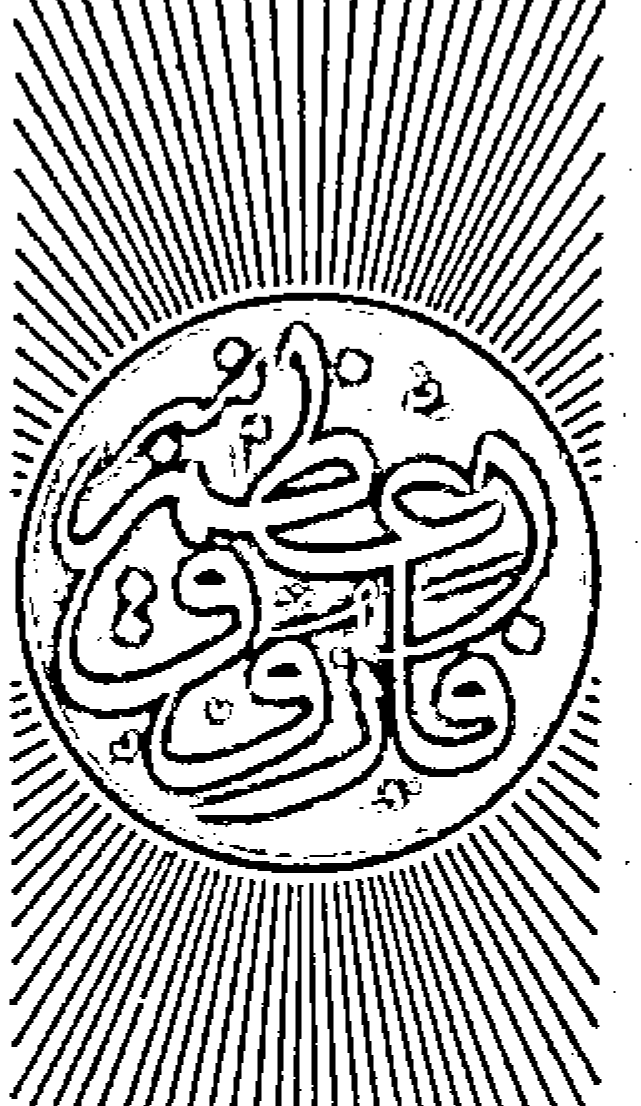

علامہ شبلی نعمانی

حکومت کے نظم ونسق میں جو چیز سب سے مقدّم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حُجرہ تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے۔ کھانے سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے اور دیگر ضروریات کے لیے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہیں۔ جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے۔ مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے عجیب وغریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اُس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلۂ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے، تاہم اُنھوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کرکے جداگانہ محکمے قائم کیے۔

ملک کی تقسیم۔ صوبجات اور اضلاع

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرّع ہیں، ملک کا مختلف حصّوں میں تقسیم ہونا ہے۔ جن کو صوبہ، ضلع اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس کی ابتدا کی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور تناسب سے اُس کی حدود قائم کیں۔ تمام مؤرخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ اُنھوں نے ممالکِ مقبوضہ کو ۸ صوبوں میں تقسیم کیا۔

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے

مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین مؤرخ یعقوبی نے آٹھ کے بجائے سات صوبے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ میں کیا تھا۔" مؤرخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے جس کی تفصیل بتا دینا ضروری ہے: فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی، اس کے لحاظ سے صرف یہ آٹھ صوبے کافی نہیں ہوسکتے تھے۔ فارس خوزستان، کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے اُن کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلعے تھے اکثر جگہ حضرت عمرؓ نے اُسی طرح رہنے دیے۔ اس لیے مؤرخین نے ان کا نام نہیں لیا، البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کیے ان کا ذکر ضروری تھا اور وہ یہی آٹھ تھے لیکن یہ امر بھی بلحاظِ اغلب صحیح ہے۔ ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیمِ مُلکی میں بھی تصرفات کیے تھے۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا اور اس میں دس ضلعے شامل تھے ۱۵ھ میں جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جا کر معاہدۂ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصّے کر دیے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا، اور علقمہ بن حکیم وعلقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعیّن کیا۔ مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن عمرؓ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصّہ جس کو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جس میں ۲۸ ضلعے شامل تھے، ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور نشیبی حصّہ جس میں ۱۵ ضلعے شامل تھے اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیے تھے۔ اس لیے صرف یہ بتا دیا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصّوں میں منقسم تھے

مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبے میں منقسم تھی۔

خراسان: اس میں مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے: نیشاپور، ہرات، مرو، مرو رود، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، باذغیس، باورد، غرشستان، طوس، سرخس، جرجان۔

آذربائیجان: اس میں مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے طبرستان، لے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، نہاوند، دینور، حلوان، ماسندان، مہرجان، قذق، شہرزور، سامغان، آذرسجان۔

فارس: اس میں مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصطخر، شیراز، نوبندجان، جور، گازرون، فسا، دارابجرد، اردشیر خرہ، سابور، اہواز، جندیسابور، سوس، نہرتیری، منادر، تستر، ایذج، رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر

صوبوں میں مفصلۂ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے: والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان، یعنی دفتر فوج کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر، صاحب احداث یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف، چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف کلکٹر، عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن خلف الخزاعی کاتبِ دیوان تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا۔ مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا بحرین میں قدامہ بن مظعون صاحب الخراج تھے، اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے معمور ہوتے تھے، عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کرکے بھیجا، تو دس معزز آدمی ان کے اسٹاف میں دیے جن میں ایک قرظ خزرجی بھی تھے۔

میر منشی قابل اور تقریر اور تحریر میں یکتا ہوتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا، تو تمام عرب اس کے عَلَم کے نیچے آجاتا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ داروں کا انتخاب اور ان کی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو، لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل، لائق، راست باز اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے، ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی

اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی، یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی، وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اس کے ساتھ انھوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی، یہی بات تھی کہ انھوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لیے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا عرب میں چار شخص تھے جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ، حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیے، اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادّعا بھی تھے، اس لیے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خودسری نہ کرنے پائے۔ زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا اس لیے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا، لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کار بنا لیں۔ فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا، لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی قسم کی افسری نہ دینا، کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔ عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "میں" یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرتؐ نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ اُن کی اس قابلیت پر ان کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے، یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا، یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے، تو اُن کو میر منشی مقرر کیا۔

عامل

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا تھا، اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی، تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔

اب ہم عمالانِ فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پُرزے استعمال کیے تھے۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابوعبیدہؓ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں۔
یزید بن ابی سفیانؓ	〃	〃	تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا۔
امیر معاویہؓ	〃	〃	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاصؓ	مصر	〃	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاصؓ	کوفہ	〃	آنحضرتؐ کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوانؓ	بصرہ	〃	مہاجرین میں سے ہیں، بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابوموسیٰ اشعریؓ	〃	〃	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسیدؓ	مکہ معظمہ	〃	آنحضرتؐ نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبدالحارثؓ	〃	〃	فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاصؓ	〃	〃	ابوجہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	〃	آنحضرتؐ کے بعد جب ارتداد پھیلا، تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما تھا۔
یعلی بن امیہؓ	یمن	والی	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحضرمیؓ	〃	〃	بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمانؓ	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیفؓ	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنمؓ	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا۔
عمر بن سعدؓ	حمص	〃	حضرت عمرؓ ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمانؓ	مدائن	〃	مشہور صحابی اور آنحضرتؐ کے رازدار تھے۔
خالد بن حرث دہمانیؓ	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرۃ بن جندبؓ	سوق الاہواز		اکابر صحابہ میں ہیں۔
نعمان بن عدیؓ	میسان		صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہؓ	موصل	کمشنر مالگذاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.Kitabosunnat.com

صیغۂ محاصل

خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا

خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا۔ اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں، اس لیے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے، ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے، لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا، بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمرؓ کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی ۱۶ھ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اُس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا تو خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلۂ فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کیے جائیں اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن وقاصؓ کو وہاں کی مردم شماری کے لیے حکم دیا تھا۔ سعدؓ نے نہایت جانچ پڑتال کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کُل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا، تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ کی یہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور

حکیم سرو سہارنپوری

اللہ کی عظمت کی قسم تو نبی ہوتا

وہ دیکھو وہ اسلام کا اعلان ہُوا ہے — وہ چھٹنے لگا کفر کی ظلمت کا دُھندلکا
وہ پہلی اذاں گونجی ہے محرابِ حرم میں — وہ بجنے لگا جرأتِ فاروقؓ کا ڈنکا!
پر کیوں نہ شیاطین کے جلیں سائے سے تیرے — جب سرحدِ فرقِ حق و باطل تو ہی ٹھہرا
تھی فتحِ فلسطین اسی ذات پہ موقوف — پیدل جو مُہار اُونٹ کی پکڑے ہوئے آتا
تو نے کبھی یہ رنگ بھی دیکھا ہے زمانے؟ — بیٹھا ہو غلام اُونٹ پہ، پیدل چلے آقا
پیوند لگائے ہوئے لیٹا ہے زمیں پر — ایران و حجاز و یمن و مصر کا مولا
سر پر لیے بیواؤں کا سامان چلا ہے — مزدوروں کا مزدور ہے، آقاؤں کا آقا
صدقے تیری دانش پہ فلاطون و ارسطو — اسکندر و جمشید تری گردِ کفِ پا

ہوتی نہ اگر ختم محمد ﷺ پہ نبوت
اللہ کی عظمت کی قسم تم نبی ہوتا

اُن کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے، لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ حضرت بلالؓ نے تو اس قدر کد کی کہ حضرت عمرؓ نے دِق ہو کر فرمایا اَللّٰھُمَّ اکْفِنِی بِلَالًا یعنی "اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے"۔ حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالکِ مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے؟ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے، انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پا سکتی ہیں؟ چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا، یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا، کثرت رائے پر ہوتا تھا۔ اس لیے عام اجلاس ہُوا جس میں تمام قدماء مہاجرین اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا؛ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔

حضرت عمرؓ کا استدلال

حضرت عمرؓ کو دفعتہً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو بحث کے لیے نصِ قاطع تھی یعنی لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ الخ اس آیت کے اخیر فقرے وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے، لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت پُرزور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُٹھے کہ بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے۔ اس استدلال کی بنا پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کیے جائیں، وہ فوج کی ملک نہیں ہیں، بلکہ حکومت کی ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمرؓ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا، سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مال گزاری کا جو طریقہ جاری تھا، یہ تھا کہ ہر ایک قسم کی مزروعہ زمین پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے، جو تین قسطوں میں ادا کیے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیروان نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نوشیروان تک لگان کے تعین میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے، لیکن خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لیے چونکہ دیانت کے ساتھ مساحت سے واقف ہونا ضرور تھا، اور عرب میں اس قسم کے فنون اُس وقت تک رائج نہ تھے، اس لیے فی الجملہ دقت پیش آئی۔ آخر دو اشخاص انتخاب کیے گئے۔ عثمانؓ بن حنیف اور حذیفہؓ بن الیمان۔ یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔

افسرانِ بندوبست

قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی

www.KitaboSunnat.com

کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دستِ مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا۔

عراق کا کُل رقبہ

کل رقبہ طول میں ۲۷۵ میل اور عرض میں ۲۴۰ یعنی کُل ۳۰۰۰۰ میل مکسر ٹھہرا اور پہاڑ، صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابلِ زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندانِ شاہی کی جاگیر، آتش کدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائداد وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھیں، دریا برآورد، جنگل اِن تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمدنی جس کی سالانہ تعداد ستر لاکھ درہم (۷۰۰۰۰۰۰) تھی رفاہِ عام کے کاموں کے لیے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی، تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عُشر سے مُستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمینیں قدیم قبضہ داروں کو دے دی گئیں۔

عراق کا خراج

اُفتادہ زمین پر بشرطیکہ قابلِ زراعت ہو۔ دو جریب پر ایک درہم مقرر ہُوا' اس طرح کُل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا چونکہ پیمائش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے اس لیے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا؛ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی اُس سے زیادہ مالکانِ اراضی کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو ذمّی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ نہیں، بلکہ ابھی اسی قدر اور گنجائش ہے۔

زمیندار اور تعلقہ دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے' اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور اُن کے جو اختیارات اور حقوق تھے' سب بحال رکھے۔

جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اُس کا یہ نتیجہ ہُوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نوشیروان کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں؛ تاہم نہایت کثرت سے اُفتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعتہً زراعت کی پیداوار میں ترقّی ہو گئی۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقّی

بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا اس پر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفے سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگذاری کسی ذمّی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔

ہر سال مالگذاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا، لیکن جس قدر مالگذاری اُن کے عہد میں وصول ہُوئی، زمانۂ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہُوئی۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ حجّاج پر خدا العنت کرے کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دُنیا کی۔ عمر بن الخطابؓ نے عراق کی مالگذاری دس کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی' زیاد نے دس کروڑ ۱۵ لاکھ اور حجّاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف دو کروڑ ۸ لاکھ وصول کیے۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لیے مشہور ہے، لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد پانچ کروڑ ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی، یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا، حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی، یونانی اور قبطی ملازم تھے' بدستور بحال رہے؛ تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقۂ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی۔

مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعدِ مالگذاری

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہُوا تھا، پٹالومیز (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن ایمپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقۂ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیے تھے:

۱۔ خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے۔
۲۔ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔
۳۔ بندوبست چار سالہ ہو۔

رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہدِ حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے تھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلّہ کی ایک مقدارِ کثیر پائے تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے یہیں سے غلّہ جاتا تھا، جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔

حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

یورپ کے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی؛ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منوّرہ کو جو غلّہ بھیجا گیا، اسی اصول کے موافق بھیجا گیا، لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلّہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدّتوں تک جاری رہی، لیکن یہ وہی غلّہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا، کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تھا، تو غلّہ خرید کر کے بھیجا جاتا تھا — چنانچہ امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے غلّے کے کھتّوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلّہ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصر میں وصول مالگذاری کا طریقہ

حضرت عمرؓ نے مالگذاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملکوں کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی ۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار دریائے نیل کی طغیانی پر ہے اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے اس لیے پیداوار کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لیے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے ان کا کام چل سکے۔

بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں مالگذاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگذاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف طلب کیے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کُل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے ۔ یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں میں پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اوّل گرجاؤں اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا اُس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی۔ ہر گاؤں پر جمع تشخیص ہوتی تھی پُرتے سے ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔

اس طریقے میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے حساب سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضیٰ تھا۔ مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا

مصر کا کُل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا، اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا— ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کیے تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ۲ کروڑ وصول کیے تھے عمرو بن العاص سے باز پرس کی۔ یہ مسلّم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا۔ اس لیے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے' اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی' زمانۂ مابعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی ۔

مصر کا خراج بنوامیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

بنو امیہ اور العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔ ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری' تو ۴۰ لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عبداللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کیے تھے لیکن جب حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاص سے

کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا "ہاں! لیکن بچّہ بھوکا رہا"۔ امیر معاویہؓ کا زمانہ ہر قسم کی دُنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی۔ فاطمیین کے عہد میں خلیفہ المعز الدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کر دی؛ تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔

شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا اس لیے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کیے تھے۔ یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا، اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا۔ قرائن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اُس کی کل رقم ایک کروڑ ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے تھی۔

عراق، مصر اور شام کے سوا اور ممالکِ مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیہ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مؤرخین ان ملکوں کے حالاتِ فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے، تو اس کی تعداد لکھ دی ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں' اس لیے ہم بھی اس کی چنداں پروا نہیں کرتے۔

قانون مالگذاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحاتِ فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں، اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعتہً نہایت ترقی کر گئی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیتِ زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا گیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ ارکین دربار کو دے دیں۔ کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں، کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی' وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے' اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا، تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے کے لیے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی اس بہانے سے زمیندار خود زمین پر متصرف ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا' بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دُنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکانِ دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے تھے ان کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی حضرت عمرؓ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے' باشندگانِ ملک کے حوالے کر دیا اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں' قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے۔ یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں' تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا! چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی' تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک نافع بن یزید بن البیعہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہلِ عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی؛ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیے ——— لوگوں کے روزینے مقرر کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی، تو حضرت عمرؓ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اُس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی؛ اس لیے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدو ان کی برابری نہیں کر سکتے تھے سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے "یہ بات مسلّم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگذاری کے معاملے کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت میں باشندگانِ ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا اُس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہلِ ملک کی طرف سے نہ تھا، بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی۔ دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بندوبست مالگذاری میں ذِمّیوں سے رائے لینا

اس معاملے میں ایک اور نہایت منصفانہ اُصول جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذِمّی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمّال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مُترجم بھی ہوں۔ پیمائش کا کام جاری ہو چکا، تو پھر دس دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور ان کے اظہار لیے۔

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار لیا یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اُسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیئے جن کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقیِ زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص اُن کو آباد کرے گا اُس کی ملک ہو جائیں گی، لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے، تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی۔ اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی اس کے لیے اشتہار دے دیا کہ واپس آ جائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے آ کر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج اُدھر سے گذری اور اس کو برباد کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت اُس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔

محکمہ آبپاشی

تمام ممالکِ مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بند باندھنے، تالاب تیار کرانے، پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنانے نہروں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علّامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔ خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزء بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں، جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اسی طرح اور سینکڑوں نہریں تیار ہوئیں جن کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

خراجی اور عشری

نوعیتِ قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اوپر گزر چکا۔ عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی اور جس کے اقسام حسبِ ذیل ہوتے تھے۔

۱۔ عرب کی زمین جس کے قابضین اوائلِ اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے، مثلاً مدینۂ منورہ وغیرہ۔

۲۔ جو زمین کسی ذمّی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی، مثلاً لاوارث مر گیا، یا مفرور ہو گیا، یا بغاوت کی، یا استعفےٰ دے دیا۔

۳۔ جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

اِن اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا، وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا، اس لیے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی، جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصّہ ہوتا تھا یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلعم نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہی حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں، اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کر دیا؛ چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعودؓ و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا — اگر خود مسلمان نئی نہر یا نیا کنواں کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے، تو اس پر رعایۃً عشر مقرر کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عشر کے سوا آمدنی کی جو اور اقسام تھیں وہ حسبِ ذیل تھیں: زکوٰۃ، عشور، جزیہ، مالِ غنیمت کا خمس، زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی؛ اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ یہاں تک کہ بھیڑ بکری اُونٹ سبھی پر زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ ؐ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔

گھوڑوں پر زکوٰۃ

حضرت عمرؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی؛ حالانکہ آنحضرت صلعم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا، لیکن اس سے عیاذاً باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہ ؐ کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلعم نے جو الفاظ فرمائے تھے، اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے تھے اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم رکھا۔ آنحضرتؐ کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، بہرحال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی، اور اوّل حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔

عشور

عشور خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے موافق مال تجارت پر فی صد دس روپیہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ منبج کے عیسائیوں نے جو اُس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا، اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالکِ مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔

صیغۂ عدالت

محکمۂ قضاء

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقیٔ تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغۂ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دُنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوتے، مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی، لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند سال بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک خود خلیفۂ وقت اور افسرانِ ملکی قضا کا بھی کام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتدا میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا، ہر صیغے کا اجرا رعب و داب کا محتاج رہتا ہے۔ اس لیے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصلِ قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص باثر اور صاحبِ عظمت نہ ہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے، بلکہ اسی بنا پر عبداللہ بن مسعودؓ کو فصلِ قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کیے۔ اس کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابوموسیٰ اشعریؓ گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغۂ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے، ہم اس کو بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں[1]۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد جو رومیوں کے

---

[1] ۴۵۱ قبل مسیح رومن امپائر نے یونان میں سفرا بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین اور سلطنت کے لیے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سفرا یونان گئے اور وہاں سے واپس آ کر ایک دستور العمل تیار کیا جس میں بارہ امورِ انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد سیسے کی تختی پر کندہ کیے گئے اور مدت تک رومن امپائر کا وہی قانون رہا۔ اس میں صیغۂ قضا کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں: (بقایا اگلے صفحے پر)

بڑے مفاخر خیال کیے جاتے ہیں اور جن کی نسبت سیسرو (روم کا مشہور لکچرار) لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفروں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں، وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔

ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

قواعدِ عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر

حضرت عمرؓ کا فرمان بعبارتہا ذیل میں درج ہے:

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو، تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور زوراور کو تمہاری رُو رعایت کی اُمید نہ پیدا ہو۔ جو شخص دعویٰ کرے اُس پر بارِ ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم۔ صلح جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے حرام، حلال اور حلال، حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا، تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو، پھر قیاس لگاؤ۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک میعاد مقرر کرو، اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں۔ باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں دُرّے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں۔

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیئے۔

۲۔ بارِ ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

۳۔ مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا، تو اس سے قسم لی جائے گی۔

۴۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں، لیکن جو امر خلاف قانون ہے۔ اس میں صلح نہیں ہو سکتی ہے۔

۵۔ قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے بعد اس میں نظرثانی کر سکتا ہے۔

۱۔ جب تم عدالت میں طلب کیے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔

۲۔ اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

۳۔ مدعا علیہ بھاگنا چاہے، تو تم اس کو پکڑ سکتے ہو۔

۴۔ مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اس کو سواری دو۔ ورنہ اس پر حاضری کے لیے جبر نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اس کو چھوڑ دو۔

۶۔ دولت مند کا ضامن، دولت مند ہونا چاہیئے۔

۷۔ جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیئے۔

۸۔ جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سنے گا۔

۹۔ فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہو گا۔

۱۰۔ مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

۱۱۔ فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں، تو ان کو ضامن دینا چاہیئے۔

۱۲۔ جو شخص گواہ نہیں پیش کر سکتا، مدعا علیہ کے دروازے پر دعوے کو پکار کر کہے۔

یہ قواعد ہیں جن کو یاد کر کے یورپ رومن امپائر پر ناز کرتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معیّن ہونی چاہیئے۔
۷۔ تاریخ معینہ پر اگر مدّعا علیہ نہ حاضر ہو، تو مقدّمہ یک طرفہ فیصل کیا جائے گا۔
۸۔ ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغۂ قضا کی عمدگی یعنی فصلِ خصومات میں پورا عدل و انصاف تین باتوں پر موقوف ہے۔
۱۔ عُمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔
۲۔ قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔
۳۔ وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات میں رُو رعایت نہ کرنے پائیں۔
۴۔ آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی ہونا، تاکہ مقدمات کے انفصال میں ہرج نہ ہونے پائیں۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام اُمور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید موجود تھا، البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لیے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت کی تھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اوّل قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث، اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے، تو خود اجتہاد کرو۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکّام عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے، تو ایک مختصر مجموعۂ قانون بن سکتا ہے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرّر ہونا

قاضی، اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا، اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرّر کا پورا اختیار حاصل تھا، تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے، انتخاب کے لیے، اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمرؓ اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربے کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرّری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لیے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا، گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کیے گئے۔ اُنھوں نے یہ فیصلہ کیا اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی، تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے؛ ورنہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے، اس کے بعد انہیں کوفے کا قاضی مقرّر کر دیا۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔ ناجائز وسائلِ آمدنی کے روکنے کے لیے بہت سی بندشیں کیں۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

۱۔ تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پان پان سو درہم ماہوار تھی، اور یہ رقم اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔
۲۔ قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرّر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ کہ "دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رُعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔"

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدّتوں کے تجربے کے بعد

ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی دیوان عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب شریف و رذیل، سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور اُبی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدّمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ زید کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا۔ اُبی نے قاعدے کے مطابق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کیے، اس کا یہ نتیجہ ہُوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو اُمیّہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علاّمہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلافِ انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے (یہ بنو اُمیّہ کے زمانے میں تھے)

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہ تھا، اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں اس لیے اسلامی عدالتوں میں اُن کے مقدمات کم آتے تھے اور اس بنا پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔

ماہرین فن کی شہادت

صیغۂ قضاء اور خصوصاً اصولِ شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں، ان میں ایک ماہرینِ فن کی شہادت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا، اس میں خاص اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا، مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ زبرقان نے حضرت عمرؓ کے ہاں مقدّمہ رجوع کیا، چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرزِ ادا عام بول چال سے الگ ہیں حضرت عمرؓ نے حسّان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے، بُلا کر پُوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں حُلیہ شناسوں کے اظہار لیے۔

فصلِ خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدّم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ دادخواہوں کو دعویٰ سے باز آنا، اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقّت نہیں ہو سکتی تھی اور حضرت عمرؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکمہ افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغازِ اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیے کہ قانون سے واقف ہے یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دُنیا میں مسلّم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے تحاشہ قاعدہ صحیح ہے، لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لیے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اُس کے لیے کوئی تدبیر نہیں ——— لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام محکمۂ افتا تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہا ہر جگہ موجود رہتے تھے، اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا اُن سے دریافت کر سکتا تھا اور اس لیے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغازِ اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا، زمانۂ مابعد بلکہ اُن سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتوے کی اجازت نہ تھی انھوں نے فتوے دیئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کر دیا؛ چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا، بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انھوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے، تو آئندہ تم کبھی فتویٰ کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لیے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے ناموں کا اعلان کر دیا جائے اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالسِ عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا حضرت عمرؓ نے بارہا اس کا اعلان کیا۔

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے مقدماتِ فوجداری کے لیے حضرت عمرؓ نے کوئی جدا محکمہ نہیں قائم کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقہ قضاۃ کے ہاں فیصل ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیوں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا؛ چنانچہ افسرانِ پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعونؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کو مقرر کیا، تو قدامہ کو تحصیل مالگذاری کی خدمت دی اور حضرت ابوہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دوکاندار ترازو میں دھوکہ نہ دینے پائیں۔ کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لیے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے، لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لیے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے جیل خانے کی ایجاد کا یہ فعل عہدۂ احتساب کا ماخذ ہے۔

جیل خانے کی ایجاد

اس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایجاد یہ ہے کہ جیل خانے بنوائے۔ ورنہ اُن سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اوّل مکہ معظمہ میں صفوان بن اُمیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اُس کو جیل خانہ بنایا پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے، کوفے کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا۔ اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے اور جیل خانے میں بھجوائے جاتے تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے، تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو حد کے بجائے قید کی سزا دی۔

جلاوطنی کی سزا

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔

بیت المال (یا خزانہ)

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی، لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اُسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا، چنانچہ پہلے سال ۱۰-۱۰ درہم اور دوسرے سال ۲۰-۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوایل، اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا، لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، کیونکہ جو کچھ آتا اُسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۵ھ میں ابوہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا۔ وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاسِ عام کر کے کہا کہ ایک رقمِ کثیر بحرین سے آئی ہے آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے؟

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟

حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دی جائے، اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے خلاف رائے دی ——— ولید بن ہشام نے کہا: "میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔"

آج کل کا زمانہ ہوتا، تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دارالخلافہ یعنی مدینہ منوّرہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا ——— اس کی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور دیانت دار آدمی کی ضرورت تھی۔

بیت المال کے افسر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن ارقمؓ کو جو نہایت معزز صحابی تھے، اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اُس کے ساتھ اور لائق لوگ اُن کے ماتحت مقرر کیے جن میں سے عبدالرحمن بن عبید القاریؓ اور معیقب بھی تھے۔ معیقب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ کے انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے اُن کی دیانتداری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کیے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حرثؓ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ خاص خزانے کے افسر تھے۔

بیت المال کی عمارتیں

حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار ہوائیں۔ کوفے میں بیت المال کے لیے اوّل ایک محل تعمیر ہوا جس کو روزابہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروان فارس کی عمارت سے آیا تھا لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی، تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاصؓ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہتی ہے، اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا چنانچہ سعد وقاصؓ کے حکم سے روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

پبلک ورکس یا نظارتِ نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانۂ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے عربی زبان میں اس کے لیے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اس کا ترجمہ نظارات نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں: سرکاری عمارات، نہریں، سڑکیں، پُل، شفاخانے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لیے حضرت عمرؓ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں، ان کا مختصر حال ہم صیغۂ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغے سے مخصوص نہ تھیں۔

حضرت عمرؓ نے جو نہریں تیار کرائیں

نہرِ ابی موسیٰ: یہ نہر ۹ میل لمبی تھی جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈیپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پُراثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے، اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لیے نہر کھدوا دی جائے۔ چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں ملائی گئی جس کے ذریعے سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

نہرِ معقل

نہر معقل: یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے۔ اِذَا جَاءَ نَهْرُ اللهِ بَطَلَ نَهْرُ مُعْقِلِ یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسارؓ کے سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے، اس لیے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہرِ سعد

نہرِ سعد: اس نہر کے لیے انبار والوں نے پہلے شہنشاہِ فارس سے درخواست کی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا، تو ان لوگوں نے سعد وقاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا۔ انہوں نے بڑے اہتمام سے کام کرایا لیکن کچھ دور تک پہنچ کر ایک پہاڑ بیچ میں آ گیا اور وہیں چھوڑ دی گئی پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا، تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہرِ امیر المومنین

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحرِ قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے، کہ ۱۸ھ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا، تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلّہ اور اناج روانہ کیا جائے، اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا اس لیے غلّے کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمرؓ نے ان دقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دارالخلافہ میں حاضر ہوں۔ وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے، تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہو گا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلّے کا آنا دقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحرِ قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعے سے جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جدّہ پہنچ کر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منوّرہ کی بندرگاہ تھی۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بن کر تیار ہو گئی چنانچہ پہلے ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلّہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منوّرہ کی بندرگاہ میں آئے۔ یہ نہر مدّتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد عمّالوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اَٹ گئی۔ یہاں تک کہ مقام ذنب التمساح تک آ کر بالکل بند ہو گئی۔ ۱۵۰ھ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدّتوں تک جاری رہی۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحرِ روم و بحرِ قلزم کو براہِ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لیے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحرِ روم و بحرِ قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے، نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن جب حضرت عمرؓ کو ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی، تو ناراضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آ کر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت مل ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

جو عمارتیں تیار کرائیں

عمارات جو حضرت عمرؓ نے تعمیر کرائیں تین قسم کی تھیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ مذہبی، جیسے مساجد وغیرہ۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔
۲۔ فوجی، جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں۔
۳۔ ملکی، مثلاً دارالامارۃ وغیرہ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) دارالامارۃ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں اُن کا دفتر رہتا تھا، کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

دفتر

(۲) دیوان۔ یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

خزانہ

(۳) بیت المال۔ یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفے کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا ہے۔

قید خانے

(۴) مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغۂ پولیس کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وُہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔

مہمان خانے

(۵) یہ مکانات اس لیے تعمیر کیے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لیے شہر میں آجاتے تھے، وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے، کوفے میں جو مہمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کا مہمان خانہ ۱۷ھ میں تعمیر ہُوا، چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقاۃ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں، اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانۂ مابعد میں جو کچھ ہُوا ہُوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا اور حضرت عمرؓ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی، تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپے کا یہ مصرف نہیں ہے بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوانِ حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا، البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہِ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ

ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پُل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیں گی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے شام فتح کیا، تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا[1]

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ ۱۷ھ میں جب مکہ معظمہ گئے، تو ان کی اجازت سے مدینے سے لے کر مکہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں، اُن کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے ان میں سے بصرہ کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے، عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ نحو کے اصلی دارالعلوم یہی دو شہر تھے حنفی فقہ جو آج تمام دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگِ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔

فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ اُبلہ کے قریب جہاں بحرِ فارس کی خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے، ایک شہر بسائیں۔ زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمرؓ نے بتایا تھا۔ عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔

بصرہ

یہاں پہلے کف دست میدان پڑا ہُوا تھا، چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان نہ تھا عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن ولف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اتارنا مناسب ہو اُتاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوانِ حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا ۱۷ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے جو اس وقت کوفے کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔ بصرہ سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے۔ وعلی ان علیھم ارشاد الضال وبناء القناطر علی الانھار من اموالھم۔ تاریخ طبری واقعات ۱۵ھ صفحہ ۲۴۰۴ میں سڑک اور پُل دونوں کا ذکر ہے۔

[2] بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہلِ لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں، اور یہاں کی زمین اسی قسم کی ہے لیکن معجم البلدان میں ایک مجوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے، اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ بس راہ تھا جس کے معنی فارسی میں بہت سے راستوں کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں، اس لیے اہل عجم اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ آس پاس شاہانِ عرب نے جو عمارتیں تیار کرائی تھیں اس کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے۔ مثلاً خورنق جو دراصل خورنگاہ ہے اور سدیر جو دراصل سہ دِر ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرائی جائے۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمانِ حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے، ۸۰ ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

کوفہ

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا ہے۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیئے جو برّی و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو، چنانچہ سلمان و حذیفہؓ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کوفے کی زمین انتخاب کی۔ یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا۔ ان کا پایۂ تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدّ العذرا یعنی عارضِ محبوب کہتے تھے، کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان، شقائق، قیصوم، خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض ۱۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جُدا جُدا قبیلے جُدا جُدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰-۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰-۳۰ ہاتھ اور ۲۰-۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷-۷ ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی اس قدر وسیع تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چہار طرف دُور دُور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ عمارتیں اوّل گھاس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا، تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ نوشیروانی عمارت سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصولِ سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفۂ وقت ہوتا لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی، یعنی ان کی تخمینی جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیے میں مجرا کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوانِ حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانۂ خاص بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانۂ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ اس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور اُن کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو رأس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ زمانۂ مابعد میں اُس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے ۶۴ھ میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلۂ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہل یمن کے ۶ ہزار گھر اُن کے علاوہ تھے۔

فسطاط

عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ اُن کے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقرِ حکومت بنائیں، چنانچہ دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے

مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے، چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لیے اس کو مستقرِ ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔

عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے میں اُترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن مخرم، حویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے، اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اس کے قبلے کی سمت متعین کی۔ ان صحابہ میں زبیرؓ، مقدادؓ، عبادہؓ، ابو درداؓ اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی، تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا اور عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمرؓ کے لیے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا۔ چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام فسطاط پڑا جس کے معنی عربی میں خیمے کے ہیں۔ آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے۔

یہ حاصلِ دعائے رسالت مآب ہے

صدیقؓ آفتاب، عمرؓ ماہتاب ہے
عثمانؓ حیا کی جان، علیؓ بوتراب ہے

اللہ رے! فراستِ مومن کا ارتقا
رائے عمرؓ مطابقِ وحی و کتاب ہے

جس دل میں جتنی کھوٹ ہے، جس ذہن میں فساد
اُتنا ہی اس عمرؓ سے اُسے اجتناب ہے

فاروقؓ جا رہے ہیں، مدینہ سے سوئے شام
اس شان سے کہ فتح و ظفر ہمرکاب ہے

اسلام میں عمرؓ کی ہے اک شانِ امتیاز
یہ حاصلِ دعائے رسالت مآب ہے

ماہر القادری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موصل

موصل۔ یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے حضرت عمرؓ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے۔ ایک خاص مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

جیزہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لیے کہ رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں۔ تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کر دی جس میں حمیرا اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لیے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے۔ عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی۔ وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۲۱ھ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور ۲۲ھ میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا: "ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے، ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے۔" چنانچہ اس قبیلے اور اس کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعے سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمرؓ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے۔

فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گذر چکی ہیں جن کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر میں جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی، فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا:

فوجی نظام رومن امپائر میں

ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے۔ یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا اور اس وجہ سے اگر لوگ کبھی علم بغاوت بلند کرتے تھے تو ان کی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقے کا نام فیوڈل سسٹم تھا، اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے۔ اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اس

قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔

فوجی نظام فارس میں

ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا۔ فارسی میں جن کو مرزبان اور دھقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا اور آج تو عام طور پر مسلّم ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

فوجی نظام فرانس میں

فرانس میں ۱۱۵ء تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو بل جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا۔ چنانچہ اسلام کے بعد ۱۵۷ء تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں شاہانِ یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظّم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر ۱۰-۱۰ روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمرؓ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا فوجی نظام

حضرت عمرؓ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ جو بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی۔ پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا خبر ہے کہتے کیا ہو؟ انھوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے۔ ابوہریرہ نے کہا، ہاں، یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر زرِ کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیانِ ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی، اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطینِ عجم کا حوالہ دیا، اور یہی روایت قرینِ قیاس ہے، کیوں کہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے۔ دبستان، دبیر، دفتر، دیوان سب ایک مادہ کے لفظ ہیں جن کا مشترک مادّہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں۔

تمام ملک کا فوج بنانا

بہرحال ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انھوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان، فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعلیم ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے نسّاب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے مخترمہ بن نوفل، جبیر بن معطم، عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔

ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصلاً درج ہو۔ ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم، پھر حضرت ابوبکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت، خود غرضی کا آلہ بن جاتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "یوں نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے قرابت داروں سے شروع کرو، اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرتؐ سے دُور ہوتے گئے ہیں، اسی ترتیب سے ان کے نام آخر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔"

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرتؐ سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے۔	۵ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ اُحد۔	۴ ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی۔	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔	۲ ہزار درہم
اہل یمن	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳۰۰ درہم
بلا امتیاز مراتب	۲۰۰ درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے، ان کی بیوی اور بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولادِ ذکور کی دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا درجہ تھا۔

جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

۱۔ جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

۲۔ جو معمولاً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کیے جا سکتے تھے۔ ان کو عربی میں مُطّوِعہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں، سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۲۱ھ میں

حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنا اور ایک ایک شاخ اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظمؓ کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام، ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصّوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں۔ ملکی اور فوجی۔

فوجی صدر مقامات

فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیے۔ جن کا نام جند رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن، فلسطین۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی، لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جا سکتے تھے وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کیے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام قائم کرنے ضروری تھے اس لیے دمشق، فلسطین، حمص اردن چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جواب قاہرہ سے بدل گیا ہے تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ، کوفہ، یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لیے تھے، وہ حسب ذیل تھے۔

فوجی بارکیں

(۱) فوجوں کے رہنے کے لیے بارکیں تھیں۔ کوفہ، بصرہ، فسطاط یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لیے آباد ہی کیے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عرفجہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایات کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لیے جُدا جُدا محلّے بسائے۔

گھوڑوں کی پرداخت

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن میں ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے ہتیار رکھے جاتے تھے کہ دفعتہ ضرورت پیش آ جائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ تیار ہو جائے۔ ۱۷ھ میں جزیرہ والوں نے دفعتہ بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری۔ ان گھوڑوں کی پرداخت اور تربیت میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ تیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جَیْشٌ فِی سَبِیْلِ اللہِ۔ کوفے میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجمی اس کو آخور شاہ جہان کہتے تھے۔ بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہوں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چرائے جاتے تھے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے۔ خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انہوں نے نہایت ترقی دی۔ اس سے پہلے اہل عرب، نسل میں ماں کی پرواہ نہیں کرتے تھے سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا۔ چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی ذدغلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصّہ سے محروم کر دیتے تھے۔

بصرہ کا اہتمام جزر بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر

فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتا تھا۔

رَسد کا غلّہ

رَسد کے لیے جو غلّہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں، وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

فوجی چھاؤنیاں

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالکِ مفتوحہ میں پھیلا دیا۔ اگرچہ یہ ان کا عام اصُول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اُسی وقت ایک مُناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ٹلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے جبَ شام فتح کیا تو ہر ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی، لیکن امن و امان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

سنہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی دلوک، منبج، رعیان، قورس تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فروج یا ثغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دَورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور مناسب انتظامات کئے، جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلادِ ساحلیہ کہلاتے تھے (یعنی عسقلان، یافا، قیساریہ ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرابلس، صیدا، ایاس، لاذقیہ) چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زَد پر تھے اس لیے ان کا مستقل جُداگانہ انتظام کیا اور اس کا افسرِ کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا، بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہم سرحد تھا وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے۔

سنہ ۱۹ھ میں جبَ یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحلِ شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ اُسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتّب کی جائیں۔ اس کے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں، ان کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی، ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی، باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلے کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں، ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع اُفتادہ زمین ہوتی تھی۔

سنہ ۱۶ھ میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں۔ یہاں

تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی میں جس قدر فوج تھی، اس کی ایک چوتھائی انہی مقامات کے لئے مخصوص کر دی۔ عراق میں بصرہ و کوفہ بذاتِ خود محفوظ مقام تھے، چنانچہ خاص کوفے میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے دس ہزار بیرونی مہمات میں مصروف رکھے جائیں، تاہم ان اضلاع میں عجمیوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں، از سرِ نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خریبہ اور زابوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں، وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔ صوبۂ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں، چنانچہ نہر تیری، مناذر، سوق الاہواز، سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی سابور، مہرجانقدق، یہ تمام مقامات فوجوں سے معمور ہو گئے۔ رَے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ دس ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جابجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں، البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وُسعت کیوں دی گئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وُسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا، اُدھر یونانی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے، اس وجہ سے شام و مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا، کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے، لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیون کے قبضے میں تھا اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجُوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، انہی مقامات میں کیں، جو یا تو ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے۔ عراق کی حالت اس سے مختلف تھی، کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور دَب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا اس لیے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلے کا قائم رکھنا ضرور تھا کہ مدعیانِ ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

فوجی دَفتر کی وُسعت

حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منتظم کر دیا کہ اس وقت کے تمدّن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے، فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو کہ معظّمہ سے دو منزل اِدھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے، ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صُوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیزہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے، سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بے شمار گروہ کی علیٰ قدرِ مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔

ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفے کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے، جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی، یعنی ان کو باری باری سے ہمیشہ رہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آذربائیجان کے مہمات میں حاضر رہنا ضروری تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب بڑھتا گیا۔

جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیرخوار بچوں کی تنخواہ بند کردی۔ عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے، اور اسی دن درحقیقت حکومت بھی عرب کے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آگیا تھا۔ ہم پھر حضرت عمرؓ کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہیں حضرت عمرؓ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کئے گئے۔

تنخواہوں میں ترقی

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور باز رکھتے تھے اس لئے ضروری تھا ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا، اُدنیٰ سے اُدنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی ۳۰۰ کردی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک بڑھادی۔ بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے بعد سے مقرر ہوتی تھی۔ پھر حکم دے دیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کردی جائے۔

رَسد کا انتظام

رَسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں، البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمر مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیے کے ساتھ فی کس ۲۵ آثار غلہ لیا جاتا تھا مصر میں غلے کے ساتھ روغن زیتون، شہد اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لیے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی چنانچہ حضرت عمر نے آخر اس کے بجائے نقدی مقرر کردی جس کو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔

رَسد کا مستقل محکمہ

رفتہ رفتہ حضرت عمر نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہرا تھا چنانچہ شام میں عمرو بن عتبہ اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے اہرا ٔہری کی جمع ہے، ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں۔ چونکہ رَسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا اس لیے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا۔ تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی امن اثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس ۲/۱ آثار روغن زیتون اور ۲/۱ آثار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنے خشک جنس کے بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

خوراک، کپڑا اور بھتہ

مؤرخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے کہ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا، ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جس کو عربی میں معونتہ کہتے ہیں، سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا لیکن جو شخص کم سرمایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی، اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا چنانچہ خاص

اس غرض کے لیے حضرت عمرؓ کے حکم سے خود دارالخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

فنِ جنگ میں ترقی

فوجی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے اُن میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلنا۔ اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر کے عہد میں سابق کی نسبت فنِ جنگ نے بہت ترقی کی۔

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہوجاتے تھے۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چُپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہُوا اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے مثلاً میمنہ، میسرہ وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ۱۵ھ میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد کی بدولت تعبیہ کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی، ۳۶ صفوں میں تقسیم ہوکر حضرت خالد کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

خبر رسانی اور جاسوسی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قدرتی سامان ہاتھ آگئے تھے۔ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے آئے تھے اس لیے کوئی واقعہ ان سے چُھپ نہ سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت دی تھی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لیے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ یرموک، قادسیہ، تکریت میں انہی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے۔

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔

اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئیں۔ اسی طرح جراجمہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی کہ ان کو بھی خراج معاف کردیا گیا۔

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف ممالک، مختلف قبائل، مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں جہاں سے دارالخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمرؓ کے قبضۂ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔

پرچہ نویسوں کا انتظام

اس کا عام سبب تو حضرت عمرؓ کی سطوت اور ان کا رعب و داب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس انتظام سے حضرت عمرؓ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بداعتدالی ہوجاتی تھی فوراً اس کا تدارک کردیتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہوجاتی تھی ایران کی فتوحات میں عمرو معدی کرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا فوراً حضرت عمر کو خبر ہوئی اور اُسی وقت انہوں نے عمرو معدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں ہوسکتا۔

صیغۂ تعلیم

حضرت عمر نے تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی، بڑے بڑے علماء نے صحابہ اضلاع میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے۔ مدرسین، اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔

صیغۂ مذہبی

اشاعتِ اسلام کا طریقہ

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام تھا۔ اشاعتِ اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے حضرت عمرؓ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت لا اکراہ فی الدین بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا۔ حضرت عمر نے خود ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین۔

اشاعتِ اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے، تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول وعقائد سمجھائے جائیں۔

قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو اس پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم وفقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی ———— ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں، انہوں نے بڑی خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول وعقائد ان کے سامنے بیان کئے۔

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں، حضرت عمر کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں، لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا اس طرح جب لوگوں کو ان کے دیکھنے اور ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا، یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع وترتیب میں جو کوشش کی

یہ مسلّم ہے کہ اسلام کا اصل اصول قرآن مجید ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ کرلینا۔ تمام ممالک میں اس کی تعلیم کا رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمر کے اہتمام اور توجہ سے ہوا تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفرق اجزا متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر، کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھر کی تختیوں پر ———— کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو کوئی۔ ابوبکرؓ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی، تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظِ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر کہا کہ "اگر اسی طرح حفاظِ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا" اس لیے ابھی سے اس کی جمع وترتیب کی فکر کرنی چاہیے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا تو میں کیونکر کروں"؟

حضرت عمرؓ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ ان کی رائے سے متفق ہوگئے، صحابہ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کیے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں، حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرتؐ کے عہد میں قلم بند دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہوگئیں، تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جاوے۔

سعید بن العاصؓ بتاتے جاتے تھے، اور زید بن ثابتؓ لکھتے جاتے تھے مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ ولہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیوں کہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان میں اترا ہے۔

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے اوّل یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظِ قرآن بنا دیے جائیں تاکہ تحریف وتغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہوکر ملک میں کثرت سے شائع ہوجائیں۔

قرآن مجید کی حفاظت اور صحتِ الفاظ واعراب کی تدبیریں

حضرت عمر نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم وقاری مقرر کرکے ان کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر کے اوّلیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں، مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں ۱۵۔ ۱۵ درہم ماہوار تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدوؤں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔

حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہدِ خلافت میں متصل دس حج کیے اس لیے میرِ حجاج ہمیشہ خود ہوتے تھے۔ اور حجاج کی خبرگیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

تمام ممالکِ مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابوموسیٰ اشعری کو جو کوفے کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ سعد وقاصؓ اور عمرو بن العاصؓ کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہیں گو ان کی اصلی عمارات اب باقی نہیں رہی ۔۔۔ ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع ہے راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجدِ فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرمِ محترم کی وسعت

حرمِ محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس لحاظ سے حرمِ محترم کی عمارت کافی نہ تھی، اس لئے ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیے، اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اس کی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنا جاتا ہے۔ حرم کی حدود سے جو کسی طرف تین میل اور کسی طرف سے ۷ میل اور ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں، چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیے گئے تھے جو انصابِ حرم کہلاتے تھے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی صحابہ میں سے جو لوگ حدودِ حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخرمہ بن نوفل، ازہر بن عبد عوف، حویطب بن عبد العزیٰ، سعید بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

مسجدِ نبویؐ کی وسعت اور مرمت

مسجدِ نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی آنحضرتؐ کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لیے کافی تھی۔ لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے

اس کو وسیع کرنا چاہا گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لے لئے لیکن حضرت عباس نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا حضرت عمر کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباس کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر کو بجبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔

حضرت عباس نے فرمایا کہ اب میں بلاقیمت عامہ مسلمین کے لیے دے دیتا ہوں غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا اسی طرح عرض میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اسی طرح رہے حضرت عمر نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی یا شعر پڑھنا ہو، اس کے لئے یہ جگہ ہے۔

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمر سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا اس کی ابتداء بھی حضرت عمر کے عہد میں ہوئی یعنی ان کی اجازت سے تمیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمر نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مالِ غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ موذن کو حوالے کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اور ان کے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمر نے ہی کیا لیکن یہ کوئی پُرتکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا، بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی، یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد و خاک میں آلودہ نہ ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال اوپر گذر چکا لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لیے جدا جدا عنوان نہیں قائم کئے جا سکتے تھے اس لئے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔

ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اس کی ضرورت سے سن اور سال کا قائم کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کے لیے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہۃ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے حضرت عمر نے ایک مستقل سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سنہ ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک تحریر پیش ہوئی صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا حضرت عمر نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ۔ اُسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اس کو ماہ روز کہتے ہیں اور اس میں تاریخ اور مہینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے بعد بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ہجرتِ نبویؐ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرت نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے۔ اس لحاظ سے ربیع اول سے آغاز ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا —— تو ایک قریش کے قبیلہ میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے۔ یہاں تک کہ جب ۱۴ھ میں اُبلہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جس کو حساب کتاب آتا ہو اور جو مالِ غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا ہو —— لوگوں نے ایک ۱۴ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس صلے میں اس کی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پیچیدہ روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہلِ عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شرافت کے لحاظ سے پچھلی کارگذاریوں کے لحاظ سے۔ اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی یعنی ہر ہر قبیلے کا جُدا جُدا رجسٹر تھا اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی۔ اس صیغے کے حساب و کتاب کی درستی کے لیے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا۔ مثلاً دار الخلافہ میں عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم کو، بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو۔

دفترِ خراج

تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے تھے فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا۔ کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا، زکوٰۃ اور صدقہ میں جو مویشی آتے تھے، بیت المال سے متعلق تھے۔ چنانچہ ان کے رجسٹر ملتک نہایت تفصیل سے مُرتب تھے۔ جانوروں کا حلیہ رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے لکھتے۔

مصارفِ جنگ کے کاغذات

مصارفِ جنگ اور مالِ غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت خالدؓ کی معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی، کہ وہ کاغذاتِ حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلولاء کی فتح میں جو ۱۶ھ میں واقع ہوئی تھی زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے۔ چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرلئے گئے تھے مثلاً سعد وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں رہتا تھا۔

کاغذاتِ حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے، بعینہٖ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

سکہ

سکے کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مُوجد بھی عمر فاروقؓ ہی ہیں چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں

جب امیر المومنین خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا۔ تو انہوں نے سکے کے معاملے میں کچھ دخل نہ دیا، بلکہ پرانے سکے جو جاری تھے بحال رہنے دیے۔ ۱۸ھ میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ احنف نے باشندگانِ بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں۔

حضرت عمر نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہرِ معقل ہے حضرت عمرؓ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لیے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کیے اُسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے اپنے سکے کے درہم جاری کیے جو نوشیروانی سکے کے مشابہ تھے البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر کے سکوں پر الحمد للہ اور بعض سکوں پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لکھا ہوتا تھا حضرت عمر کے آخر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ حضرت عمر نے سکے میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے، بغلی آٹھ دانگ کا، طبری چار دانگ کا، مغربی تین دانگ کا حضرت عمر نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لیے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

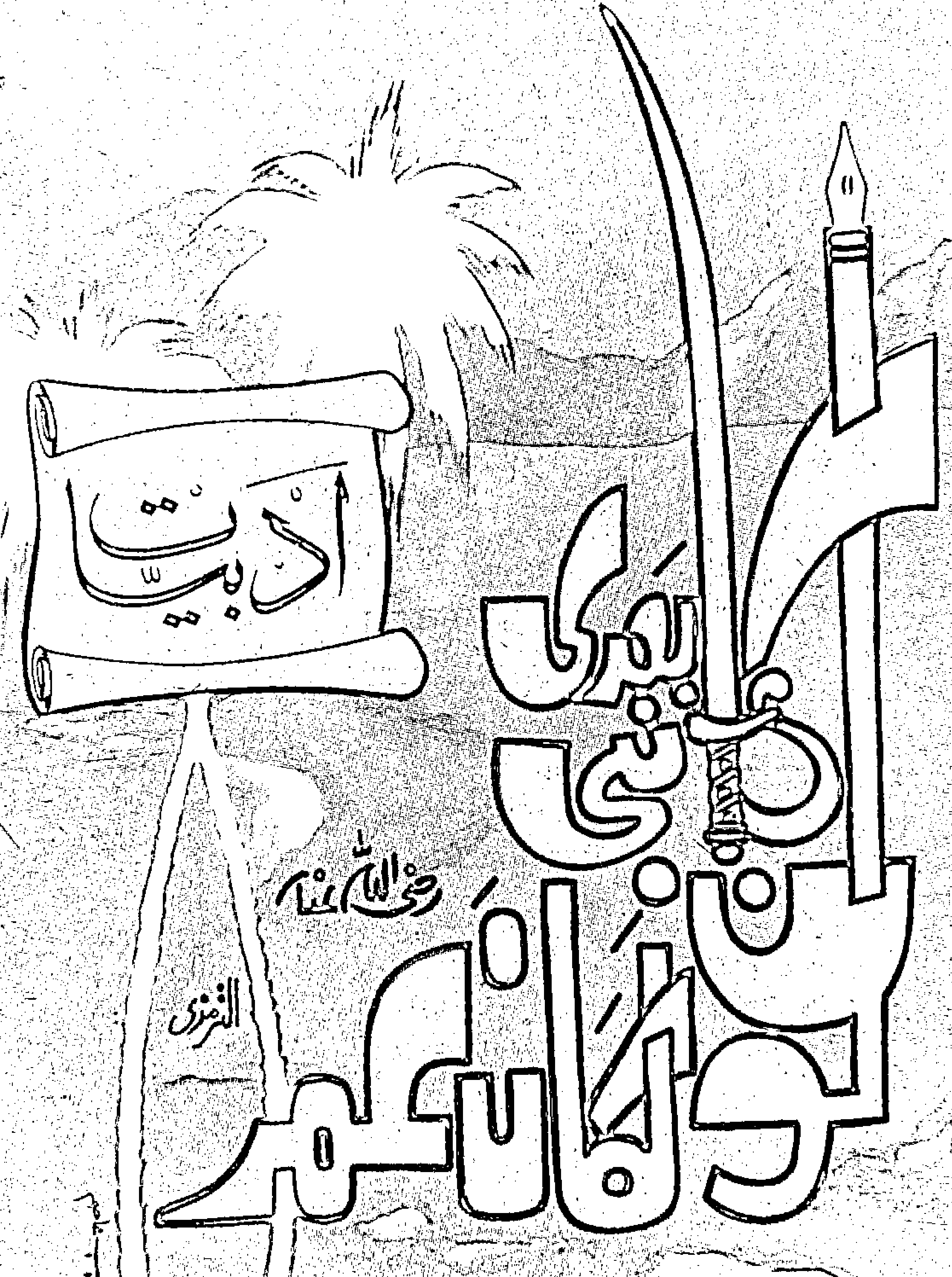

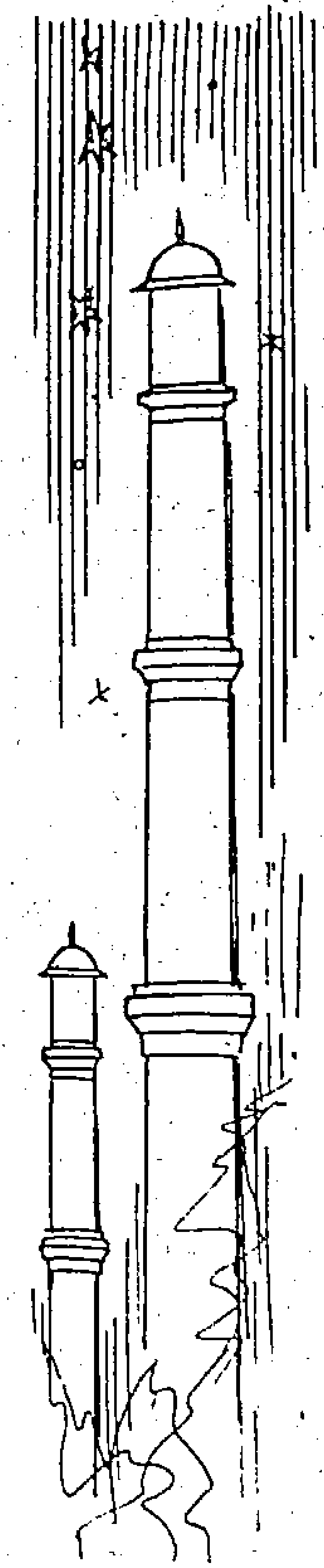

عمر ابنِ خطاب فاروقِ اعظم
وہ خیرِ سراپا وہ عدلِ مجسّم

وہ نقاشِ تہذیب و نباضِ فطرت
سیاست مقدّس، حکومت منظّم

وہ رائے کہ وحیِ خدا سے توارد
یہ عرفانِ حق، یہ فراست کا عالم

وہ طرزِ حکومت، عروجِ شریعت
کہ دین اور دُنیا میں تھا ربطِ باہم

قضا و قدر نے کہا بارک اللہ
عمرؓ جب چلے جانبِ دارِ ارقمؓ

وہ ایمان و اسلام لانے کا منظر
نبیؐ نے کیا اُن کا خود خیر مقدّم

حرم میں وہ پہلی نماز اللہ اللہ
یہ تاریخ کا واقعہ ہے مسلّم

وہ فاروقِ اعظمؓ کا دورِ خلافت
برستا رہا ابرِ رحمت چھما چھم!

عمرؓ کی شہادت ہے کتنی مبارک
اسی سے ہے آغاز ماہِ محرّم

مسلمان ذکرِ عمرؓ کر رہے ہیں
نہ آہ و بکا ہے نہ فریاد و ماتم

مری منقبت کے یہ اشعار ماہرؔ
کوئی موجِ کوثر، کوئی موجِ زمزم

ماہر القادری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے ادب کو ادب کس طرح سکھایا؟

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

حضرت عمرؓ ایک مثالی حکمران اور بیدار مغز سیاستدان ہونے کے علاوہ اور بھی بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کے فقہی اجتہادات اور علمی کمالات سے دُنیا بخوبی واقف ہے۔ اسی طرح ایک سچے اور خالص فرزندِ عرب کی حیثیت سے شعروشاعری اور ادب تنقید کا ذوق بھی ان میں بدرجہ کمال موجود تھا۔ غالباً وہ پہلے عرب نقّاد ہیں جنھوں نے عربی تنقید کی تاریخ میں سب میں پہلے عربی شاعری پر ایجابی انداز میں تنقید کی اور مختلف شعرائے جاہلیت کے کلام پر رائے زنی کی۔ مسلم خلفاء اور سلاطین کی ادب نوازی اور علوم کی سرپرستی ایک مسلّمہ حقیقت ہے لیکن تاریخ اسلام میں بعض نام ایسے بھی ملتے ہیں جو امورِ سلطنت کی انجام دہی کے ساتھ ہی نہ صرف علماء، ادباء اور شعراء کی سرپرستی کرتے تھے، بلکہ خود بھی جیّد عالم اور بلند ذوق ادیب تھے۔ ادبی ذوق اور ادب نوازی میں عبدالملک بن مروان، فلسفیانہ ذوق اور علوم وسائنس کی سرپرستی میں مامون الرشید اور تبحرِ علمی اور کتابوں کی فراہمی اور حفاظت میں الحکم بن عبدالرحمٰن ناصر کا مقام بہت اونچا ہے، مگر ان میں حضرت عمر کو اس لحاظ سے اولیّت اور انفرادیت کا شرف حاصل ہے کہ ایک زاہد متقی اور مصروف ترین خلیفہ ہوتے ہوئے بھی آپ نے شعروادب کے لیے وقت نکالا اور اس سلسلے میں ایسی تنقیدی آراء اپنی یادگار چھوڑی ہیں جو قیمتی ہونے کے ساتھ ہی بعد کے وضع کردہ اصولِ نقد و بلاغت پر بھی پوری اُترتی ہیں۔ اس لیے جب بھی ہم صدرِ اسلام کے ادب و تنقید سے بحث کرنے لگیں تو ان کا تذکرہ کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔

ادب، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں بعض متفرق اشعار ملتے ہیں جو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں جس طرح بعض قصائد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب اشعار کی صحت یا عدم صحت کے متعلق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے، البتہ یہ بات ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ وہ شعروادب کا بہت بلند ذوق رکھتے تھے۔ انھیں عرب کے اکثر مشہور شعرا کے قصائد زبانی یاد تھے اور موقع کی مناسبت سے اشعار سے استشہاد کرنے میں اُنھیں کمال حاصل تھا۔ فحول شعرائے جاہلیت کے کلام پر اُنھوں نے تنقید کی اور اکثر کے متعلق اپنی منفرد اور خاص خاص آرا قائم کی ہیں۔ انہی آراء کی بنیاد پر عرب نقادوں نے ادبی ذوق اور نقدِ شعر کے

میدان میں حضرت عمرؓ کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔

ابوعثمان عمر الجاحظ کو عربی ادب اور تنقید کی تاریخ میں ایک بنیادی ستون کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کے ادبی ذوق کے متعلق ایک ادیب العاشی یا العاشی کا قول نقل کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو شعروشاعری کا سب سے زیادہ علم تھا۔ علامہ ابو علی الحسن بن رشیق القیروانی (۳۹۰-۴۵۶) حضرت عمرؓ کے ذوقِ ادب و نقد کے متعلق لکھتے ہیں "شعر کی تنقید اور شعروشاعری کے متعلق گہری معلومات رکھنے میں وہ اپنے زمانے کے سب لوگوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں تیسری صدی ہجری کے مشہور نقاد اور ادیب محمد بن سلام الجمحی (۲۳۲) کا قول نقل کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے تقریباً جب بھی کوئی معاملہ پیش ہوتا تو موقع کی مناسبت سے شعر پڑھ دیا کرتے تھے۔ سب سے آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے اس ارشاد پر غور فرمائیے: "سینۂ فاروق اعظم را بمنزلِ خانہ تصوّر کن کہ درہائے مختلف دارد و در ہر درے صاحب کمالے نشستہ"

کتب ادب میں حضرت عمرؓ کے جو اقوال و آراء ملتی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعرائے جاہلیت میں سے دو تین فحول شعراء امراؤ القیس، زہیر بن ابی سلمیٰ، نابغہ ذبیانی کو پسند کرتے تھے اور ان کے شاعرانہ اور فنی کمالات کے معترف تھے۔ ان میں زہیر سے تو اُنھیں خصوصی محبت تھی۔ وہ ان کا پسندیدہ شاعر تھا۔ اسی کے کلام کو اُنھوں نے سب سے زیادہ پسند کیا اور اس پر ایجابی تنقید کی ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں شام کا سفر اختیار کیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جب رات ہوئی تو ابن عباسؓ کو طلب کر کے فرمایا: شاعر الشعراء (شاعروں کے شاعر) کا کچھ کلام یاد ہے؟ ابن عباسؓ نے عرض کیا: "شاعر الشعراء سے آپ کی کیا مراد ہے؟" فرمایا: "زہیر بن ابی سلمیٰ!" ابن عباسؓ نے پوچھا: آپ اُسے سب سے بڑا شاعر کس بنا پر قرار دیتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا: "اس لیے کہ وہ اپنے کلام میں وحشی اور نامانوس الفاظ استعمال کرنے سے اجتناب کرتا تھا۔ اس کے اشعار ابہام و تعقید اور لفظی پیچیدگیوں سے بھی پاک ہیں اور بیہودہ لوگوں کی بے جا تعریف بھی نہیں کرتا تھا، بلکہ جو اوصاف واقعی کسی میں ہوتے، انہی کی تعریف کرتا تھا۔" کیا یہ زہیر ہی نہیں کہتا:

اذا ابتدرت قیس بن عیلان غایۃ … من المجد من یسبق الیھا یسود
سبقت الیھا کل طلق مبرز … سبوق الی الغایات غیر مزند
کفعل جواد یسبق الخیل عفوہ … السراع وان یجھد ویجھدن یبعد
ولو کان حمد یخلد الناس لم تمت … ولکن حمد الناس لیس بمخلد

جب بنو قیس بن عیلان عزت و بزرگی کی طرف بڑھیں اور جو بزرگی کی طرف بڑھتا ہے اسے حاصل کر ہی لیتا ہے تو تو اس منزل شرف و عزت میں تمام سخیوں اور مقابلہ کرنے والوں پر یقیناً سبقت لے جائے گا۔
جس طرح ایک عمدہ نسل کا گھوڑا میدانِ مسابقت میں آسانی سے سب سے آگے نکل جاتا ہے۔
اگر مدح و ثنا کسی کو غیر فانی بنا سکتی تو تُو کبھی نہ مرتا، مگر حمد و ثنا سے کسی کو ہمیشہ کی زندگی نہیں مل سکتی۔

ابن عباس! مجھے اس کا کلام سنائیے... چنانچہ ابنِ عباس کہتے ہیں: "میں عمرؓ کو کلامِ زہیر سناتا رہا اور قافلہ چلتا رہا اور جب سحر ہوئی تو فرمایا: "ابنِ عباس بس کرو اب تلاوتِ قرآنِ کریم کا وقت ہو گیا ہے۔" میں نے پوچھا: کون سی سورت سناؤں؟ آپ نے فرمایا: سورۂ واقعہ سنائیے۔" اور میں نے سورۂ واقعہ کی تلاوت کی۔ اذان کہی گئی اور صبح کی نماز ادا کی گئی۔

حضرت عمرؓ کے نزدیک اچھے شعر کی خصوصیات یہ تھیں:

۱۔ شعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے بھدّے، وحشی اور نامانوس الفاظ سے پاک ہو جو طبعِ سلیم پر ناگوار گزریں اور پاکیزہ ذوق ان سے انقباض محسوس کرے۔

۲۔ شعر میں ایسی دُور از کار تراکیب، تعقیدِ لفظی، ابہام اور پیچیدگیاں بھی نہ ہوں جن سے وہ ایک معمّا بن کر رہ جائے اور سمجھنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے دُور دراز کے سفر اختیار کرنے پڑ جائیں۔

۳۔ شعر میں جھوٹ کی آمیزش اور مبالغہ آرائی نہ ہو۔ وہ حقیقت پسندی کی صحیح تصویر ہو اور حقائقِ زندگی کی سچی تعبیر پیش کرے۔

قدیم نقد و بلاغت کے علاوہ جدید تنقید بھی شاعری کے ان خصائص کو تسلیم کرتی ہے اور یہ بات ہمیں حضرت عمرؓ کو بحیثیت نقاد بلند مقام دینے پر مجبور کرتی ہے۔

حضرت عمرؓ ادب و فن کی بقا نے دوام اور حیاتِ ابدی کے تصور سے بھی خوب آگاہ تھے۔ اُنھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ شاہوں کی عظمت اور دولت و ثروت کی فراوانی اُدب و فن کے قیمتی اور عظیم شاہکاروں کے مقابلے میں بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہے شعرا اور ادبا پر بادشاہوں اور امیروں کی طرف سے انعام و اکرام اور عطیات کی جو بارشیں ہوتی ہیں، ادب و فن کے ان غیر فانی جواہرات کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتیں جو وہ ان کی نذر کرتے ہیں۔ اگر ادیب و فنکار اس حقیقتِ ثابتہ سے آگاہ ہو جاتے تو وہ بادشاہوں اور دولتمندوں کو خاطر میں بھی نہ لاتے۔

ہرم بن سنان، زہیر بن ابی سلمیٰ کا ممدوح تھا۔ عبس، ذبیان کے درمیان صلح کرا کے اس نے جس اخلاقی برتری اور عربی مروت کا مظاہرہ کیا، اسے جاہلی عربوں کی تاریخ میں ایک قابلِ تقلید مثال کی حیثیت حاصل ہے۔ زہیر نے اسی شاندار کارنامے پر ہرم کی شان میں اپنا مشہور اور غیر فانی معلقہ نظم کیا تھا جو عربی ادب کے شہپاروں میں شمار ہوتا ہے۔ ہرم کے ایسے ہی بلند اخلاق اور اوصافِ حمیدہ نے زہیر کو اس کا مداح اور گرویدہ بنا دیا تھا۔ وہ اس کی شان میں قصائد کہتا اور بدلے میں انعام و اکرام سے نوازا جاتا تھا۔ اتفاق سے ہرم اور زہیر دونوں کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا تھا اور ان سے اس سلسلے میں جو مکالمات ہوئے وہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کے فہم و فراست اور ذوقِ سلیم کی دلیل بھی ہیں۔

ایک دفعہ ہرم بن سنان کا ایک بیٹا حضرت عمرؓ کے پاس موجود تھا۔ آپ نے کہا: مجھے زہیر کے کچھ وہ مدحیہ قصائد سناؤ جو وہ تمہارے والد کی شان میں کہا کرتا تھا۔ وہ سُنا چکا تو حضرت عمرؓ نے کہا: جبھی وہ تو تمہاری خوب تعریف کرتا تھا! ہرم کا بیٹا بولا: بخدا ہم بھی تو اُسے عطیات و انعامات سے خوب نوازتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جو کچھ تم نے اُسے دیا وہ تو گیا، ختم ہو گیا، مگر اس نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے وہ تو ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔

زہیر ابن ابی سلمیٰ کے ایک بیٹے سے آپ نے ایک مرتبہ پوچھا: بھئی وہ خلعتیں کیا ہوئیں جو ہرم تمہارے باپ کو پہنایا کرتا تھا؟ لڑکے نے کہا: جناب! گردشِ دوراں نے اُنھیں بوسیدہ کر کے مٹا دیا ہے۔ آپ نے کہا: مگر وہ خلعتیں تو غیر فانی اور زندۂ جاوید ہیں جو تمہارے باپ نے ہرم کو پہنائیں۔

فقہی اجتہاد کے لحاظ سے حضرت عمرؓ فقہائے صحابہ میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ اپنے دورِ خلافت میں اُنھوں نے جو خطوط اپنے عمال اور قاضیوں کے نام لکھے ہیں، وہ اسلامی فقہ و قانون سازی میں ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی صلاحیت کا نتیجہ تھا کہ جب زہیر کا یہ شعر سُنا تو بار بار دہرایا کیے:

فان الحق مقطعه ثلاث اداء او نفار او جلاء

(حقوق کا فیصلہ تین طریق سے ہوتا ہے، یا ادا کرنے سے یا عدالت میں مقدمہ لے جانے سے اور یا پھر بات بالکل واضح ہو جہاں عذر اور جھگڑے کی گنجائش ہی نہ ہو)

اسی شعر کی وجہ سے زہیر کو "قاضی الشعراء" کہا جاتا تھا۔

امرؤ القیس وصف نگاری اور نادر تشبیہات لانے میں کمال رکھتا تھا، مگر اس کے کلام میں فحش نگاری اور عُریانی طبعِ سلیم پر ناگوار گزرتی ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے اس کے کلام سے ایسی دلچسپی ظاہر نہیں کی، تاہم ایک صاحبِ بصیرت نقاد اور باذوق ادیب کی

حیثیت سے امرؤ القیس کی شاعری پر بھی رائے زنی کی ہے۔ ان کے نزدیک امرؤ القیس کی فضیلت و اہمیت کا راز یہ ہے کہ اس نے عرب شعراء کے لیے شاعری کا میدان تیار کیا اور اصنافِ سخن کے لیے زمین ہموار کی ہے۔ نازک خیالات اور نادر تشبیہات لانے کے علاوہ ایسے اچھوتے معانی پیدا کیے ہیں جن کی پہلے کوئی نظیر ہی نہ تھی؛ چنانچہ ایک دن حضرت عباسؓ بن عبد المطلب آپ سے شعر و شاعری پر گفتگو کر رہے تھے۔ اُنھوں نے جاہلی شعرا کے متعلق سوالات کیے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں امرؤ القیس کے متعلق فرمایا: "اسے تمام شعرائے عرب پر تقدم اور سبقت حاصل ہے، کیونکہ اسی نے عرب شعرا کے لیے شاعری کے سرچشمے جاری کیے اور اندھے مضامین کو بصیرت عطا کر دی۔"

جاہلی دور کا تیسرا بڑا شاعر نابغہ ذبیانی ہے۔ اسے حیرہ و غسان کے شاہی درباروں سے وابستہ ہونے اور سُوقِ عکاظ میں شعرا کی ادبی مجلس کا صدر اور جج ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ نابغہ کے علاوہ یہ اعزاز کسی دوسرے جاہلی شاعر کے حصے میں نہیں آیا کہ اسے شعرائے عرب نے اپنا حکم و امام تسلیم کر کے اس کی تنقیدی آرا اور فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہو، چنانچہ حضرت عمرؓ کو زہیر اور امرؤ القیس کی طرح نابغہ کی شاعری سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ ایک مرتبہ نابغہ کے قبیلے کے لوگ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر تھے۔ ادبی گفتگو اور شعرا کا تذکرہ چھڑ گیا۔ آپ نے وفد بنی غطفان کے لوگوں سے پوچھا: یہ شعر تمہارے کس شاعر کا ہے:

اتیتک عاریا خلقا ثیابی علی خرف تظن بی الظنون

میں تیرے پاس (عجز و انکسار کے ساتھ معذرت و معافی کے لیے) اس حال میں آیا ہوں کہ برہنہ تن ہوں۔ لباس (عزت) بوسیدہ ہو چکا ہے اور خوف کے مارے قسم قسم کے گمان دل میں پیدا ہو رہے ہیں۔

وفد کے لوگوں نے جواب دیا: یہ تو نابغہ کا شعر ہے، پھر آپ نے فرمایا: یہ شعر کس کا ہے؟

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ ولیس وراء اللہ للمرء مذہب

(میں نے قسم کھا کر (اپنی بے گناہی اور معذرت کا اظہار کر دیا ہے) اب تیرے دل میں کسی قسم کا شک نہیں رہنا چاہیے اور خدا کی قسم کھانے کے بعد انسان کے پاس اور چارۂ کار کیا رہ جاتا ہے)

وہ کہنے لگے یہ بھی نابغہ کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "یہ کس نے کہا ہے؟"

فانک کاللیل الذی ھو مدرکی وان خلت ان المنتای عنک واسع

اگر میں (بزعمِ خویش) یہ سمجھ بھی لوں کہ تجھ سے دُور رہنے کے لیے میرے سامنے دُنیا بہت وسیع ہے (تو تب بھی تیرے غضب سے نہیں بچ سکتا) کیونکہ تُو تو اس رات کی مانند ہے، جو مجھے ہر صورت میں آ ہی لے گی (جس طرح رات سے کوئی نہیں بھاگ سکتا اسی طرح تجھ سے بھی کسی کو مفر نہیں)

وفد کے لوگوں نے کہا: یہ شعر بھی نابغہ کا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہی تمہارا سب سے بڑا شاعر ہے۔

الأغانی میں یہ روایت تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔ وہاں وفد بنو غطفان کی جگہ بعض لوگوں کا ذکر ہے پھر نابغہ کو تمام شعرائے عرب پر فضیلت دینے کا ذکر ہے۔ ہم نے ابن قتیبہ کی روایت کو دو وجہ پسند کیا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ ادب و فقہ کے میدان میں ابن قتیبہ کو ابو الفرج اصفہانی پر برتری حاصل ہے۔ دوسرے نابغہ کو تمام شعرا پر فضیلت و فوقیت دینا مبالغے سے خالی نہیں اور خصوصاً حضرت عمرؓ جیسا نقاد جو زہیر کو شاعر الشعراء تسلیم کرتا ہو، وہ نابغہ کو مطلقاً تمام شاعروں پر فضیلت نہیں دے سکتا، البتہ اس شک میں نہیں کہ نابغہ کا مقام بہت اُونچا ہے اور اُسے کئی شعرا پر تفوق حاصل ہے۔

متعدد روایات حضرت عمرؓ کو ایک بذلہ سنج اور طبعِ سلیم کے مالک ادیب اور بلند ذوقِ سخن فہم اور صائب الرائے نقاد کے روپ میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ کثرتِ مشاغل، امورِ سلطنت کی عظیم ذمہ داریوں اور ملتِ اسلامیہ کی فلاح و بہبود میں انہماک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے باوجود آپ شعروادب سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی وقت نکال لیتے تھے صحابہ کرام میں سے ادبی ذوق رکھنے والے حضرات آپ سے شعروادب کے موضوعات پر گفتگو فرماتے اور شعراء کے بارے میں رائے طلب کرتے۔ جب کبھی آپ کے گرد وپیش ایسے باذوق لوگ جمع ہو جاتے، یا شعرا خود اپنا کلام سناتے یا صاحب ذوق اشخاص جاہلی اور اسلامی شعراء کے قصائد سناتے، تو حضرت عمرؓ شعرا کا کلام اور قصائد سنتے جاتے اور جہاں داد دینے کا موقع ہوتا، داد دیتے اور شعر کے فنی محاسن اور خوبیوں کی تعریف فرماتے۔ اچھوتے خیالات، نادر تشبیہات، واستعارات اور فنی نکات پر پھڑک اٹھتے۔ بار بار شعر کو دوہراتے اور جھومتے جاتے اور بعض اوقات تنقید بھی فرماتے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل واقعات ایک دلچسپ مطالعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ عبدہ بن الطیب کا طویل لامیہ قصیدہ آپ کو سنایا گیا۔ قصیدہ سنانے والا جب اس شعر پر پہنچا:

والمرء ساع لامر لیس یدرکہ   والعیش شح واشفاق وتامیل

انسان کچھ ایسے کاموں کی کوشش کرتا ہے جن میں کامیاب نہیں ہو پاتا (بھلا ہو بھی کیونکر) جبکہ زندگی تو محض بخل، خوف اور امنگوں کا نام ہے (یعنی انسان خوف اور امنگ کے جذبات لیے آگے بڑھتا ہے، مگر زندگی اتنی بخیل ہے کہ کچھ نہیں دیتی) تو حضرت عمرؓ پھڑک اٹھے اور دوسرے مصرعے کو جھوم جھوم کر دوہراتے رہے۔

ایک دفعہ ابو قیس بن الاسلت کا قصیدہ عینیہ سنایا گیا جس میں یہ شعر بھی تھا،

الکیس والقوۃ خیر من الـ   اشفاق والفھۃ والھاع

بھلا خوف، گونگے پن اور بزدلی کو عقل وشجاعت ایسے بہتر اوصاف سے کیا نسبت؟

حضرت عمرؓ نے جب یہ شعر سنا تو بہت پسند فرمایا اور مکرر پڑھنے کی فرمائش کی۔

کسی شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے طرفہ بن العبد کا یہ شعر پڑھا:

فلولا ثلاث ھن من عیشۃ الفتی   وجدک لم احفل متی قام عودی

اگر تین چیزیں (شراب، شہسواری اور وصال محبوبہ) نہ ہوتیں جو ایک نوجوان کے لیے سامان عیش ہیں تو تیری قسمت کی قسم، مجھے موت کی کوئی پروا نہ ہوتی!

حضرت عمرؓ کو یہ خیال پسند نہ آیا اور فرمانے لگے: اگر راہ خدا میں سفر جہاد کی ذمہ داری خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر عجز ونیاز کی سعادت حاصل کرنے کی تمنا اور نیک لوگوں کی مجالس میں بیٹھنے کی آرزو نہ ہوتی، تو مجھے موت کی کوئی پروا نہ تھی۔

کوئی شخص الحطیئہ کا یہ شعر پڑھ رہا تھا:

متی تاتہ تعشوا الی ضوء نارہ   تجد خیر نار عندھا خیر موقد

جب اس کی آگ کی روشنی دیکھ کر اس کے پاس بغرض مہمانی آؤ گے تو دیکھو گے کہ ایک اچھا آگ جلانے والا ایک بہترین آگ جلائے بیٹھا ہے۔

جب حضرت عمرؓ نے یہ شعر سنا تو کہنے لگے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت وکرامت کی بھی یہی شان تھی۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ الحطیئہ جھوٹ بکتا ہے، بہترین آگ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تھی۔

سحیم عبد بنی الحسحاس صدر اسلام کا مشہور شاعر تھا۔ جاحظ نے اسے ان خطبات وشعرا میں شمار کیا ہے جن کی زبان میں لکنت تھی، وہ جب حضرت عمرؓ کو اپنا قصیدہ سنانے لگا اور کہا:

عمیرۃ ودع ان تجھزت غادیا   کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا

عمیرہ! جب جانے کے ارادے سے رخت سفر باندھ ہی لیا ہے تو اب الوداع کہہ دے، کیونکہ بڑھاپا اور اسلام انسان کو باز رکھنے اور تنبیہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

تو شعر سن کر حضرت عمرؓ فرمانے لگے۔ اگر شعر میں تم اسلام کو بڑھاپے سے پہلے لاتے تو میں تمہیں انعام دیتا۔ سحیم کہنے لگا ماسعرت؟ مجھے اس کا تو خیال ہی نہیں آیا، (وہ شین نہیں کہہ سکتا تھا اس لیے ماشعرت کی جگہ ماسعرت کہہ دیا)

پھر اس نے یہ شعر پڑھا:

توسدنی کفا وتثنی بمعصم   علی وتحوی رجلھا من ورائیا

محبوبہ نے اپنی ہتھیلی کو میرا تکیہ بنا دیا اور دوسرے ہاتھ کی کلائی سے میرے ہاتھ کو تھام لیا اور اس کے پاؤں میری پشت پر تھے۔

حضرت عمرؓ نے یہ شعر سنا تو کہا: "اے کمبخت! تو تو مقتول معلوم ہوتا ہے!" یعنی یہ کیفیت تو زخموں سے نڈھال شخص کی ہوتی ہے اور اسے یوں سہارا دیا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق بعد میں سحیم کو اس کی محبوبہ کے رشتہ داروں نے واقعی قتل کر دیا تھا!

عربی ادب میں متمم بن نویرہ کو بحیثیت مرثیہ نگار بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ اس کا بھائی مالک بن نویرہ بڑی خوبیوں کا مالک نوجوان تھا جو جنگ ارتداد میں خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ متمم اس صدمے کا تیر برداشت نہ کر سکا اور بھائی کی موت کے بعد زندگی اس کے لیے اجیرن ہو گئی۔ تمام عمر مرثیے لکھتا رہا اور روتا رہا، لوگوں کو رلاتا رہا اور اسی حال میں تباہ ہو گیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے متمم سے خواہش ظاہر کی کہ اپنے بھائی کا کوئی مرثیہ سناؤ۔ متمم نے اپنا مشہور مرثیہ سنانا شروع کیا جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

"لعمری وما دھری بتابین مالک"

قصیدے کے آخر میں یہ شعر بھی تھے:

کنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ   من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

ہم دونوں بھائی ایک مدت تک جذیمہ (بادشاہ) کے دو ہم نشینوں کی طرح ایک ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ کہا جانے لگا کہ وہ کبھی جدا نہ ہوں گے۔

فلما تفرقنا کانی ومالکا   لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

اور اب جدا ہونے کے بعد یوں لگتا ہے جیسے اتنا طویل عرصہ ایک ساتھ رہنے کے باوجود ہم نے ایک رات بھی اکٹھے نہ گزاری تھی!

حضرت عمرؓ جب مرثیہ سن چکے تو متمم سے کہا کہ اگر میں بھی شاعر ہوتا تو اپنے بھائی زید بن الخطاب کا مرثیہ کہتا جو جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تھا۔ متمم نے جواب دیا: کہ اگر میرا بھائی بھی آپ کے بھائی کی طرح شہادت کی موت مرا ہوتا تو میں کبھی اس کا مرثیہ نہ کہتا! حضرت عمرؓ کو ایک شاعر کی شاعرانہ تعزیت پسند آئی اور فرمانے لگے متمم! تمہارے ان الفاظ سے جو مجھے اطمینان وسکون حاصل ہوا ہے اتنا کسی تعزیت کرنے والے کے ہمدردی سے بھرے ہوئے الفاظ سے بھی نہیں ہوا۔

حضرت عمرؓ بے حد بیدار مغز اور بڑے سخت گیر حکمران تھے، مگر شعر وشاعری اور غنا وسماع کے سلسلے میں اتنی سختی نہیں کرتے تھے بلکہ بعض اوقات خود بھی ترنم سے شعر گا لیا کرتے اور خوش الحان چرواہوں سے گیت بھی سن لیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گیت اور نغمات، تو عربوں کی زندگی کی ایک شدید ترین ضرورت تھی۔ دور دراز سفروں کی روح فرسا مشقت ودشواری کا واحد علاج حدی خوانی تھا تھکے ہارے قافلے حدی خوانوں کے مسرت انگیز سریلے نغمات سن کر اپنی تمام تکالیف بھول جاتے اور تھکے ماندے اونٹوں کی جان میں جان آجاتی اور وہ مست ہو کر اپنی رفتار کو تیز تر کر دیتے اور جب رات کو کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو نغمہ وسرور کی محفلیں لگ جاتیں۔ نغمہ سرائی اور سماع جیسے تھکاوٹ اور واماندگی کا علاج ہو! دیر تک یہی سلسلے جاری رہتے۔ یہاں تک کہ تھکاوٹ اور نغمات کے نشے سے چور ہو کر فرزندان ریگستان نیند کی آغوش میں چلے جاتے۔

حضرت عمرؓ نے جب جابیۃ الجولان کا سفر کیا تو ایک شخص رباح الفہری بھی ان کے قافلے میں شامل تھا جو بڑا خوش الحان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نغمہ گر اور حدی خوانی میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ ریگستان کا طویل سفر شب جب قافلے والوں پر گراں ہونے لگا تو اس کے ساتھیوں نے حدی خوانی کی فرمائش کی، مگر رباح نے حضرت عمرؓ سے جھجک محسوس کی۔ ساتھیوں نے کہا: "تم گانا شروع کرو اگر وہ منع کریں تو چپ ہو جانا!" چنانچہ رباح نے سرور انگیز لَے میں حدی خوانی شروع کر دی۔ تمام قافلے پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور ریگستانی سفر کی صعوبتیں اور تھکاوٹیں حریر و پرنیاں کے بستر بن گئیں۔ حضرت عمرؓ خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور لطف اندوز ہوتے رہے اور سحر ہوئی تو منع کر دیا کہ اب عبادت کا وقت ہے، یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاؤ۔ پھر دوسری رات کو لوگوں نے نصب خوانی کی فرمائش کر دی۔ حضرت عمرؓ سحر ہونے تک نصب بھی سنتے رہے۔ تیسری رات قافلے والوں نے رامش گروں کے گانے کی فرمائش کی، لیکن رباح نے جونہی گانا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے گرجتی ہوئی آواز سے منع کر دیا کہ اس یاوہ گوئی کو بند کرو اس سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کی زندگی کا ہر پہلو پیش نظر رکھا اور انھیں معاشرے کی تمام ضرورتوں کا خیال رہا۔ تعلیم کو ایک اہم ضرورت تسلیم کرتے ہوئے اس پر بھی پوری توجہ دی۔ جگہ جگہ مکاتب کا سلسلہ قائم کیا جہاں قرآن اور عربی زبان کی تعلیم کا بندوبست تھا۔ وہ اس حقیقت سے بھی پوری طرح آگاہ تھے کہ شعر ہی عربوں کی تاریخ ہے اور یہ بھی انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ادب انسانی زندگی کی تشکیل میں نہایت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے، اس لیے اپنی تمام قلمرو میں یہ فرمان جاری کر دیا کہ اپنے بچوں کو تیراکی اور شہسواری سکھاؤ اور مشہور ضرب الامثال اور عمدہ اشعار کی تعلیم دو۔ اپنے ایک گورنر ابوموسیٰ الاشعری کو ایک دفعہ لکھا کہ اپنی طرف سے لوگوں کو شعر و ادب کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دو، کیونکہ یہ بلند اخلاق، اصابتِ رائے اور معرفتِ انساب کی دلیل ہے۔

حضرت عمرؓ کے خطوط اور خطبات کتبِ ادبِ عربی کا ایک اہم حصہ ہیں جو ان کی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی پر دلالت کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کے کچھ اقوال بھی ہیں جو ان کے حسنِ ذوق اور طبع سلیم کا عکس پیش کرتے ہیں ایک موقع پر آپ نے فرمایا: اگر میں تجارت کرتا تو عطریات کے کاروبار کو پسند کرتا کیونکہ اس میں اگر نفع نہ بھی ملتا، تو خوشبو تو کہیں نہیں گئی تھی۔ ایک دفعہ کسی شخص سے مدد لینا چاہتے تھے۔ نام پوچھا تو اس نے کہا: "ظالم بن سراق" آپ نے کہا: تو ظالم ہے اور تیرا باپ چور! اس شخص سے مدد نہ لی۔ ایک مرتبہ پھر کہیں سے آ رہے تھے۔ راستے میں کچھ لوگ آگ جلائے بیٹھے تھے۔ آپ نے کہا "السلام علیکم یا اھل الضوء یعنی" یا اھل النار" کہنے میں کراہت محسوس کی۔

بنی مجاشع بڑے طویل القامت اور مضبوط جسم کے لوگ تھے لیکن ایک دفعہ ان کے ایک شاعر النجاشی نے انصار کی ہجو کہہ دی۔ اس پر حضرت حسانؓ کو جو غصہ آیا تو چند ہجویہ اشعار لکھ کر بنو مجاشع کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔ ان میں یہ شعر بھی تھا:

لا بأس بالقوم من طول ومن عظمٍ — جسم البغال واحلام العصافير

اس قوم کے طویل القامت اور مضبوط جسم والے لوگوں کا کیا کہنا! جسم خچروں جیسے اور عقل چڑیوں جیسی!!

بنو مجاشع اپنے شاعر پر بہت ناراض ہوئے اور اسے گدھے پر جکڑ کر حسانؓ سے معافی مانگنے کے لیے لے آئے سردار قبیلہ نے کہا: حسانؓ! ہم لوگ اپنے اونچے قدوں اور مضبوط جسموں پر فخر کرتے تھے، مگر اس شعر سے یہی بات ہمارے لیے گالی بن گئی ہے! اسی طرح بنو نمیر سے ناراض ہو کر جریر نے ان کی ہجو کہہ ڈالی جس میں یہ شعر بھی تھا:

فغضّ الطرف انک من نمیر — فلا کعبا بلغت ولا کلابا

ترجمہ: تو سر اٹھا ہی نہیں سکتا! کیونکہ تو نمیری ہے نا! تو بھلا بنو کعب، بنو کلاب کی عزت کو کیا پہنچ سکتا ہے؟!!!

اس شعر سے بنو نمیر کی وہ مٹی پلید ہوئی اور وہ رسوائی ہوئی کہ بزم و رزم میں ان کے لیے کوئی گنجائش نہ رہی۔ جونہی یہ شعر پڑھا جاتا بنو نمیر کے لوگ شرم و ندامت سے سر جھکا لیتے۔ الغرض ہجو گوئی نہ صرف ذلت و بدنامی اور ذہنی کوفت کا باعث تھی، بلکہ

خاندانی عداوت و انتقام اور جنگ و جدل کا سبب بھی بنتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ہجو گوئی کو بڑی سختی سے روکا۔ ہجو گو شعرا کو سزائیں بھی دیں اور مال دے کر ان سے لوگوں کی عزت و ناموس کو محفوظ بھی کیا۔

عربوں کا ایک قبیلہ تھا جو "بنو العجلان" (جلدی کرنے والے کی اولاد) کہلاتا تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ان کا ایک بزرگ مہمان کی تواضع اور خاطر مدارات میں بڑی تیزی اور عجلت دکھاتا تھا، اور یہ بات باعثِ فخر ہے، مگر مشہور شاعر النجاشی نے ان کی ہجو کہی اور اس میں وجہ تسمیہ ایک بڑی قابلِ شرم بات کو قرار دیا؛ چنانچہ بنو العجلان اس نام سے تنگی محسوس کرنے لگے اور یہی نام ان کے لیے گالی بن گیا۔ آخر وہ حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لائے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے وہ ہجو سناؤ۔ انھوں نے ہجو پڑھی:

اذا الله عادی اھل لوم ورقة — فعادی بنی العجلان رھط بن مقبل

اگر اللہ تعالیٰ ذلیل اور کمینے لوگوں کو دشمن رکھتا ہے، تو وہ قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے جو تمیم بن مقبل کی قوم ہیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: یہ تو ہجو نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے بددعا کہا جا سکتا ہے اور ہو سکتا ہے خدا اس کی دعا قبول ہی نہ کرے پھر انھوں نے یہ شعر سنایا۔

قبیلة لا یغدرون بذمة — ولا یظلمون الناس حبة خردل

وہ تو ایک حقیر سا قبیلہ ہے نہ یہ لوگ کوئی ذمہ داری اٹھا سکتے ہیں اور نہ ہی لوگوں پر رتی بھر ظلم کر سکتے ہیں (عربوں میں یہ باتیں بھی معیوب سمجھی جاتی تھیں)۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: کاش میں بھی اسی قبیلے سے ہوتا۔

اب ایک اور شعر سنایا گیا:

ولا یردون الماء الا عشیة — اذا صدر الوراد عن کل منهل

یہ لوگ پانی لینے کے لیے بھی رات کے وقت جاتے ہیں جب سب لوگ پنگھٹ سے واپس آ چکے ہوتے ہیں (عربوں میں یہ بزدلی اور کمزوری کی علامت خیال کی جاتی ہے۔)

حضرت عمرؓ نے کہا: بھئی اس میں ہجو کی کیا بات ہے بھیڑ سے بچنا تو بڑی عقلمندی کی بات ہے!

تب انھوں نے یہ شعر سنایا:

تعاف الکلاب الضاریات لحومهم — وتاکل من کعب بن عوف ونهشل

درندہ نما کتے ان لوگوں کا گوشت بھی نہیں کھاتے، حالانکہ کعب بن عوف اور نہشل کا کھاتے ہیں یعنی وہ ایسے پلید ہیں کہ کتے بھی ان کے گوشت سے کراہت محسوس کرتے ہیں۔

مگر حضرت عمرؓ اس وقت کسی خاص موڈ میں تھے، فرمانے لگے، جس کا گوشت کتوں سے محفوظ رہ جائے اسے اور کیا چاہیے۔ سب سے بڑی ذلت تو اس کے لیے ہے جس کا گوشت کتے کھا جائیں!

وہ لوگ کہنے لگے کہ پھر اس کا یہ شعر سنیے!

وما سمی العجلان الا لقولهم — خذ القعب واحلب ایها العبد واعجل

بنو عجلان کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان کے بڑے سے کہا کرتے تھے کہ "اے او غلام! پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دوہ لا۔"

حضرت عمرؓ نے کہا: ہم سب غلام ہیں اور پھر "سید القوم خادمهم" یہ کوئی بری بات نہیں۔ وہ کہنے لگے یا امیر المومنین یہ تو ہماری ہجو ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: بھئی مجھے تو اس میں ہجو کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ وہ لوگ کہنے لگے تو آپ حضرت حسان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن ثابت سے پُوچھ لیجیئے۔ جب حسانؓ سے پُوچھا تو وہ کہنے لگے، یہ ہجو ہی نہیں، ان پر ایک مہلک وار کیا گیا ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے نجاشی کو قید کر دیا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس پر حد بھی لگائی۔ ابنِ قتیبہ کی روایت ہے کہ یہ اشعار سُن کر حضرت عمرؓ نے حسانؓ اور ایک اور شاعر الحطیئہ (جو ہجو گوئی کی وجہ سے قید تھا) کو بلوایا اور اُن کی رائے معلوم کرنے کے بعد نجاشی کو دھمکی دی کہ اگر پھر ہجو کہی تو زبان کاٹ ڈالوں گا۔"

اس واقعہ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ہجو گوئی میں تمیز نہ کر سکے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے، وہ خوب سمجھتے تھے لیکن دو چیزیں مانع تھیں۔

(۱) شریعت میں فیصلہ دینے کے لیے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جب مقدمہ فنی نوعیت کا ہو تو کسی ماہرِ فن کا مشورہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے حسانؓ اور الحطیئہ سے رائے طلب کی تاکہ وہ خود بحیثیت حاکم اور قاضی فیصلہ صادر کر سکیں؛ چنانچہ ابنِ رشیق نے اس موقع پر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نجاشی کے اشعار کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے، لیکن وہ چاہتے تھے کہ شک کا فائدہ دیتے ہوئے نجاشی حد سے بچ جائے ورنہ حسانؓ یا حطیئہ باوجود صاحبِ فن ہونے کے حضرت عمرؓ سے بڑے عالم نہیں تھے۔

(۲) اس مقدمہ میں ایک طرف تمیم بن مقبل تھا اور دوسری طرف نجاشی اور دونوں شاعر تھے اور حضرت عمر دونوں کے شر سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ اس لیے یہ معاملہ حسانؓ کے سپرد کر دیا۔ ابنِ رشیق کہتا ہے کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عالما بالشعر قلیل التعرض لاھلہ: (حضرت عمرؓ شعر سے واقف تھے اور شعراء کے درپے کم ہوتے تھے) پھر ان اشعار کے مفہوم کی جو مزاحیہ توجیہات حضرت عمر نے پیش کی ہیں وہ تو اُن کی ظرافتِ طبع اور ادبی ذوق کی دلیل ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک اور بھی ہجو گو شاعر تھا اور وہ ہے الحطیئہ۔ یہ ایسا بدزبان اور خبیث اللسان تھا کہ اس کی ہجو سے کوئی بھی نہ بچتا تھا حتیٰ کہ اُس نے اپنے باپ، اپنی ماں اور خود اپنی بھی ہجو کہہ ڈالی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت اور لبید بن ربیعہ کی رائے طلب کر کے اسے تہہ خانے میں بند کر دیا۔

اس کے بعد الحطیئہ نے ایک قصیدہ لکھا جس میں حضرت عمرؓ سے نرمی برتنے اور رحم کھانے کی درخواست کی۔ اس قصیدے میں وہ حضرت سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

اعوذ بجدک انی امرء　　　سقتنی الاعادی سُماسجالا

مَیں تیرے دادا کی پناہ لے کر کہتا ہُوں کہ مَیں ایک ایسا آدمی ہُوں جسے دشمنوں نے پے درپے زہر کے پیالے پلائے ہیں۔

تحنن علیّ ھداک الملیک　　　فان لکل مقام مقالا

خدا تجھے راہِ راست پر چلائے مجھ پر رحم کر کیونکہ ہر موقع کے لیے ایک بات ہوتی ہے (ہجو کا موقع تھا سو میں نے کر ڈالی مَیں اس موقع پر تعریف کرتا)

ظاہر ہے ان باتوں کا حضرت عمرؓ پر کیا اثر ہو سکتا تھا، مگر شاعر بھی آخر شاعر ہوتا ہے، پتھر کو بھی موم کر دیتا ہے۔ الحطیئہ نے ایک اور قصیدہ لکھا جس میں وہ حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتا ہے:

ماذا تقول لافراخ بذی مرخ　　　زغب الحواصل لاماء ولاشجر

ان کی پرورش کرنے والے کو تو تُو نے ایک تاریک گڑھے میں ڈال دیا ہے۔ اب ان کا کون ہے؟ اے عمرؓ! تجھے خدا ہدایت بخشے، مجھے معاف کر دے۔

حضرت عمرؓ پر ان الفاظ کا اتنا اثر ہُوا کہ آپ رونے لگے اور پھر حکم دیا کہ الحطیئہ کو رہا کر کے میرے سامنے لایا جائے۔ صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا جاؤ استرا لے آؤ میں اس خبیث کی زبان کاٹتا ہُوں تاکہ یہ پھر کسی بندۂ خدا

کی ہجو کہہ کر اسے ایذا پہنچانے کے قابل ہی نہ رہے۔ لوگ جانتے تھے حضرت عمرؓ کا مقصد زبان کاٹنا نہیں، بلکہ شاعر کو دھمکانا اور خاموش کرانا ہے؛ چنانچہ سب لوگوں نے الحطیئہ سے کہا کہ امیر المومنین سے معافی مانگو اور آئندہ خاموش رہنے کا وعدہ کرو؛ چنانچہ خاموش رہنے کا وعدہ کرنے پر حضرت عمرؓ نے شاعر کو معاف کر دیا اور تین ہزار درہم دے کر لوگوں کی عزت محفوظ کرا لی۔ اسی واقعہ کی طرف الحطیئہ اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

واخذت اطراف الکلام فلم تدع　　　شتما یضر ولا مدیحا ینفع

تو نے زبان بند کر دی ہے اور نقصان رساں ہجو یا نفع بخش مدح کا موقع ہی نہیں چھوڑا۔

وحمیتنی عرض اللئیم فلم یخف　　　ذمی واصبح آمنا لایفزع

(حتیٰ کہ) تو نے کمینے آدمی کی عزت بھی مجھ سے محفوظ کرا لی ہے۔ اب اسے میری مذمت کا کوئی ڈر نہیں رہا اور وہ بالکل مامون اور بے فکر ہو گیا۔

حضرت عمرؓ نے نہ صرف ادب و شعر میں گہری دلچسپی لی اور نقدِ شعر کا ایک خاص معیار قائم کیا بلکہ ادبا و شعرا کی سرپرستی بھی فرمائی۔ فقہ و اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والوں اور حُفّاظِ قرآن کی قدر دانی کے علاوہ اُنھوں نے شعرا کو وظائف دیے۔ ان کی ذاتی مشکلات کو حل کیا اور عطیات سے بھی نوازا۔ ایک دفعہ ایک شاعر سے اس قدر خوش ہُوئے کہ انعام واکرام سے نوازے بغیر نہ رہ سکے، مگر ایک درویش صفت خلیفہ کے پاس بھاری عطیّات کے لیے دولت کہاں اور پھر ایک بے مثال دیانتدار اور امین حکمران سرکاری خزانے کی طرف ہاتھ بڑھانے کی جرأت کیسے کر سکتا تھا؛ چنانچہ شاعر کو اپنی قمیص اُتار کر دے دی۔

عربی شاعری میں جن خواتین نے شہرتِ عام اور بقائے دوام حاصل کی ان میں خنساؓ کا نام سرِفہرست ہے۔ خنساؓ کی تمام شاعری اپنے بھائیوں اور بیٹوں کی مرثیہ گوئی پر مشتمل ہے اور علمائے ادب کا اس پر اتفاق ہے کہ مرثیے کے فن میں خنساؓ کو تمام عرب شعرا پر فوقیت حاصل ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اسے کعبہ میں روتے اور چیختے دیکھا تو پاس جا کر تعزیت و تسلی کی۔ اس نامور خاتون کے چار بیٹے تھے اور چاروں اسلام لانے کے بعد جنگِ قادسیہ میں جہاد کرتے ہُوئے شہید ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان چاروں شہیدوں کی تنخواہ خنساؓ کے نام جاری کر دی۔

لبید بن ربیعہ عامر دورِ جاہلی کے بڑے شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے بھی بڑا متقی اور نیک خصلت انسان تھا اور اسلام کے بعد تو اس کے زُہد اور تدیّن پر خاص رنگ چڑھ گیا تھا۔ کوفہ و بصرہ کے آباد ہونے کے بعد لبید بھی کوفہ میں جا بسا تھا اور آخری دم تک وہیں رہا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں موجود شعرا سے وہ کلام جمع کر کے بھیجو جو اُنھوں نے زمانہ اسلام میں کہا ہے۔ مغیرہ نے سب سے پہلے اغلب عجلی کو امیر المومنین کے فرمان سے آگاہ کیا۔ اغلب نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

لقد طلبت ھینا موجودا　　　ارجزا ترید ام قصیدا

تم نے تو ایک بڑی خوشگوار فرمائش کی ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ قصیدہ مطلوب ہے یا رجز یہ چاہتے ہو یعنی بہت کچھ کہا ہے۔

جب لبید کو یہ حکم سنایا تو اس نے سورۂ بقر لکھ کر پیش کر دی اور کہا کہ شعر کے بدلے خدا نے مجھے اب یہ عنایت فرما دی ہے۔ مغیرہ نے تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے۔ آپ کو لبید کی ادا بہت پسند آئی اور معلوم ہوتا ہے اغلب کی شاعرانہ تعلّی کو بُرا منایا؛ چنانچہ مغیرہ کو لکھ بھیجا کہ اغلب کے روزینے میں سے گھٹا کر لبید کے وظیفے میں پانچ سو کا اضافہ کر دو۔ اغلب نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ حکم کی بجا آوری کا یہی صلہ ہے؟ اس پر حضرت عمرؓ نے لبید کے اضافے کے ساتھ اس کا وظیفہ بھی بحال کر دیا۔

حضرت عمرؓ ایک عظیم خطیب اور ادیب تھے۔ ان کے خطبات اور مکاتیب کتبِ ادب و تاریخ میں محفوظ ہیں اور عرب ادبا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

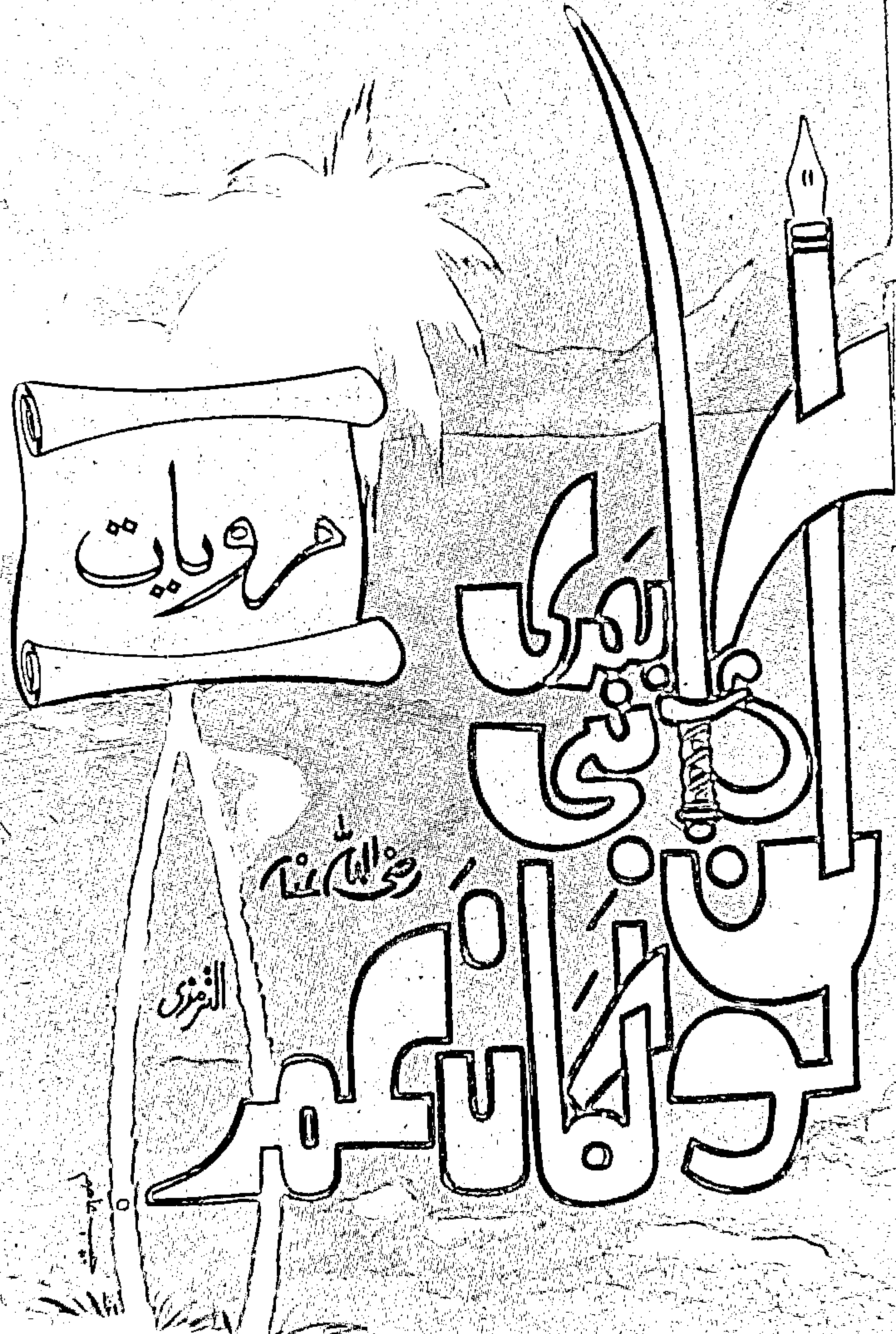

نے حضرت عمرؓ کو بلند پایہ خطبا اور ادیبوں میں شمار کیا ہے۔ وہ شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور کبھی کبھی شعر کہہ بھی لیتے تھے۔ کتب ادب میں کچھ اشعار ملتے ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں۔ فرماتے ہیں:

ھون علیک فان الامور — بکف الالٰہ مقادیرھا

گھبرا نہیں کیونکہ تمام معاملات کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

فلیس یاتیک منہیتھا — ولا قاصر علیک مامورھا

جو بات خدا نہیں چاہتا۔ وہ تجھے کبھی پیش نہیں آئے گی اور جن معاملات کا وہ فیصلہ کر چکا ہے، وہ رکنے والے نہیں۔

یہ اشعار بھی ان سے منسوب کیے جاتے ہیں:

لا شئی مما تری تبقی بشاشتہ — یبقی الالٰہ ویفنی المال والولد

دنیا میں نظر آنے والی اشیا کی تازگی ہمیشہ نہیں رہے گی، البتہ خدا کی ذات باقی رہے گی اور مال و اولاد تو فنا ہو جائیں گے۔

لم تغن عن ھرمز یوما خزائنہ — والخلد قد حاولت عاد فما خلدوا

ہرمز کو اس کے خزانے بے نیاز نہ کر سکے اور نہ قوم عاد کو بقا نصیب ہوئی۔

ولا سلیمان اذ تجری الریاح لہ — والجن والانس فیما بینہا ترد

سلیمان بھی باقی نہ رہے، حالانکہ ہوا ان کے تابع تھی اور جن و انسان ان کی اطاعت کرتے تھے۔

حوض ھنالک مورود بلا کذب — لا بد من وردہ یوما کما وردوا

موت تو ایک حوض ہے جس میں سب کو اسی طرح وارد ہونا ہے جس طرح پہلے لوگ وارد ہو چکے ہیں۔

مرنے سے پہلے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

وما بی خوف الموت انی لمیت — ولکن حزن الذنب یتبعہ الذنب

مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں کیونکہ مرنا تو ہے ہی، مگر خوف تو ان گناہوں کا ہے جو میں ساتھ لیے جاتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کی شہادت تاریخ اسلام کا عظیم المیہ ہے جس نے اسلامی دنیا پر تاریکی کی دبیز چادریں تان دیں، اور بقول ابن خلکان، اسلام کی عزت و اقبال مندی حضرت عمرؓ کے ساتھ دفن ہو گئی۔ اس حادثہ فاجعہ پر شعرا نے آپ کے مرثیے لکھے ہیں جن میں حسانؓ بن ثابت انصاری، شماخ بن ضرار اور عاتکہ کے نام قابل ذکر ہیں:

شماخ کہتا ہے:

فمن یسع او یرکب جناحی نعامۃ — لیدرک ما قدمت بالامس تسبق

بعد میں آنے والے لوگ خواہ کتنی ہی کوشش کر گزریں، وہ تیرے کارناموں کو ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔

حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنت زید کہتی ہیں:

عین جودی بعبرۃ ونحیب — لا تملی علی الامام النجیب

اے میری آنکھ اس شریف اور بزرگ امام وقت کی وفات حسرت آیات پر خوب آنسو بہا اور بین کر۔

عصمۃ الناس والمعین علی — الدھر وغیث المنتاب والحروب

وہ انسانوں کی پناہ اور مصائب میں ان کے مددگار تھے اور مصیبت زدوں اور ستائے ہوئے لوگوں کی فریاد رسی کرنے والے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیّدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اپنے ربّ توں جس صاحب نوں پیغمبرؐ نے منگیا
اُوہ فاروق عمرؓ جس کیتا سر اسلام دا اُچّا
بیت المقدس توں کابل تک جس نے جھنڈے گڈے
اوہدے تن نے ویکھیا جگ نے ٹاکیاں والا کُڑتا
آقا پھڑے مہار تے خادم ناقے اُتے ہووے
دیدے دی کھلی ہوئی اکھ نے ایہہ منظر وی ڈٹھا
مسکیناں دے درد ونڈائے، بھکھے لوک رجھائے
ہر دکھ اپنی جان تے جر کے دان خوشی دا کیتا
حکم خدا دا ہر حالت وچ ڈکھیا سر متھے تے
عشق رسول اللہؐ دا اوہدے لُوں لُوں دے وچ رچیا
اُوہ فاروق عمرؓ جس بارے پاک نبیؐ فرمایا
ہوندا عمرؓ جے میرے پچھوں ہور نبی کوئی ہوندا
سجن دشمن اکے وڈے نال اِکو ورتارا !
بُھل نہیں سکدا دُنیا تائیں عدل انصاف عمرؓ دا
معزولی توں پچھوں آکھیا خالد سیف اللہ نے
ایس جئے دے ہوندیاں کوئی فتنہ نہیں اُٹھ سکدا

حفیظ تائب

انھوں نے حسنِ روایت کا حق ادا کر دیا!

ترتیب و ترجمہ: حبیب عاصم

عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز ہم بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر تھے کہ ایک شخص بہت زیادہ سفید کپڑے پہنے ہوئے آیا۔ اُس کے بال بے حد سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے آثار بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ اس نے حضور اکرمؐ کے زانوؤں سے زانو ملاتے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے زانوؤں پر رکھ لیے۔ پھر یوں گویا ہوا: (اے محمدؐ) مجھے اسلام کے بارے میں کچھ فرمائیے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کے لاشریک ہونے کی گواہی دو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر استطاعت رکھتے ہو، تو حج ادا کرو"۔ اس پر سوالی نے کہا: آپؐ نے سچ فرمایا" ہمیں اس کی اس بات پر تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور پھر خود ہی اس کی تصدیق کر رہا ہے۔ پھر اس نے دریافت کیا: "ایمان کیا چیز ہے"؟ آپ نے فرمایا: "اللہ، اس کے رسول، ملائکہ، اس کی نازل کردہ کتب، آخرت اور بھلی بُری تقدیر کو اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان رکھنا"۔ اس نے کہا: "آپؐ سچ فرماتے ہیں"۔ پھر سوال کیا: "احسان کسے کہتے ہیں"؟ آپؐ نے ارشاد کیا: "اللہ کی عبادت اس کیفیت میں کرنا گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ کیفیت نہ ہو تو یہ خیال رکھنا کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ سوال کرنے والے نے پھر پوچھا: "قیامت کب آئے گی"؟ آپ نے فرمایا: "اس کا علم جتنا تجھے ہے بس اتنا ہی مجھے"۔ وہ کہنے لگا: "کچھ نشانیاں تو بتا دیجیے"!

آپؐ نے فرمایا "تب قیامت آجائے گی، جب لونڈی کے بطن سے اس کا آقا جنم لے گا، تن ڈھانپنے سے عاجز لوگ، بکریاں چرانے والے مفلس بڑی بڑی کوٹھیوں پر فخر کریں گے۔ اس نے یہ سُنا اور واپس ہو گیا۔ کچھ دیر توقف کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عمرؓ! جانتے ہو، یہ کون تھے"؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "یہ جبرئیلؑ تھے، اور تمہیں دین سکھانے کے لیے آئے تھے"۔

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قدریہ مذہب والوں کے پاس نہ بیٹھا کرو اور نہ ان سے فیصلے کروایا کرو۔ (ابو داؤد)
- ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا: "اے عمرؓ! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو"۔ پھر میں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد سے ایسا نہیں کیا۔

• رسول اللہ نے فرمایا: "دھوپ میں رکھے ہوتے گرم پانی سے غسل نہ کیا کرو۔ اس سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے"۔

• جب مؤذن اللہ اکبر کہے تو سننے والا بھی اللہ اکبر کہے' جب وہ اشھدان لا الٰہ الا اللّٰہ کہے تو تم بھی اس کلمے کو دہراؤ۔ جب وہ اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ کہے تو یہ کلمہ بھی اسی طرح دہراؤ لیکن جب وہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے تو لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کہو۔ پھر جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب مؤذن لا الٰہ الا اللّٰہ کہے تو سچے دل سے لا الٰہ الا اللّٰہ کہو تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (مسلم)

• ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر آغاز پیدائش سے جنت و دوزخ میں داخل ہونے تک ذکر فرمایا جس شخص نے اس بیان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی اس نے اسے محفوظ رکھا اور جس نے کوشش نہیں کی وہ بھول گیا۔ (بخاری)

• (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میرے اصحاب کی تعظیم کرو اس لیے کہ وہ تمہارے بزرگ ترین آدمی ہیں۔ پھر وہ لوگ بہتر اور قابل عزت ہیں جو ان کے قریب کے ہیں اور پھر وہ لوگ بہتر اور لائق تکریم ہیں جو ان سے متصل دیوستہ ہیں۔ اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا' یہاں تک کہ ایک شخص قسم کھاتے گا اور اس سے قسم کھانے کا مطالبہ نہ ہوگا اور وہ گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی ہوگی۔ آگاہ رہو۔ تم میں سے جو شخص جنت کے بالکل درمیان میں رہنے کی خواہش رکھتا ہو وہ 'جماعت' کو لازم پکڑے۔ اس لیے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ ہے جو علیحدہ اور تنہا ہو۔ شیطان دو متحد ہونے والے اشخاص سے بھی دور رہتا ہے۔ اور کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے اس لیے کہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے اور جو شخص نیکی کرنے سے خوشی محسوس کرے اور برائی سے رنجیدہ ہو تو وہ 'مومن' ہے۔

• ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خدا کی راہ میں خیرات کا حکم دیا۔ حسن اتفاق سے اس وقت میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے دل میں کہا، اگر مجھے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی دن بازی لے جانا ہے تو وہ آج کا دن ہے۔ چنانچہ میں اپنے تمام مال کا نصف لے کر حاضر خدمت ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: گھر والوں کے لیے تو نے کتنا مال چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا: اسی کے برابر۔ پھر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا سارا مال لے کر آ گئے۔ رسول اللہ نے ان سے پوچھا ابوبکر گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے فرمایا۔ میں ان کے لیے خدا اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ میں نے دل میں کہا: میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کبھی سبقت نہیں لے جا سکوں گا۔ (الترمذی۔ ابوداؤد)

• حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا گیا۔ وہ اس ذکر کو سن کر رو پڑے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ابوبکرؓ نے صرف ایک دن اور ایک رات جو اعمال کیے ہیں کاش اس دن اور اس رات کی مانند میری ساری زندگی کے اعمال ہوتے۔ ان کی ایک رات کا عمل تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ رات کو غار ثور میں پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ آپ اس وقت تک اس غار میں قدم نہ رکھیں جب تک میں اس کے اندر داخل ہو کر دیکھ نہ لوں کہ اس میں کوئی (موذی) چیز تو نہیں۔ اگر کوئی ایسی چیز ہوئی تو اس کا ضرر مجھ ہی کو پہنچے گا اور آپ محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ ابوبکرؓ غار کے اندر داخل ہوتے اور اسے صاف کیا۔ پھر انہیں غار میں تین سوراخ نظر آئے۔ ایک میں تو انہوں نے اپنے تہبند کا چیتھڑا پھاڑ کر ٹھونس دیا۔ دو سوراخوں پر اپنی ایڑیاں رکھ لیں۔ اور اس کے بعد رسول خدا سے کہا "تشریف لے آئیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہوتے اور آپؐ کی گود میں سر رکھ کے سو گئے۔ اسی حالت میں ایک سوراخ میں سے سانپ نے آپؓ کو کاٹ لیا لیکن آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے خراب ہونے کے خدشے سے حرکت نہ کی۔ شدت تکلیف سے حضرت ابوبکرؓ کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ٹپکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ پوچھا: ابوبکرؓ کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کی' یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے ڈس لیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن پاؤں کے زخم پر لگایا اور ان کی تکلیف جاتی رہی۔ اس واقعہ کے عرصہ دراز کے بعد سانپ کے زہر نے پھر رجوع کیا اور یہی زہر آپؓ کی وفات کا سبب بنا۔

ابوبکرؓ کے دن کا عمل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے۔ انہوں نے کہا: ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر لوگ مجھے اونٹ کی رسی بھی دینے سے انکار کریں گے (جو شرعاً واجب ہو) تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ میں نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ' لوگوں سے الفت و موافقت کرو اور نرمی سے کام لو۔ ابوبکرؓ نے کہا ایام جاہلیت میں تو تم بڑے سخت اور غضب ناک تھے اور اسلام میں داخل ہو کر پست ہمت ہو گئے ہو۔ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا اور دین کامل ہو گیا۔ کیا کمال پہ پہنچنے کے بعد وہ میری زندگی میں کمزور و ناقص ہو سکتا ہے' ہرگز نہیں۔ (رزین)

• حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ انہوں نے اسامہؓ بن زید کے لیے (بیت المال سے) ساڑھے تین ہزار درہم کا وظیفہ مقرر کیا اور عبداللہؓ بن عمر (اپنے بیٹے) کے لیے تین ہزار درہم کا وظیفہ مقرر کیا۔ عبداللہؓ بن عمر نے اپنے باپ سے کہا: آپ نے اسامہ کو مجھ پر ترجیح دی۔ خدا کی قسم اس نے کسی معرکہ میں مجھ سے سبقت حاصل نہیں کی۔ عمرؓ نے کہا میں نے اس لیے اسامہؓ کا وظیفہ زیادہ مقرر کیا ہے کہ اس کے باپ سے رسول اللہؐ کو' تیرے باپ سے زیادہ محبت تھی اور پھر خود اسامہؓ رسول اللہؐ کو تجھ سے زیادہ پیارا تھا۔ اس لیے میں نے رسول اللہؐ کے محبوب (اسامہؓ) کو اپنے محبوب (عبداللہؓ) پر ترجیح دی۔ (ترمذی)

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میں نے "نور" کا ایک ستون دیکھا جو میرے سر کے نیچے سے نکلا' بلند ہوا اور شام میں جا کر ٹھہر گیا۔

• حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: دوپہر اور ظہر کے درمیان چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ ان کا شمار نماز تہجد کی چار رکعتوں کی مثل کیا جاتے گا۔ ہر "شے" اس وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: "ہر چیز کے سائے داہنی طرف سے بائیں طرف اللہ کو سجدہ کرتے پھرتے ہیں"۔

• حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو جہاد کی غرض سے گھوڑا دیا۔ لیکن اس کے پاس وہ کمزور ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ میں خود ہی خرید لوں' ورنہ یہ اور بھی کم قیمت میں فروخت کرے گا۔ چنانچہ میں سرکار رسالت مآبؐ سے دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ اگر ایک دینار بھی ہو تو بھی نہ لینا۔ کیونکہ دیتے ہوتے صدقے کو واپس لینا ایسے ہے جیسے کوئی کتا اپنی قے کھالے۔ (متفق علیہ)

• حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب رات شروع ہو جاتے اور دن اس طرف چھپ جاتے تو روزہ افطار کر لینا چاہیے"۔ (متفق علیہ)

"اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے بعض اقوام کو رفعت عطا کرتا ہے اور بعض کو اسی کے ذریعے ذلیل کر دیتا ہے"۔ (مسلم)

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان شخص کی نیکی پر چار مسلمان گواہ بن جائیں وہ جنت میں جائے گا۔ ہم نے کہا: اگر تین گواہی دیں؟ آپؐ نے فرمایا: پھر بھی۔ ہم نے پھر کہا۔ اگر دو گواہی دیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ پھر بھی۔ اس کے بعد ہم میں سے کسی نے ایک کے بارے میں نہ پوچھا۔ (صحیح بخاری)

• جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ عطا کرتے تو میں عرض کرتا' مجھ سے زیادہ تنگ دست کو دے دیا جاتے۔ آپؐ فرماتے: تم یہ مال لے کر اپنے مال میں شامل کر لو' پھر اسے صدقہ کر دو۔ نیز جو مال تمہیں بے مانگے ملے اس کو لے لو اور جو نہ ملے اس کی حرص نہ کرو۔ (مسلم)

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو اس وقت تک نہ لوٹاتے جب تک چہرے کا مسح نہ کر لیتے۔ (الترمذی)

• جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے "عمرے" کی اجازت دی تو فرمایا: میرے بھائی مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا اور بھول نہ جانا۔ (الترمذی)

• ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی آتے۔ ان میں ایک عورت تھی جو بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ قیدیوں میں بچے کو پاتی اسے گود میں اٹھاتی' سینے سے لگاتی اور دودھ پلاتی۔ تب آپؐ نے ہم سے فرمایا: کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا: یا رسول اللہؐ نہیں۔ بشرطیکہ وہ نہ ڈالنے پر قدرت رکھتی ہو۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے۔ (متفق علیہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، میں پانچ چیزوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ ۱۔ نامردی سے، ۲۔ بخیلی سے، ۳۔ عمر کی بڑائی سے، ۴۔ سینے کے فتنے سے (یعنی بداخلاقی سے) اور عذاب قبر سے۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

- جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو منہ کے قریب شہد کی مکھی کی مانند آواز سنائی دیتی۔ ایک روز وحی نازل ہوتی۔ ہم تھوڑی دیر ٹھہرے رہے۔ جب یہ سختی دُور ہوتی تو آپؐ نے اپنا منہ قبلے کی طرف کر لیا اور فرمایا: اے اللہ ہمیں زیادہ کر۔ ہم میں کمی نہ فرما۔ ہمیں عزّت عطا کر اور ذلت سے بچا۔ ہمیں عطا کر۔ ہمیں محروم نہ رکھ، ہمیں اپنی رحمت و عنایت کے لیے مخصوص فرما، اور ہمارے مقابلے میں غیر کو مخصوص نہ فرما۔ ہمیں راضی کر اور ہم سے راضی ہو جا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "ابھی مجھ پر دس آیات نازل ہوتی ہیں۔ جو ان پر عمل کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔" اس کے بعد، قد افلح المومنون والی آیات پڑھیں۔ (الترمذی)

- اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو صالح اور شائستہ بنا۔ اے اللہ میں تجھ سے اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو دیتا ہے یعنی بیوی، مال اور اولاد نہ گمراہ ہوں نہ گمراہ کریں۔ (الترمذی)

- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ یہودیوں کو تباہ کرے۔ اُن پر مردار کی چربی حرام کی گئی تھی۔ انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا۔ بخاری مسلم

- میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: "جو شخص ذخیرہ اندوزی کر کے مسلمانوں کو گراں قیمت میں غلہ فروخت کرتا ہے، اللہ اس کو جذام اور افلاس میں مبتلا کر دیتا ہے۔" (ابن ماجہ، بیہقی، رزین)

- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تورات میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کا بیٹا بارہ برس کا ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے تو بیٹا جو گناہ کرے گا اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔ (بیہقی، شعیب الایمان)

- خبردار، عورتوں کا بھاری مہر باندھنے سے احتراز کرو۔ اگر بھاری مہر باندھنا بزرگی اور عظمت کا سبب ہوتا اور خدا کے نزدیک پرہیزگاری کا موجب ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے اور مجھے معلوم ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں رکھا۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد)

- ایک شخص جس کا نام عبداللہ تھا اور لقب حمار (گدھا) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی باتوں سے متبسم کیا کرتا تھا۔ رسولؐ اللہ نے اس پر شراب پینے کی وجہ سے حد بھی جاری کی تھی۔ پھر وہ ایک روز غالباً شراب ہی کی وجہ سے لایا گیا۔ آپؐ نے سزا دینے کا حکم دیا۔ ایک شخص کہنے لگا: اے اللہ اس پر لعنت فرما اسے بار بار شراب پینے کی وجہ سے لایا جاتا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو خدا کی قسم میں اس سے واقف ہوں۔ یہ شخص اللہ اور اس کے رسُول کو محبوب رکھتا ہے۔ (بخاری)
(اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی سزا ہو جائے اس پر لعنت نہ کرو)

- خُدا کے نزدیک قیامت کے روز بلند مرتبہ شخص وہ ہے جو حاکم ہو اور عدل اور نرمی سے کام لیتا ہو اور سب سے بدترین شخص سختی کرنے والا ظالم حاکم ہے۔

- سب مل کر کھاؤ اور علٰحدہ علٰحدہ ہو کر نہ کھاؤ، اس لیے کہ اللہ کی برکت جماعت کے ساتھ ہے۔ (ابن ماجہ)

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے لیکن صرف دو انگشت کے برابر وہ ریشم کا استعمال کر سکتا ہے۔ (بخاری مسلم)
ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا تو فرمایا، "رسولؐ اللہ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے لیکن دو، تین اور چار انگلیوں کے برابر پہن سکتے ہو۔"

- تم میری تعریف میں زیادتی نہ کرو جیسے کہ نصاریٰ ابن مریم کی تعریف میں زیادتی کرتے ہیں۔ میں تو خُدا کا بندہ ہوں، مجھے خدا کا بندہ اور رسُول ہی کہو۔ (بخاری۔ مسلم)

- خدا کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اگرچہ نبی اور شہید نہیں لیکن قیامت کے روز ان کے بلند درجات دیکھ کر انبیاؑ اور شہداء رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ یہ لوگ کون ہوں گے؟

آپ نے فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو محض خُدا کے سبب ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ان کی نہ تو باہم قرابت داری ہے اور نہ مالی لین دین۔ قسم ہے خدا کی ان کے چہرے پُرنور ہوں گے یا وہ سراپا نور ہوں گے اور نور پر متمکن ہوں گے، نہ تو وہ رنجیدہ اور غمگین ہوں گے اور نہ ہی خوفزدہ ہوں گے۔
(ابوداؤد)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے) میری امت پر آخری زمانے میں ان کے بادشاہوں کے ہاتھوں مصیبتیں نازل ہوں گی۔ ان مصیبتوں یا بادشاہ کے ہاتھوں سے وہی نجات پاسکے گا جو اللہ کے دین سے واقف و آگاہ ہوگا۔ وہ اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے دل سے اعلانِ جہاد کرے گا۔ اس کی نیکیاں (ثواب تک) پہنچنے میں سبقت لے جائیں گی۔

- میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ اس وقت کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر لیٹے ہوتے تھے اور چٹائی پر کوئی بستر نہیں تھا جس کی وجہ سے حضورؐ کے پہلو پر نشان پڑ چکے تھے۔ آپ کے سرہانے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کا پوست بھرا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول، دعا فرمایئے خدا آپ کی اُمّت کو فراخی عطا فرمائے۔ فارس و روم کے لوگ خوشحال بنائے گئے ہیں حالانکہ وہ عبادت نہیں کرتے۔ آپؐ نے فرمایا: خطاب کے بیٹے! کیا ابھی تو اسی خیال میں ہے۔ کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ انہیں دُنیا ملے اور ہمیں آخرت؟ (بخاری۔ مسلم)

- حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں۔ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: "اگر تم خدا پر بھروسہ کرو جیسا کہ بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو ایسا رزق دے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ وہ صبح کو بھُوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے لوٹتے ہیں۔" (ترمذی۔ ابن ماجہ)

- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز مسجد نبویؐ کی سمت گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر رو رہے ہیں ـــ پوچھا: "معاذ! تمہیں کیا چیز رُلا رہی ہے؟" معاذؓ نے فرمایا۔ مجھے وہ بات رلا رہی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ میں نے آپؐ سے یہ سُنا تھا: جو شخص خدا کے دوست سے دُشمنی رکھے گا، گویا اس نے خدا سے دشمنی رکھی ہے۔
خدا ان نیک صفت، پرہیزگار اور مخفی حال لوگوں کو پسند کرتا ہے کہ جب وہ نظروں سے غائب ہوں تو ان کو پوچھا نہ جائے اور جب موجود ہوں تو ان کو بلایا نہ جائے" اور بلایا جائے" تو پاس نہ بٹھایا جائے۔ ان لوگوں کے دل چراغِ ہدایت ہیں۔ (ابن ماجہ)

- (حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنی اُمّت کے ہر اس منافق کے شر سے ڈرتا ہوں جو علم و حکمت کی باتیں تو کرتا ہے لیکن ظلم کرتا ہے۔ (بیہقی)

جب حضرت سعد کو جنگِ عراق کا سپہ سالار بنایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:
"اے سعد، سعدِ بنی وہیب! کہیں اس بات سے دھوکا نہ کھا جانا کہ تو رسول اللہؐ کا ماموں اور ان کا صحابی کہلاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کو بُرائی سے محو نہیں کرتا، بلکہ بُرائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے، اللہ کے ہاں نسب کوئی چیز نہیں ہے، بس طاعتِ خداوندی کام آتی ہے، اللہ کے نزدیک شریف اور غیر شریف برابر ہیں۔ اللہ سب کا پروردگار ہے اور وہ اس کے بندے ہیں، البتہ طاعت و سلامت روی سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور اجر پاتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کے طریقۂ کار پر نگاہ رکھو جو وقتِ بعثت سے زمانۂ وفات تک انھوں نے قائم رکھا۔ یہ میری نصیحت ہے، اگر تو نے اسے چھوڑ دیا اور منہ موڑا، تو تیرے اعمال بیکار ہیں اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

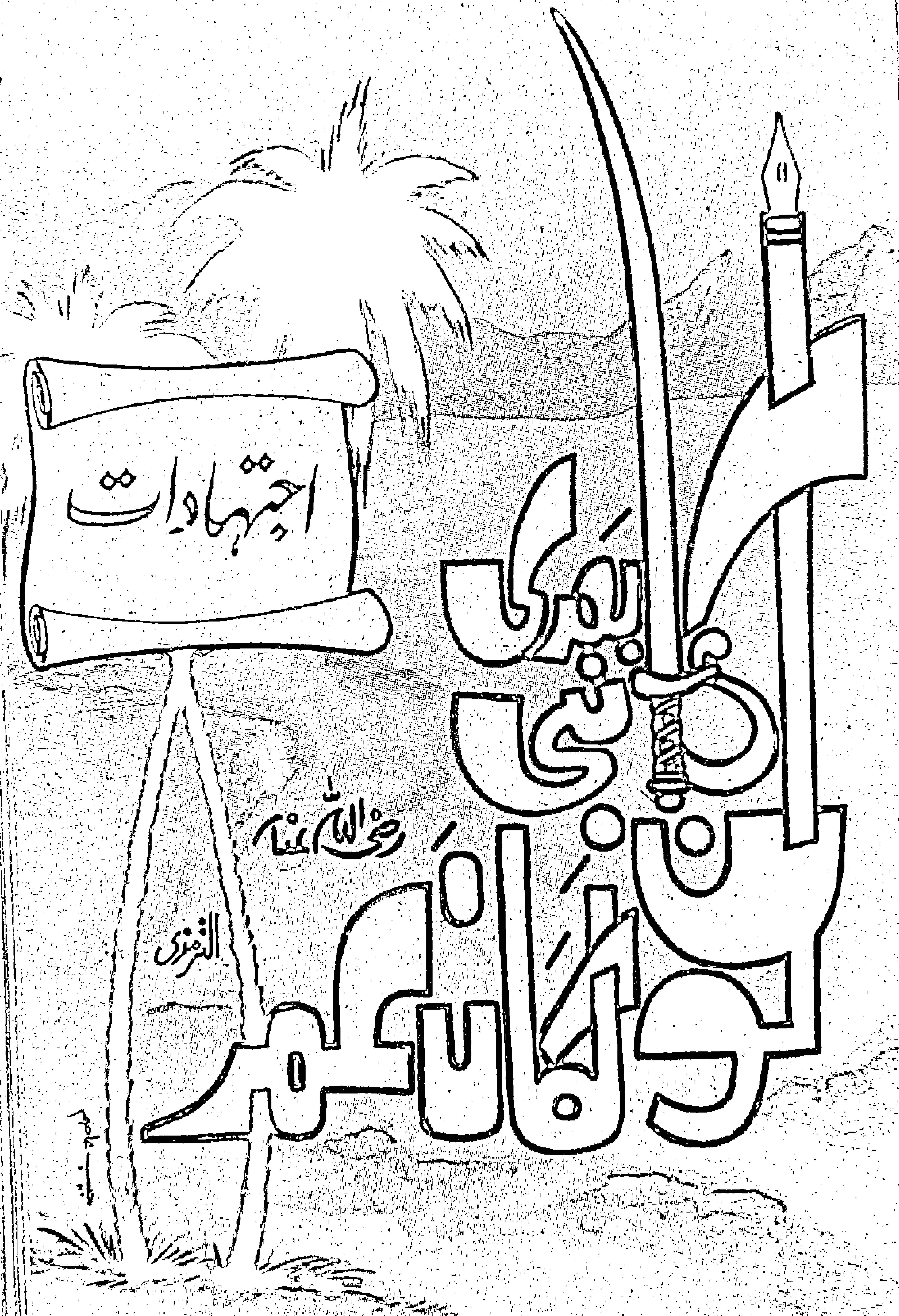

منقبت

سنورا عدل وحکمت کا چمن فاروقِ اعظمؓ نے
نکھارا راستی کا بانکپن فاروقِ اعظمؓ نے
ممالک ہی نہیں قوموں کے دل تسخیر فرمائے
دکھا کر شوکتِ دینِ حسن فاروقِ اعظمؓ نے
معیشت کی اعانت کی، تمدن کی حفاظت کی
بنایا ان زمینوں کو گگن فاروقِ اعظمؓ نے
تدبر اور تحمل کا سبق دے کر مسلماں کو!
سکھایا رہنے کا چلن فاروقِ اعظمؓ نے
مساوات و اخوت عام فرما کر زمانے میں
فزوں کر دی خلافت کی پھبن فاروقِ اعظمؓ نے
جلائی شمعِ ایثار و مروت بزمِ عالم میں
سجائی عافیت کی انجمن فاروقِ اعظمؓ نے
جگائی قسمتِ اسلامیاں فہم و فراست سے
لگائی آدمیت کی لگن فاروقِ اعظمؓ نے
بکھیرے پھول عرفان و بصیرت، علم و دانش کے
جو خطبے کے لیے کھولا دہن فاروقِ اعظمؓ نے
مصائب غمزدوں کے اپنی جاں پر جھیل کر تائب
مٹائے قوم کے رنج و محن فاروقِ اعظمؓ نے

حفیظ تائب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے رضی اللہ عنہ جدید مسائل کا حل کیسے تلاش کیا؟

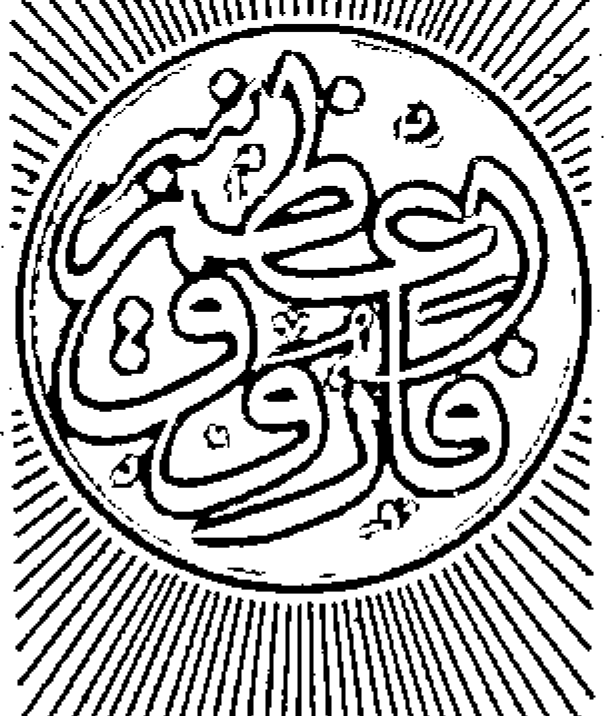

ڈاکٹر خورشید احمد فاروق

جس وقت رسول اللہؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو عمر فاروقؓ کی عمر بیس سال اور رسول اللہؐ کی چالیس سال تھی۔ اعلانِ نبوت کے پانچ سال بعد جب وہ مسلمان ہوئے، اُس وقت اُن کی عُمر چھبیس سال تھی۔ اسلام سے پہلے اُن کی نمایاں صفت کی ہمارے مؤرخوں نے اُن الفاظ میں نشاندہی کی ہے: "کان رجلا ذا شکیمہ لا یرام ما وراء ظہرہ۔" دبنگ آدمی تھے۔ اُن کی حمایت میں آنے والے کو کوئی نقصان پہنچانا ممکن نہ تھا۔ کسی بات پر اَڑ جاتے تو ہٹائے نہ ہٹتے تھے۔ جس بات کو درست سمجھتے، اُس پر سختی سے جمے رہتے اور کسی دباؤ یا دھمکی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ اِس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اور دوسرے اکابرِ قریش، اسلام کو ایک خطرناک انقلاب تصور کرتے تھے جس کا مقصد ان کی روایتی زندگی کو درہم برہم کر کے ایک نیا اور غیر مانوس معاشرہ قائم کرنا تھا جس کے عقائد و مقاصد اُن کے عقائد و مقاصد سے متصادم تھے۔ اسلام دشمنی کی دوسری اور شاید مؤثر وجہ یہ تھی کہ حال ہی میں ان کے چچازاد بھائی زید بن عمرو بن نوفل نے بھی توحید کا جھنڈا بلند کیا تھا جس سے سارے خاندان میں ناراضگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ مروّجہ اوہام پرستی کے خلاف زیدؓ کا جوشِ توحید و اصلاح اتنا بڑھا کہ عمر فاروقؓ کے والد خطاب نے جو زید کے چچا اور بجائے باپ تھے، اِس ڈر سے کہ کہیں گھر والے زیدؓ کے رنگ میں نہ رنگے جائیں، اُن کو مکّے سے نکال دیا اور ان کے پیچھے بدمعاش لگا دیے، جو اُن کو ستاتے اور گھر نہ آنے دیتے۔

عمر فاروقؓ قدآور اور بھاری بھرکم آدمی تھے۔ بڑے جوشیلے اور مستعد۔ جب اُن کے بھائی بہن مسلمان ہو گئے اور خود اُن کی بھی سمجھ بوجھ بڑھی تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام سے پہلے اُن کے جوش اور رُعب کو دیکھ کر رسول اللہؐ ان کے اسلام لانے کی دُعا مانگا کرتے۔ عمر فاروقؓ کا اسلام بڑا اہم واقعہ تھا۔ اس وقت اسلام کی مہم کو قریب پانچ سال ہو چکے تھے۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کی تعداد

جدید مسائل کی اصطلاح یہاں سوچ سمجھ کر استعمال کی گئی ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ کے عہد میں کئی ایسے مسائل پیدا ہوئے، جو ان سے پہلے سامنے نہ آئے تھے۔ اس لحاظ سے قدیم کے مقابلے میں وہ جدید ٹھہرتے ہیں، جس طرح کہ ہمارے آج کے مسائل گزرے ہوئے کل کے مقابلے میں جدید کہلاتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ ان میں زیادہ تر غلام اور مُفلوک الحال لوگ تھے۔ قریش کی عداوت اتنی سخت ہوتی جا رہی تھی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو وطن چھوڑ کر سمندر پار ملکِ حبش جانا پڑا۔ رسول اللہؐ کے لیے عوام میں تبلیغ کرنا ناممکن تھا اور مسلمان کُھل کر نہ تو عبادت کر سکتے تھے نہ اظہارِ اسلام۔ ان کو خانۂ کعبہ کا طواف کرنے یا اس میں داخل ہونے تک کی اجازت نہ تھی۔ مکّے کے زمین و آسمان عداوت پر کمربستہ تھے۔

عمر فاروقؓ کے اسلام سے عداوت کی گھٹائیں تو نہیں چھٹیں، بلکہ اور زیادہ گاڑھی ہو گئیں، لیکن اسلام پر درماندگی، ہراس اور خوف کے جو بادل تھے، وہ کُھل گئے۔ وہ دبنگ اور بے باک آدمی تھے۔ جوانی کا طاقتور خون اُن کی رگوں میں تھا۔ اس وقت ان کی عمر صرف چھبیس سال تھی۔ وہ اسلام کی درماندگی کو برداشت نہ کر سکے۔ مُشرک کی حیثیت سے جو شخص دباؤ اور دھمکی کو خاطر میں نہ لاتا تھا، مُوحّد کی حیثیت سے وہ دب کر کیسے رہتا۔ انھوں نے برملا اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ قریش کے کچھ لوگوں کو اتنا غُصہ آیا کہ وہ ان کو مارنے کھڑے ہو گئے۔ عمر فاروقؓ نے بھی آستینیں چڑھا لیں۔ ان کے ماموں آ گئے اور انھوں نے بھانجے کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ عربی نظامِ زندگی میں اس پناہ کا مطلب یہ تھا کہ نہ تو کوئی دوسرا اُن کو گزند پہنچا سکتا تھا اور نہ یہ خود کسی پر دست درازی کر سکتے تھے۔

عمر فاروقؓ کے اسلام سے قریش کا اشتعال بڑھ گیا، وہ ہر اُس مسلمان کو جس پر اُن کا بس چلتا مارتے، ستاتے اور اذیتیں پہنچاتے۔ عُمر فاروقؓ نے یہ دیکھا، تو انھوں نے ماموں سے کہا کہ میں آپ کی پناہ کے حصار میں نہیں رہ سکتا میرے لیے ناممکن ہے کہ میں مسلمانوں کو پِٹتا اور ذلیل ہوتا دیکھوں۔ پناہ سے نکل کر انھوں نے پھر آستینیں چڑھا لیں اور جس مسلمان کو مارا جاتا، اُس کی طرف سے لڑتے اور تشدّد کا مقابلہ تشدّد سے کرتے۔ ایک صحابی کہتے ہیں: "جب عُمرؓ مسلمان ہوئے، تو اسلام کی خُفیہ دعوت ختم ہو گئی اور وہ پردے سے باہر آ گیا۔ ہم ٹولیاں بنا کر خانۂ کعبہ کو جاتے اور طواف کرتے، اور جو ہمارے ساتھ سختی یا بدتمیزی سے پیش آتا، اُس کا جواب دیتے۔"

آٹھ سال بعد رسول اللہؐ نے اشاعتِ اسلام کے لیے مدینے میں حالات سازگار دیکھ کر مکہ چھوڑا، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہُوا، تو مُسلمان، قریش کے ڈر سے ظاہراً شہر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ یہ صرف عُمر فاروقؓ تھے جنھوں نے اعلان کر کے ہجرت کی۔ علیؓ بن ابی طالب کہتے ہیں: "جہاں تک مجھے معلوم ہے عمرؓ کے سوا سارے مسلمانوں نے خُفیہ طور پر ہجرت کی۔ جب عمرؓ ہجرت کرنے لگے، تو انھوں نے کمر سے تلوار باندھی، کندھے سے کمان لٹکائی اور ہاتھ میں تیر لیے خانۂ کعبہ آئے، جس کے صحن میں اکابرِ قریش باتیں کر رہے تھے۔ پھر انھوں نے کعبہ کے سات طواف کیے اور مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد وہ فرداً فرداً ہر قریشی کے پاس گئے اور بولے: "تمہاری صُورتیں مسخ ہوں، تم میں سے جو اکلوتا اپنی ماں کو موت کا داغ دینا چاہتا ہو، اپنے لڑکے کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ کرنا چاہتا ہو، وہ مکّہ کے باہر مجھے ملے۔"

عمرؓ فاروق کی سیرت کی اِن چند جھلکیوں سے قارئین کو ان کی خصوصی صفات کا اندازہ ہو گیا ہو گا، یعنی وہ بڑے بے باک اور جوشیلے آدمی تھے۔ اس جوش و بیباکی کو وہ اسلام سے پہلے شخصی و خاندانی اغراض کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اسلام کے بعد انھوں نے اِن کو مسلمانوں کے مفاد کے لیے استعمال کیا۔ یہ دونوں صفتیں اب نفسانی کدورتوں سے پاک ہو گئیں۔ ان میں خلوص کا نکھار اور جمال پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ عمر فاروقؓ "کرید اور نقد" کی دو مزید صفتوں سے متصف تھے، جس میں یہ دو صفتیں ہوتی ہیں وہ مجتہد بنتا ہے اور عُمر فاروقؓ بھی مجتہد تھے۔

عُمر فاروقؓ کے اجتہاد پر مذکورہ صفات خلوص، جوش، بے باکی، کرید اور نقد کی چھاپ تھی، یعنی یہ صفات انفرادی یا مجموعی اعتبار سے ان کے اجتہاد پر اثر ڈالتی تھیں۔ آسانی کے لیے ہم ان کے اجتہاد کو تین حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلے کا تعلق رسُول اللہؐ کے عہد سے ہے۔

دُوسرے کا ابوبکر صدّیقؓ کے عہد سے۔

اور تیسرے کا خود اُن کے ساڑھے دس سالہ دُورِ خلافت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمر فاروقؓ کا اجتہاد رسول اللہؐ کے عہد میں

عمر فاروقؓ، رسول اللہؐ کے مقرب ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ جنگ ہوتی یا صلح، حضر ہوتا یا سفر، وہ ہر حال میں اُن کے ساتھ رہتے اور اُن کے سارے معاملات سے گہری دلچسپی لیتے۔ جب رسول اللہؐ صحابہؓ سے مشورہ کرتے، تو عمر فاروقؓ پیش پیش ہوتے اور مشورہ نہ کرتے تب بھی وہ اپنی صوابدید سے اُن کو مطلع کرتے۔ یوں تو رسول اللہؐ اپنی شان کے مطابق بڑا ہوتا یا چھوٹا، شریف ہوتا یا وضیع، سب کی ہی دلداری کیا کرتے اور سب ہی کے ساتھ احترام سے پیش آتے، لیکن عمر فاروقؓ کے جوش، خلوص اور بے باکی کے وہ بڑے قدردان تھے، اور معاملات اسلام میں ان کی گہری دلچسپی اور کرید کی وجہ سے ان کا خاص لحاظ کرتے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ عمر فاروقؓ کسی بات پر نکتہ چینی کرتے، تو رسول اللہؐ نرمی سے اس بات کی حکمت سمجھا کر اُن کو مطمئن کر دیتے۔

۶ھ کے اواخر میں ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے ساتھ رسول اللہؐ چھوٹا حج (عمرہ) کرنے مکہ روانہ ہوئے۔ مکہ کے قریب پہنچ کر اُن کو معلوم ہوا کہ اکابر قریش جنگ کے لیے تیار بیٹھے ہیں اور انہوں نے طے کیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ رسول اللہؐ نے اپنے سفیر مکہ بھیجے اور کہلایا کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ ہم زیارت بیت اللہ کرنے آئے ہیں۔ اکابر قریش نے کہا کہ ہم اس سال زیارت بھی نہیں کرنے دیں گے۔ باہمی گفتگو سے دونوں فریق دس برس تک جنگ و قتال سے محترز رہنے کا معاہدہ کرنے کو تیار ہو گئے۔ معاہدے کی ایک دفعہ یہ تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی مکے سے مدینے چلا جائے گا تو رسول اللہؐ اس کو واپس کر دیں گے، لیکن اگر مدینے کا کوئی مسلمان مکہ والوں سے جا ملے گا، تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ یہ دفعہ خاص طور پر مسلمانوں کو شاق گزری۔ اس کو انہوں نے شرک کی فتح اور توہین اسلام کے مترادف سمجھا۔ عمر فاروقؓ ناک بھوں چڑھائے ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے اور بولے: "کیا محمدؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟" ابوبکر صدیقؓ: "کیوں نہیں۔" عمر فاروقؓ: "کیا قریش مشرک نہیں؟" ابوبکر صدیقؓ: "کیوں نہیں۔" عمر فاروقؓ: "پھر ہم دب کر یہ معاہدہ کیوں کر رہے ہیں؟" ابوبکر صدیقؓ: "عمرؓ! اُن کے ساتھ چلتے رہو، مجھے یقین ہے وہ رسول اللہؐ ہیں۔" عمر فاروقؓ، رسول اللہؐ کے پاس آئے اور کہا: "کیا آپ رسول خدا نہیں؟" رسول اللہؐ: "کیوں نہیں۔" عمر فاروقؓ: "کیا ہم مسلمان نہیں؟" رسول اللہؐ: "کیوں نہیں۔" عمر فاروقؓ: "کیا قریش مشرک نہیں؟" رسول اللہؐ: "کیوں نہیں۔" عمر فاروقؓ: "تو پھر ہم دب کر معاہدہ کیوں کر رہے ہیں؟" رسول اللہؐ: "میں خدا کا بندہ اور رسولؐ ہوں۔ اطمینان رکھو، میں ہرگز اُس کی مرضی کے خلاف نہیں جاؤں گا اور وہ ہرگز میرے مفاد کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

ہجرت کے پانچویں سال مدینے کے یہودی اکابر مکہ گئے اور قریش کے لیڈروں سے ملے اور کہا کہ محمدؐ ہمارے اور تمہارے مشترک دشمن ہیں۔ ان کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر اُن کو مزید مہلت دی گئی تو وہ ہم سب کا خاتمہ کر دیں گے۔ ہم نے اُن سے لڑنے کا عزم کر لیا ہے۔ آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ تعاون کیجیے۔ قریش کے لیڈر مدد کے لیے تیار ہو گئے۔ مدینے پر حملے کا ایک وقت طے کر لیا گیا۔ قریش کو ہموار کر کے یہ یہودی اکابر قبیلہ غطفان کے لیڈروں کے پاس گئے۔ غطفان کے قبیلے نجد کے جنوب مغرب اور مدینے کے شمال مغرب میں آباد تھے اور اس وقت ان کے دو بڑے لیڈر تھے عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف مری۔ یہ بھی مدینے پر حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ رسول اللہؐ کو یہ خبریں موصول ہوئیں، تو انہوں نے مدینے کے سامنے ایک خندق کھود لی۔ اُن کے پاس ڈھائی تین ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ اُن کے مقابلے میں صرف قریش کے سپاہیوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ اتحادیوں نے مدینے کا محاصرہ کر لیا۔ منافقوں کی بن آئی اور انہوں نے یاس انگیز باتیں شروع کر دیں۔ بہت سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ کوئی خاص لڑائی تو نہیں ہوئی، لیکن مسلمانوں کی غذائی پوزیشن نازک ہو گئی۔ رسول اللہؐ نے حکمت عملی سے کام لینا چاہا اور تجویز پیش کی کہ غطفان کے قبائل کو مدینے کی کھجور کی تہائی اور بقول بعض نصف پیداوار دے کر توڑ لیا جائے۔ عمر فاروقؓ نے رسول اللہؐ سے کہا: "کیا اس تجویز کی محرک وحی ہے؟" رسول اللہؐ نے کہا: "نہیں، یہ میری ذاتی رائے ہے۔" عمر فاروقؓ: "تب تو ہم اُن کو کچھ نہ دیں گے اور لڑیں گے۔"

رسول اللہؐ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور عمر فاروقؓ کی صوابدید پر عمل کیا۔

۹ھ کے موسم گرما میں رسول اللہؐ مسلمانوں کو لے کر جنوبی شام کی طرف نکلے۔ مدینے سے شام کا فاصلہ کئی سو میل تھا۔ اُن کے اکثر ساتھیوں کے پاس جانور نہ تھے نہ ہتھیار، جہاں تک ہو سکا چندے کے ذریعے جانور اور ہتھیار فراہم کیے گئے۔ کھانے پینے کا سامان بھی کافی مقدار میں نہ تھا۔ سفر کے دوران ایک مرحلہ ایسا آیا کہ غذا کا توڑ پڑ گیا۔ لوگوں نے رسول اللہؐ سے اپنے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت مانگی۔ عمر فاروقؓ نے جانور ذبح کرنے کی مخالفت کی اور کہا: "جانور کم ہو جائیں گے، تو سفر اور جہاد کیسے ہوگا؟" وہ رسول اللہؐ سے ملے اور کہا: "لوگوں کے پاس کھانے کا جو سامان بچ رہا ہے، منگوا لیجیے اور اس کو سامنے رکھ کر خدا سے برکت کی دعا کیجیے۔" رسول اللہؐ نے عمر فاروقؓ کی تجویز مان لی۔

کبھی جوش میں آکر عمر فاروقؓ کوئی رائے پیش کرتے، تو رسول اللہؐ اس کو مان لیتے اور اس کے مطابق آیتیں نازل ہو جاتیں۔ مکہ کے مشہور مفسر مجاہد بن جبر (متوفی ۱۰۰ھ یا ۱۰۱ھ) کہتے ہیں: "جب عمرؓ کوئی رائے قائم کر لیتے، تو اس کے مطابق وحی نازل ہو جاتی۔" (یعنی کبھی ایسا بھی ہو جاتا)۔

مثالیں

۱۔ ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر میں مسلمانوں نے قریش کو شکست فاش دی۔ اُن کے ستر آدمی گرفتار ہوئے۔ رسول اللہؐ اور ابوبکر صدیقؓ چاہتے تھے کہ قیدیوں سے خوں بہا لے کر چھوڑ دیا جائے۔ عمر فاروقؓ کا مطالبہ تھا کہ سب کی گردن اُڑا دی جائے۔ رسول اللہؐ کی دلیل تھی کہ مسلمانوں کی مالی حالت بے حد خراب ہے، خوں بہا لینے سے ان کی مالی مشکلات کم ہو جائیں گی، نیز یہ کہ اس نرم برتاؤ سے شاید قریش کا دل اسلام کی طرف مائل ہو جائے اور وہ اپنی دشمنی سے باز آجائیں۔ عمر فاروقؓ کی دلیل تھی کہ قریش نے رسول اللہؐ اور مسلمانوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا ہے، اس کے پیش نظر اُن کے قیدی کسی نرمی کے مستحق نہیں، بلکہ گردن زدنی ہیں اور اگر اُن کو چھوڑ دیا گیا تو وہ پہلے سے بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ رسول اللہؐ نے ابوبکر صدیقؓ کے مشورے پر عمل کیا اور خوں بہا لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ تاہم عمر فاروقؓ اپنی رائے پر قائم رہے اور رسول اللہؐ سے قیدیوں کی رہائی پر احتجاج کرتے رہے۔ بالآخر رسول اللہؐ اُن کی رائے سے متفق ہو گئے اور اس کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی: ماکان لنبی ان یکون لہٗ اسریٰ حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ آیت کا مدعا یہ ہے کہ جب تک اسلام کے پیر نہ جم جائیں اور دشمنوں کا زور نہ ٹوٹ جائے، اس وقت تک اُن کے قیدیوں سے خوں بہا نہیں لینا چاہیے۔

۲۔ ہجرت کے دوسرے سال جب نماز فرض ہوئی، تو رسول اللہؐ نے بیت المقدس کا رُخ کر کے نماز پڑھنا شروع کی۔ عمر فاروقؓ کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ مسلمان یہودیوں کے مقدس مقام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ ناگواری کی مزید وجہ یہ تھی کہ یثرب کے یہودی رسول اللہؐ کے اس فعل کو اپنے مذہب کی عظمت کا نشان سمجھ کر گھمنڈ کرنے لگے تھے۔ عمر فاروقؓ نے رسول اللہؐ سے کہا کہ اگر آپ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کا رُخ کر کے نماز پڑھیں، تو زیادہ بہتر ہے۔ رسول اللہؐ نے تجویز مان لی اور یہ آیت نازل ہوئی: واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ مقام ابراہیم کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرو۔

۳۔ ہجرت کر کے رسول اللہؐ مدینہ آئے، تو وہاں اوس و خزرج قبیلوں کا سب سے بڑا شیخ اور لیڈر عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا۔ اوس اور خزرج کے ساتھ اُس کو بھی مسلمان ہونا پڑا لیکن اُس کو نہ تو رسول اللہؐ کا مدینہ آنا اچھا لگا اور نہ وہ سچے دل سے اسلام لایا۔ رسول اللہؐ اس کی وفاداری اور تعاون حاصل کرنے کے لیے اُس کی تالیف قلب کرتے، لیکن وہ کٹا کٹا سا رہتا اور تعاون نہ کرتا۔ بہت جلد وہ مدینے کے منافقوں کا سرگروہ ہو گیا۔ اس کا انتقال ہوا، تو رسول اللہؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانا چاہی اور جب وہ اُس نیت سے اس کی میت کے آگے بڑھے، تو عمر فاروقؓ ان کے سامنے آکھڑے ہوئے اور بولے: "آپ اس منافق کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں!" اور لگے عبداللہ کی بدعنوانیاں گنوانے۔ عمر فاروقؓ بہت مصر ہوئے، تو رسول اللہؐ نے کہا: "عمرؓ! ہٹ جاؤ، خدا نے مجھے اختیار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا ہے اور اس اختیار کے مطابق میں عمل کر رہا ہوں۔ خدا نے مجھے کہا ہے: "منافقوں کے لیے استغفار کرو تب، اور نہ کرو تب بہرحال اس سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر تم ستر دفعہ بھی ان کے لیے استغفار کرو تب بھی خدا ان کو معاف نہیں کرے گا تستغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مره فلن يغفر الله لهم۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے سے ان کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی تو میں ستر بار سے زیادہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا۔" رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر عبداللہ کی قبر کو مٹی دی اور لوٹ آئے۔ اس واقعے کے کچھ عرصے بعد یہ آیت نازل ہوئی ولا تصل علی احد منهم ابدا "کبھی کسی منافق کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا۔"

فاروقؓ کا اجتہاد ابوبکرؓ کے عہد میں

ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ سے سترہ اٹھارہ برس بڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرح وہ بھی عمر فاروقؓ کے جوش، خلوص، بیباکی اور کرید کے قدردان تھے اور انہی کی طرح عمر فاروقؓ کے مشورے کا احترام کرتے تھے۔ نبوت کے پانچویں سال سے لے کر اپنی موت تک یعنی کوئی بائیس برس ان کو عمر فاروقؓ سے ایسی ہی قربت رہی جیسے ایک ہاتھ کو دوسرے سے ہوتی ہے۔ اس قربت کو اس رشتۂ مواخاۃ نے اور زیادہ گہرا اور پختہ کر دیا تھا جس کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو ایک دوسرے کا مجازی بھائی بنا دیا تھا۔ خلیفہ ہو کر ابوبکر صدیقؓ نے عمر فاروقؓ کو اپنا دستِ راست بنا لیا اور اس طاقتور ہاتھ کی مدد سے ڈیڑھ دو برس میں ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی بغاوت فرو کر کے اسلام کی جڑیں مضبوط کر دیں۔ ابوبکر صدیقؓ کے سوا دو سالہ دورِ خلافت میں خطرات، واقعات اور حوادث کا اژدحام رہا۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انہوں نے جو قدم اٹھائے اور فیصلے کیے، وہ عمر فاروقؓ کے مشورے اور تعاون کے مرہون تھے، لیکن کبھی کبھی دونوں کی رائے ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوئی۔ یہاں ہم ایسی چند مثالیں پیش کریں گے جن میں اجتہادِ فاروقؓ، اجتہادِ صدیقؓ سے متصادم ہوا۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوتے ہی ملکِ عرب میں ہر طرف بغاوت کی گھٹائیں اٹھنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ کے نمائندے بستی بستی، گاؤں گاؤں سے بھاگ کر مدینہ آ گئے۔ بغاوت کے علاوہ دو خطرناک دشمن بھی مدینہ کی طرف غرا رہے تھے۔ شمالی نجد میں مسیلمہ اور مغربی نجد میں طلیحہ اسدی۔ یہ دونوں نبی بن بیٹھے تھے اور اپنی طاقت خوب بڑھا لی تھی۔ طلیحہ نے آس پاس کے قبیلوں کو اپنے ساتھ متحد کر لیا تھا اور مدینے پر حملے کے منصوبے تیار کر چکا تھا۔ عربوں کی بغاوت کے یوں تو کئی سبب تھے، لیکن ایک خاص سبب زکوٰۃ تھا جس کی ادائیگی ان پر بہت شاق تھی۔ مدینہ کے شمال اور شمال مغرب میں کئی طاقتور قبیلے آباد تھے جو طلیحہ کے اتحادیوں میں داخل ہو گئے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو ان قبائل کا ایک وفد مدینہ آیا اور ممتاز صحابہ سے مل کر اس نے کہا کہ اگر آپ زکوٰۃ معاف کر دیں تو ہم اور ہمارے ہم قوم اسلام پر قائم رہنے کو تیار ہیں، ورنہ ہم آپ سے لڑیں گے۔ عمر فاروقؓ نے حالات کی نزاکت دیکھ کر ابوبکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ بغاوت فرو ہونے تک زکوٰۃ پر اصرار نہ کریں، اور وفد کا مطالبہ مان لیں۔ دوسرے صحابہ بھی عمر فاروقؓ کے ہم نوا تھے، لیکن ابوبکر صدیقؓ نے عمر فاروقؓ کا مشورہ نہیں مانا اور کہا: "جب رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ معاف نہیں کی، تو میں کیسے کر سکتا ہوں۔ بخدا اگر انہوں نے زکوٰۃ کے اونٹ کا بندھن تک روکا، تو میں ان سے لڑوں گا۔"

۲۔ مالک بن نویرہ نجد کے صحت بخش علاقے کا ایک معزز عرب اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے قبیلے کا محصلِ زکوٰۃ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر جب عربوں نے بغاوت کی تو بہت سے دوسرے قبیلوں کی طرح مالک کے قبیلے نے بھی زکوٰۃ روک لی۔ ابوبکر صدیقؓ نے باغیوں کی گوشمالی کے لیے فوجیں بھیجیں، تو ایک فوج خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مغربی اور شمالی نجد بھیجی۔ خالدؓ، طلیحہ اور اس کے حلیفوں کا قصہ پاک کر کے مالک کے علاقے میں پہنچے، تو مالک نے کہا: "میرے ہم قوم زکوٰۃ سے بددل ہیں، انہوں نے اسلام ترک نہیں کیا ہے۔" گفتگو کے دوران میں مالک کی زبان سے ایک دو کلمے ایسے نکلے جن سے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ سے عدمِ احترام کی بو آتی تھی۔ خالدؓ نے مالک کو قتل کرا دیا۔ خالدؓ کے اس فعل سے بعض صحابہ ناراض ہوئے اور مدینے جا کر ابوبکر صدیقؓ سے شکایت کی کہ خالدؓ نے مالک کو ناحق

قتل کر دیا۔ عمر فاروقؓ نے ابوبکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ خالدؓ کو معزول کر کے سزا دیں، لیکن انہوں نے یہ مشورہ نہ مانا اور کہا کہ خالدؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے، اس لیے نہ سزا کا موقع ہے نہ معزولی کا۔ انہوں نے مالک کا خوں بہا ادا کر دیا۔

۳۔ بحرین میں بغاوت فرو کرنے کے بعد وہاں کے گورنر علا بن حضرمی نے ابوبکر صدیقؓ کے پاس قبیلۂ عبد القیس کے چودہ اکابر کا ایک وفد بھیجا۔ یہ لوگ طلحہ بن عبید اللہؓ اور زبیر بن عوامؓ کے گھر ٹھہرے اور ان کو بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر بطیبِ خاطر مسلمان ہو گئے تھے، اور بغاوت کا بھی ہم نے بڑے جوش سے مقابلہ کیا تھا۔ پھر یہ لوگ ابوبکر صدیقؓ سے ملے اور ان پر اپنی وفاداری کا اظہار کر کے کہا: "ہم چاہتے ہیں کہ آپ بحرین کی فلاں فلاں اراضی ہمیں دلوا دیں۔" ابوبکر صدیقؓ پہلے تو اس کے لیے تیار نہ ہوئے لیکن جب طلحہؓ اور زبیرؓ نے سفارش کی تو راضی ہو گئے اور کہا: "حاضرین گواہ رہنا، میں نے ان کی اسلام دوستی کی قدر کرتے ہوئے ان کے سارے مطالبات منظور کر لیے ہیں۔" وفد ابوبکر صدیقؓ کے پاس سے لوٹا، تو طلحہ بن عبید اللہؓ نے کہا کہ ابوبکرؓ کے بعد لامحالہ عمرؓ خلیفہ ہوں گے، اس لیے آپ لوگ خلیفہ سے اراضی وغیرہ کے لیے ایک دستاویز لکھوا لیجیے اور اس کی عمرؓ سے بھی توثیق کرا لیجیے، تاکہ آئندہ ان کو اعتراض کا موقع نہ رہے۔ وفد کی درخواست پر ابوبکر صدیقؓ نے دستاویز لکھ دی اور اس کی قریش و انصار کے دس آدمیوں نے تصدیق کر دی۔ ارکانِ وفد اب عمر فاروقؓ کے پاس گئے اور ان سے دستاویز کی توثیق کو کہا۔ فاروقِ اعظمؓ نے اس کی توثیق سے انکار کر دیا۔ ارکانِ وفد شکایت لے کر صدیقِ اکبرؓ کے پاس پہنچے، وہاں حضرت عمرؓ بھی آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے پوچھا:

"دستاویز میں کیا بات تم کو ناپسند ہے؟" عمر فاروقؓ: "مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ آپ بڑے لوگوں کو دیں اور عوام کو نہ دیں۔ آپ کا طرزِ عمل سب کے ساتھ ایک سا ہونا چاہیے۔ آپ پرانے مسلمانوں اور بدری مجاہدوں کو داد و دہش کے معاملے میں کسی پر ترجیح دینے کو تیار نہیں، لیکن آپ ان لوگوں کو بیس ہزار درہم (دس ہزار روپے) مالیت کی زمین مفت دے رہے ہیں۔" ابوبکر صدیقؓ: "توفیقِ ایزدی تمہارے شاملِ حال رہے، تمہاری رائے درست ہے۔"

۴۔ عمان کے بڑے شہر دبا کے ازدی عرب رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ایک معزز آدمی کو جس کا نام حذیفہ تھا، دبا میں محصلِ زکوٰۃ مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ زکوٰۃ امیروں سے لے کر غریبوں پر تقسیم کریں۔ حذیفہ نے ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ غریبوں اور ناداروں کو دینے کے بعد جو زکوٰۃ بچتی، وہ مدینہ بھیج دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر اہلِ دبا نے زکوٰۃ روک لی اور باغی ہو گئے۔ ابوبکر صدیقؓ نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک فوج بھیجی۔ بغاوت کے سرغنہ لقیط کے دستوں سے کئی ابتدائی جھڑپیں ہوئیں جن میں مسلمان غالب رہے، پھر لقیط دبا میں محصور ہو گیا۔ تین چار ہفتے محصور رہنے کے بعد لقیط نے خوراک، پانی اور چارے کی کمی کی وجہ سے صلح کی درخواست کی۔ محاصر فوج کے کمانڈر نے کہا کہ تم سے اس شرط پر صلح کی جا سکتی ہے کہ تم ہتھیار ڈال دو اور ہم جیسا مناسب سمجھیں، تمہارے ساتھ سلوک کریں۔ لقیط نے شرط مان لی، محاصرہ اٹھا تو اس کی فوج کے سو اکابر کو قتل کر دیا گیا اور تین سو بالغ مردوں اور چار سو عورتوں بچوں کو قید کر کے مدینے بھیج دیا گیا۔ ابوبکر صدیقؓ کی رائے تھی کہ بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ عمر فاروقؓ اس رائے کے خلاف تھے۔ ان کی دلیل تھی کہ یہ مسلمان ہیں، انہوں نے روپے کے لالچ میں زکوٰۃ روک دی تھی جس کی کافی سزا ان کو مل چکی۔ قیدی بھی کہتے: "بخدا ہم نے اسلام نہیں چھوڑا، ہم صرف زکوٰۃ سے بچنا چاہتے تھے۔" ابوبکر صدیقؓ کی دلیل ہمیں نہیں معلوم، لیکن ہمارا خیال ہے کہ ان کے قتل پر اصرار کی کوئی زوردار وجہ ضرور رہی ہوگی، کیونکہ ان کی زندگی سے جس حد تک ہم واقف ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تشدد پر نرمی اور انتقام پر عفو کو ترجیح دیتے تھے۔ بہرحال نقطۂ نظر کے اس اختلاف کی وجہ سے قیدیوں کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی، اور یہ لوگ ابوبکر صدیقؓ کی وفات تک نظر بند رہے۔ عمر فاروقؓ نے خلیفہ ہوتے ہی قیدیوں کو بلایا اور کہا: "میری رائے شروع ہی سے تم کو معلوم ہے۔ اب میں خلیفہ ہو گیا ہوں، تم آزاد ہو جہاں دل چاہے، چلے جاؤ۔" قیدی بصرے جا کر آباد ہو گئے۔

۵۔ ابوبکر صدیقؓ کی وفات سے چند ماہ پہلے ان کی فوجوں نے شام کا مشرقی و جنوبی سرحدی علاقہ فتح کر لیا تھا۔ اس فتح سے شام میں ہلچل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بچ گئی۔ قیصرِ روم ہرقل نے جو شام کا بادشاہ بھی تھا، بڑے پیمانہ پر جنگی تیاری شروع کر دی۔ شام کے علاوہ اُس نے آرمینیا، ترکی، ایشیائے کوچک وغیرہ سے بھی فوجیں اور ہتھیار فراہم کیے۔ قیصر کی تیاری اور اس کی فوج کی تعداد کے بارے میں ایسی مبالغہ آمیز باتیں مشہور ہوئیں کہ مسلمان گھبرا گئے۔ عرب فوجوں کے کمانڈر انچیف صحابی ابو عبیدہؓ بن جراح تھے، وہ اس وقت دمشق کی جنوبی عملداری میں خیمہ زن تھے۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے کمانڈر اُردن اور جنوبی فلسطین میں مصروفِ پیکار تھے۔ ابو عبیدہؓ اور دوسرے کمانڈروں نے ابوبکر صدیقؓ کو قیصر کے عنقریب ہونے والے حملے سے مطلع کیا اور لکھا کہ مسلمان اتنی بڑی فوج سے لڑتے گھبرا رہے ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ نے فوری اقدامات کیے اور کئی ہزار مزید فوجی بھیجے جس سے مسلمانوں کی تعداد بیس بائیس ہزار ہو گئی۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ قیصر کی فوج ڈیڑھ لاکھ بتائی جا رہی تھی۔ ان حالات میں ابوبکر صدیقؓ نے خالدؓ بن ولید کو جو عراق کے محاذ پر تھے، شامی فوجوں کا سپہ سالار بنانے کا فیصلہ کیا۔ عمر فاروقؓ نے اُس فیصلے کی مخالفت کی۔ ان کو یہ بات ناگوار تھی کہ پرانے اور ابتدائی آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے والے مجاہد ابو عبیدہؓ بن جراح کو سپہ سالاری سے معزول کر کے خالدؓ کو یہ عہدہ دیا جائے۔ عمر فاروقؓ کا احتجاج ابوبکر صدیقؓ کو اُن کے موقف سے نہ ہٹا سکا۔ ان کے سامنے نئے یا پرانے مسلمان کا مسئلہ نہ تھا، بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ غنیم شام کے مقابلے میں مسلمانوں کی قیادت کون بہتر کر سکتا ہے۔ خالدؓ کا فوجی ریکارڈ بڑا روشن تھا۔ ان کا جھنڈا ہمیشہ اُونچا رہا تھا۔ وہ دشمن کی کثرت اور اپنی قلت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

عمر فاروقؓ کا اجتہاد اپنے دورِ خلافت میں

خلافت کے وقت عمر فاروقؓ کی عمر لگ بھگ پینتالیس سال تھی۔ اگرچہ بیرونی ممالک میں جنگی کارروائی، فتوحات اور نت نئے مسائل کی وجہ سے سرکاری کام کا بار تھا، لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے اُن کے ساڑھے دس سالہ دورِ خلافت میں ان کا کوئی ایسا مشیر نہ تھا جیسا کہ وہ ابوبکر صدیقؓ کے تھے یا ابوبکر صدیقؓ اور وہ خود رسول اللہ ﷺ کے۔ خاص خاص موقعوں پر وہ عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، زیدؓ بن ثابت اور نوعمر لیکن نہایت سمجھدار عبداللہ بن عباسؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے، لیکن اُن کا کوئی دستِ راست تھا نہ وزیر۔ وہ اکثر اپنے اجتہاد سے فیصلے کرتے تھے اور ان کے اجتہاد پر جیسا کہ پہلے ہم نے عرض کیا، خلوص، جوش، بے باکی کی چھاپ ہوتی تھی۔ یہاں ہم اُن کے اجتہاد کی چند مثالیں بیان کریں گے۔

ان سے پہلے صاع یعنی وہ پیمانہ جس سے وہ زکوٰۃ فطر وغیرہ ادا کرتے تھے، ۵½ پونڈ کے بقدر تھا، لیکن عمر فاروقؓ نے اس کو بڑھا کر آٹھ پونڈ کر دیا۔

ہجرت کے ساتویں سال رسول اللہ ﷺ نے عزبی نجد میں خیبر کے یہود کو شکست دی اور ان کے نخلستانوں کو اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیا۔ مفتوحہ علاقہ کے پانچ حصے کیے گئے۔ اُن میں سے چار ان لوگوں میں تقسیم کیے گئے جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا، پانچواں رسول اللہ ﷺ نے اپنے خرچ نیز پانچ دوسری مدوں کے لیے لے لیا۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں نئے نئے ملک فتح ہوئے، تو انھوں نے مفتوحہ اراضی ان لوگوں کے پاس چھوڑ دی جو اس کی کاشت اور دیکھ بھال کرتے تھے اور ان سے لگان اور جزیہ وصول کیا۔ اُن کے اُس فعل پر لوگوں نے اعتراض کیا۔ عمر فاروقؓ کی رائے تھی کہ اگر مفتوحہ ممالک فوج میں تقسیم کر دیے گئے، تو اس سے شدید اقتصادی ناہمواری پیدا ہو جائے گی۔ یعنی اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مفتوحہ ممالک کی ساری دولت اور وسائل سمٹ کر پچاس ساٹھ ہزار فاتحین کے گھروں میں آ جائیں گے اور مسلمانوں کا سوادِ اعظم فقر و فاقہ میں مبتلا رہے گا اور آنے والی نسلیں بھی ہمیشہ غربت و ذلت کا شکار رہیں گے۔ اس کے علاوہ ان کو اندیشہ تھا کہ اتنی زیادہ دولت پا کر فوج میں تن آسانی پیدا ہو جائے گی اور وہ تعمیری کاموں کی بجائے باہم جنگ و پیکار میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ مفتوحہ ممالک کی تقسیم میں عملی دشواریاں بھی تھیں۔ مثلاً ایک دشواری یہ تھی کہ ندیوں کے پانی، پہاڑوں، جھیلوں، زیرِ آب اراضی کی مساوی تقسیم کیسے ہو، اس لیے مصلحت کا تقاضا تھا کہ ساری اراضی وقف علی المسلمین کر دی جائے۔

۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے علاء بن حضرمی کو بحرین کے بڑے شہر ہجر کے گورنر اور عرب رئیس منذر بن ساوی کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ منذر قبیلہ عبدالقیس کا لیڈر تھا جو ہجر کے آس پاس آباد تھا۔ منذر اور اس کا قبیلہ مسلمان ہو گیا لیکن ہجر کے فارسیوں، عیسائیوں اور یہودیوں نے جو زیادہ تر تجارت اور زراعت پیشہ تھے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا اور جزیہ کے لیے راضی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے [illegible] جزیہ [illegible] اور عورتوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ عمر فاروقؓ کی خلافت میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو انھوں نے جزیے کا ایک نیا ضابطہ بنایا جس کی رُو سے جزیہ صرف بالغ مردوں سے یعنی جو لڑنے کے قابل ہوتے وصول کیا جاتا۔ عورتیں، بچے، اپاہج، بوڑھے اور عبادت گاہوں کے راہب وغیرہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ عمر فاروقؓ کے جزیے کی شرح بھی پرانی شرح سے مختلف تھی۔ عمر فاروقؓ نے خوش حال لوگوں سے لگ بھگ پچیس روپے، متوسط درجہ سے بارہ ساڑھے بارہ روپے اور کم آمدنی والوں سے چھ سوا چھ روپے وصول کیے۔

ابوبکر صدیقؓ کے پاس جب مالِ غنیمت یا مالِ لگان آتا تو وہ بلا کسی امتیاز کے بچہ ہوتا یا بڑا، امیر ہوتا یا غریب، غلام ہوتا یا آقا یا آزاد سب کو برابر بانٹ دیتے۔ بعض لوگوں نے اس مساوی تقسیم پر اعتراض کیا اور کہا کہ ان لوگوں کو زیادہ ملنا چاہیے جو پرانے مسلمان ہیں اور جنہوں نے اسلام کے لیے مصیبتیں جھیلی ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ ایسے لوگوں کی خدمت کا انعام خدا دے گا میری رائے میں رزق اور روپے پیسے کے معاملے میں کسی کو کسی پر ترجیح دینا مناسب نہیں۔ عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے تقسیم کی بنیاد خدمت اور قربانی پر رکھی یعنی اسلام کے پُرانے خادموں کو زیادہ دیا اور نئے خادموں کو کم۔ رِدّہ بغاوت ختم ہونے کے بعد ابوبکر صدیقؓ کے پاس ایک دو بار ہی غنیمت وغیرہ کا روپیہ آیا اور انہوں نے بے تاخیر اس کو تقسیم کرا دیا۔ عمر فاروقؓ کے زمانہ میں عراق، شام وغیرہ فتح ہوئے تو مالِ غنیمت کے علاوہ ہر سال خراج اور جزیہ کی لگی بندھی رقم آنے لگی۔ اس لیے انھوں نے تقسیم کا پرانا طریقہ بند کر دیا اور سالانہ تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہوں کے کئی گریڈ تھے۔ سب سے بڑا گریڈ ڈھائی ہزار روپے سالانہ کا تھا اور یہ اُن لوگوں کو دیا جاتا جو جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد چونکہ ان کی بیویاں بے سہارا رہ گئی تھیں اس لیے عمر فاروقؓ نے ان کو چھ ہزار روپے سالانہ کا خاص گریڈ دیا جو ان کے سالانہ خرچ کے لیے کافی تھا۔

ایک قریشی عرب اور صحابی حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے کسی عرب کا ایک اُونٹ چرا لیا اور اس کو ذبح کر کے کھا پی گئے۔ چوری کی شکایت عمر فاروقؓ سے کی گئی۔ انھوں نے غلاموں کو طلب کیا۔ غلاموں نے چوری کا اعتراف کیا اور کہا ہمارا مالک ہم کو بھوکا رکھتا ہے اس لیے ہم چوری پر مجبور ہو گئے۔ عمر فاروقؓ نے غلاموں کا ہاتھ نہیں کاٹا جو قرآن کے مطابق چور کی سزا تھی بلکہ ان کے مالک کو خوب ڈانٹا اور اُس سے اُونٹ کی قیمت ادا کرائی۔

عمر فاروقؓ کے اجتہاد کی فہرست اتنی لمبی ہے کہ اس کا یہاں استقصاء نہیں کیا جا سکتا اس لیے ہم متذکرہ بالا مثالوں ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمر فاروقؓ نے کئی جگہ لگے بندھے ضابطوں سے اختلاف کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وقت اور مصلحتِ عامہ کا تقاضا تھا۔ عمر فاروقؓ زندگی کو جامد نہیں بلکہ متحرک خیال کرتے تھے۔

کتابیات

۱۔ سیرۃ رسول اللہ ﷺ ابن ہشام ۲۔ طبقات ابن سعد ۳۔ تہذیب الاسماء نووی
۴۔ تاریخ عمرؓ بن خطاب۔ ابن جوزی ۵۔ کتاب الاموال قاسم بن سلام ۶۔ کنز العمال۔ متقی برہانپوری
۷۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ۸۔ شرح البخاری قسطلانی ۹۔ تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری
۱۰۔ الکتفاء قلمی از ابو سلیمان ربیع کلاعی ۱۱۔ فتوح الشام۔ ابو اسماعیل ازدی بصری
۱۲۔ کتاب الخراج۔ یحییٰ بن آدم قرشی ۱۳۔ واحسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ۱۴۔ تجرید بخاری (مصر)
۱۵۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۶۔ کتاب الخراج۔ امام ابو یوسفؒ ۱۷۔ سُنن کبریٰ بیہقی

www.KitaboSunnat.com

خلافتِ فاروقیؓ کا ایک واقعہ

عام الرمادہ کہتے ہیں جس کو عرب میں لوگ
عہدِ خلافتِ عمریؓ کا وہ سال تھا

اس سال قحط عام تھا ایسا کہ مُلک میں
لوگوں کو بھوک پیاس سے جینا محال تھا

پانی کی ایک بُوند نہ ٹپکی تھی ابر سے
ہر خاص و عام سخت پراگندہ حال تھا

اعراب کی بسر حشراتِ زمیں پہ تھی
سب اُٹھ گیا جو فرق حرام و حلال تھا

تشویش سب سے بڑھ کے جناب عمرؓ کو تھی
ہر دم اسی کی فکر اسی کا خیال تھا

تدبیر لاکھ کی تھی مگر رُک سکا نہ قحط
گو انتظامِ مُلک میں اُن کو کمال تھا

معمول تھا جناب عمرؓ کا کہ متصل
کرتے تھے گشت رات کو سونا محال تھا

اک دن کا واقعہ ہے کہ پہنچے جو دشت میں
کوسوں تلک زمین پہ خیموں کا جال تھا

بچے کئی تھے ایک ضعیفہ کی گود میں
جن میں کوئی بڑا تھا کوئی خردسال تھا

دیکھا جو اس کو یہ، کہ پکاتی ہے کوئی چیز
جاتا رہا جو طبعِ حزیں میں ملال تھا

سمجھے کہ اب وہ مُلک کی حالت نہیں رہی
کم ہو چلا ہے، قحط کا جو اشتعال تھا

پوچھا خود اُس سے جا کے تو رونے لگی کہ "آہ
کیا آپ کو غذا کا بھی یاں احتمال تھا

بچے یہ تین دن سے تڑپتے ہیں خاک پر
مَیں کیا کہوں زبان سے اِن کا جو حال تھا

مجبور ہو کے ان کے بہلنے کے واسطے
پانی چڑھا دیا ہے یہ اس کا اُبال تھا

ان سے یہ کہہ دیا ہے کہ اب مطمئن رہو
کھانا یہ پک رہا ہے، اسی کا خیال تھا"

بے اختیار رونے لگے حضرتِ عمرؓ
بولے کہ "یہ مرے ہی کیے کا وبال تھا

جو کچھ کہ ہے یہ سب ہے مری شامتِ عمل
ازبس گناہگار مرا بال بال تھا"

بازار جا کے لائے سب اسباب آب و ناں
جو زخمِ قحط کا سببِ اندمال تھا

چولھے کے پاس بیٹھ کے خود پھونکتے تھے آگ
چہرہ تمام آگ کی گرمی سے لال تھا

بچوں نے پیٹ بھر کے جو کھایا تو کِھل اُٹھے
ایک ایک اب تو فرطِ خوشی سے نہال تھا

تھی وہ زنِ ضعیف سراپا سپاسِ شکر
ہاں حضرتِ عمرؓ کو وہی انفعال تھا

عہدِ عمرؓ کو یہ جو ملا مجھ سے چھین کر
جو کچھ گزر رہا ہے یہ اس کا وبال تھا

مولانا شبلی نعمانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے لفظوں میں موتی بھر دیے، انھیں لازوال بنا دیا!

مرتب: پروفیسر خالد ہمایوں

- کسی کے نماز روزے پر نہ جاؤ، بلکہ یہ دیکھو کہ بات کرتا ہے تو سچ کہتا ہے۔ امانت میں خیانت نہیں کرتا اور جب گناہ کے قریب جاتا ہے تو رُک جاتا ہے۔
- تم میں سے بہتر وہ نہیں جو آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اور دُنیا کو چھوڑے ہوئے ہے یا دنیا کے لیے کام کرتا ہے اور آخرت کو ترک کیے ہوئے ہے، بلکہ بہتر وہ شخص ہے جو اِس سے بھی حِصّہ لے اور اُس سے بھی۔
- کسی شخص کے اخلاق پر بھروسہ نہ کرو جب تک کہ غُصّے کے وقت اُسے آزما نہ لو۔
- لوگوں سے ان کی مجلسوں اور مسجدوں میں سوال کرنے سے احتراز کرو کہ وہ شرما نہ جائیں، بلکہ اُن کے گھروں میں سوال کر لیا کرو کہ جو جتنی استطاعت رکھتا ہو، اس کے مطابق تمھاری مدد کرے۔
- جب انسان کسی چیز سے مایُوس ہو جاتا ہے، تو اس سے مستغنی ہو جاتا ہے، جسے اس کا ظن فائدہ نہ دے اُسے اس کی آنکھ بھی فائدہ نہیں دیتی۔
- راحت رکاوٹ ہے اور موٹاپا بھی رکاوٹ ہے۔
- کوئی بچہ کسی احمق عورت کے پیٹ میں اگر پورے نو ماہ ٹھہر جاتا ہے، تو وہ بہت زیادہ رونے والا پیدا ہوتا ہے۔
- لوگ اپنے آباؤ اجداد کی نسبت اپنے زمانوں کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔
- جس کے پاس کوئی نعمت دیکھی، حاسد ضرور دیکھا۔
- اگر کوئی آدمی تیر سے بھی زیادہ سیدھا ہو، تب بھی اس کے طعنہ زن ضرور ہوں گے۔
- وہ بات نقصان نہیں دیتی جس کا کوئی مخاطب نہ ہو۔
- مجھے تین باتوں پر بڑا تعجب ہے۔ اولاً آدمی موت سے بھاگتا ہے، حالانکہ وہ اُس سے ضرور ملے گی۔ ثانیاً انسان اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھ پاتا ہے، تو عیب لگاتا ہے، مگر اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نہیں دیکھتا۔ ثالثاً انسان کے جانور میں کجی ہوتی ہے، تو اُسے دُور کر لیتا ہے، مگر اپنے نفس کی کجی دُور نہیں کرتا۔

- جو شخص اپنا راز چُھپاتا ہے، وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔
- جس سے تم کو نفرت ہو، اس سے ڈرتے رہو۔
- سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہے۔
- جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے، تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔
- لوگوں کی فکر میں تم اپنے آپ کو بھول نہ جاؤ۔ دُنیا سے جتنا کم تعلق رکھو گے، اتنی آزادانہ زندگی بسر کرو گے۔
- اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں، تو میں اس کی پروا نہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔
- خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفے میں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)
- درہم سر اُونچا کیے بغیر نہیں رہتے۔
- گناہ کا ترک کر دینا توبہ کی تکلیف سے زیادہ آسان ہے۔
- ایک قوم کی اصلاح ممکن ہے لیکن ایک امیر کی جگہ دوسرے کو دینا مشکل ہے۔
- آپ کی انگوٹھی پر "موت آدمی کے لیے کافی واعظ ہے" منقش تھا۔
- توبہ کرنے والوں اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو، کیونکہ اس سے دل نرم ہوتا ہے۔
- (ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:) "لوگ تجھے اپنے نفس سے غافل نہ کر دیں، کیونکہ یہ تیرا معاملہ تجھ پر پڑے گا نہ کہ اُن پر۔ دن کو غفلت میں نہ گزار، کیونکہ جب تک تو کام کرتا رہے گا، وہ تیرے لیے محفوظ ہے اور اگر بُرائی بھی کرے تو فوراً اچھائی کر اس لیے کہ میں دیکھتا ہوں کہ نئی نیکی پُرانے گناہ کے پیچھے دوڑ کر اسے ڈھانپ لیتی ہے۔"
- جو شر کے ذریعے غالب آیا، وہ مغلوب ہے جس نے گناہ کے ذریعے فتح حاصل کی، وہ فتحیاب نہیں۔
- اگر کوئی شخص اپنے اندر کوئی غرور پاتا ہے، تو یہ دراصل اس کے کسی احساسِ کمتری کی وجہ سے ہوتا ہے۔
- اگر مومن کے ذمّے کوئی ایسی بُرائی رہ جاتی ہے جسے اس نے اپنی کسی نیکی سے نہیں مٹایا، تو اللہ اس پر سکراتِ موت کو سخت کر دیتا ہے تاکہ وہ جنّت کا مستحق ہو سکے، لیکن اگر کافر دُنیا میں کوئی نیکی کرتا ہے تو اس پر موت آسان کر دی جاتی ہے تاکہ اپنے نیک کام کا بدلہ دُنیا میں ہی پا لے اور پھر جہنّم کی راہ لے۔
- علمائے اہلِ عرب کا تاج ہیں، کسی عربی کا کوئی بادشاہ نہیں۔
- تم کسی انسان کی عقل سے اس وقت تک فائدہ نہیں اُٹھا سکتے جب تک کہ اس کے ظن و گمان سے فائدہ نہ اٹھالو۔
- جو شخص یہ چاہتا ہے کہ جنّت کے صحن سے لطف اندوز ہو، اُسے چاہیئے کہ جماعت کے ساتھ رہے۔
- جس قوم میں بھی زنا کا رواج بڑھا، اس میں نفاق بڑھا۔
- تین باتیں بڑی مصیبت ہیں: وہ پڑوسی جو بھلائی دیکھے، تو کسی سے نہ کہے اور بُرائی دیکھے، تو کہتا پھرے۔ وہ عورت کہ اگر تم اس کے پاس جاؤ، تو زبان خوب چلائے اور اگر تم اس کے پاس نہ رہو تب بھی اس کی زبان سے بے خوف نہ رہو۔ اور وہ بادشاہ کہ اگر تم اس کے ساتھ نیکی کرو، تو تعریف نہ کرے اور اگر بُرائی کرو، تو قتل کر دے۔
- جس شخص نے قلبی خشوع سے زیادہ خشوع کا اظہار کیا، اس نے نفاق پر نفاق کیا۔
- تعریف کرنا ذبح کر دینا ہے۔
- جو شخص ایسے اخلاق و عادات کا اظہار کرتا ہے جو اُس میں نہیں، وہ منافق ہے۔
- احکامِ الٰہی کو وہی قائم رکھ سکتا ہے جو شکم سیر نہیں ہوتا اور نہ خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔
- ایک شخص آپ کی تعریف کرنے لگا، تو فرمایا: "کیا تو مجھے اور اپنے آپ دونوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے؟"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- مروّت یہ ہے کہ انسان دین کے بارے میں عفیف ہو اور معیشت کے بارے میں صاحب حُسنِ تدبیر ہو۔
- مروّت کی دو قسمیں ہیں: ظاہری اور باطنی۔ ظاہری مروّت لباس ہے اور باطنی عفّت۔ انسان کا حسب نسب مال ہے۔ شرافت دین ہے اور مروّت اخلاق ہیں۔
- بغیر ذکرِ الٰہی کے زیادہ نہ بولو، ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور سخت دل اللہ سے دُور ہوتے ہیں۔
- سب سے بڑا ذکر وہ ہے جو حرمِ الٰہی کے پاس کیا جائے۔
- لوگوں کے ذکر سے بچو، کیونکہ یہ بیماری ہے اور اللہ کا ذکر کرو، کیونکہ یہ شفا ہے۔
- جو زیادہ ہنستا ہے اُس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے اور جس کی لغزشیں زیادہ ہوتی ہیں اُس کا تقویٰ کم ہو جاتا ہے۔
- جوانی میں ہر اس بات سے بچو جس سے تم بدنام اور بُرے القاب والے ہو جاؤ، کیونکہ اگر اس کے بعد تم بڑے آدمی بن گئے، تو بہت زیادہ پچھتاؤ گے۔
- تین چیزیں ہلاک کر ڈالتی ہیں: بخیل جس کی اطاعت کی جائے۔ خواہش جس کا اِتباع کیا جائے اور انسان کا اپنے آپ کو پسند کرنا۔
- تین چیزوں کا اللہ تعالیٰ خود ضامن ہے جن کے بارے میں کبھی وعدہ خلافی نہیں ہو سکتی:
  اولاً: اللہ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔
  ثانیاً: اللہ خائنوں کی مکاری چلنے نہیں دیتا۔
  ثالثاً: اللہ مُفسدوں کی حرکتوں کو صلاح والا نہیں بناتا۔
- جس شخص کی نیّت خالص ہو، اگرچہ اپنے ہی لیے کیوں نہ ہو، اللہ اس کے لیے مخلوق سے کافی ہوتا ہے۔
- گفتگو کے وقت خشوع اختیار کرو، اطاعت کے وقت جُھک جاؤ اور معصیت کے وقت عصمت اختیار کرو۔
- اگر انسان میں دس عادتیں ہوں اور نو اچھی ہوں، مگر ایک بُری ہو تو یہ بُری عادت اُن نو کو بھی غارت کر سکتی ہے۔
- اللہ کی یاد میں آنسو بہاؤ۔ اللہ سے ڈرو، کیونکہ تقویٰ ڈرنے کا نام ہے۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اسے محفوظ رکھتا ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنے غصّے پر عمل نہیں کرتا اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، وہ اپنی خواہش پر عمل نہیں کرتا۔ اگر یوم قیامت نہ ہوتا، تو معاملہ ہی دِگرگوں ہوتا۔ جہنم کو بکثرت یاد کرو، کیونکہ اس کی گرمی سخت ہے، گہرائی بہت ہے اور اس کی سلاخیں لوہے کی ہیں۔
- شکم سیری سے بچو، کیونکہ یہ نماز سے سُستی پیدا کرتی ہے، جسم کو خراب کرتی ہے اور بیماری لاتی ہے۔
- اپنے نفوس کا محاسبہ کرو، اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ حساب کتاب کو آسان کر دے گا۔ اپنے نفوس کو وزن کرو، اس سے پیشتر کہ تمہارا وزن کیا جائے اور بڑی پیشی کے لیے تیار ہو جاؤ جس دن تم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہے گی۔
- تم نے مخلوق کو کب سے غلام بنا لیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا ہے۔
- معاملات اس وقت تک ٹھیک طور پر حل نہیں ہو سکتے جب تک کہ کمزوری سے پاک نرمی اور جبر سے پاک قوت نہ ہو۔
- مَیں ایک ایسے شخص کو گورنر بنانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ قوم میں بیٹھا ہوا ہو، تو ان میں ایک فرد معلوم ہو، حالانکہ وہ ان کا امیر ہو اور اگر وہ ان میں سے ایک فرد معلوم ہو، تو ایسا بھی محسوس ہو کہ وہ ان کا حاکم ہے۔
- مَیں اللہ سے قوی کے ظلم اور متقی کے عجز سے پناہ مانگتا ہوں۔
- جو شخص بُرائی سے واقف نہیں ہے، وہ اس میں مبتلا ہو سکتا ہے۔
- عربی زبان سیکھو، کیونکہ اس سے عقل راسخ ہوتی ہے اور مروّت بڑھتی ہے۔
- متوکّل وہ شخص ہے، جو زمین میں دانہ ڈالتا ہے اور اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔
- ایسی صنعت و حرفت جس سے زندگی بسر کی جا سکے، مانگنے سے بہتر ہے۔

- جس شخص کے ذمّے مسلمانوں کی کوئی ذمّہ داری ہو، اُسے چاہیئے کہ کسی کی ملامت کی پروا نہ کرے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو چاہیئے کہ اپنا خیال کرے اور لوگوں کے لیے مخلص رہے۔
- مجھ پر حکومت کی گئی اور مَیں حاکم بھی بنا، لہٰذا دونوں باتیں خوب سمجھتا ہوں۔
- اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اس لیے گورنر بنایا کہ اُسے اس سے محبت تھی، اس کے سوا اور کوئی وجہ نہ ہو، تو اس نے اللہ، رسولؐ اور مومنین کی خیانت کی اور جس شخص نے کسی فاجر و فاسق کو جان بُوجھ کر گورنر بنایا، تو وہ بھی اُسی کی طرح ہے۔
- مَیں جب بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوا، تو اللہ نے چار نعمتیں دیں۔ اوّل یہ کہ میرے دین پر زک نہیں پڑی۔ دوم وہ سب سے بڑی مصیبت نہ تھی۔ سوم مَیں رضا بالقضا سے محروم نہیں ہوا۔ چہارم مجھے اس پر ثواب کی توقع رہی۔
- جس شخص کی نیت کچھ نہیں، اس کا عمل بیسُود ہے اور جو خدا سے نہیں ڈرتا اُس کے لیے کوئی اجر نہیں اور جس کے پاس کوئی نئی چیز نہیں اُس کے لیے کوئی چیز پُرانی بھی نہیں۔
- علم حاصل کرو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ وقار و تحمّل سیکھو۔ ان لوگوں کے لیے تواضع کرو جن سے تم نے علم سیکھا ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی جنہیں سکھایا ہے۔ جابر عالم نہ بنو، کیونکہ علم تُنک مزاجی کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔
- جب یہ دیکھو کہ کوئی عالم دُنیا سے محبت کرتا ہے، تو اُسے دین کے بارے میں مشتبہ سمجھو، کیونکہ انسان جس چیز سے محبت کرتا ہے، اُسی سے شغف رکھتا ہے۔
- عالم سے زیادہ کوئی شب بیدار اور نہ سیراب ہو سکنے والا کوئی نہیں ہے۔
- شعر، کلام عرب کی اصل ہے۔ غیظ و غضب اس سے سکون پاتا ہے۔ فتنہ بُجھاتا ہے۔ قوم اپنی مجلس میں دل لگی کرتی ہے اور سائل کامیاب ہوتا ہے۔
- ہر انسان کے رزق کے اور اس کے درمیان ایک حجاب ہوتا ہے۔ اگر وہ میانہ روی اختیار کرتا ہے، تو یہ حجاب اٹھ جاتا ہے، اور اگر وہ میانہ روی نہیں برتتا، تو پردہ چاک کر دیتا ہے اور رزق بھی نہیں ملتا۔
- اے اللہ! میرے لیے دُنیا کی بہتات نہ کرنا کہ مَیں نافرمان ہو جاؤں اور کمی بھی نہ کرنا کہ تجھے بھول جاؤں، کیونکہ جو کم ہو اور کافی ہو، وہ اس زیادہ سے بہتر ہے، جو غافل کر دے۔
- اے گروہِ فقراء! اپنے سر بلند رکھو، کیونکہ راہ واضح ہو چکی ہے۔ نیکیوں میں سبقت لے جاؤ، مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو۔
- جو شخص بادشاہوں کے پاس گیا، وہ جب نکلا، تو خدا کو ناراض کر کے ہی نکلا۔ امیروں کے پاس جانا فُقراء کے لیے باعثِ فتنہ ہے۔
- آپ سے دریافت کیا گیا سب سے بڑی مصیبت کیا ہے؟ فرمایا: کم مال اور کثرتِ عیال۔
- خوفِ الٰہی دو جگہ قرار پاتا ہے: ایک اطاعتِ خداوندی میں اور دوسرا معصیت سے پرہیز۔ اللہ کی اطاعت وہی کرتا ہے، جو دُنیا سے بُغض رکھتا ہو اور آخرت سے محبت رکھتا ہو، اور خدا کی نافرمانی وہی کرتا ہے، جو دنیا سے محبت رکھتا ہو۔
- شُبے کے ساتھ کمانا مانگنے سے بہتر ہے۔
- ایمان کے بعد بڑی نعمت نیک عورت ہے۔
- قبل اس کے کہ بزرگ بنو، علم حاصل کرو۔
- اسراف اس کا بھی نام ہے کہ جس چیز کو انسان کی طبیعت چاہے کھائے۔
- جو آدمی اپنے کو عالم کہے، وہ جاہل ہے اور جو اپنے کو جنتی بتلائے، وہ جہنمی ہے۔
- توبۃ النصوح اس کا نام ہے کہ بُرے فعل سے اس طرح توبہ کی جائے کہ پھر اس کو نہ کرے۔
- قوّت فی العمل یہ ہے کہ آج کے کام کل پر نہ اُٹھا رکھے جائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- کسی مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ تلاشِ رزق میں بیٹھ جائے اور دُعا کرے کہ اے خدا، مجھ کو رزق دے، کیونکہ تم کو معلوم ہے کہ آسمان سے چاندی اور سونا نہیں برستا۔
- اگر غیب دانی کے دعویٰ کا خیال نہ ہوتا، تو میں کہتا کہ پانچ شخص بہشتی ہیں: (۱) وہ محتاج جو عیال دار مگر صابر ہو (۲) وہ عورت جس کا شوہر اُس سے راضی اور خوش ہو (۳) وہ عورت جس نے اپنے شوہر کا حقِ مہر معاف کر دیا ہو (۴) وہ جس کے والدین اس سے خوش ہوں (۵) وہ جو اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرے۔
- تین چیزیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں: (۱) سلام کرنا (۲) دوسروں کے لیے مجلس میں جگہ خالی کرنا (۳) مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔
- ندامت چار قسم کی ہوتی ہے (۱) ندامت ایک دن کی جب کوئی شخص گھر سے بلا کھانا کھائے چلا جائے (۲) ندامت سال بھر کی کہ زراعت کا وقت غفلت میں گزر جائے۔ (۳) ندامت عمر بھر کی جب بیوی سے موافقت نہ ہو (۴) ندامتِ ابدی کہ خدائے برتر ناخوش ہو۔
- آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں، کامل، کاہل، لاشے۔ کامل وہ ہے جو لوگوں سے مشورہ کر کے اس پر غور کرے۔ کاہل وہ ہے جو اپنی رائے پر چلے اور کسی سے مشورہ نہ کرے۔ لاشئے وہ ہے کہ جو نہ خود صائب الرائے ہو، اور نہ دوسرے سے مشورہ کرے۔
- ایمان اس کا نام ہے کہ خدائے واحد کو دل سے پہچانے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور حکمِ شرع پر عمل کرے۔
- خشوع و خضوع کا تعلق دل سے ہے نہ کہ ظاہری حرکات سے۔
- مقدمات کا جلد تصفیہ کرنا چاہیئے تاکہ دعویٰ کرنے والا دیر کے سبب سے کہیں اپنے دعوے سے مجبوراً دستبردار نہ ہو جائے۔
- بدخو کی دوستی سے احتراز لازم ہے کیونکہ اگر وہ بھلائی بھی کرنا چاہتا ہے تو بھی اس سے برائی سرزد ہو جاتی ہے۔
- جب عالم کو لغزش ہوتی ہے تو اس سے ایک عالم لغزش میں پڑ جاتا ہے۔
- میں کسی چیز کو نہیں دیکھتا، مگر اس کے ساتھ اللہ کو دیکھتا ہوں۔
- اگر میں ایسی حالت میں مر جاؤں کہ اپنی محنت و سعی سے اپنی روزی تلاش کرتا ہوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ خدا کی راہ میں غازی ہو کر مروں۔
- لوگوں کے ساتھ نیک خلق آدھی عقل ہے حسنِ سوال نصفِ علم ہے اور حسنِ تدبیر نصف معیشت ہے۔
- طالبِ دُنیا کو علم پڑھانا راہزن کے ہاتھ تلوار فروخت کرنا ہے۔
- کسی کی دینداری پر اعتماد نہ کر، تاوقتیکہ طمع کے وقت اُسے نہ آزما لے۔
- جو عیب سے واقف کرے وہ دوست ہے اور مُنہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے۔
- طمع کرنا مفلسی، بے غرض ہونا امیری اور بدلہ نہ چاہنا صبر ہے۔
- نیکی کے عوض نیکی حق ادائیگی ہے اور بدی کے عوض نیکی احسان ہے۔
- کم بولنا حکمت ہے، کم کھانا صحت، کم سونا عبادت اور عوام سے کم ملنا عافیت ہے۔
- بڑھاپے سے پہلے جوانی اور موت سے پہلے بڑھاپا غنیمت جان۔
- سخی حبیبِ خدا ہے اگرچہ فاسق ہو بخیل دشمنِ خدا ہے اگرچہ زاہد ہو۔
- ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم ہے۔
- جب حلال و حرام جمع ہوں تو حرام غالب ہوتا ہے چاہے وہ تھوڑا سا ہی ہو۔
- نہیں دوستی رکھتے مومنین مخالفینِ خدا اور رسولؐ سے اگرچہ ماں باپ ہوں۔
- بدترین آوازیں دو ہیں: راگ کی اور نوحہ کی۔ سلامتی گمنامی میں ہے یا خلوت میں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدلِ فاروقیؓ کا ایک نمونہ

ایک دن حضرت فاروقؓ نے منبر پہ کہا — "میں تمہیں حکم جو کچھ دوں تو کرو گے منظور"
ایک نے اُٹھ کے کہا یہ کہ "نہ مانیں گے کبھی — کہ ترے عدل میں ہم کو نظر آتا ہے فتور
چادریں مالِ غنیمت میں جو اب کے آئیں — صحنِ مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حضور
ان میں ہر ایک کے حصّہ میں فقط ایک آئی — تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور
اب جو یہ جسم پہ تیرے نظر آتا ہے لباس — یہ اسی لوٹ کی چادر سے بنا ہو گا ضرور
مختصر تھی وہ ردا اور ترا قد ہے دراز — ایک چادر میں ترا جسم نہ ہو گا مستور
اپنے حِصّہ سے زیادہ جو لیا تُو نے، تو اب — تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور"

گرچہ وہ حدِ مناسب سے بڑھا جاتا تھا — سب کے سب مُہر بہ لب تھے چہ اناث و چہ ذکور
روک دے کوئی کسی کو یہ نہ رکھتا تھا مجال — نشۂ عدل و مساوات سے تھے سب مخمور

اپنے فرزند سے فاروقِ معظّمؓ نے کہا — تم کو ہے حالتِ اصلی کی حقیقت پہ عبور
تم ہی دے سکتے ہو اس کا مری جانب سے جواب — کہ نہ پکڑے مجھے محشر میں مرا ربِّ غفور

بولے یہ ابنِ عمر سب سے مخاطب ہو کر — اس میں کچھ والدِ ماجد کا نہیں جرم و قصور
ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا اُن کا لباس — کر سکی اس کو گوارا نہ مری طبعِ غیور
اپنے حصّہ کی بھی مَیں نے انہیں چادر دے دی — واقعہ کی یہ حقیقت ہے، کہ جو تھی مستور

نکتہ چیں نے یہ کہا اُٹھ کے کہ ہاں اے فاروقؓ
حکم دے ہم کو، کہ اب ہم اُسے مانیں گے ضرور

مولانا شبلی نعمانی

انھوں نے غیر مسلم مؤرخین سے خراج کیسے وصول کیا؟

ترتیب: محمد اسلم ڈوگر

حضرت عمرؓ کا مقام و مرتبہ تاریخِ اسلام ہی میں نہیں، تاریخِ عالم میں بھی بہت بلند ہے۔ متعصّب سے متعصّب مغربی مورّخ بھی جب حضرت عمرؓ کے دَور کا ذکر کرتا ہے، تو وہ کسی نہ کسی طور اُن کی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ہم نے حضرت عمرؓ کے متعلق غیر مسلم مؤرّخین کے تاثرات اکٹھے کیے ہیں۔ بعض واقعات کی تصیح اور ان کی توضیح کے معاملے میں ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن ہم نے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر ان کے خیالات پیش کیے ہیں — ان پر خود کوئی بحث نہیں کی۔

ممتاز مؤرّخین کے علاوہ اس مضمون کے دوسرے حصّے میں ایسی ریفرنس بکس سے اقتباسات دیلے گئے ہیں جنہیں دنیا میں ہر روز کروڑوں انسان استعمال کرتے اور ان کے لکھے کو پتھّر کی لکیر سمجھتے ہیں۔

فلپ کے ہٹّی

"اسلام میں عمرؓ پہلے خلیفہ تھے جنہیں قتل کیا گیا۔ ان کے بعد آنے والے دونوں جانشینوں کا بھی یہی انجام ہوا۔ عمرؓ نے آخری لمحے تک سادگی، کفایت شعاری اور پاکیزگی کو اپنائے رکھا۔ اُن کا خُدا، محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اپنے پر یقین اتنا پختہ تھا کہ ساری زندگی کبھی اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ زندگی میں اقتدار کا نشہ کبھی ان کے کردار کو نقصان نہ پہنچا سکا اور موت کے دروازے پر بھی ان کا کردار اسی طرح بے داغ رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مسلمان مورخ شبلی نعمانی کے الفاظ میں "ان کی شخصیت میں سکندر، ارسطو، عیسٰی علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، تیمور، نوشیرواں، امام ابوحنیفہ اور ابراہیم ادھم کی شخصیتیں ایک ساتھ اکٹھی ہوگئی تھیں۔

بھرپور عقیدے، راہنمائی کی بہترین صلاحیتوں سے مالا مال، اپنے وقت کی دو عظیم ترین مملکتوں کو فتح کرنے والا اور خلافت ایسے ادارے کو (جس نے تیرہ صدیوں تک اسلامی اتحاد کے مضبوط بندھن کی حیثیت سے کام کیا) قائم کرنے والا عمرؓ عرب تاریخ میں دوسرے نمبر پر آتا ہے"۔

حتی، حضرت عمرؓ کی شخصیت کے متعلق اپنے نقطۂ نظر سے مختلف باتیں بیان کرتا ہے۔ بعض اجزا ملاحظہ ہوں:

"ابوبکرؓ کے عہد میں وہ قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے، مگر حکومت پر ان کا اثر ان کے عہدے کی نسبت کہیں زیادہ تھا"۔

"عمرؓ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے قرآن اکٹھا کرنے کی تجویز پیش کی، کیونکہ جنگوں کی وجہ سے حفاظِ قرآن تیزی سے کم ہو رہے تھے"۔

"عمرؓ کو پیغمبرؐ کی کونسل میں بہت اہم حیثیت حاصل تھی۔ انہوں نے شراب پر پابندی لگانے میں بھی اہم کردار ادا کیا"۔

"اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ (حضرت) عمرؓ کا اسلام کے متعلق علم بہترین تھا۔ وہ انصاف کے تقاضوں کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے نظریۂ انصاف کو بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ کہا تھا: "خدا کی قسم تم میں سے کمزور ترین میرے نزدیک طاقتور ترین ہے جب تک میں اس کے حقوق نہ دلا دوں اور طاقتور ترین کمزور ترین ہے جب تک کہ میں اس سے حقوق واپس نہ حاصل کر لوں"۔

انہوں نے انصاف کے اس نظریے کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ شام فتح ہوا، تو وہاں کی ایک ریاست کے حکمران نے اسلام قبول کیا اور حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ آیا۔ کعبے کے گرد طواف کرتے ہوئے ایک بدو کا پیر اس کے احرام پر آ گیا۔ اس نے غصے میں بدو کو تھپڑ مار دیا۔ خلیفہ نے بدو کو بھی اسی طرح تھپڑ مارنے کا حکم دیا۔ اس صورتِ حال سے نو مسلم امیر گھبرا گیا ۔۔۔ اس کی عیسائی حلقے میں بہت عزت تھی۔ وطن واپس پہنچ کر اس نے اسلام ترک کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے بیٹے کا واقعہ اس سے بھی زیادہ عبرتناک ہے۔ وہ مصر میں شراب پیتے ہوئے پکڑا گیا۔ گورنر نے اسے مقررہ سزا سے کم سزا دی۔ خلیفہ کو علم ہوا، تو اپنے بیٹے کو واپس طلب کیا جہاں اسے سرِ عام مقررہ تعداد میں کوڑے لگائے گئے۔ عبدالرحمان بیمار تھے، ان کی صحت اس سزا کی متحمل نہ ہو سکی اور وہ انتقال کر گئے"۔

("MAKERS OF ARAB HISTORY")

سر تھامس آرنول

سر تھامس آرنول، حضرت عمرؓ کے دور میں انصاف کی بنیاد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"بھائی چارے کا منطقی نتیجہ (سماجی) مساوات بھی ہے جس طرح خدا کے سامنے سبھی مسلمان برابر ہیں، اس طرح وہ آپس میں بھی برابر ہیں۔ مومنین میں برتر وہ ہے جو اپنے ایمان یا عمل کی بنیاد پر اپنے آپ کو افضل ثابت کرتا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔

قانون کے سامنے برابری پورے سیاسی اور سول نظام کی بنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری سے کہا تھا: "ان سب کو برابر سمجھنا"۔ یہ بات حضرت عمرؓ نے انصاف کے متعلق کہی تھی تاکہ طاقتور انصاف کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ خواہ یہ باتیں مستند ہوں یا نہ ہوں، تاہم اس دور میں ہمیں جو نظام نظر آتا ہے اس کی بنیاد انہی بنیادی اصولوں پر تھی"۔

(THE LEGACY OF ISLAM BY SIR THOMAS ARNOL ۲۸۹ صفحہ)

ایچ۔اے۔آر۔گب

"حضرت ابوبکرؓ اور ان کے جانشین کی پالیسی سے نہ صرف قبائلیوں نے جوش و خروش سے اسلام قبول کرنا شروع کیا بلکہ انہوں

نے خلیفہ کے مقرر کیے ہوئے کمانڈروں کے تحت اپنی قوتیں بھی اکٹھی کرنا شروع کیں۔ اس سے ایک اہم مقصد حاصل ہوا یعنی فتوحات کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ زیادہ گڑبڑ کے بغیر کئی ملک فتح ہوئے اور منظم مرکزی کنٹرول کے تحت آ گئے"۔

(STUDIES ON THE CIVILIZATION OF ISLAM BY H.A.R.GIBB ۶ صفحہ)

جی۔ای۔وان گرون بام

"بلاشبہ عمرؓ، ابوبکرؓ کی طرح اپنے وقت کے عظیم ترین حکمران تھے۔ وہ اسلامی طبقہ اشرافیہ میں سے تھے، تاہم ان کا گھرانہ قریش میں زیادہ بااثر نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ "امیر المؤمنین" کے خطاب کا اضافہ کیا۔ عمرؓ نے نظامِ حکومت وضع کرکے مسلمان حکمرانوں میں سب سے زیادہ کام کیا۔ اس حکومت کو آپ عرب مسلم تھیو کریسی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس حکومت کا مرکز مدینہ تھا، جو مذہبی اور انتظامی مرکز بھی تھا، تاہم صوبائی حکام کو بھی کافی اختیارات حاصل تھے۔ آبادی حکمران مسلمان طبقے اور غیر مسلم رعایا پر مشتمل تھی"۔

(CLASSICAL ISLAM BY G.E VON GRUNE BAUM ۵۵ صفحہ)

وی۔جے۔پیری

"فوجی جوانوں کی کمی کا مسئلہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دورِ حکومت میں شدید نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ جس طرح انہوں نے اس مسئلے کو حل کیا، اس سے ان کی بصیرت، دور اندیشی، سیاسی اور فوجی معاملات میں سوجھ بوجھ کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے دو طریقے اختیار کیے: سپاہیوں کو بھرتی کرنے کا نظام باقاعدہ بنایا۔ ان کی مکمل فہرست تیار کی جاتی اور بوقتِ ضرورت مسلمان جوانوں کو فوج میں بھرتی کیا جاتا۔ اس کے علاوہ مفتوح علاقے کے مسلموں اور غیر مسلموں کو بھی اسلامی فوج میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی۔ اس ضمن میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک علاقہ فتح ہوا، تو مفتوح سپاہیوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ وہ انہیں فاتح مسلمان فوج میں بھرتی کر لیں ۔۔۔ مگر اس کے ساتھ ہی کچھ شرائط بھی پیش کیں جو یہ تھیں کہ انہیں فاتح سپاہیوں کے برابر عہدہ دیا جائے۔ جہاں وہ آباد ہونا چاہیں، انہیں اس کی بھی اجازت دی جائے اور انہیں اپنی مرضی سے کسی بھی عرب قبیلے کا اتحادی بننے کی اجازت دی جائے۔ اس کے علاوہ ان کی تنخواہیں اچھی ہوں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان کی پیش کش ٹھکرا دی، مگر جونہی حضرت عمرؓ کو ان کی شرائط کا پتہ چلا، انہوں نے ابوموسیٰ کو انہیں قبول کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح انہوں نے مختلف قبائل (اور مکاتبِ فکر) کی حوصلہ افزائی کرکے فوجی قوت میں اضافہ کیا"۔

(WAR TECHNOLOGY AND SOCIETY IN THE MIDDLE EAST BY V.J.PARRY ۴۵ صفحہ)

رابرٹ پائن

"THE HOLY SWORD" کے متعصب مصنف نے اپنی کتاب میں اس نظریے کو بھرپور انداز میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام دنیا میں بزورِ شمشیر پھیلا تھا۔ اس نے اسلامی اکابر کی ذات پر بھی کیچڑ اچھالنے کی سعی کی ہے، تاہم حضرت عمرؓ کی جو تصویر اس نے اپنے مضمون میں کھینچی ہے اس کی چند جھلکیاں یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی عظمت کو تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتا ہے۔ حضورؐ سے حضرت عمرؓ کی اندھی عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے وہ مندرجہ ذیل واقعہ بیان کرتا ہے:

"اس گرم سہ پہر کو جبکہ حضورؐ کا جسم حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں تھا اور ان کی دوسری بیویاں آہ و زاری کر رہی تھیں اور ساتھی غسل دینے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ جوش میں بھرے ہوئے عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے محمدؐ کے جسم پر ایک نظر ڈالی، مگر انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس وقت انہیں بڑبڑاتے سنا گیا: "بہت جلد وہ خدا کے ہاں سے واپس آ جائیں گے" ۔۔۔ اور پھر وہ قریبی مسجد کی طرف دوڑے اور وہاں انہوں نے چلا کر کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال نہیں ہوا۔ وہ فرشتوں کی معیت میں جلد ہی واپس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُٹھیں گے — بس وہ مسجد میں آنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں" — اور پھر انہوں نے اپنی تلوار نکال کر کہا کہ جس نے اس پر یقین نہ کیا، وہ اس کے سینے میں تلوار اُتار دیں گے"

حضرت عمرؓ کے مزاج کے متعلق رابرٹ پائن یوں رقمطراز ہے:

"دوسرے خلیفہ عمرؓ سخت مزاج تھے۔ ان کا تعلق اعلیٰ خاندان سے نہیں تھا، مگر ان کے انداز و اطوار سے شاہانہ انداز جھلکتا تھا۔ ان کی شخصیت بہت بارعب تھی۔ جب کبھی وہ ناراض ہوتے، تو غصے کا اظہار بہت شدت سے کرتے تھے — وہ ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جن کا لوگ احترام تو کر سکتے ہیں، محبت نہیں" — لیکن آگے چل کر اپنے مضمون میں یوں لکھتا ہے: "عمرؓ سخت تھے، مگر یہ ان کی ضرورت تھی، انہوں نے بہت سخت زندگی بسر کی، بالکل زاہدانہ انداز سے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صرف روٹی اور زیتون کے تیل پر گزارہ کرتے تھے۔ ان کے کپڑوں کو درجنوں جگہ پر پیوند لگے ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنا کردار — ایک سخت اُستاد اور زبردست منتظم کا — بھی ادا کیا۔ وہ کئی محاذوں پر لڑنے والی مسلمان فوج کی راہنمائی کرتے تھے۔ ممالک فتح ہونے کے بعد وہاں اسلام رائج کرنے کے لیے بھی ضروری اقدامات کرتے تھے"۔

("THE HOLY SWORD" BY ROBORT PAYNE)

ریولن لیوی

حضرت عمرؓ کی شخصیت کا اندازہ لگانے کے لیے مشہور مصنف ریولن لیوی حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ بننے کا واقعہ بیان کرتا ہے:

"وہ بدّو قبائل جنہوں نے تازہ تازہ اسلام قبول کیا تھا، انہوں نے فوراً بغاوت کردی، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین سے منحرف ہو گئے۔ مدینہ، مکہ اور طائف کے لوگ وفادار رہے، مگر انہیں مناسب سردار کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس وقت کے مسلمان طبقے میں جس شخص کے الفاظ سب سے زیادہ وزن رکھتے تھے، وہ عمرؓ تھے، مگر وہ مدینے سے نہیں تھے، بلکہ مہاجر ہو کر مکہ سے آئے تھے۔ اہل مدینہ نے اصرار کیا کہ سردار ان میں سے ہونا چاہیئے۔ عمرؓ کی شخصیت اتنی زوردار تھی کہ انہوں نے پیغمبر کے سسر ابوبکرؓ کا نام خلافت کے لیے اتنے مؤثر انداز میں پیش کیا کہ انہیں خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔ (صفحہ ۵)

یہی مصنف کتاب کے صفحہ ۱۴ اور ۱۵ پر یوں رقمطراز ہے:

"مؤرخ طبری نے خلیفہ عمرؓ اور مصر میں ان کے کمانڈر کے درمیان ہونے والی خط و کتابت پیش کی ہے۔ اس سے مصر کی فتح کے وقت مسلمانوں کے رویّے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان خطوط کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ خط عمرؓ نے خود نہیں لکھے تھے، تو اس کے باوجود پتہ چلتا ہے کہ ان میں عمرؓ کی زبان بولتی ہے۔ عرب کمانڈر کے اس سوال کے متعلق کہ اُسے سکندریہ کے مفتوح گورنر کی سکندریہ کے قیدیوں کے عوض خراج دینے کی پیش کش قبول کر لینی چاہیئے یا نہیں۔ عمرؓ نے اسے قبول کرنے کا حکم دیتے ہوئے لکھا: "میں خراج کو مالِ غنیمت پر ترجیح دیتا ہوں، کیونکہ وہ تقسیم ہونے کے بعد جلد ہی غائب ہو جاتا ہے"۔ مگر اس کے ساتھ اپنے کمانڈر کو یہ شرط طے کرنے کے لیے کہا کہ سکندریہ کے عیسائی قیدیوں کو اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہونا چاہیئے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا جائے اور اگر وہ اپنے مذہب پر رہیں، تو ان سے جزیہ لیا جائے۔ کمانڈر نے واپس جواب لکھا کہ وہ ان احکامات پر عمل کرے گا۔ اس خط میں اس نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے محسوسات بھی لکھے۔ جب قیدیوں کو کہا گیا کہ وہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں یا عیسائی رہنا چاہتے ہیں، تو ایک عیسائی نے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا۔ اس پر مسلمان سپاہیوں نے خوشی کے اتنے زوردار نعرے بلند کیے کہ سکندریہ کی فتح پر بھی نہیں لگائے تھے، مگر جب ایک عیسائی نے اپنے مذہب پر قائم رہنے کو کہا تو مسلمان اتنے غمزدہ ہوئے جیسے ان کا کوئی اپنا ساتھی دشمنوں میں چلا گیا ہو"۔

("THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM" BY REULAN LEUY)

مورس گاڈفرائے

"پیغمبر کے ساتھیوں نے بھی ان کے بتائے ہوئے طریقوں کی تقلید کی۔ ان طریقوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ

نے حکمرانی کی اور کئی علاقے فتح کیے۔ عمرؓ کے عہد میں بالخصوص رُوحانی اور مادّی اعتبار سے ایک متوازن اور صحت مند مُسلم معاشرے کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح ایک عظیم مسلم ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی"۔

(MUSLIM ISTITUTIONS)

جی ای وان

حضرت عمرؓ کو رعایا کا کتنا خیال تھا، اس کا اندازہ جی ای وان نے کچھ اس طرح لگایا ہے: "خلیفہ عمرؓ (۶۳۴ — ۶۴۴ء) نے بصرہ کے گورنر کو خط کا آغاز ان الفاظ سے کیا تھا: "لوگوں کو اپنے حکمرانوں سے ایک طرح کی نفرت ہوتی ہے، مگر اللہ پر میرا اعتقاد بتاتا ہے کہ تم اور میں کسی طرح بھی ایسے لوگوں میں سے نہیں ہیں"۔

("ISLAM" BY G.E. VON GRUNELAUM)

منٹگمری واٹ

عمرؓ کے دورِ حکومت میں (اسلامی) مملکت کے پھیلاؤ کا عمل شروع ہوا۔ انہی کے عہد میں عراق، شام اور ایران جیسے عظیم ملک فتح ہوئے۔

(ISLAMIC SURVEY BY W. MONTGOMERY WATT.)

الفریڈ گلیوم

"عمرؓ کو اسلام کا سینٹ پال کہا جاتا ہے۔ وہ روحانی اور جسمانی طور پر بہت مضبوط تھے۔ اگر ان کے منہ سے ایک مرتبہ کچھ نکل جاتا، تو وہ کبھی ان الفاظ سے منحرف نہیں ہوتے تھے۔ اپنے آخری دور میں پیغمبرِ اسلام اکثر ان سے مشورہ کرتے تھے۔ ان کے مخالفین نہ صرف ان کی دیانت اور صاف گوئی سے متاثر تھے بلکہ ان کے غصّے سے بھی خوف کھاتے تھے"۔

عمرؓ فاروق کی اجتہادی صلاحیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ یہ واقعہ بیان کرتا ہے۔ "خلیفہ عمرؓ نے حجرِ اسود (جسے حاجی چومتے ہیں) کے متعلق ایک مرتبہ کہا تھا! "اگر پیغمبر نے تمہیں نہ چوما ہوتا تو میں تمہیں کبھی نہ چومتا"۔ صفحہ نمبر ۹

(ISLAM BY ALFARED GUILLAUME)

روزنتھال

"مسلمانوں کے پاس بہترین نمونہ عمرؓ کا ہے۔ اس لیے اُن کا فرض ہے کہ جن کاموں کا انھوں نے آغاز کیا تھا، مگر ان کے بعد تاریخ میں آنے والے اسلامی حکمرانوں نے انھیں اُدھورا چھوڑ دیا ہے، اب انھیں دوبارہ مکمل کریں"۔ صفحہ نمبر ۱۲۳

(ISLAM IN THE MODERN NATIONS BY ERUTIN J.J. ROSENTHAL)

ڈنکن بی میکڈانلڈ

ڈنکن بی میکڈانلڈ حضرت عمرؓ کی شخصیت کا بطور حکمران جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے: "ابوبکرؓ کی وفات (۱۳ ہجری، بمطابق ۶۳۴ عیسوی) کے بعد عمرؓ خلیفہ بنے۔ ان کا انتخاب خاموشی سے ہوا۔ انھیں ابوبکرؓ نے نامزد کیا تھا! باقی لوگوں نے بھی ان کی نامزدگی کی تصدیق کی۔ اس طرح اسلام میں حکمران منتخب کرنے کا دوسرا اصول شروع ہوا۔ عام انتخابات کے بجائے وہ اصول یہ تھا کہ خلیفہ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرے، بشرطیکہ وہ ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہو۔ کرامویل کی طرح ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے کو نامزد نہیں کیا بلکہ اس شخص کو — جو ان کا دستِ راست تھا اور انھیں اچھی طرح علم تھا کہ وہ ریاست کی بہترین انداز سے تعمیر کر سکتا ہے۔ بعد کے واقعات نے ان کے فیصلے کی صحت پر مہرِ تصدیق ثبت کی۔ اپنے سپہ سالاروں کی مدد سے انھوں نے دمشق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یروشلم ہی فتح نہیں کئے، اس کے بعد مصر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ وہ مسلم ریاست کے آرگنائزر تھے۔ انھوں نے اس دور کا تفصیلی جائزہ لیا، جس میں مسلمانوں نے اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ اور اس کے تقاضوں کے مطابق ایک پلان تیار کیا بظاہر جس کی بنیاد ایرانی حکومت کے طریقوں پر تھی۔"

(DEVELOPMENT OF MUSLIM THEOLOGY JURISPRUDENCE AND CONSTITUTION BY DUNCAN B. MACDONALD.)

آر ایل گلچ

حضرت عمرؓ کے دور میں انصاف کی صورتحال کو بیان کرتے ہوئے آر ایل گلچ حضرت عمرؓ کا وہ خط نقل کرتا ہے جو انھوں نے قاضی شریح کو لکھا تھا: اگر تمہارے پاس کوئی ایسا مسئلہ آئے جس کا حل قرآن میں ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور کسی مجتہد کی رائے کی طرف دھیان نہ دو اور اگر مسئلہ ایسا ہو جس کا حل قرآن میں نہ ہو لیکن سُنت میں ہو تو اس کے مطابق عمل کرو اور اگر قرآن و سُنت دونوں میں موجود نہ ہو تو مستند و ممتاز مجتہدوں کی رائے کا سہارا لو اور اگر انھوں نے بھی کوئی قانونی حل فراہم نہ کیا ہو تو تمہیں اختیار ہے خواہ اپنے اجتہاد سے کام لو خواہ مجھ سے رجوع کرلو اور میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ مجھ سے رجوع کر لو۔"

قاضی شریح کے متعلق ہی گلچ آگے چل کر لکھتا ہے:

"عمرؓ کے دور کے قاضی شریح ۷۵ سال تک قاضی رہے انھوں نے نظامِ انصاف میں ایک اہم تبدیلی بھی کی کہ عدالت میں گواہ علحدہ علحدہ پیش ہوں۔ اس سے پہلے تمام گواہ عدالت میں موجود رہتے تھے اور ایک دوسرے کے بیان سُنتے تھے۔"

MUHAMMAD THE EDUCATOR by GULICH R.L

ایس ڈی گوئین

حضرت عمرؓ کے انسانی محنت پر اعتقاد کا ذکر کرتے ہوئے اس غیر مُسلم مؤرخ نے ان کا اعتراف اس واقعے سے کیا ہے:

"خلیفہ عمرؓ نے چند نیک لوگوں کا ایک گروہ دیکھا جو سر جھکائے عبادت میں مصروف تھے۔ انھیں بتایا گیا کہ یہ متوکلین (ایسے لوگ جو اللہ کے بھروسے پر رہتے ہیں اور کوئی کام نہیں کرتے) ہیں۔ عمرؓ نے کہا: "نہیں یہ متأکلون ہیں (یعنی وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا مال کھاتے ہیں) پھر عمرؓ نے ان لوگوں سے کہا: "تمہیں اپنے سر اُوپر اٹھانے چاہئیں اور اپنا رزق خود کمانا چاہیے۔"

برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا

خلیفہ عمرؓ (۶۳۴ء - ۶۴۴ء) اوّل اسلامی مملکت کے عظیم معمار تھے۔ ان کے دور میں اس مملکت کی سرحدیں دُور دُور تک پھیل گئیں۔ قدیم اسلامی روایات کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکومت اور فوج کے انتظامی اُمور بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ مذہبی طور پر سخت گیر مگر آہنی عزم کے حکمران تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں ان کے خوابوں سے بھی زیادہ ملنے والی دولت کے بُرے اثرات سے بچانے کی کوشش کی تاکہ وہ مادّہ پرستی سے دُور رہیں۔ اُن کے دور میں عربوں کی فتوحات کی رفتار میں کئی گنا اضافہ ہوا۔

جلد ۳ صفحہ نمبر ۶۲۵

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا

عمرؓ ابن الخطاب دوسرے خلیفہ اور محمدؐ کے قریبی ساتھی اور ان کی بیوی حفصہ کے والد تھے۔ وہ بہت زبردست

شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے جرنیلوں اور سپاہیوں سے خلیفہ (کے منصب) کی عزت کرائی۔ ان کے دور میں شام، عراق اور مصر فتح ہوئے اور یوں ایک عظیم اسلامی مملکت قائم ہوئی۔

CHAMBERS ENCYCLOPAEDIA

ایوری مین انسائیکلوپیڈیا

"عمرؓ اول نے ۶۳۴ء سے ۶۴۴ء تک حکومت قائم کی۔ ان کے دور میں مصر، فلسطین اور شام فتح ہوئے اور ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ وہ پہلے خلیفہ تھے جنھوں نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ نیا عربی کیلنڈر بھی انھی نے متعارف کروایا۔"

جلد ۹ — صفحہ ۱۵۲ — ۱۵۱

EVERYMANS ENCYCLOPAEDIA.

میکمیلن انسائیکلوپیڈیا

"اسلام میں دوسرے خلیفہ عمرؓ کو اسلامی ریاست کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کے عہد میں بہت سے علاقے فتح ہوئے۔ ۶۳۸ء میں وہ یروشلم کی فتح کے بعد وہاں بھی گئے۔ ۶۴۴ء میں ایک ایرانی غلام نے انھیں مدینہ میں قتل کر دیا۔ صفحہ نمبر ۸۹۹

دی نیو ہچسن انسائیکلوپیڈیا

عمرؓ (۵۸۱ء — ۶۴۴ء) عرب خلیفہ تھے وہ پیغمبرِ اسلام کے قابل ترین مشیروں میں سے تھے۔ ابوبکرؓ کے بعد ۶۳۴ء میں وہ خلیفہ بنے۔ اُن کے دورِ حکومت میں عربوں نے شام، فلسطین، مصر اور ایران فتح کیے۔ یروشلم میں ایک مسجد بھی ان کے نام سے منسوب ہے۔ (صفحہ نمبر ۹۴۲)

انسائیکلوپیڈیا انٹرنیشنل

عمرؓ (۶۳۴ء - ۶۴۴ء) دوسرے خلیفہ تھے انھوں نے اسلامی ریاست کو مملکت میں تبدیل کیا۔ ابتدا میں انھوں نے مکہ میں محمدؐ کی مخالفت کی تھی، مگر ۶۱۵ء میں وہ مسلمان ہوگئے۔ مدینہ میں ابوبکرؓ کے بعد وہ سب سے قریبی مشیر تھے۔ ۶۲۵ء میں جب عمرؓ کی بیٹی حفصہ کی شادی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہوئی تو ان کے مرتبے میں مزید اضافہ ہوا۔ ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد وہ خلیفہ بنے۔ ان کے عہد میں اسلامی مملکت کو عراق اور شام تک پھیلنے کا موقع ملا۔ اسی دور میں (۶۳۹ء) ایرانی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ۶۳۶ء میں اسلامی فوجوں نے بازنطینی فوجوں کو شام میں اور ۶۴۱ء میں مصر میں شکست دی۔ عمرؓ نے مقبوضہ علاقوں کا بہت اچھا انتظام کیا۔ ان کی فتوحات کا یہ سلسلہ ۶۴۴ء میں ان کی موت کے بعد ختم ہوا۔" (جلد ۱۸ - صفحہ ۲۲۶)

دی کیمبرج ہسٹری آف اسلام

کیمبرج ہسٹری آف اسلام کے مرتبین نے عمرؓ کے فلسفۂ انصاف کو سمجھنے کے لیے ان کے یہ الفاظ درج کیے ہیں:

"خلیفہ عمرؓ نے مقدس روایات سے متأثر ہو کر انصاف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم آپ سے اللہ کی طرف سے آپ پر عائد ہوئے فرائض منوائیں، اور نافرمانی کے کاموں سے روکیں۔ قرب و بعید کے لوگوں کے درمیان یہ پروا کئے بغیر کہ سزا کسے ملتی ہے اللہ کا قانون قائم کریں۔"

(THE CAMBRIDGE HISTORY OF ISLAM)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اظہار و قبول حق

وارثِ عدل پیمبر عمرؓ ابن الخطاب — ہیچ تھی جن کے لیے منزلتِ تاج و سریر
مجمع عام میں لوگوں سے انہوں نے یہ کہا — "مہر باندھو نہ زیادہ کہ ہے یہ بھی تبذیر
جس قدر تم کو ہو مقدور وہیں تک باندھو — حکم یہ عام ہے سب کو، امراہوں کہ فقیر"
ایک بڑھیا نے وہیں ٹوک کے فوراً یہ کہا — "تجھ کو کیا حق ہے، جو تو کرتا ہے ایسی تقریر
صاف قرآن میں قنطار کا لفظ آیا ہے — تجھ کو کیا حق ہے. کہ اس لفظ کی کردے تغییر؟
لاکھ تک بھی ہو تو کہہ سکتے ہیں اس کو قنطار — تھا یہ اک وزن، کہ اس وزن کی یہ ہے تعبیر"

سرنگوں ہو کے کہا حضرتِ فاروقؓ نے "آہ!
میں نہ تھا اس سے جو واقف تو یہ میری تقصیر!"

شبلی نعمانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے موت کا کس طرح استقبال کیا؟

فاروقِ اعظم نمبر

(مولانا) ابوالکلام آزاد

۲۳ھ میں کرمان، سجستان، مکران اور اصفہان کے علاقے فتح ہوئے، گویا سلطنت اسلامی کی حدود مصر سے بلوچستان تک وسیع ہو گئیں۔ اسی سال آپ نے آخری حج فرمایا۔ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے ان پر چادر بچھائی۔ پھر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دُعا کرنے لگے۔

"خداوندا! اب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میرے قویٰ کمزور پڑ گئے ہیں، اور میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی ہے۔ اب تو مجھے اس حالت میں اٹھا لے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میری عمر کا پیمانہ اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔"

کعب بن احبار نے کہا: "میں تورات میں یہ دیکھتا ہوں کہ آپ شہید ہوں گے۔" آپ نے فرمایا: "یہ کیسے ممکن ہے کہ عرب میں رہتے ہوئے شہید ہو جاؤں"؟ پھر دعا فرمائی: "اے خداوند! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا کر، اور اپنے محبوب کے مدینہ کی حدود کے اندر پیغامِ اجل ارزانی فرما۔"

ایک دن خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرغ آیا ہے اور مجھ پر ٹھونگیں مار رہا ہے۔ اس کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے کہ اب میری موت کا زمانہ قریب آ گیا۔ میری قوم مطالبہ کر رہی ہے کہ میں اپنا ولی عہد مقرر کر دوں۔ یاد رکھو۔ کہ میں موت کا مالک ہوں نہ دین اور خلافت کا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور خلافت کا خود محافظ ہے، وہ انھیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔"

زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ کوئی مشرک جو بالغ ہو، مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ گورنر کوفہ نے آپ کو لکھا کہ یہاں کوفہ میں فیروز نامی ایک بہت ہوشیار نوجوان ہے، اور وہ نقاشی نجاری اور آہن گری میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔ اگر آپ اسے مدینہ میں داخلے کی اجازت عطا کریں تو وہ مسلمانوں کے بہت کام آئے گا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کو بھیج دیا جائے۔ فیروز نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی "مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر

بہت زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے۔ آپ کم کرا دیجیے۔" حضرت عمرؓ: "کتنا ٹیکس ہے؟" فیروز: "دو درہم روزانہ (سات آنے)۔" حضرت عمرؓ: "تمہارا پیشہ کیا ہے؟" فیروز: "نجاری، نقاشی اور آہن گری۔" حضرت عمرؓ: "ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔"

فیروز کے لیے یہ جواب ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ عناد سے لبریز ہو گیا اور دانت پیستا باہر چلا گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ امیر المومنین میرے سوا ہر ایک کا انصاف کرتے ہیں۔ چند روز کے بعد حضرت موصوفؓ نے اُسے پھر یاد فرمایا۔ اور پوچھا: "میں نے سُنا ہے کہ تم ایک چکی تیار کر سکتے ہو، جو ہوا سے چلے"؟ فیروز نے ترشروئی سے جواب دیا کہ میں تمہارے لیے ایک ایسی چکی تیار کر دوں گا جسے یہاں کے لوگ کبھی نہیں بھولیں گے۔

فیروز رخصت ہو گیا تو آپ نے فرمایا: یہ نوجوان مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے۔

دوسرے روز ایک دو دھارا خنجر جس کا قبضہ وسط میں تھا آستین میں چھپایا اور صبح سویرے مسجد کے گوشے میں آ بیٹھا۔ مسجد میں کچھ لوگ صفیں سیدھی کرنے پر مقرر تھے۔ جب وہ صفیں سیدھی کر لیتے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے اور امامت کراتے تھے۔ اس روز بھی اسی طرح ہوا۔ جب صفیں سیدھی ہو چکیں، تو حضرت عمرؓ امامت کے لیے آگے بڑھے اور جونہی نماز شروع کی، فیروز نے دفعتہً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے، جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ دنیا نے اس دردناک ترین حالت میں خدا پرستی کا ایک عجیب نظارہ دیکھا، اس وقت جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنے قدموں پر گر رہے تھے، آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا۔ اور خود وہیں زخموں کے صدمہ سے زمین پر گر پڑے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ سامنے پڑے تڑپ رہے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن آخر وہ پکڑا گیا اور اسی وقت اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت فاروقؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ آپ نے سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا کہ میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا: "فیروز"۔ اس جواب سے چہرۂ انور پر بشاشت ظاہر ہوئی، اور زبان مبارک سے فرمایا: "الحمد للہ! میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا۔" لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں، اس لیے شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا۔ اُس نے نبیذ اور دودھ پلایا، مگر یہ دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر آ گئیں۔ اس سے تمام مسلمانوں پر افسردگی طاری ہو گئی اور وہ سمجھے کہ اب حضرت عمرؓ جانبر نہ ہو سکیں گے۔

حضرت عمرؓ تنہا زخمی نہیں ہوئے: ایسا معلوم ہوتا تھا، پورا مدینہ زخمی ہو گیا ہے، خلافت اسلامیہ زخمی ہو گئی ہے؛ اس سے بھی زیادہ یہ کہ خود اسلام پاک زخمی ہو گیا ہے۔ غم میں ڈوبے ہوئے لوگ آپ کی عیادت کے لیے آتے تھے اور بے اختیار آپ کی تعریفیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس آئے اور بے اختیار آپ کے فضائل و اوصاف بیان کرنے لگے۔ ارشاد فرمایا: "اگر آج میرے پاس دُنیا بھر کا سونا بھی موجود ہوتا تو میں اسے خوفِ قیامت سے رُستگاری حاصل کرنے کے لیے قربان کر دیتا۔"

جب تک حضرت فاروقِ اعظمؓ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے تھے، انہیں نئے انتخاب کا تصوّر تک نہیں ہوا۔ وہ یوں سمجھتے تھے شاید اسلام کا یہ سب سے بڑا خادم یونہی عرصہ دراز تک اُمتِ رسولؐ کی حفاظت کرتا رہے گا۔ جب عمر فاروقؓ ناگہاں بستر پر گر پڑے تو مسلمانوں کو اب پہلی دفعہ اپنی بے بسی اور اسلام کی تنہائی کا احساس ہوا۔ اب ہر مسلمان کو سب سے پہلا فکر یہی تھا کہ اب حضرت عمرؓ کے بعد اس اُمت کا نیا فظ کون ہوگا؟ جتنے بھی لوگ خبر گیری کے لیے آتے تھے، یہی عرض کرتے تھے: "امیر المومنین! آپ اپنا جانشین مقرر کرتے جائیے۔" آپ مسلمانوں کا یہ تقاضا سُنتے تھے اور چپ ہو جاتے تھے آخر ارشاد فرمایا: "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ موت کے بعد بھی یہ بوجھ میرے ہی کندھوں پر رہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ میری آرزو صرف یہی ہے کہ میں اس مسئلہ سے اس طرح الگ ہو جاؤں کہ میرے عذاب و ثواب کے دونوں پلڑے برابر رہ جائیں۔"

حضرت فاروق اعظمؓ نے انتخاب خلافت کے مسئلہ پر مدتوں غور فرمایا تھا اور وہ اکثر اسی کو سوچا کرتے تھے۔ لوگوں نے متعدد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

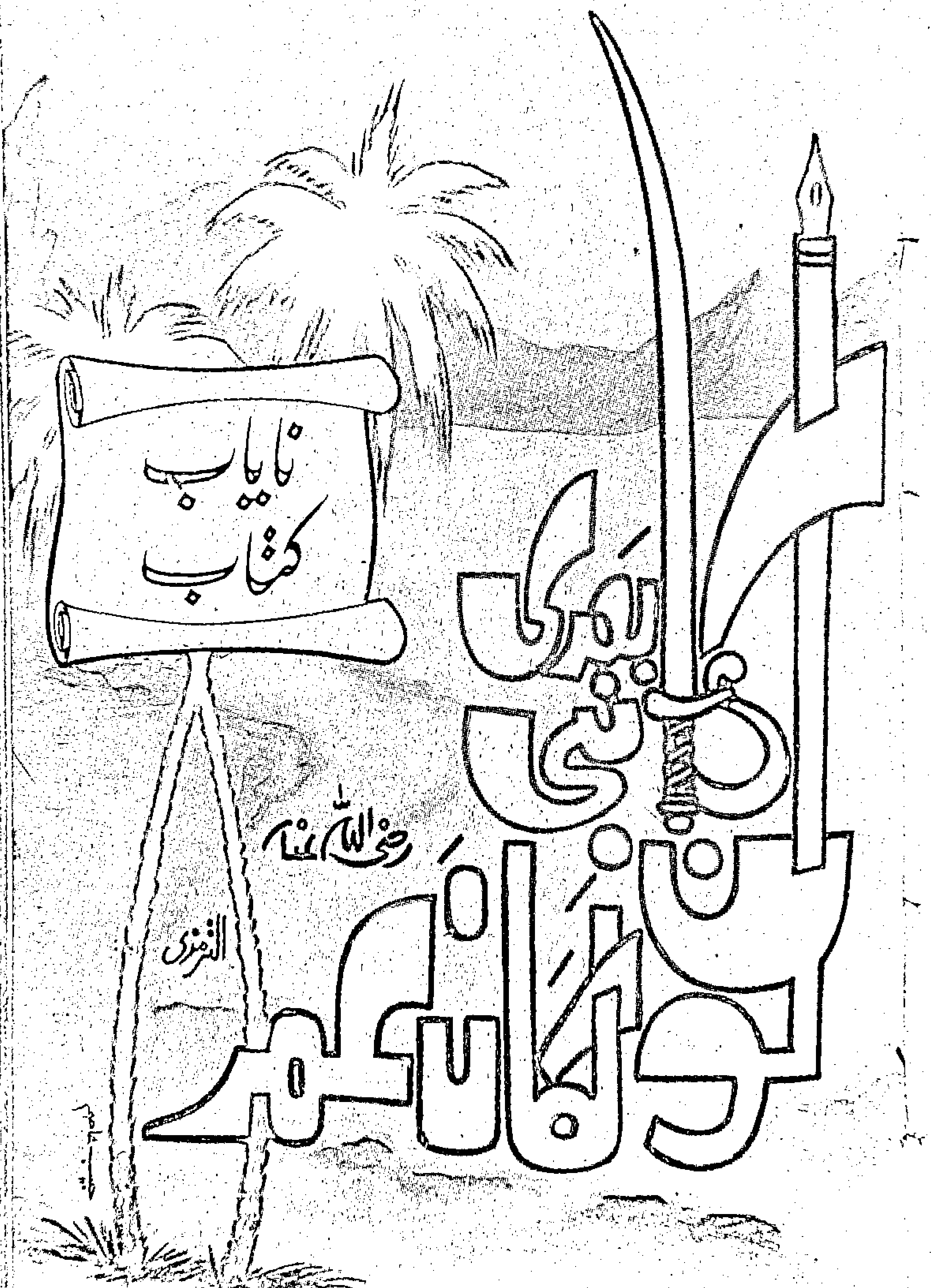

مرتبہ ان کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا جاتا تو ارشاد فرماتے "میں خلافت کے معاملے میں حیران ہوں، کچھ نہیں سوجھتا۔ بارہا کے غور و فکر کے بعد بھی ان کی نظر کسی ایک شخص پر جمتی نہیں تھی۔ بارہا ان کے منہ سے ایک بے ساختہ آہ نکل جاتی تھی۔ افسوس، مجھے اس بار کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔

ایک شخص نے کہا: آپ عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ کیوں نہیں مقرر کر دیتے؟ فرمایا: "اے شخص! خدا تجھے غارت کرے۔ واللہ! میں نے کبھی خدا سے یہ استدعا نہیں کی۔ کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں جس میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کی بھی صحیح قابلیت موجود نہیں ہے۔"

اسی سلسلہ میں فرمایا: "میں اپنے ساتھیوں کو خلافت کی حرص میں مبتلا دیکھ رہا ہوں۔ ہاں، اگر آج سالم مولیٰ ابوحذیفہ یا ابوعبیدہ بن جراح زندہ ہوتے تو میں ان کے متعلق کہہ سکتا تھا۔" اس ارشادِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بہت زیادہ پسند تھا کہ انتخابِ خلافت کے مسئلہ کو چھوڑے بغیر اس دنیا کو عبور کر جائیں لیکن مسلمانوں کا اصرار روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ آخر آپ نے فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن وقاصؓ، تین دن کے اندر جس شخص کو منتخب کر لیں، اسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

آخری گھڑیوں میں اپنے صاحبزادے عبداللہ کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہو گئے تو ارشاد فرمایا: "تم ابھی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے التماس کرو، عمرؓ چاہتا ہے اسے اپنے دو رفیقوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔" عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کا یہ پیغام حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہنچایا، تو وہ بے حد درد مند ہوئیں اور فرمایا: "میں نے یہ جگہ اپنے لیے محفوظ رکھی تھی، مگر آج میں عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔" جب بیٹے نے آپ کو حضرت عائشہؓ کی منظوری کی اطلاع دی تو بے حد خوش ہوئے اور اس آرزو کی قبولیت پر بصد خلوص و نیاز شکر ادا کرنے لگے۔

اب کرب و تکلیف کی حالت شروع ہو چکی تھی۔ اسی حالت میں لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: "جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ پانچ جماعتوں کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ مہاجرین کا، انصار کا، اعراب کا، اُن اہلِ عرب کا جو دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوتے ہیں اور اہلِ ذِمّہ کا۔" پھر ہر جماعت کے حقوق کی تشریح فرمائی اور اہلِ ذمّہ کے متعلق ارشاد فرمایا: "میں خلیفۂ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمّہ داری کا لحاظ رکھے، اور اہلِ ذمّہ کے تمام معاہدات پورے کیے جائیں۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور انھیں طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

انتقال سے تھوڑا عرصہ پہلے اپنے بیٹے عبداللہ سے ارشاد فرمایا: "میرے کفن میں بے جا صرف نہ کرنا۔ اگر میں اللہ کے ہاں بہتر ہوں تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائے گا اگر بہتر نہیں ہوں تو بہتر کفن بے فائدہ ہے۔"

پھر فرمایا: "میرے لیے لمبی چوڑی قبر نہ کھدوائی جائے، اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحقِ رحمت ہوں تو از خود میری قبر حدِ نگاہ تک وسیع ہو جائے گی، اگر مستحقِ رحمت نہیں ہوں تو قبر کی وسعت میرے عذاب کی تنگی کو دُور نہیں کر سکتی۔ پھر فرمایا: "میرے جنازہ کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے، مجھے مصنوعی صفات سے یاد نہ کیا جائے۔ جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے جلد سے جلد قبر میں پہنچا دیا جائے۔ اگر میں مستحقِ رحمت ہوں تو مجھے رحمتِ ایزدی تک پہنچانے میں جلدی کرنی چاہیے۔ اگر مستحقِ عذاب ہوں تو ایک بُرے آدمی کا بوجھ جس قدر جلد کندھوں سے اُتار پھینکا جائے اُسی قدر بہتر ہو گا۔" ان درد انگیز وصایا کے تھوڑا ہی عرصہ بعد فرشتۂ اجل سامنے آ گیا اور آپ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ یہ ہفتہ کا دن تھا، ۲۴ھ۔ اس وقت عمر ۶۳ برس کی تھی۔ حضرت صہیبؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا اور دنیائے اسلام کے اس درخشندہ ترین آفتاب کو آقائے انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"زیرِ نظر کتاب ، الفاروق کے باکمال مصنف (مراد علامہ شبلی نعمانیؒ) کے انتقال کے چند سال بعد پہلی بار مصر میں شائع ہوئی ۔ علامہ شبلی نے الفاروق کے دیباچے میں جن کتابوں کا ذکر کیا ہے اُن میں یہ بھی شامل ہے ۔ (کتاب کا اصل نام سیرۃ عمرؓ ہے) لیکن زیدہ در مصنف کو اس کتاب کے صرف قلمی نسخے کی زیارت نصیب ہوئی تھی ۔ جس کے لیے اسے استنبول کا سفر اختیار کرنا پڑا تھا ۔ یہ کتاب امام ابوالفرج ابن جوزی کی تصنیف ہے ۔ جو آج سے تقریباً نو سو سال پہلے بغداد میں متولد ہوئے تھے ۔ ابن جوزی پوری علمی تاریخ کے چند منتخب نوابغ (GENIUSES) میں ہیں ۔ اُن کی سینکڑوں تصانیف ہیں ۔ صرف المغنی فی التفسیر کی اکیاسی جلدیں ہیں ۔ پھر تلبیس ابلیس ہے ۔ جس کا انگریزی ترجمہ مارگولیتھ نے DELUSION OF THE DEVIL کے نام سے کیا ہے ۔ ایک اور کتاب ہے ، مناقب الامام الشافعی ۔ وعظ و تذکیر کے موضوع پر الگ سو کے قریب کتابیں ہیں ۔ غرض ابن جوزی کی کسی بھی تصنیف کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا دراصل اس زبان کی حرمت اور برگزیدگی میں اضافہ کرنا ہے ۔"

یہ الفاظ ہیں ہمارے عہد کے ممتاز دانشور اور امام ابن جوزی کی گراں قدر تصنیف کے مترجم شاہ حسن عطا کے ۔ شاہ صاحب اگرچہ آج ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن اُن کے فرزند ارجمند شاہ حمید عطا نے اُن کے ترجمے کی تلخیص ہمیں عطا کی ہے ۔۔۔ اسے اُن کے شکریے کے ساتھ آئندہ صفحات پر شائع کیا جا رہا ہے ۔

انہوں نے فانی زندگی کو غیر فانی کیسے بنا دیا

مصنف : امام جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی
مترجم : شاہ حسن عطاء ، تلخیص : شاہ حمید عطاء

انسانی تاریخ کے بام سے بعض ایسی شخصیتیں بھی جلوہ فرما ہوئی ہیں جن کی جلوہ سامانیوں سے نگاہیں خیرہ ہو ہو کر رہ گئی ہیں ، اور جن کی عظمت ، جن کی صداقت ، جن کی وجاہت ، جن کی عبقریت ، جن کی ذہانت اور لیاقت کے آفتاب نے یوں عالم آرائی کی ہے ، یوں بزم گہ ہستی میں اُجالا کیا ہے ، یوں تعصب ، عناد ، تنگ نظری و نفرت کی ظلمتوں کو کافور کیا ہے کہ جز شب پرہ ہر متنفس اور ذی نفس نے ان سے کسب ضیا کیا ہے ۔ یہ شخصیتیں تعداد میں بہت کم ہیں ۔ انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے ۔

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات بھی اسی قسم کی ایک شخصیت ہے ۔ اس دل انگیز اور آتشیں شخصیت کے اعجاز نے یکم محرم سنہ ۲۴ ھ سے آج تک ، یعنی اس طویل مدت میں جو اس آفتاب عالمتاب کے روپوش ہونے پر گزری ہے ، انسانیت سے برابر تحسین و تعریف اور مدح گستری کا خراج وصول کیا ۔ نوشیرواں کی عدل گستری ، سکندر کا عزم بالجزم ، سقراط کی محبت ، مرگ لقمان کی دانائی اگر کسی ایک ذات میں مجتمع ہو سکتی ہے تو وہ ذات ابن خطاب کی ذات تھی ۔ پوری عالمی تاریخ میں انبیاء علیہم السلام کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہ وہ سب وحی الٰہی کے مخاطب اور برگزیدگانِ روزگار ہوتے ہیں ، ہمیں فاروقِ اعظمؓ کی سی کوئی ایک شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جو اس قدر جامع ، اتنی متنوع ، اس قدر قوی اور اس درجہ محبت آگیں ہو ، جس میں طوفان کی دھمک اور زلزلہ کی حرکت ہو ، جس میں اسرافیل کی پکار اور آسمان کا غلو ہو ۔ فاروق اعظمؓ نے دیانت ، بصیرت اور فراست و لیاقت کے ایسے ابواب درخشاں تصنیف کر دیے ہیں کہ انسانی تاریخ کی کتاب تا صبح محشر معزز اور گراں مایہ ہو گئی ۔

ولادت

(اس سلسلے میں) محمد بن سعد نے زید بن اسلم کے حوالہ سے ، زید بن اسلم نے اپنے والد ، اور انہوں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کے حوالے سے یہ بیان نقل کیا ہے :

"میں فجار اعظم ثانی ، یعنی عربوں کی دوسری بڑی جنگ کے آغاز سے چار سال پہلے پیدا ہوا تھا ۔ اسلام کی دولت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بہرہ اندوز ہوتے وقت میری عمر چھبیس سال کی تھی۔"

نسب

محمد بن سعد کی تحقیق کی رُو سے حضرت عمرؓ کا شجرۂ نسب یہ ہے: عمر ابن الخطاب ابنِ نفیل ابن عبد العزیٰ ابنِ ریاح ابنِ عبداللہ ابنِ قرط ابنِ رزاح ابنِ عدی ابنِ کعب۔

حضرت عمرؓ کی کنیت ابو حفص یعنی ابوالاسد ہے۔ ابو عمر زاہدؒ کا قول ہے کہ لفظ حفص کا مطلب شیر ہے۔ ابو حفص یا ابوالاسد کی کنیت کے بارے میں حضرت عمرؓ کا بیان یہ ہے کہ اوّل اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس لقب سے یاد فرمایا تھا۔

ننھیالی شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:

حنتمہ بنتِ ہاشم بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ابنِ یقظہ۔ یہاں ایک فاش تاریخی غلطی کی تصحیح ناگزیر نظر آتی ہے۔ اشتباہ اس میں ہے کہ حنتمہ (والدۂ عمرؓ) کو ہشام ابن المغیرہ کی، جو ابو جہل کا باپ تھا، بیٹی بتایا گیا ہے، لیکن اصل میں یوں ہے کہ ہشام ابن المغیرہ ابو جہل اور اس کے بھائیوں کا باپ ہے اور حنتمہ ہاشم کی یعنی حارث بن ہشام اور ابو جہل بن ہشام کے چچا کی بیٹی ہیں۔ میرے نزدیک دارقطنی کا یہ قول بھی محلِ نظر ہے کہ ذوالرمحین (بیک وقت دو نیزے چلانے والا) ہاشم کو کہا جاتا ہے۔ زبیر بن بکارؒ کا، جنہیں انساب سے مقابلتہً زیادہ واقفیت ہے قول ہے:

"مغیرہ بن عبداللہ کے بیٹوں میں ہاشم، جس کے نام پر مغیرہ کی کنیت تھی، ہشام، ہشم، ابو حذیفہ، عمرو، ابو اُمیہ یعنی زاد الراکب (توشۂ سواراں) شامل ہیں۔ مغیرہ کی اولاد کی اس فہرست سے ظاہر ہے ہاشم اور ہشام دونوں بھائی ہیں۔ چنانچہ ہاشم حنتمہ کے والد کا اور ہشام ابو جہل کے والد کا نام ہے۔

(اور یوں یہ غلط العام بیان کہ ابو جہل، حضرت عمرؓ کا ماموں تھا، اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔)

سراپا

محمد بن سعدؒ نے عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے حضرت فاروق اعظمؓ کی شخصیت کی تصویر یوں کھینچی ہے:

آپ سُرخ و سفید رنگت کے طویل القامت، کم مُو اور مُسن انسان تھے اور بقول سلمہ بن الاکوعؓ آپ اپنے بائیں ہاتھ سے وائیں ہاتھ کا کام لیتے تھے، یعنی انگریزی اصطلاح میں آپ (LEFT HANDER) تھے۔ عبید بن عمیرؒ کا بیان ہے حضرت عمرؓ اپنی درازئ قامت کی رُو سے لوگوں میں ممتاز اور نمایاں تھے۔ ابو رجاء العطاردی نے ابن خطابؓ کا تعارف اس طرح کرایا ہے: "دراز قامت جسیم، کم مُو، سفید فام، آنکھوں میں بے حد سُرخ ڈورے پڑے ہوئے، مونڈھوں میں آگے کی جانب خفیف سا جھکاؤ، بانہوں پر بال کی کثرت جو سُرخی مائل نقاط سے منقش تھی، پُر وقار و متین، ہنسوڑ پن سے مجتنب! یہ تھے حضرت عمرؓ۔ جعفر بن محمدؒ نے اپنے والد کی یہ شہادت قلمبند کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ شعبیؒ نے کہا ہے حضرت عمرؓ بے حد قوی اور مضبوط تھے۔ کلیب الجرمیؒ کا بیان ہے "بخدا حضرت عمرؓ کی آتش تندی کا یہ حال تھا کہ رفتار میں ان کے قدم زمین پر بھرپور پڑتے تھے۔ آواز اونچی اور گرجدار تھی۔" عبداللہ بن عمر العمری نے زید بن اسلم سے اور زید نے اپنے والد سے سن کر بیان کیا تھا کہ حضرت عمرؓ گھوڑے کے ایک کان کو ایک ہاتھ سے اور دوسرے کو دوسرے ہاتھ سے پکڑتے اور پھر گھوڑے کی پشت پر جھپٹ کر سوار ہو جاتے۔

زمانۂ جاہلیت میں امتیازی خصوصیات

ابو بکر بن خیثمہؒ نے ابن خربوذ کے حوالے سے بیان کیا ہے:

جب کبھی قریش اور دوسرے قبائل میں جنگ چھڑتی تھی تو بعد از جنگ مذاکراتِ صلح کے لیے قریش حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ اسی طرح جب کبھی نوبت مناظرہ یا تفاخر کی آجاتی، اس وقت بھی قریش حضرت عمرؓ کو بہ اتفاق آراء اپنا نمائندہ مقرر کرتے تھے۔

دعائے رسالتمآبؐ

نافع نے ابن عمرؓ کے اور ابن عمرؓ نے رسالت مآبؐ کے حوالے سے بیان کیا ہے: پیغمبر اکرمؐ نے حضرت عمرؓ کے لیے یہ دعا مانگی تھی:

"خداوندا، ابو جہل بن ہشام اور عمر بن الخطاب دونوں میں جسے تو زیادہ عزیز رکھتا ہو، اس کے ذریعے سے اسلام کی دستگیری فرما۔"

قبولِ اسلام

عم زاد رسولؐ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"میں نے عمر بن الخطابؓ سے فاروق کی وجہ تسمیہ پوچھی تو انہوں نے یہ جواب دیا: میرے اسلام قبول کرنے سے صرف تین دن پہلے حمزہؓ نے اسلام سے تشرف حاصل کیا تھا۔ پھر توفیقِ ایزدی نے یہ چاہا کہ اسلام کی دولت سے میں بھی بہرہ اندوز ہو جاؤں۔ چنانچہ میرے دل نے گواہی دی کہ اس جہان کا خالق اللہ ہی ہے اور تمام دوسرے معبود جھوٹے ہیں۔ اب میرے دل میں رسولِ گرامیؐ سے ملنے کی زبردست لگن پیدا ہوئی۔ قدرتی طور پر میں نے جاننا چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔ میری بہن نے بتایا کہ وہ

تاریخ میں ہے آج بھی یہ نام ضیا بار

فارُوقؓ کی عظمت سے ہے جس شخص کو انکار — اُس شخص کے اسلام کا اقرار ہے بیکار
فارُوقؓ تھے مومن کی فراست کا نمونہ! — فارُوقؓ سے سیکھے کوئی اسلام کے اطوار
پیغمبرِ اسلام نے جو عدل سکھایا — فارُوقؓ نے قائم کیا اُس عدل کا معیار
وہ لوگ جو کرتے ہیں مساوات کا دعویٰ — اُن کے لیے اِک درس ہے فارُوقؓ کا کردار
وہ مال کا مصرف ہو کہ ہو جان کی بازی! — ناقابلِ انکار ہے فاروقؓ کا ایثار
جھکتے تھے سلاطین زمانہ کے جہاں سر — فاروقؓ تھے اِسلام کی عظمت کا وہ مینار
باطل کے مقابل تو وہ اک کوہِ گراں تھے — اس بات کے شاہد ہیں عجم کے در و دیوار
ایران کے آتشکدے جس نے کیے ٹھنڈے — وہ جس نے کیا رُوم کی سطوت کو نگونسار
قیصر کے سرِ کبر کو جس نے کیا نیچا! — کسریٰ کے محلات کو جس نے کیا مسمار
یہ بدر و اُحد آج بھی دیتے ہیں گواہی! — باطل کے لیے قہر تھی، فاروقؓ کی تلوار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارقمؓ کے مکان پر ملیں گے۔ یہ مکان اس وقت حضورؐ کے دعوتی مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ میں جس وقت وہاں پہنچا تو میں نے آپؐ کو اپنے رفقاء کے جھرمٹ میں، جن میں حمزہؓ بھی تھے، بیٹھے ہوئے پایا۔ اب میں نے دق الباب کیا تو لوگ جیسے ایک طرف کو سمٹ آئے۔ حمزہؓ نے گھبرا کر پوچھا: "کیا ہوا؟" لوگ بول اٹھے، عمر بن الخطاب آئے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ خود نکل کے آگئے اور میرے مجامع لباس کو سمیٹتے ہوئے پہلے تو انہیں ہاتھ میں مضبوط تھاما اور پھر مجھے بزور جھٹک دیا۔ ابھی میں سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ گھٹنوں کے بل زمین پر آ گرا۔ اس کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے للکارا: "عمر! تم باز نہیں آؤ گے؟" میں مسخر ہو چکا تھا، میں نے اعلان کیا:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔

میری زبان سے یہ اقرار مسلمانی سن کر اہل مرکز نے اس جوش کے ساتھ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کا نعرۂ دل انگیز بلند کیا کہ یہ آواز کعبہ میں بیٹھنے والوں تک نے سنی۔ میں نے ابرام کیا ـــــ رسول اللہ! ہم زندہ رہیں یا ہلاک ہو جائیں۔ یہ فرمایئے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اثبات میں جواب سننے کے بعد میں نے کہا تو پھر اسے (اسلام کو) راز میں کیوں رکھا جائے اور آپؐ کو پیغمبر بنا کر اس دنیا میں بھیجنے والے کی قسم اب آپؐ کو منظر عام پر آنا پڑے گا۔ چنانچہ آنحضرتؐ دار ارقم سے باہر نکل آئے۔ عالم یہ تھا کہ ہم دو قطاروں میں نکلے تھے۔ یہ قطاریں کیا تھیں چکی کے دو پاٹ تھے۔ ایک قطار میں حمزہؓ اور دوسری میں میں تھا۔ اسی عالم میں ہم کعبہ میں داخل ہو گئے۔ میں نے دیکھا قریش کی نظر میری اور حمزہؓ کی جانب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قریش کو اتنا تکدر اس وقت تک اس دن سے پہلے نہ ہوا تھا۔ اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے **فاروق** (حق اور باطل میں حدِ فاصل قائم کرنے والا) کہہ کر پکارا۔

ایوب بن موسیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک نقل کیا ہے: "عمرؓ کے قلب و نطق حق کی آماجگاہ ہیں اور وہ فاروق ہیں یعنی ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے حق و باطل میں حدِ فاصل کھینچی ہے۔" نزال بن سبرۃ الہلالیؒ کا بیان ہے:

"حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے فرمایا: "عمرؓ وہ جلیل المرتبت ہستی ہیں جنہیں اللہ رب العزۃ نے فاروق کا خطاب عطا کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے: "اے اللہ! اسلام کو عمرؓ کی ذات سے غلبہ عطا فرما۔" محمد بن سعد نے صہیب ابن سنانؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لا چکنے کے بعد دعوتِ اسلام عام ہو گئی۔ اب ہم لوگ کعبہ میں حلقہ وار بیٹھنے بھی لگے، طواف بھی کرنے لگے۔ اور جس کسی نے ہمیں کچھ برا بھلا کہا اسے سختی سے جواب دینے لگے۔

اسلام لانے پر فلک نشینوں کا سرور

محمد بن سعد نے داؤد بن الحصین اور زہری دونوں سے یہ روایت منسوب کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے پر جبرئیل علیہ السلام نے آن کر یہ مژدہ سنایا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان کے مکینوں کو عمر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا بڑا شدید انتظار تھا۔"

اسلامِ عمرؓ سے اسلام کا غلبہ

قیس ابن حاتمؒ نے عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اسلامِ عمرؓ کے بعد ہم برابر غالب ہوتے گئے۔ حسنؒ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اسلام بذاتِ خود، اہلِ محشر میں عمرؓ کو ڈھونڈتا ہوا آئے گا، اور پھر ان کا ہاتھ تھام کر عرشِ الٰہی تک پہنچے گا اور یوں گویا ہوگا: "پروردگار! میں چھپا ہوا تھا، سہما ہوا تھا اور سمٹا ہوا تھا، اس شخص نے (مراد حضرت عمرؓ) مجھے غلبہ دلایا۔ سو اسے اس عمل کی جزا دے۔" چنانچہ ابھی حساب ہو ہی رہا ہوگا کہ فرشتے حضرت عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے انہیں خلدِ بریں میں لے جائیں گے۔

مدینہ میں مکان

زہری نے عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ مدینے میں حضرت عمرؓ کا مکان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا

ایک جزو تھا۔

بصیرت اور وحی الٰہی میں ہم آہنگی

نافع نے ابن عمرؓ کا یہ خیال ہم تک پہنچایا ہے کہ جب کبھی کسی اہم مسئلے میں خیال آرائیاں شروع ہوتی تھیں تو آخر کار حضرت عمرؓ کا قیاس سب پر سبقت لے جاتا تھا، اور وحیِ الٰہی اس قیاس پر تصدیق کی مہر ثبت کر دیتی تھی۔ حضرت عمرؓ کا، ازواجِ نبیؐ کے حجاب میں آنے پر اصرار شروع ہوا۔ حضرت زینبؓ کا یہ تعریضی جملہ کہ "ابن خطابؓ نے اب ہم پر بھی حکمرانی شروع کر دی، حالانکہ ہمارا گھر وحی کا مہبط اور محل ہے۔" اسی دور کی یادگار ہے، اور ـــ

"واذا سالتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب" (اگر تمہیں ان سے یعنی ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو رُو بہ رُو نہیں، ان سے پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے طلب کرو) اسی عہد کی تنزیل ہے۔

حمید بن انسؒ نے حضرت عمرؓ کا ذیل کا قول نقل کیا ہے:

"تین امور میں میرا اندازِ فکر عین منشائے خداوندی کے مطابق ثابت ہوا۔ میں نے رسالت مآبؐ سے مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنانے کی گزارش کی تھی (اور کچھ ہی وقفہ کے بعد) "واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى" کے الفاظ نازل ہوئے یعنی مقامِ ابراہیم میں نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی۔ پھر میں نے ہی شہ دوسرا اسے عرض کیا تھا کہ ازواجِ مطہرات کو پردے میں رہنے کا حکم دینا مناسب ہوگا۔ اس لیے کہ ان مخدراتِ عصمت کی خدمت میں اچھے برے سب ہی طرح کے لوگ حاضر ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ آیتِ حجاب نازل ہوئی۔ (واذا سالتموهن .....) ایک اور موقع آیا جب حضورؐ کی ازواج متفقہ طور پر آپؐ سے احتجاج کرنے آئیں اور میں نے صورتِ حال سے باخبر ہونے کے بعد ان بیبیوں سے یہ الفاظ کہے: "اگر حضورؐ نے تم بیبیوں کو چھوڑ دیا تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے بجائے تم سے بہتر بیویاں حضورؐ کی زوجیت میں داخل کر دے گا، تو عین انہی الفاظ کو یعنی عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ (اگر حضورؐ نے تم کو چھوڑ دیا تو عنقریب حضورؐ کا رب اور پروردگار تمہارے بجائے تم سے بہتر بیویاں حضورؐ کی زوجیت میں داخل کر دے گا) وحی کا مرتبہ نصیب ہوا۔"

فضیلت ارشاداتِ نبویؐ کے آئینے میں

- ابو سلمہؒ نے عبدالرحمٰن اور عبدالرحمٰن نے ابو ہریرہؓ کے واسطے سے مندرجہ ذیل پیمبرانہ ارشاد ہم تک پہنچایا ہے:

"پچھلے ادوار میں مختلف امتوں کے اندر الہام پذیر شخصیتیں موجود تھیں اور میری امت میں اس قسم کی الہام پذیر شخصیت عمر کی شخصیت ہے۔"

صحیحین نے اس روایت کو ملفوظ کیا ہے۔ بخاری میں الفاظ یہ ہیں:

"تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ اگرچہ نبی نہ تھے تاہم وہ کلامِ الٰہی کے مخاطب ہوتے تھے۔ امتِ محمدیہ میں یہ درجہ عمر بن الخطابؓ کو حاصل ہے۔"

- عبدالحمید بن عبدالرحمٰنؒ بن زیدؒ سے مروی ہے کہ محمد بن سعد بن ابی وقاصؓ کو ان کے والد ماجد سعد بن ابی وقاصؓ نے ذیل کے واقعہ کی اطلاع دی تھی:

"ایک بار جس وقت کہ حضورؐ کی خدمت میں کچھ قریشی عورتیں حاضر تھیں اور آپ سے اونچی آواز میں بات کر رہی تھیں، حضرت عمرؓ وارد ہوئے اور پیش گاہِ رسالت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ ان کی آواز سنتے ہی عورتیں جیسے ایک سمت کو سمٹ آئیں۔ اجازہ ملنے پر حضرت عمرؓ اندر آ گئے۔ اور رسالت پناہ کے چہرۂ انور پر ایک شادمانی، ایک سرور کی کیفیت دیکھی۔ عرض کیا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"رسول اللہ! آپ کے لب و دنداں ہمیشہ متبسم رہیں (کیا معاملہ ہے)؟"

ارشادِ گرامی ہوا: "یہ عورتیں جو ابھی ابھی یہاں بیٹھی تھیں بس تمہاری آواز سنتے ہی چھپ گئیں، اور مجھے اس پر تعجب سا ہوا۔"

فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"حضور! اصل ہیبت تو آپ کی ہونی چاہیئے تھی۔" اور پھر عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے عقل کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہؐ سے نہیں ڈرتیں؟" عورتوں نے کہا: "ہاں، تم بہت سخت گیر اور تند خو ہو اور رسول اللہؐ نرمی سے پیش آتے ہیں۔"

اس کے بعد ارشادِ رسالت ہوا:

"عمرؓ بخدا، شیطان تم کو دیکھتے ہی راستہ کاٹ جاتا ہے۔" یہ روایت بخاری اور مسلم میں بھی موجود ہے۔

★ سعید بن زید بن عمروؓ کا بیان: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے سنا:

"ابوبکرؓ جنتی ہیں، عمرؓ جنتی ہیں، عثمانؓ جنتی ہیں اور علیؓ جنتی ہیں اور سعدؓ اور عبدالرحمٰنؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ سب جنتی ہیں۔"

اس کے بعد سعید بن زیدؓ نے کہا: اس ضمن میں میں نویں آدمی کا بھی نام لے سکتا تھا مگر...... لوگوں نے اصرار کیا تو انہیں انکشاف کرنا پڑا کہ نواں شخص جسے دنیا میں جنت کی بشارت ملی، وہ خود ہیں۔" اب اگر رسول اللہ کی ذاتِ ستودہ صفات کو بھی شامل کر لیا جائے، تو یہ تعداد دس ہو جاتی ہے۔

★ سلمہ بن زاذان نے انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے: "ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے سوال کیا: تم لوگوں میں سے آج کسی نے کسی جنازہ کی مشایعت کی ہے؟ حاضرین میں سے عمرؓ بولے: "میں نے کی ہے۔" پھر پوچھا: "کسی نے کسی مریض کی عیادت بھی کی ہے؟" عمرؓ بولے: "میں نے۔" پھر فرمایا: "مَن تصدّق؟" صدقہ کس کس نے دیا؟" عمرؓ بولے: "میں نے یارسول اللہؐ" ارشاد ہوا: "آج روزے سے کون رہا؟" عمرؓ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسولؐ، میں روزے سے تھا!" اس پر فخر دوجہاں نے فرمایا: ۔ وَجَبَتْ وَجَبَتْ (ضرور ملے گی، ضرور ملے گی) یعنی جنت میں عمرؓ کا جانا اب بالکل یقینی ہے۔

★ سالمؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے نقلِ قول کیا ہے کہ "عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کی اجازت مانگی تو سردار انبیاءؐ نے فرمایا: "میرے بھائی! ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں شامل کر لینا اور ہمیں مت بھول جانا۔"

★ سعید بن سعید المقبریؒ نے اپنے والد کے توسط سے ابن عمرؓ کا بیان ہم تک پہنچایا ہے: "عمر بن الخطابؓ اہل جنت کا چراغ ہیں۔" حضرت ابوہریرہؓ نے بھی بالکل یہی الفاظ حضورؐ سے منسوب کیے ہیں۔

★ ابوذرؓ نے ہمیں سردارِ دوسراؐ کا ارشاد سنایا ہے: "اللہ نے عمرؓ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے اور جب وہ بولتے ہیں، تو گویا حق بولتا ہے۔"

★ ابن عباسؓ (آنحضرتؐ کے چچیرے بھائی) نے فضل بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے: میں نے آنحضرتؐ کو یہ کہتے سنا: "میں اور عمرؓ بہر حال اور بہر صورت ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ عمرؓ کہیں ہوں، میرے بعد حق ان کے ساتھ ہے۔"

★ الاسود التیمی کا بیان ہے "میں حاضرِ خدمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ میں کچھ عرض کر رہا تھا کہ ایک طویل القامت شخص بارگہ مصطفوی میں آیا، اس کے آتے ہی حضورؐ نے سلسلۂ کلام ختم کر دیا، اور مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ میں نے کہا: "حضورؐ! یہ کون ہیں، جن کی خاطر آپ نے مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا ہے؟" ارشاد ہوا:

"ان کا نام عمرؓ ہے، اور عمرؓ کی ذات میں باطل نے سرِ مُو بھی سرایت نہیں کیا۔"

★ انس بن مالکؓ نے رسالت پناہؐ سے سنا تھا "دین کے معاملات میں پوری اُمت میں عمرؓ سب سے زیادہ سخت گیر ہیں۔"

★ ابن عباسؓ سے مروی ہے، روح القدس علیہ السلام نے ایک بار خدمتِ نبویؐ میں باریاب ہو کے عمرؓ کو سلام کہلایا اور پھر کہا کہ عمرؓ کی رضامندی باعثِ توقیر اور ان کا غیظ و غضب حکمت آموزی کا درجہ رکھتا ہے۔"

★ علی ابن ابی طالبؓ نے ہمیں پیغمبرؐ کا ارشادِ گرامی سنایا ہے کہ "عمرؓ کو ناراض مت کرو اور اس سلسلے میں محتاط رہو، اس لیے کہ ابن خطابؓ کی کبیدگی خاطر غضبِ خداوندی کو ابھارتی ہے۔"

★ عقبہ بن عامرؓ نے رسول اللہ کا فرمایا ہوا یہ قول ہم تک پہنچایا ہے:

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔"

★ ابوسعیدؓ سے مروی ہے، پیغمبر اعظمؐ کا ارشادِ گرامی:

"میں نے جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا کہ آسمانوں پر عمرؓ کا ذکرِ خیر کیونکر ہوتا ہے؟" جبرئیلؑ نے کہا: محمدؐ اگر میں آپ کی خدمت میں اتنی مدت بھی باریاب رہوں جتنی مدت نوح علیہ السلام اس دنیا میں رہے (یعنی پچاس کم ہزار سال) تو بھی میں زیادہ سے زیادہ عمرؓ کے صرف ایک وصف پر روشنی ڈال سکوں گا، اور عمرؓ خود ابوبکرؓ کا ایک وصف ہیں۔ (اسی مضمون کی ایک اور حدیث نبوی حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔ اس موقع پر بھی جبرئیلؑ نے یہ فرمایا تھا کہ عمرؓ کی فضائل و مناقب کے لیے عمرِ نوحؑ بھی ناکافی ہوگی)

فاروقی فضیلت پر پیمبرانہؐ خوابوں کی مُہرِ تصدیق

★ سالمؒ نے اپنے والد سے روایت کی۔ رسول اللہ کا ارشاد ہوا:

"میں سو رہا تھا، اتنے میں میرے لیے ایک پیالۂ شیر آیا، میں نے اس پیالہ کو سیراب ہو کر پیا۔ اتنا کہ دودھ میرے دہن کے دونوں طرف سے بہہ نکلا۔ چنانچہ میں نے زائد دودھ عمرؓ کے لیے چھوڑ دیا۔" لوگوں نے کہا: "کیا تاویل کی حضورؐ نے اس خواب کی؟" فرمایا: "علم" (یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے)

★ ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں، نبی اکرمؐ نے فرمایا: "ایک دن میں نے دیکھا کہ لوگ میرے سامنے اس حال میں لائے جا رہے ہیں کہ ان کے جسموں پر قمیصیں تو ہیں، مگر ناقص، چنانچہ بعضوں کی قمیصیں تو ان کے سینوں ہی تک ان کے جسموں پر راست ہیں، اور بعضوں کی قمیصیں ذرا کچھ بڑی ہیں مگر قمیصِ عمرؓ اتنی بڑی ہے کہ وہ جب چلتے ہیں تو گویا پارچہ قمیص زمین پر آ رہا ہوتا ہے۔" لوگ سوال کرتے ہیں: "اس خواب کی تاویل کیا ہے؟" ارشاد ہوتا ہے: "دین۔"

★ محمد بن منکدرؒ نے جابر بن عبداللہؓ سے رسالت مآب کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک قصر دیکھا جس کے اندر سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ قصر عمرؓ کا ہے۔ میرا جی چاہا کہ اس قصر میں داخل ہو جاؤں، مگر مجھے عمرؓ کی حمیت یاد آ گئی۔" اس پر حضرت عمرؓ رو پڑے اور عرض کیا: "رسول اللہ کہیں آپ کے باب میں بھی حمیت برتی جاتی ہے؟"

جانشینانِ پیمبرؐ کی عظمت

ابوسعید خدریؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: "اہلِ جنت سب سے اونچے درجات اور منازل والوں کو یوں دیکھیں گے، جیسے اہلِ دنیا کو آسمان پر کواکب نظر آتے ہیں، اور ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے اونچی اور عالی رُتبہ منزل کے لوگوں میں ہیں اور یہ اس کے مستحق ہیں۔" عبداللہ بن حنطبؓ سے روایت ہے: "میں بارگاہِ نبویؐ میں شرف یاب تھا کہ اتنے میں ابوبکرؓ اور عمرؓ آ گئے۔ انہیں دیکھ کر سردارِ دوجہاںؐ نے فرمایا: "یہ (میرے) چشم و گوش ہیں۔"

عبدالعزیز بن المطلبؒ نے اپنے والد سے روایت کی ہے: "ارشادِ رسالتؐ ہے، اللہ تعالیٰ نے اہلِ آسمان میں جبرئیلؑ و میکائیلؑ کو، اہلِ ارض میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کو میرے لیے نصرت کا ذریعہ بنایا اور باقی لوگ ان کے بعد آتے ہیں۔" یہ بھی فرمایا: "یہ دیدہ و گوشِ پیغمبرؐ ہیں۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعید بن جبیرؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے : رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ سے فرمایا : میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ملائکہ میں تم دونوں میکائیلؑ اور جبرئیلؑ سے اور انبیاء میں ابراہیمؑ و نوحؑ سے مشابہ ہو۔ میکائیلؑ اپنی رحمت اور ابراہیمؑ اپنے عفو و درگزر کی صفتوں کے ساتھ ابوبکر کی شخصیت میں اور جبرئیلؑ اپنی شدت و ہیبت اور دشمنانِ خدا پر اپنی گرفت اور نوحؑ اپنے پیمبرانہ جلال اور زمین پر کفار کی بربادیٔ مطلق کی آرزو کے ساتھ عمرؓ کی شخصیت میں جلوہ فرما ہیں۔"

نافعؒ نے ابنِ عمرؓ سے روایت کیا ہے : آنحضرت ﷺ مسجد میں اس شان سے داخل ہوتے کہ آپ کے دائیں ہاتھ ابوبکرؓ اور بائیں ہاتھ عمرؓ تھے، فرمایا :

"محشر میں ہم (تینوں) اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔"

فاروقؓ کا تفوق

ابو جحیفہ نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے : "اس اُمت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ محترم شخصیت ابوبکرؓ کی ہے اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ کا درجہ ہے۔" یہ بخاری کی روایت ہے۔ محمد بن علی بن الحنفیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا : "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس کا درجہ سب سے بلند ہے؟" فرمایا : "ابوبکرؓ کا درجہ اور پھر عمرؓ کا درجہ۔" اسماعیل بن عبدالرحمٰنؒ نے عبدِ خیرؒ سے روایت کی ہے : "میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے : اللہ تعالیٰ نے جملہ حاکموں اور اولیاء امور کے لیے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو حجت (IDEAL) اور معیارِ مطلق بنایا ہے۔" یزید بن وہبؒ کا بیان ہے : "سوید ابن غفلہؒ ایک دن علی رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ علیؓ امیر المومنین تھے۔ سویدؒ نے عرض کیا : "امیر المومنین! میں بعض لوگوں سے ملا ہوں جو ابوبکرؓ اور عمرؓ کو ان کے درجے سے گرانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی عظیم خدمات کا استخفاف کرتے ہیں۔" شیرِ خدا غضبناک ہو گئے اور اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے منبرِ خطاب پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر ..... مرتضوی خطابت کا شاہکار ملاحظہ ہو : "اس کی قسم جو دانے کو اگاتا ہے اور مخلوق کو پالتا ہے، ان دونوں سے وہی محبت کرے گا جو مومن اور صاحبِ فضیلت ہو گا۔ ان سے بغض و عناد رکھنا شقاوت اور گمراہی ہے۔ محبتِ شیخین (رضی اللہ عنہم) باعثِ تقربِ الٰہی اور ان سے عناد ضلالت کا سبب ہے۔ آخر لوگوں کو ہو کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کے ان بھائیوں، وزیروں اور دوستوں، سردارانِ قریش و پدرانِ ملت کا یوں (بہ بدی) ذکر کرتے ہیں۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نام برائی سے لینے والوں سے میں بری ہوتا ہوں۔ ایسے بدگو کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔"

"عبدالعزیز بن جعفر اللؤلؤیؒ نے ایک بار حسنؒ سے پوچھا تھا کہ "کیا شیخین کی محبت سُنت ہے؟" تو انہوں نے کہا تھا۔ "سُنت ہی نہیں فرض ہے!" ابو جعفر محمد بن علی الباقرؒ کہتے ہیں : "شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی عظمت سے ناواقف آدمی سیرۃ النبی ﷺ سے بے خبر رہتا ہے۔ یعنی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی عظمت کا صحیح احساس نہیں ہو سکتا۔" ابو حازمؒ نے اپنے والد سے سنا تھا : "ایک شخص نے جب علی بن الحسینؒ (امام زین العابدینؒ) سے دریافت کیا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کیا تھا تو انہوں نے فوراً کہا : "وہی جو اس وقت ہے، یعنی جیسے یہ دونوں آج نبی علیہ السلام کے ہم مرقد ہیں، زندگی میں بھی یہ آپ کے اتنے ہی قریب تھے۔"

حسین ابنِ زید بن حسنؒ نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے والد سے اور حسنؓ نے علیؓ سے روایت کیا ہے : "میں جنابِ نبی ﷺ کے پاس تھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ آتے دکھائی دیئے۔ فرمایا : تمام اہلِ جنت، نوجوانانِ جنت اور سن رسیدگانِ جنت، انبیاء و رسل علیہم السلام کو چھوڑ کے ان دونوں کی سرداری میں رہیں گے۔" عبدِ خیرؒ حضرت علیؓ سے پوچھتے ہیں : "امیر المومنین یہ فرمایئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنت میں سب سے پہلے کون لوگ داخل ہوں گے؟" فرمایا : "ابوبکرؓ و عمرؓ" عبدِ خیرؒ نے مزید سوال کیا : "امیر المومنین آپ سے بھی پہلے؟" ارشاد ہوا : "اس کی قسم جو دانے کو پھاڑتا اور بیماروں کو شفا دیتا ہے، جب میں داخلِ جنت ہوں گا تو یہ دونوں

بہشتِ بریں کے ثمر کھا رہے اور اس کے فرش پہ بآرام جلوہ گستر ہوں گے۔"

خلیفۃ الرسولؐ کی جانب سے سفارش

ابراہیم النخعیؒ کا بیان ہے، سب سے پہلی ذات جسے ابوبکرؓ نے اُمت میں ایک اہم منصب سونپا وہ فاروقِ اعظمؓ کی ذات تھی جنہیں اسلامی تاریخ کا پہلا "قاضی القضاۃ" مقرر کیا گیا۔

اسماعیل ابن ابی خالدؒ نے زبید الایادیؒ سے روایت کی ہے : "ابوبکرؓ مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو انہوں نے عمرؓ کو بلوا کر انہیں خلافت کا بار سونپ دیا۔ بعض لوگ اس نامزدگی پر معترض بھی ہوئے۔ اس لیے کہ وہ عمرؓ کی شعلہ مزاجی سے خائف تھے، مگر صدیق اکبرؓ نے یہ کہہ کر ان کی تشفی کر دی کہ عمرؓ سے بہتر اور لائق تر کوئی دوسری شخصیت موجود نہیں۔" ابوبکر بن سالمؒ نے بیان کیا ہے : "ابوبکرؓ اپنا وصیت نامہ لکھوا چکے تو عمرؓ کو طلب کیا اور ان پر یہ بات واضح کر دی کہ کچھ لوگ انہیں ناپسند کرتے ہیں اور کچھ پسند کرتے ہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ کبھی کبھی اچھوں سے بھی بغض و عناد ہو جاتا ہے اور بُروں اور برائیوں سے محبت کی جانے لگتی ہے۔" ابن خطابؓ نے فوراً کہا : "انہیں خلافت سے معذور رکھا جائے۔" مگر صدیق اکبرؓ نے ارشاد فرمایا : "خود خلافت ان کی (مراد حضرت عمرؓ) محتاج اور نیازمند ہے۔" واقدی نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ عثمانؓ نامۂ صدیقیؓ کو لے کر باہر آئے اور مجمعِ عام میں آن کر انہوں نے کہا : "اس فرمان میں جس کا نام ہے تم اس کی اطاعت کا عہد و پیمان کرتے ہو؟" لوگوں نے اثبات میں جواب دیا اور نئے خلیفہ کی بیعت قبول کر لی۔ موسیٰ الجہنیؒ نے ابوبکر بن حفصؒ سے روایت کیا ہے : "صدیق اکبرؓ نے عالمِ سکرات میں اپنی جلیل القدر بیٹی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ارشاد فرمایا : "بیٹی ہمیں مسلمانوں کی حکمرانی سونپی گئی تھی، مگر ہم نے ان کی خدمت کے معاوضے میں نہ ایک دینار لیا اور نہ ایک درہم، بیٹی ہم نے موٹے جھوٹے کھانوں سے اپنا پیٹ بھرا اور کھردرے کپڑوں سے اپنا تن ڈھانکا۔ اس وقت مالِ غنیمت میں ہماری تحویل میں سوائے اس حبشی غلام کے اور اس کاشتکاری کے اونٹ کے اور اس بار بردار گھوڑے کے اور کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ میری روح پرواز کر جائے تو یہ سب مال عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔"

جم و کیقباد ۔۔۔ ۔ کو مسخر کرنے والے کا حسنِ آرزو

محمد بن سعدؒ حمزہ بن عمرؒ کی سند پر کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ۲۲ جمادی الآخر بروز سہ شنبہ شام کے وقت ہوا تھا۔ یہ ہجرت کا تیرہواں سال تھا۔ دوسرے دن صبح کو حضرت عمرؓ مسندِ خلافت پر جلوہ فرما ہوئے۔ جامع بن شدادؒ نے اپنے والد سے روایت کی ہے : "منبر پر جلوہ فگن ہونے کے بعد گفتارِ فاروقی کا یوں آغاز ہوا : "اے اللہ میں سخت و درشت ہوں، مجھے نرم کر دے۔ میں کمزور اور بے طاقت ہوں، مجھے قوت عنایت کر، میں تنگ ہوں، مجھے کشادہ کر دے۔" ابن سعد اور قاسم بن محمدؒ نے اسی موقع کا ایک اور عمری جملہ نقل کیا ہے، وہ یہ ہے : اگر میں سمجھتا کہ اس بارِ (بارِ خلافت) کو اٹھانے کی اہلیت مجھ سے زیادہ کسی اور شخص میں ہے تو میں اسی کو امیر المومنین بنا دیتا اور پھر مجھے یہ منظور ہوتا کہ میری گردن اُڑا دی جائے مگر یہ منظور نہ ہوتا کہ امیر کی اطاعت نہ کی جائے۔" ابراہیم النخعیؒ کے بیان کے مطابق برسرِ اقتدار آتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو دو بڑے کام سونپ دیئے یعنی عہدۂ قضا اور جنگی تیاریوں کی نظارت اور نگرانی۔

جدّت طرازیاں

محمد بن سعد کہتے ہیں :

"محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے عمر بن الخطابؓ کو امیر المومنین کے لقب سے پکارا گیا اور وہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسناد و فرامین پر تاریخ لکھنی شروع کی۔ اس واقعہ کا آغاز ربیع الاول سنہ ۱۶ ھ سے ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر المومنین نے آنحضرتؐ کی، مکہ سے مدینہ ہجرت کو اسلامی تاریخ کا نقطۂ آغاز قرار دیا ——— حضرت عمرؓ ہی نے قرآن کو مصحف کی شکل میں مرتب کیا اور رمضان کے قیام یعنی تراویح کی ادائیگی کو مدینہ اور دوسرے شہروں میں رائج کیا۔ عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ بیان کرتے ہیں: "رمضان کی ایک شب میں، عمر بن الخطابؓ کی معیت میں مسجد آیا۔ لوگ الگ الگ ٹولیوں اور بعض لوگ تن تنہا نماز میں مشغول تھے۔ (ظاہر ہے یہاں نماز سے مراد نمازِ تراویح ہے۔ مترجم) امیر المومنین نے سوچا کہ اگر یہ سب ایک قاری کے پیچھے نمازِ تراویح ادا کریں، تو زیادہ مناسب صورت ہوگی۔ طے یہ پایا، ابی بن کعبؓ ان نمازوں کی امامت کریں گے۔ دوسری رات جب میں فاروقؓ کے ساتھ پھر نکلا اور ہمیں تمام لوگ منظم، مجتمع اور ایک قاری کی اقتداء میں نظر آئے تو موصوف نے مجھ سے فرمایا: "یہ کیسی اچھی رسم پڑ گئی اور بہتر تو یہ ہوگا کہ لوگوں کی یہ عبادت اور یہ سماعتِ قرآن رات کے آخری حصے میں ہو۔ سوتے رہنے کے مقابلے میں عبادت و ریاضت کس قدر اولیٰ ہے۔" ابواسحاق ہمدانیؒ کی روایت ہے: "رمضان کی کسی رات کے ابتدائی حصے میں علی بن ابی طالبؓ نے مسجدوں کو قندیلوں سے روشن اور تلاوتِ کلامِ ربانی سے پُرخروش پایا یہ روح پرور منظر دیکھ کر فرمایا: "اللہ عمرؓ کی قبر کو روشن کرے کہ انہوں نے اس کی مسجدیں روشن کی ہیں۔" محمد بن سعد کہتے ہیں، مدینہ میں حضرت عمرؓ کے دور میں یہ انتظام ہوا کہ ایک قاری مردوں کو نماز پڑھاتا تھا اور ایک کی قرأت میں عورتیں نماز ادا کرتی تھیں۔ امیر المومنین ہی کا اجتہاد تھا کہ مے خواری کی شرعی سزا ۸۰ درّے قرار پائی۔ عمرؓ نے رویشد الثقفی کے مکان میں، جہاں شراب کشید ہوتی تھی، آگ لگوا دی تھی۔ ان ہی کے عہد سے شبینہ گشت کا آغاز ہوا تاکہ قوم کا اصل حال معلوم ہو سکے۔

عمرؓ پہلے شخص ہیں کہ وہ دُرّہ ہاتھ میں لے کر چلتے تھے' اس سے خطاکاروں کی تنبیہ اور تادیب بھی کرتے تھے۔ ان کے دُرّے کی ہیبت تھی کہ بعد میں یہ کہا جانے لگا "عمرؓ کا دُرّہ تمہاری تلواروں سے زیادہ ہیبت انگیز تھا۔" امیر المومنین کے عہد میں زمینوں کی پیمائش کا کام ہوا، اور مختلف اراضی کی شرح لگان متعین ہوئی۔ اسی دور میں مفتوحہ علاقہ میں غیر مسلموں پر جنہیں اسلامی اصطلاح میں ذمی کہا جاتا ہے، جزیہ عائد کیا گیا۔ مسکونہ اور پہاڑی علاقوں کا مجموعی خراج اکیس لاکھ چند ہزار درہم تھا۔ حضرت عمرؓ ہی نے بصرہ، کوفہ، الجزیرہ، شام، مصر موصل میں عربوں کی نئی بستیاں بسائیں ۔ بصرہ اور کوفہ کے تو وہ بنیاد گزار ہیں۔ اسی عہد میں صوبوں میں اسلام کا عدالتی نظام برقرار ہوا۔ پھر مردم شماری کا سلسلہ شروع ہوا اور دفاتر مرتب ہوئے اور لوگوں کے نام ان کے اپنے اپنے قبیلوں کی بنیاد پر درج دفتر ہوئے۔ اسی طرح لوگوں کے لیے مالِ غنیمت سے روزینے مقرر ہوئے۔ اس سلسلہ میں اہلِ بدر کو تمام اشخاص پر ترجیح دی گئی اور باقی اشخاص کو ان کے مراتب اور ان کے تقدم الی الاسلام کی رو سے روزینے دیئے گئے۔ اسی دور میں غذائی سامان پہلی بار جہازوں پر لد کر مصر سے آیا اور پہلے جار نام کے مقام پر اُتارا گیا اور پھر وہاں سے مدینہ لایا گیا۔ فاروقؓ نے یہ عمل ایک بار سے زیادہ کیا کہ جب امراء یعنی گورنروں کو معزول کیا تو ان کی تمام دولت بحقِ حکومتِ الٰہی ضبط کر لی۔ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابوہریرہؓ انہی عمالِ حکومت میں شامل ہیں۔ حضرت عمرؓ کا مسلک تھا کہ وہ بہت برگزیدہ اور متقی حضرات کو کاروبارِ حکومت میں ملوث نہیں ہونے دیتے تھے۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے مسجد نبویؐ کے حصے میں حضرت عباسؓ کے مکان کا حصہ بھی شامل کر دیا اور اس میں مطلق شک کی گنجائش نہیں کہ فاروقؓ ہی نے یہودیوں کو ارضِ حجاز سے خارج کر کے انہیں شام بھجوا دیا۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر فاروق اعظمؓ بنفسِ نفیس موجود تھے۔ آپؓ نے اپنے دورِ خلافت کے پہلے سال میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امیرِ حج مقرر کیا۔ اہلِ مدینہ ان کی قیادت میں بیت اللہ کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے۔ خلافت کے باقی سالوں میں فاروقؓ قافلۂ حج کی سرداری خود ہی قبول کرتے رہے۔ چنانچہ دس سال تک یہی ہوتا رہا۔ آخری حج میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات بھی شریکِ سفر تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں تین بار عمرہ بھی ادا کیا۔ مقامِ ابراہیم کو جو پہلے بیت اللہ سے بالکل ملحق تھا، آپ ہی نے ہٹا کر اس کی موجودہ جگہ متعین کی۔ عبیداللہ بن ابراہیمؒ کے بیان کی رو سے "مسجد نبویؐ کا فرش آپؓ ہی کے دورِ مبارک میں پختہ ہوا۔ اب تک ہوتا یہ تھا کہ لوگ جب سجدوں سے سر اٹھاتے تھے تو اپنے اپنے ہاتھ جھٹک دیتے تھے تاکہ گرد افشانی ہو سکے۔ فاروقی احکامات نافذ ہو گئے اور مسجدِ نبویؐ کا فرش عقیق سے مشید کر دیا گیا۔

ابنِ حنتمہ کی رعیت پروری

شعبی، سہلؒ اور مبشرؒ نے اپنے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے: "جب لوگوں نے عمرؓ کی باتیں سنیں اور ان کے کام دیکھے اور ان کا بازاروں میں گھومنا اور ان کا مختلف راستوں کا گشت لگانا اور ان کا عدل و انصاف، جسے انہوں نے مختلف قبیلوں میں قائم کیا تھا، مشاہدہ کیا۔ اسی طرح تعلیم اور ارشاد کے بارے میں ان کی کوششیں اور غازیوں کے متعلقین کی خبر گیریاں، جب یہ تمام چیزیں دیکھیں تو لوگوں کو ابوبکرؓ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم یاد آ گئے۔"

ابنِ شہابؒ نے ثعلبہ بن ابی ملیکؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے: "ایک بار عمرؓ نے مدینہ کی خواتین میں کچھ پارچات تقسیم کیے۔ ایک نفیس قسم کا کپڑا باقی بچ رہا تھا کسی نے کہا: "اسے بنت رسول اللہ (مراد ام کلثوم بنت علیؓ، جو عمرؓ کی زوجیت میں تھیں) کے لیے بھجوا دیں۔" فرمایا: "ام سلیطؓ کو اس کا حق زیادہ پہنچتا ہے۔ ام سلیطؓ کے والد نے احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں نثاری میں ہم پر سبقت حاصل کی تھی۔ (یہ حدیث صرف بخاری میں موجود ہے۔) اوزاعیؒ سے روایت ہے،

عمرؓ ایک رات جستجوئے احوالِ قوم میں نکلے طلحہؓ کی نظر عمرؓ پر پڑ گئی۔ طلحہؓ نے امیر المومنین کی نظر بچا کے چلنا شروع کیا۔ عمرؓ پہلے ایک مکان میں داخل ہوئے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اندھی اپاہج بڑھیا بیٹھی ہوئی ہے۔ طلحہؓ نے پوچھا: "یہ آدمی تمہارے یہاں کیوں آتا ہے؟" بڑھیا نے کہا: "یہ آدمی ایک زمانے سے میری خدمت کر رہا ہے اور میرے دکھ درد کا علاج کرتا ہے۔" طلحہؓ نے یہ سن کر کہا: "طلحہ تجھے تیری ماں روئے، عمرؓ کے نقشِ قدم لینے چلا ہے!"

عبداللہ بن زید بن اسلمؒ نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے: "عمرؓ صائم الدہر تھے، یعنی سال کے اکثر ایام میں روزہ سے رہتے تھے۔ پھر قحط کے پُر آشوب لیل و نہار آئے تو اس دورِ محن میں مُدوپروین کے امیر نے روٹیوں کو زیتون کے تیل سے کھانا شروع کیا۔ یہ کیفیت کچھ دنوں رہی تاآنکہ کچھ بھیڑیں اور بکریاں ذبح کی گئیں۔ اس موقع پر امیر المومنین کے لیے خاص طور پر کلیجی وغیرہ لائی گئی، مگر آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "میں بہت بُرا والی ثابت ہوں گا، اگر میں خوش ذائقہ چیزیں خود کھاؤں اور قوم کے لوگ ان سے محروم رہیں۔ چنانچہ ان کے لیے وہی نان اور روغنِ زیتون فراہم کیے گئے۔ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے روٹیاں توڑ توڑ کر زیتون کے تیل میں ڈالیں اور جب ملیدہ تیار ہو گیا تو دفعتًہ فرمایا:

"میں اپنے بال بچوں سے تین دن سے نہیں ملا وہ اس وقت غم میں پڑے ہوتے ہیں' شاید ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ ہو۔ یہ انہیں پہنچا دو۔" اور خود پھر بھی کچھ نہ کھایا۔ ابن سعدؒ اور عیاض بن خلیفہؒ کا بیان ہے: "ہم نے خشک سالی کے زمانے میں عمرؓ کو دیکھا تھا۔ وہ اگرچہ سرخ و سفید رنگ کے تھے، مگر اس زمانے میں کالے پڑ گئے تھے۔ جب زیتون کی کمی ہوئی تو امیر المومنین نے بھی زیتون کا تیل استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس چیز سے امیر المومنین کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور وہ اکثر و بیشتر فاقہ کرنے لگے۔ ان دنوں ہم یہ کہنے لگے تھے کہ اگر خشک سالی ختم نہ ہوئی تو ممکن ہے غمِ امتِ محمدی میں عمرؓ مر جائیں۔"

فضل بن عمیرہؒ کہتے ہیں: "احنف بن قیسؒ عراق سے ایک وفد لے کر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہوا بے حد گرم تھی۔ امیر المومنین نے اپنے جسم پر چادر لپیٹ رکھی تھی اور صدقہ کے اونٹ کے جسم پر تیل کی مالش کر رہے تھے۔ احنفؒ کو دیکھا تو کہا: احنف ذرا ادھر تو آؤ اس کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ اونٹ صدقہ میں آیا ہے۔ اس پر یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کا حق ہے۔" ایک آدمی بول اٹھا: "امیر المومنین! مرنے کے بعد اللہ آپ کو مغفرت سے نوازے، آپ کسی دوسرے بندے کو، جو صدقہ کے عطیات کی دیکھ بھال پر مامور ہے کیوں نہیں حکم دیتے کہ وہ آپ کی مدد کرے۔" حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: "مجھ سے اور احنف سے زیادہ بڑا خدمت گزار کون ہوگا مسلمانوں کی قیادت اور ولایت کا مطلب ہی یہی ہے کہ ان کی خدمت کی جائے۔ ان والیوں کو تو مسلمانوں کی ایسی ہی خدمت کرنی چاہیئے جیسے کہ ایک خادم اپنے سید اور اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔"

ابنِ عمرؓ راوی ہیں: "جن دنوں زبیر بن العوامؓ کے مذبح (بوچڑ خانہ) کے علاوہ مدینہ میں اور کوئی مذبح نہ تھا، عمر بن الخطابؓ ہر روز اپنا دُرّہ لیے وہاں آ جاتے تھے۔ اگر وہ کسی کو دیکھتے کہ مثلاً وہ دو دن سے مسلسل گوشت لینے آتا ہے تو اس کی درّہ سے تادیب فرماتے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے : "اے شخص تو اپنے پڑوسیوں اور اپنے اقربا کی خاطر اپنے شکم پر ذرا قابو نہیں پا سکتا تھا۔"

فاروقِ معظم رضی اللہ عنہ کی فتوحات

عمری عہد فتوحات کے لیے ممتاز ہے۔ کتنی ہی فتوحات اور کشور کشائیاں ان کے حیرت انگیز دور کی یادگار ہیں۔ عراق اپنے میدانوں اور پہاڑوں کے ساتھ اور آذربائیجان اور بصرہ، اپنی بستیوں اور بیابانوں کے ساتھ اور اہواز کا آباد حصہ اور فارس اور شام کا کُل کا کُل مسکونہ علاقہ (بجز اجنادین کے جو عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں فتح کر لیا گیا تھا) اور جزیرہ اور موصل اور مصر اور اسکندریہ اور رَے (موجودہ اصفہان کا علاقہ) غرض اس عہد کی متمدن دنیا کے یہ تمام کے تمام سیم خیز اور زرخیز علاقے عمری عہد میں قلمروِ اسلام میں داخل ہو گئے۔ سیف بن عمر رحمہ اللہ نے محمد بن عبداللہ بن سواد رحمہ اللہ اور طلحہ بن الاعلم رحمہ اللہ اور زیاد بن سرخس الاحمری رحمہ اللہ نے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ سب سے پہلا کام جسے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انجام دیا، وہ یہ تھا کہ انہوں نے اسی رات کی صبح کو جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا، فجر کی نماز سے پہلے قوم کے افراد کو دعوت دی کہ وہ ایران کی مہم میں مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر جہاد کریں۔" پہلی فتح جو عہدِ فاروقی کا کارنامہ ہے، یرموک کی فتح ہے جو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بیس دن بعد حاصل ہوئی تھی۔ سیف بن مخلد بن قیس العجلی رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے:

"جب وہ (سیف بن مخلد کے والد) کسریٰ کی تلوار اور اس کا زریں کمر بند لے کر عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کی جناب میں حاضر ہوئے تو آپ نے برجستہ فرمایا: "جن لوگوں نے یہ تمام (زر و جواہر) جُوں کا توں یہاں بھجوایا ہے، وہ کتنے امانت دار لوگ ہیں۔" اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "امیر المومنین! قوم کی اس امانت داری کے پیچھے دراصل آپ کی امانت داری ہے۔"

خلیفۂ دین دار کی عدیم النظیر عدل گستری

عامر الشعبی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشادِ گرامی اُمت کی تحویل میں دیا ہے:

"بخدا میرے قلب کا عالم یہ ہے کہ جب یہ اس غفور الرحیم کی خاطر نرم ہونے پر آتا ہے تو پانی کے جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور اسی کی خاطر جب سختی اختیار کرتا ہے تو پتھر بھی اس کے سامنے ہیچ ہے!"

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں امیر المومنین کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، جو مصری تھا۔ مصری بولا: "آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں۔" امیر المومنین بولے: "کیا بات ہے؟ ہُوا کیا تم کو؟" فریادی نے کہا: "ہوا یہ کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر میں کچھ گھوڑے دوڑانے کے لیے روانہ کیے۔ ان میں ایک مجھے بھی ملا، لیکن جوں ہی لوگوں کی نظر اس گھوڑے پر پڑی تو اسے سب نے تحسین اور قدر دانی کے جذبے سے دیکھنا شروع کیا۔ گورنر کے بیٹے محمد بن عمرو بن العاص نے کہا: "ربّ کعبہ کی قسم یہ میرا گھوڑا ہے۔" محمد بن عمرو جوں ہی میرے پاس سے گزرے، میں نے بھی انہی کے الفاظ دُہرا دیئے "فرسی و رب الکعبۃ" یعنی ربّ کعبہ کی قسم یہ گھوڑا میرا ہے۔" محمد نے بے تحاشا مجھے کوڑے مارنا شروع کیے۔ گورنر کا یہ بیٹا مجھے کوڑے سے مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا" مجھ میں ہمت ہے تو یہ گھوڑا لے کر دیکھ۔ تجھے معلوم نہیں میں اشراف زادہ ہوں۔" ابھی مصری کا بیان یہیں تک پہنچا تھا کہ امیر المومنین نے کہا: "تم بیٹھ جاؤ۔" اور پھر چھوٹتے ہی حکمرانِ مصر عمرو بن العاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے: "جونہی تم کو میرا یہ مکتوب ملے تو اپنے بیٹے محمد کے ساتھ مدینہ کے لیے روانہ ہو جاؤ۔" عمرو رضی اللہ عنہ نے بیٹے کو بلا کر پوچھا: "بیٹے کوئی خاص واقعہ تو نہیں رونما ہوا اور تم سے کوئی جرم تو نہیں سرزد ہوا؟" عمرو رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے کہا: "نہیں تو۔" عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: "پھر عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارا ذکر کیوں کیا آخر؟"

بہرصورت یہ دونوں باپ بیٹے اُفتاں و خیزاں مدینہ آئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم امیر المومنین کے پاس بیٹھے تھے کہ عمرو رضی اللہ عنہ اس ہیئتِ کذائی کے ساتھ وارد ہوئے اور بیٹھ گئے ـــــ ہم نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں محمد بن عمرو رضی اللہ عنہ کی تلاش میں تھیں۔ بیٹا باپ کے پیچھے تھا۔ فرمایا: "مصر کا آدمی کدھر گیا؟" مصری بولا: "میں حاضر ہوں۔" ارشاد ہوا۔ "تم یہ دُرّہ لو اور ان اشراف زادہ صاحب کو مارنا شروع کرو۔"

مصری نے دُرّہ سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو مارنا شروع کیا۔ وہ تکلّف بھی کرتا تو امیر المومنین اسے حکم دیتے کہ وہ ابن عزیز کو مارے جائے۔ گورنر کے بیٹے کے جسم سے خون جاری ہو چکا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر امیر المومنین نے فرمایا: "یہ جو کچھ ہوا اس کا سبب تمہارے والد ہیں نہ ان کو اقتدار ملتا اور نہ تم کو یہ مصری یوں مارتا!"

صاحبزادے بولے: "امیر المومنین اس نے اگر مجھے مارا تو میں بھی اس کو مار چکا ہوں۔"

اس پر جنابِ فاروق رضی اللہ عنہ کو جلال آگیا اور فرمایا: "بہرحال اگر تم نے اسے دوبارہ مارا تو ہم شدت سے مداخلت کریں گے اور آخر میں تم کو اس کے حق میں سپر ڈالنی پڑے گی۔"

پھر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوتے: "عمرو! بہ تم نے انسانوں کو غلام کس دن سے بنا لیا ہے۔ وہ اپنی ماؤں کے بطن سے تو آزاد آئے تھے۔"

اس کے بعد وہ مصری سے فرمانے لگے: "اطمینان اور دلجمعی سے واپس جاؤ اور تمہیں پھر کوئی ناگوار معاملہ پیش آئے تو مجھے فوراً لکھو۔"

بیت المال کا عمری رضی اللہ عنہ تصوّر و تصرّف

محمد بن سعد نے محمد بن سیرین کے واسطے سے احنف کا ذیل کا بیان فاروقِ معظم رضی اللہ عنہ کے سوانح نگاروں کے حوالے کیا ہے: ہم عمر رضی اللہ عنہ کے مکان کے آگے بیٹھے ہوتے تھے کہ سوال کرنے لگے: "امیر المومنین کے لیے بیت المال کی کیا کیا چیزیں حلال ہیں؟" ہم نے ابھی اُتنا کہا ہی تھا کہ بات فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی۔ لیجیے اُن کا آدمی ہمیں بلانے آگیا، اور چند لمحوں میں ہم عمر رضی اللہ عنہ کے مقابل تھے۔ ہم سے چھوٹتے ہی پوچھا:

"کیا کہہ رہے تھے تم لوگ؟"

ہم نے کہا: "ہم نے کوئی غلط بات نہیں کہی، اتنی سی بات ہوئی کہ ہم نے پوچھ لیا کہ، ان کے لیے (مراد امیر المومنین) کیا کیا جائز اور حلال ہے۔" اب وہ خود ہی بول اٹھے:

"مجھ سے سُنو، میں اللہ کے مال میں اپنے لیے کیا کیا جائز رکھتا ہوں۔ صرف دو جوڑے کپڑے۔ ایک جاڑوں کے لیے، ایک گرمیوں کے لیے اور ایک عدد اونٹ جس کی پیٹھ پر بیٹھ کر میں حج اور عمرہ سے فراغت حاصل کر سکوں۔" اس کے علاوہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے قریش کے متوسط گھرانوں کے معیارِ زندگی کے مطابق کھانے پینے کا سامان اتنا اور صرف اتنا لینے کے بعد میں کسی بھی دوسرے مسلمان کی طرح کا ایک عام فرد ہوں اور ایک عام فرد جن جن حالات سے گزرے گا، ان سے مجھے بھی گزرنا ہو گا۔"

حاکمِ عادل کا ظلم و جَور سے احترازِ کامل

ایاس بن سلمہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے:

"میں بازار سے گزر رہا تھا کہ اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ میں دُرّہ لیے ہوئے اپنی کسی ضرورت سے ادھر آ نکلے۔ مجھے دیکھا تو اپنے دُرّہ سے ایک ہلکی سی ضرب لگاتے ہوئے (جس کی زد میں میرا بدن تو نہیں، البتہ میرا دنبالۂ لباس آگیا) فرمایا: "یوں لوگوں کا راستہ روک کر مت چلو۔" میں نے اطاعت کی اور راستہ سے ہٹ گیا، یعنی کنارے کنارے چلنے لگا۔ میری اس بلا چون و چرا اور صبر آمیز اطاعت سے قلبِ رقیق بوحفص ایسا پسیجا کہ وہ بالکل چُپ ہو گئے اور مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک سال اور گزر گیا۔ اسی بازار میں امیر المؤمنین سے پھر میرا آمنا سامنا ہوا، مجھے دیکھتے ہی فرمایا: "سلمہ! اس سال حج کا ارادہ ہے؟"

مَیں نے کہا: "نعم، یا امیر المؤمنین!"

پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور مجھے یوں ہی اپنے گھر تک لے گئے اور پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ امیر المؤمنین نے میرے ہاتھ میں ایک کیسہ تھما دیا۔ اس میں چھ سو درہم تھے۔ ارشاد ہوا: "سلمہ! یہ رقم لے لو اور سفرِ حج میں اسے کام میں لاؤ اور دیکھنا یہ اسی دُرّہ کا خوں بہا ہے۔"

مَیں نے کہا: "مَیں تو بھول بھی گیا تھا، اب آپ کے یاد دلانے پر مجھے یہ واقعہ یاد آیا۔"

فرمایا: "خدا شاہد ہے، مَیں اُس بات کو بالکل نہیں بھُولا تھا۔"

عمّالِ حکومت اور احتساب

حضرت عمرؓ جب کبھی کسی شخص کو کسی دُور دراز علاقے کا حاکم بنا کر بھیجتے تھے، تو وہ اس سے علیٰ رؤوس الاشہاد یہ عہد لیتے تھے:

"وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں چلے گا، نفیس غذائیں نہیں کھائے گا، نرم و نازک کپڑے نہیں پہنے گا، اور یہ کہ مسلمانوں کے لیے اپنے دروازے ہمیشہ کھُلے رکھے گا۔"

اس کے بعد وہ عموماً اللھم اشہد کہا کرتے تھے یعنی خداوندا، تُو گواہ رہیو!

عمرو بن مرہ کہتے ہیں: امیر المؤمنین عموماً اپنے صوبائی حُکّام کو یہ لکھا کرتے تھے:

"اے حُکّامِ سلطنت، رعیّت کے تم پر حقوق ہیں اور تمہارے رعیّت پر، بُردباری سے بڑھ کر کوئی شے نہیں، اور اگر یہ بُردباری مسلمانوں کے رہنماؤں اور اُن کے حاکموں میں پائی جانے لگے، تو اس سے زیادہ محترم اور نفع بخش کوئی چیز نہیں ہو گی۔ اس کے برخلاف ائمہؒ اور قائدین کی گمرہی اور بے خبری سے زیادہ نقصان دہ کوئی دوسری شئے نہیں ہو سکتی، اور جو شخص اپنے اہل و عیال کے لیے خیر اور سلامتی کا طالب ہوتا ہے، اللہ اُس پر عافیت اور کشادگی نازل فرماتا ہے۔"

عمران ابن سوید نے ابن المُسیّب سے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا:

"اگر میرے کسی عامل (افسر) نے ظلم کیا اور مَیں اس ظلم کو نہ روک سکا، تو گویا یہ ظلم خود میری طرف سے ہُوا۔"

حسن نے ایک اور قولِ عمرؓ پیش کیا ہے:

"اگر ملّت کے مفاد میں مجھے ایک گورنر کی جگہ یعنی اس کو ہٹا کر دوسرا گورنر کسی امارت میں بھیجنا پڑے تو یہ میرے لیے بالکل معمولی بات ہو گی۔"

عبدالملک نے روایت بیان کی ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقّاص کو ذیل کی ہدایت لکھ بھیجی: "فوجی امُور میں طلحۃ الاسدی اور معدی کرب سے مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں ماہر اور آزمودہ لوگ ہیں، البتّہ انہیں کسی درجے میں بھی حکومت نہیں سونپی جانی چاہیئے۔"

ابوعثمان نے منصفق سے حضرت عمرؓ کے بارے میں سُنا، انہوں نے ایک موقع پر ایک شخص کے نام کسی عہدے کی تقرّری کا فرمان لکھ دیا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ کے خاندان کا کوئی بچہ اُن کے پاس آیا جسے انہوں نے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ آدمی جس کے نام فرمان لکھا گیا تھا، بول اٹھا: "مَیں نے آج تک کسی بچے کو گود میں نہیں بٹھایا۔" اس پر امیر المؤمنین نے کیا خوب بات کہی: "اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحم و محبّت کے جذبات چھین لیے ہیں، تو اس میں میرا کیا قصور؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحیم و کریم ہوتے ہیں۔" یہ کہا اور فرمان اس شخص کے ہاتھوں سے واپس لے لیا۔

امام شعبی سے روایت ہے: "حضرت عمرؓ نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر کسی نے انہیں ابوبکرؓ پر ترجیح دی، تو وہ اُسے چالیس کوڑوں کی سزا دیں گے۔"

امام شعبی نے ہمیں بتایا ہے کہ فاروقؓ جب کبھی کسی کو کوئی منصب عنایت کرتے تھے تو اس سے پہلے پہلے اس کی دارائی اور املاک کی تفصیلات لکھوا لیا کرتے تھے۔

جوشِ عمل اور اتّباعِ سُنّت

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں، عمر بن الخطاب نے یہ ارشاد فرمایا: "مَیں نے ہشام بن حرام کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا، تو مجھے تعجب سا ہوا، اس لیے کہ انہوں نے اس سورۃ کی بعض آیات اس انداز سے پڑھیں جس سے رسُول اللہؐ نے مجھے آشنا نہیں فرمایا تھا، میرے جی میں آیا کہ مَیں ہشام کو لُقمہ دوں، مگر مَیں نماز میں ان کے پیچھے تھا، جونہی وہ فارغ ہوئے، مَیں نے پوچھا: "تمہیں یُوں پڑھنا کس نے سکھایا؟" ابن حکیم نے کہا: "رسُول اللہ نے۔" مَیں نے کہا: "تم غلط کہتے ہو، رسُول اللہؐ نے ہرگز تمہیں یہ قرأت نہیں سکھائی۔" مَیں نے ابن حکیم کا ہاتھ تھام لیا اور انہیں اپنے ساتھ لیے رسُول اللہؐ کے پاس لے آیا۔ رسُول اللہؐ سے مَیں نے عرض کیا: "یا رسُول اللہؐ! آپ نے مجھے جس طور پر سورۂ فرقان کی تعلیم دی ہے، یہ (مراد ہشام ابن حکیم بن حرام) اس انداز میں اسے نہیں پڑھتے۔" اس کے بعد رسُول اللہؐ نے ہم دونوں سے یہ سورۃ باری باری سُنی اور دونوں کی قرأتوں (یعنی میری اور ہشام کی قرأتوں) کو صحیح قرار دیا۔ پھر ارشاد ہوا: "قرآن سات مختلف قرأتوں پر نازل ہوا ہے۔"

عبدالملک بن ہارون بن عنترہ نے اپنے والد سے اور اُنہوں نے اپنے والد سے نقل قول کیا ہے: "حضرت عمرؓ نے برسرِ منبر اعلان کیا کہ اصحاب الرائے (وہ لوگ جو واضح دینی امُور و مسائل میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دیتے ہیں) اسلام کے دشمن ہیں، یاد رکھو ہمارا کام سُنّت کی اتباع اور پیروی اور تقلید ہے، جدّت طرازی اور خیال آرائی نہیں اور پیمبرؐ کے نقشِ قدم پر ہم جب تک چلتے رہیں گے گمراہ نہیں ہوں گے۔"

صبیغ التیمی کا بیان ہے:

"مَیں نے حضرت عمرؓ سے مرسلات، ذاریات اور نازعات کے بارے میں سوال کیا۔ فوراً بولے "اپنا سر کھولو ذرا۔" اتفاق سے میرے سر پر گیسو تھے۔ ارشاد ہوا: "تیرا سر گھُٹا ہوا ہوتا، تو مَیں تیرا سر ہی اُڑا دیتا۔" اس کے بعد اہلِ بصرہ کو تاکید کر دی گئی کہ وہ میری صُحبت میں نہ بیٹھیں (یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ امیر المؤمنین یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ یقین اور ایمان کی محکم بنیادیں جن پر اسلام کی عمارت تعمیر ہُوئی تھی کمزور پڑ جائیں اور کلمہ گو تاویلات میں اُلجھ کر اپنا سب کچھ کھو دیں۔ خود اس دَور میں بھی قرآن کے نئے نئے مفہوم دینے کی مفسدانہ اور دجالانہ کوششیں جاری ہیں، لیکن بحمد اللہ اُمّتِ مرحومہ ان فتنوں کے طلسم میں گرفتار نہ ہو سکی۔ ش۔ ح۔ ع)

ابوعثمان کا بیان ہے: "اگر ہم سَو آدمی بھی کہیں بیٹھے ہوتے، تو صبیغ کے آتے ہی اُٹھ جاتے کہ اس کی فتنہ انگیزیوں اور ذہنی تشویش سے محفوظ رہیں۔"

ہارون نے عوام سے عوام نے ابراہیم التیمی کے حوالے سے صبیغ کا قِصّہ انہی الفاظ میں بیان کیا، البتّہ اس میں اضافہ یہ ہے کہ بعد میں فاروقِ اعظمؓ نے صبیغ کا سوشل بائیکاٹ ختم کرا دیا تھا اور لوگوں کو اجازت مل گئی تھی کہ اُس سے ملیں جُلیں۔

طرزِ نگارش اور دل پذیر انشاء

جعفر بن برقان نے فاروقِ اعظمؓ کے ایک نامۂ گرامی کے، جسے انہوں نے اپنے ایک عامل کو لکھا تھا، آخری فقرے نقل کیے ہیں:

"اپنے اچھے دنوں میں اپنا محاسبہ کرتے رہو، اس لیے کہ بہت جلد ایسا دَور آ سکتا ہے، جو تم سے شدّت اور تنگی کا حساب چُکائے گا، اور جو دَورِ راحت ہی میں اپنا محاسبہ شروع کر دیتا ہے، وہی دوسروں کے لیے قابلِ رشک اور رضائے الٰہی سے کامیاب ہوتا ہے، البتہ وہ شخص جسے دُنیوی زندگی نے تغافل میں مُبتلا کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانیت کا شکار بن کر رہ گیا ہے، اس کی عاقبت حسرت و ندامت ہو گی، لہٰذا انسان کو نصیحتوں پر غور و فکر لازم ہے اور بُرے اعمال سے اجتناب لازم ہے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیرالمؤمنین نے ایک بار عبیدہ بن الجراح کو ایک بے حد حکیمانہ تحریر لکھ بھیجی جس کا مفہوم یہ ہے:

"مَیں نے اس تحریر میں تمہاری اور اپنی دونوں کی بھلائی پیشِ نظر رکھی ہے۔ پانچ چیزوں پر مضبوطی سے قائم رہو۔ تمہاری دینداری محفوظ ہو جائے گی اور عاقبت میں تم کو بڑا برگزیدہ درجہ ملے گا۔ تمہارے سامنے دو فریقوں کا مقدمہ پیش ہو تو جھوٹی شہادتیں کبھی مت قبول کرو۔ تمہارا ایمان ایسا ہو جو اپنے میں قطعیت اور بھرپور سچائی کی صفت لیے ہوئے ہو۔ کمزور اور بے سہارا آدمی سے اس طرح ملو کہ وہ بے جھجک تم سے اپنی بات کہہ سکے اور اس کا دل اس کے سینے میں قوت محسوس کرنے لگے۔ پردیسی اور غریب الدیار کی ضرورتوں کا لحاظ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے دُکھ کے علاج میں غیر ضروری تاخیر سے مایوس ہو جائے اور پھر وہ تمہارا دروازہ سرے سے نہ کھٹکھٹائے۔"

یزید بن الاصمؒ کا بیان ہے:

"اہلِ شام میں ایک شخص بڑا دلاور اور جری تھا جسے اکثر و بیشتر امیرالمؤمنین کی جناب میں پیش کیا جاتا تھا۔ دفعتہً اس کا آنا بند ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو انہیں اطلاع پہنچائی گئی کہ اس آدمی کو شراب نے مار دیا۔ امیرالمؤمنین نے اپنے کاتب (آجکل کی اصطلاح میں اسٹینو) کو بلوایا اور فوراً یہ الفاظ شخص مذکور کے لیے لکھوا دیے:

"خطاب کے فرزند عمرؓ کی جانب سے . . . . کے نام

بعد سلام مسنون!

"مَیں تمہاری خاطر اور تمہاری اصلاح کی خواہش کے ساتھ اس معبودِ برحق کی ستائش کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور عُذر اور توبہ کو قبول کر لیتا ہے جس کی سزا بے حد سخت اور گراں ہوتی ہے اور جو فضل اور قدرت والا ہے اور جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔"

یہ لکھنے کے بعد فاروقِ معظّم و مکرّم نے اہلِ مجلس سے مطالبہ کیا کہ سب ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ پاک و برتر اس مردِ شرابی کی توبہ قبول فرما لے۔ روایت کی رُو سے جب عمری نامۂ گرامی اس شخص کو ملا، تو وہ اسے بغور پڑھنے لگا۔ اس نے سوچا "اللہ غافر الذنب ہے۔ گویا اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری مغفرت فرمائے گا اور میرے گناہ معاف کر دے گا۔ پھر اس نے قابل التوب اور شدید العقاب کے الفاظ پر غور کیا اور سوچا کہ گویا مجھے اللہ عزّ و جل نے اس بات سے خوف دلایا ہے کہ اس کی تعزیر بے حد سخت اور شدید ہے۔ پھر وہ ذی الطول بھی ہے اور طول کا مطلب فیضِ عام سے ہے۔ پھر اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں اور رجوع اسی سے کرنا ہے تو مردِ قدح خوار نے بار بار ان الفاظ کو پڑھا۔ اس پر گریہ طاری ہوا اور اس نے جام و مینا سے ہاتھ کھینچ لیا! فاروقؓ کے گوشِ حقیقت نیوش نے جب یہ ماجرا سُنا تو فرمایا:

"جب کبھی تم دیکھو کہ تمہارا کوئی بھائی سیدھی راہ سے بھٹک گیا ہے تو یہی انداز اختیار کرو یعنی اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرو اور اللہ سے یہ آرزو کرو کہ وہ غفور الرحیم ایسے بندے کی توبہ قبول کر لے اور یہ نہ ہو کہ ایسے آدمی کو لگاڑنے میں تم اُلٹے شیطان کے معین و مددگار ہو۔"

مردِ عبقری کی شانِ جلال

قاسم بن محمدؒ کا بیان ملاحظہ ہو:

"عمرؓ کسی طرف کو جا رہے تھے چند حضرات بھی ذرا پیچھے پیچھے آ رہے تھے کہ ناگاہ عمرؓ پیچھے کو مڑے۔ اب عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ تقریباً ہر ایک شدتِ ہیبتِ ابن خطابؓ سے گھٹنوں کے بل گر پڑا! عمرؓ کی آنکھیں اس منظر کو دیکھ کر نمناک ہو گئیں، فرمایا:

خداوندا! تجھے اچھی طرح خوب علم ہے کہ جتنا یہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں میں اس سے کہیں زیادہ تیری ہیبت سے خائف رہتا ہوں۔"

"آپ تھوڑا نرم ہو جائیے کہ آپ کی ہیبت نے دلوں کو لرزا دیا ہے": قریش کے ایک فرد نے ایک بار حضرت عمرؓ سے کہا۔

فاروقؓ نے پوچھا: "میری ہیبت میں ظلم و جور تو شامل نہیں؟"

کہنے والے نے کہا: "نہیں۔"

اس پر ارشاد ہوا: "اللہ میری ہیبت اور زیادہ کر دے۔"

عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "ایک زمانے میں مَیں عمرؓ سے ایک آیت کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا، مگر تقریباً ایک سال تک مجھے براہِ راست اس استفادے کی ہمت نہ ہو سکی۔"

درویشی اور دینداری

الاحوص ابن حکیم نے اپنے والد سے روایت کی ہے: "فاروقِ اعظمؓ کے لیے گھی میں پکایا ہوا گوشت لایا گیا جسے کھانے سے انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ بیک وقت دو لذتوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

ابن سعد اور ابن عمر دونوں سے مروی ہے: "حضرت عمرؓ کے نزدیک شادی کا مقصد تلذّذِ نفسانی نہیں بلکہ نسلِ انسانی کا دوام تھا۔"

حسنؒ کہتے ہیں: "فاروقِ اعظمؓ نے اپنی خلافت کے روزِ اوّل سے اپنی شہادت کے دن تک مرغن غذاؤں سے پرہیز کیا۔"

ابن سعد اور عبدالعزیز بن ابی جمیلہ کا بیان ہے: "ایک بار حضرت عمرؓ کو جمعہ میں کچھ تاخیر ہو گئی، چنانچہ منبرِ نبوی پر جلوہ فگن ہوتے ہی انہوں نے قوم سے اپنے دیر سے آنے کی معذرت چاہی اور فرمایا: "دراصل اُن کے پاس ایک ہی قمیص تھی۔ اسے دُرست کیا جا رہا تھا تاکہ کُہنیاں کُھلی نہ رہ سکیں۔" یہی روایت قتادہ نے بھی بیان کی، مگر اس میں تاخیر کا سبب قمیص کی درستی نہ تھا، اس کا دھویا جانا تھا۔

حسنؒ نے ایک اور سوز آگیں اور رقت انگیز روایت بیان کی ہے جو یہ ہے: "عمر بن الخطابؓ تقریر کر رہے تھے۔ یہ وہ دَور تھا جب انہوں نے خلافت کا بارِ گراں سنبھال رکھا تھا، اُن کے کُرتے میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔"

انسؓ نے بھی ایک بار حضرت عمرؓ کی طرف غور سے دیکھا تو انہیں امیرالمؤمنین کی قمیص میں محض مونڈھوں پر چار پیوند نظر آئے۔ ابوعثمان النہدی کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک بار حضرت عمرؓ کو اس عالم میں دیکھا کہ انہوں نے چمڑے سے اپنے کُرتے کے پیوند درست کر لیے تھے۔ ایک اور موقع پر جب وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، اُن کی یہ شان تھی کہ اُن کے کُرتے میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان پیوندوں میں کم از کم ایک پیوند سُرخ رنگ کے چمڑے کا تھا۔

بُردباری

مبارک بن فضالہ بیان کرتے ہیں کہ عُمرؓ میں اور ایک شخص میں کسی معاملے میں تکرار ہو گئی۔ اُس شخص نے کہا: "امیرالمؤمنین، اللہ سے خوف کیجیے۔" کسی نے کہا: "اللہ سے خوف کیجیے، یہ بدایت تم امیرالمؤمنین کو دے رہے ہو؟" حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: "اسے کہنے دو، اس سے بہتر تلقین اور ہوشی کیا سکتی ہے۔" اس کے بعد فرمایا: "اگر تم لوگوں نے مجھ سے یہ سب کہنا چھوڑ دیا تو یہ تمہارے حق میں بُرا ہوگا اور ہم نے اس بے بہا اور گراں قدر ہدایت کو قبول نہ کیا تو یہ ہمارے لیے بُرا ہوگا۔"

فروتنی

جبیر بن نسیرؒ کا بیان ہے کچھ لوگ امیرالمؤمنین کی خدمت میں باریاب ہوئے اور عرض کیا: "امیرالمؤمنین! خدا گواہ ہے کہ رسول اللہ کے بعد ہم نے آپ کی طرح کسی کو اس درجہ عادل، اس درجہ حق گو، اور اہلِ نفاق و ریا کے معاملے میں اس درجہ سخت گیر نہیں پایا۔ رسول اللہؐ کے بعد آپ امت میں سب سے بہتر انسان ہیں۔"

عوف بن مالکؓ موجود تھے، وہ بولے: "تم غلط کہہ رہے ہو۔ رسول اللہ کے بعد جو سب سے بہتر انسان تھا، ہم اسے اس سے پہلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھ چکے؟" حضرت عمرؓ نے کہا: "عوفؓ، تم کس کا ذکر کر رہے ہو؟" عوفؓ نے جواب دیا: "میری مُراد ابوبکرؓ سے ہے۔ وہی تو ہیں حضورِ انورؐ کے بعد افضل النّاس۔" عمرؓ بولے: "عوفؓ ٹھیک کہتے ہیں اور تم لوگ غلط، ابوبکرؓ مشک و عنبر سے بڑھ کر عطر بیز اور لطیف و نظیف تھے اور میں اپنے پالتو اُونٹ سے بھی زیادہ بھٹک جانے کا عادی ہوں۔"

دراصل یہ کہہ کر منکسر المزاج فاروقِ اعظمؓ اُس دَور کی جانب اشارہ کر رہے تھے جب ابوبکرؓ مشرف باسلام ہو چکے تھے اور عمرؓ ابھی اس دولتِ بیدار سے بہرہ اندوز نہ ہوئے تھے۔

ابو العالیہ الشامی کی روایت ہے: "عمر بن الخطابؓ جابیہ کے قریب آ چکے تھے۔ حالت یہ تھی کہ وہ ایک غیر مزیّن اونٹ کی پُشت پر سوار تھے۔ اُن کے دونوں پاؤں اُونٹ کی پُشت کے دونوں جانب لٹک رہے تھے۔ گویا ان کے پاؤں کو رکاب کا سہارا تک نہ ملا ہوا تھا۔ اُن کے پاس صُوف کی ایک چادر تھی۔ اونٹ پر ہوتے تو اس پر بیٹھ جاتے اور اُونٹ سے اُترتے، تو وہی ان کے لیے سجّادہ کا کام دیتی یعنی اسے رکھ کر فرشِ زمین پر بیٹھ جاتے۔ دُھوپ میں اُن کا بالوں سے معرّا سر چمک رہا تھا۔ ان کے تن پر ایک کرباس کی قمیص تھی جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ جابیہ نزدیک آ گیا، تو فاروقؓ نے رئیسِ قریہ کو طلب کیا۔ لوگوں نے رئیس کو جس کا نام جلومس تھا، اطلاع کی، وہ آیا، تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا: "میری قمیص دُھلوا دو، اور اس میں ٹانکے لگوا دو، اور اس عرصے میں مجھے کوئی قمیص یا پوشش عاریتاً دے دو۔"

ایک ریشمیں قمیص لائی گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: "یہ کیا چیز ہے؟" جلومس بولا: "یہ ریشمیں کپڑا ہے۔" آپ نے پوچھا: "ریشم کیا ہوتا ہے؟" لوگوں نے اس کی پوری تعریف بیان کی۔ غرض آپ نے اپنی قمیص دُھلنے اور سِلنے کے لیے دے دی اور عارضی طور پر دوسرا لباس پہن لیا، اور پھر اپنی وہی کھُردری قمیص دوبارہ پہن لی۔ جلومس نے یہ رنگ دیکھ کر کہا: "آپ عرب کے بادشاہ ہیں، آپ کے لیے زیب نہیں دیتا کہ آپ ایک اُونٹ پر سوار ہو کر نکلیں۔"

مگر آپ نے اپنے لباس یا سواری میں کسی نوع کی آرائش اور ظاہر داری کی اجازت نہ دی۔

حیرت انگیز زُہد و اتّقا اور اُن کی امانت کوشی

عبدالرحمٰن بن عمرو الاشعری کا بیان ہے: "ایک روز میں عمر رضی اللہ کی طرف جا نکلا۔ ان کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا دُودھ اُن کے اپنے استعمال میں آتا تھا۔ اُن کا غلام اُن کے لیے کہیں اور سے دُودھ لایا۔ اسے انہوں نے پی لیا، تو دفعتہً پوچھا: "تو یہ دُودھ کہاں سے لایا تھا؟" غلام بولا: "آپ کی اونٹنی پر اس کا نوزائیدہ بچہ ٹوٹ پڑا تھا۔ سو میں ایک سرکاری اونٹنی کا دودھ نکال لایا۔" امیر المؤمنین غضب ناک ہو گئے۔ ارشاد فرمایا: "کم بخت تو نے میرے پیٹ میں آگ ڈال دی، اور مجھے دُودھ کی شکل میں نار سے سیراب کیا۔ جا، جا کے علی بن ابی طالب کو بُلا لا۔" وہ آئے، تو فرمایا: "اس شخص نے بیت المال کی اونٹنی کو میرے لیے دوہا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک یہ دُودھ میرے لیے حلال ہے؟"

"نعم، یا امیر المؤمنین، بیت المال کی اونٹنی کا دُودھ بھی آپ کے لیے حلال ہے، اور اس اونٹنی کا گوشت بھی!" حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے جواب دیا۔

اسماعیل نے محمد بن سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے: "عمرؓ کے پاس بحرین سے مُشک و عنبر کی کچھ مقدار آئی، فرمایا: "کیا اچھا ہوتا اگر کوئی عورت اس تمام خوشبو کے ذخیرے کو بہت صحیح طور پر تول دیتی تاکہ تمام مسلمانوں کو برابر کا حصّہ مل جاتا۔" ان کی بیوی عاتکہ بولیں: "میری تول بہت اچھی ہے کہیے تو میں تول دُوں۔" فرمایا: "نہیں۔" عاتکہ نے پوچھا: "کیوں؟" کہنے لگے: "مجھے خدشہ ہے تم اسے یوں لگا دُوگی" اس کے بعد اپنی انگلیاں کنپٹی پر پھیریں۔ "اور اپنی گردن پر بھی اسے مل لوگی، اور یوں میرے حصّے میں مُشک عام مسلمانوں کے حصّے سے زیادہ آ جائے گی۔"

خشیتِ الٰہی

حیاتِ فاروقی کا ایک اور دل انگیز منظر جسے علیؓ ابن ابی طالب نے اپنے الفاظ میں بیان کیا یہ ہے: "میں نے دیکھا کہ عمر بن الخطابؓ

اُونٹ کی ننگی پُشت پر بیٹھے ہوئے ایک طرف کو چلے جا رہے ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر کہا: "امیر المؤمنین! کدھر کا قصد ہے؟"

فرمایا: "صدقے کا ایک اُونٹ گم ہو گیا ہے، اُس کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

میں نے کہا: "اس نوع کے تقویٰ کی مثال قائم کر کے آپ نے اپنے آئندہ جانشینوں کو رُتبے میں اپنے سے بہت فروتر کر دیا ہے۔"

اس پر عمرؓ نے مجھ سے فرمایا: "ابو الحسن، مجھے اس پر ملامت مت کرو۔ اُس خدا کی قسم کہ جس نے محمدؐ کو نبوّت کا منصب دے کر بھیجا ہے اگر لبِ فرات پر کوئی بھیڑ کا بچہ بھی ضائع ہو گیا، تو قیامت میں مُجھ ہی سے اس کی پُرسش ہوگی۔"

طارق کہتے ہیں، ہم نے ابن عباس سے سوال کیا: "عمرؓ کیسے آدمی تھے؟" فرمایا: "وہ ایک پرند کے مانند تھے، جو ہر جانب یُوں نگاہ دوڑائے رکھتے جیسے اُس کے لیے ہر ہر قدم پر ایک جال بچھا دیا گیا ہو۔"

حسنؓ نے ایک اور بات سُنائی ہے، وہ یہ ہے: "کبھی کبھی ابن الخطابؓ اپنا ہاتھ آگ کے قریب لے جایا کرتے اور پھر فرماتے: "ابن خطابؓ! تجھے اس سوزش کی برداشت ہے؟"

ضحاک کہتے ہیں، عمرؓ نے ایک بار فرمایا: "کاش میری زندگی ایک مینڈھے کی زندگی ہوتی یعنی مجھے کچھ لوگ پال لیتے، پھر موٹا تازہ کرتے، اور جب مجھ پر خوب چربی چڑھ جاتی، تو مجھے مہمانوں کی خاطر ذبح کر دیا جاتا۔ کچھ لوگ میرا بُھنا ہُوا گوشت کھا لیتے اور کچھ میرے گوشت کا شوربہ پیتے۔ غرض مجھے کھا پی کے یار لوگ یُوں میرا قصّہ تمام کر دیتے۔"

ایک بار میں نے دیکھا کہ عمر بن الخطابؓ نے زمین سے مٹی کا ایک تودہ ہاتھ میں اٹھا لیا اور پھر کہا: "کاش! میں مٹی کا یہ ٹکڑا ہوتا۔ کاش! میری تخلیق ہی سرے سے عمل میں نہ آتی۔ کاش! میں اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ کاش! میں ملیامیٹ ہو چکا ہوتا!"

ابوبکر ابن عیاش کہتے ہیں:

"جس وقت کسریٰ کا تاج عمرؓ کے پاس لایا گیا، تو فرمایا: "وہ لوگ جنہوں نے یہ تاج (جو ظاہر ہے کیسا کچھ مزیّن اور مشیّن رہا ہوگا) ہمارے سپرد کر دیا، کیسے امانت دار لوگ ہیں۔" اس پر علیؓ بول اٹھے: "دراصل قوم نے آپ کو پاکیزہ پایا، اور وہ بھی پاکیزہ ہو گئی۔ کہیں آپ راہِ حق سے منحرف ہو گئے ہوتے، تو آپ دیکھتے کہ قوم بھی حق سے منحرف ہو گئی ہے۔"

ابراہیم بن سعد کہتے ہیں: "عمرؓ بن الخطاب کے پاس کسریٰ کے خزانے لائے گئے۔ عبد بن ارقم بولے: "اجازت ہو، تو میں یہ سب مال و زر بیت المال میں رکھوا دوں تاکہ پھر اس کی تقسیم عمل میں لائی جائے۔" مگر امیر المؤمنین نے فرمایا: "واللہ میں اس مال کو کسی چھت کے نیچے رکھنے سے پہلے پہلے ٹھکانے لگا دوں گا۔"

یہ سب کا سب مال صحنِ مسجد میں لا کے رکھا گیا۔ تمام رات اس پر پہرہ رہا۔ صبح ہوئی اور سامان سے نقاب ہٹائی گئی، تو سرخ و سفید (زر و سیم) کا سرور بخش منظر دکھائی دیا۔ فاروقؓ رو پڑے۔ کسی نے کہا: "امیر المؤمنین! یہ رونے کا محل تو نہ تھا۔" فرمایا: "کوئی قوم ایسی نہیں آئی جس میں دولت و ثروت نے بُغض و عناد کے جذبات نہ پیدا کر دیے ہوں۔"

عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں: "ایک بار امیر المؤمنین نے مجھے طلب کیا۔ میں پہنچا، تو میں نے دیکھا کہ وہ بے حد خستہ اور گویا غنودگی کے عالم میں ہیں۔ میں نے پوچھا: "کیا قصّہ ہے امیر المؤمنین؟" یہ سُن کر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک مکان کے اندر لے گئے۔ اس مکان میں بے شمار ساز و سامان کے انبار لگے ہوئے تھے، فرمانے لگے: "آلِ خطّاب نے خدا کو بہت سہل سمجھ رکھا ہے۔ یہ سب مال دراصل اس لیے نہیں آ گیا کہ عمرؓ کے عہد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کے عہد پر ترجیح حاصل ہے۔ یہ تو ایک آزمائش ہے۔ ان دونوں نے (مراد آنحضرتؐ اور ان کے نائب ابوبکر صدیقؓ) دین کی بنیادیں قائم کیں۔ اب میرا کام یہ ہے کہ میں ان کی پیروی کروں۔"

اس کے بعد بقول عبدالرحمٰن بن عوف، ان کے مشورے سے چار چار ہزار درہم مجاہدین کے لیے، چار چار ہزار ازواجِ نبیؐ کے لیے، دو دو ہزار باقی تمام کے لیے نکالے گئے، اور اس طرح تمام کا تمام مال تقسیم ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رقیق القلبی

روایت از علقمہ بن وقاص اللیثی:

"عمرؓ عشاء کی نماز میں سورۂ یوسف کی تلاوت کیا کرتے اور اکثر و بیشتر میں آخری صف میں کھڑا ہوتا اور یوسف علیہ السلام سے متعلق قرآنی آیتیں تلاوت کرتے وقت مجھے حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز صاف سنائی دیتی۔"

عمر بن شبہ نے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ ، ابو درداء صحابیؓ سے ملنے گئے۔ ابو درداءؓ نے کہا: "عمرؓ، وہ یاد ہے جو آقاؐ نے ایک بار ہم سے کہا تھا"، اور جب فاروقِ اعظمؓ نے سوال کیا، تو ابو درداءؓ نے کہا: "وہی کہ تم میں سے ہر شخص دُنیا سے بس اتنا لے جتنا ایک مسافر سفر میں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔" فاروقؓ کو یہ بات یاد آ گئی اور جب ابو درداء نے کہا کہ عمرؓ مگر اُمّت نے کہاں اس پر عمل کیا، تو دونوں پہ گریہ طاری ہو گیا، اور تمام رات دونوں ہی روتے رہے۔

اندازِ عمل

اس باب میں عبداللہ بن عمرؓ نے نافع کا ذیل کا قول نقل کیا ہے: "عمرؓ اور اُن کے بیٹے دونوں کا اندازِ عمل نیز اپنی رُوح میں یہ تھا کہ جب تک وہ خود کسی اچھے کام کا ذکر کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں یا ان کاموں کی نوعیت ہی علانیہ نہ ہو، لوگوں کو اُ ۔ چیزوں کا علم نہ ہو پاتا تھا۔

مناجاتیں

عبداللہ ابن عمرؓ کا ارشاد ہے: "حضرت عمرؓ نے اپنی پہلی تقریر میں جو انہوں نے شب دفن ابوبکرؓ میں کی تھی۔ اللہ کی ستائش اور ثنا گستری کے بعد فرمایا: "اللہ نے اپنا راستہ واضح کر دیا اور اپنے رسولؐ کو بھیج کر ہمارے لیے ہر نوع کی تقویت کا سامان بہم پہنچایا ہے۔ اب ہمارے کام کی نوعیت واضح ہے۔ ہم اللہ سے اعانت طلب کریں اور ہادیٔ برحق کی اتباع کریں۔ یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے اور اُمّت کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش قرار دیا ہے۔ یہ بات اور بھی خوش آئند ہے کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے میرے دونوں ساتھیوں (مراد رسالتمآبؐ اور صدیق اکبرؓ) کے بعد تمہارے درمیان مجھے قائم کیا۔ میں لغزشوں اور گمراہیوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ میری ذات سے اللہ کے شیروں کو گزند اور اس کے باغیوں کو مدد پہنچ جائے۔"

سلیمان بن حنظلہ نے بھی فاروقِ اعظمؓ سے یہ الفاظ منسوب کیے ہیں: "خداوندا، مجھے غفلت میں مت چھوڑیو، اور مجھے دل و نظر کی بیداری سے برابر نوازیو!"

عبداللہ ابن خراش نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ ابنِ خطابؓ اپنی تقریروں میں یہ دُعا مانگا کرتے تھے: "اے اللہ، ہمیں اپنی حفاظت سے سرفراز فرما اور اپنے احکام میں ثابت قدم رکھ!"

کرامات

زید بن اسلم نے اپنے والد سے اور ابو سلیمان نے یعقوب بن زید سے روایت کی ہے کہ ایک دن جمعہ کے روز عمرؓ نماز ادا کرنے نکلے اور منبرِ مسجدِ نبویؐ سے پکار کے کہا: "اے زنیم کے بیٹے ساریہ، پہاڑی پر چڑھ جا۔ ظالم وہ جو گلّہ کی پاسبانی بھیڑیے کے سپرد کر دے!" یہ کہہ کر ابن خطابؓ نے اپنی باقی تقریر مکمل کی۔ چنانچہ ساریہ بن زنیم نے بعد میں آپ کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک جمعہ کے موقع پر فلاں فلاں وقت ہمیں فتح نصیب ہوئی، اور یہ وہ لمحات تھے جن میں حضرت عمرؓ تقریر ارشاد فرما رہے تھے۔ ساریہ نے اپنے اس پیغام میں کہا تھا کہ ہم نے کسی کو کہتے سُنا: "یا ساریہ بن زنیم الجبل ظلم من استرعی الذئب الغنم!" اس آواز پر میں اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑی پر

چڑھ گیا۔ اس سے پہلے ہم ایک کھلے میدان میں محاصرہ کیے پڑے تھے، اور یوں اللہ نے ہمیں فتح بخشی۔

اس سلسلے میں جب عمرؓ سے پوچھا گیا کہ یہ کیا الفاظ تھے اور آپ نے کیا کہہ کر پکارا تھا، تو فرمایا: "حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ الفاظ عمداً نہیں کہے تھے بس یہ کلمات میری زبان پر جاری ہو گئے تھے۔"

خوات ابن جبیر کا بیان بھی ایک اور کرامت کا بیّن ثبوت ہے: "عہدِ فاروقیؓ میں جب ایک بار شدید قسم کا کال پڑ گیا، تو ایک دن عمرؓ قوم کو لے کر شہر سے باہر نکل آئے اور سب سے پہلے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر اپنی چادر کے بائیں حصے کو دائیں جانب اور دائیں حصے کو بائیں جانب اُلٹ کر اپنے ہاتھ پھیلائے اور کہا: "اے اللہ، ہم تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور تجھ سے اپنے کھیتوں کے لیے پانی مانگتے ہیں۔"

ابھی آپ اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے کہ بادل گھِر کے آ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں کچھ بادیہ نشین آ پہنچے۔ اُن لوگوں نے کہا: "امیر المومنین، فلاں فلاں وقت ہم اپنے صحرا میں تھے کہ دفعتہً ہم پر ایک بادل نے سایہ کر لیا اور ہم نے اس بادل کے اندر سے یہ آواز سُنی: "ابو حفص مدد آ پہنچی، ابو حفص مدد آ پہنچی۔"

محدثانہ شان

روایتِ حدیث میں حد درجہ احتیاط برتنے کے باوجود حضرت عمرؓ نے نبی علیہ السلام سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔ بقی بن مخلد نے حضرت عمرؓ سے مروی پانچ سو سینتیس احادیث کا ذکر کیا ہے۔

ابو نعیم اصفہانی کا قول ہے کہ علاوہ اُن حدیثوں کے جن میں حضرت عمرؓ بحیثیت راوی کے شریک ہیں سو سے اوپر حدیثیں ایسی ہیں جن کے الفاظ اور متون آپ ہی کے توسط سے ہم تک پہنچے ہیں۔ بخاری اور مسلم دونوں میں مجموعی طور پر آپ سے اکیاسی احادیث مروی ہیں۔ ان احادیث میں چونتیس بخاری کی اور اکیس مسلم کی امتیازی خصوصیت ہیں اور چھبیس متفق علیہ ہیں یعنی دونوں کتابوں میں مشترک ہیں۔

وہ حرفِ گرم جس سے کہ لَو دے اُٹھیں دماغ

ثابت بن حجاج نے ذیل کا قول ابنِ خطابؓ سے نقل کیا ہے: "یومِ حساب سے پہلے ہی اپنا محاسبہ کر لو اور قبل اس کے کہ میزان میں تمہارے اعمال تولے جائیں، اپنے کو تول لو۔ اگر آج تم اپنا احتساب کر لو گے، تو کل بروزِ قیامت تم پر حساب کا مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ اللہ کے رُوبرو پیشی سے پیشتر اپنے کو کیل کانٹوں سے لیس کر لو۔ چونکہ اس بڑی پیشی میں تمہاری کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہے گی۔"

فرمایا: "جو گردہ اپنے کو پست اور اعلیٰ طبقوں میں تقسیم کر لیتا ہے، اس کے لیے اللہ کی تعزیریں بے حد سخت ہوتی ہیں۔"

عنترۃ الشیبانی نے ہمیں بتایا ہے: "عمر بن الخطابؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی "بیٹے، اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو قرض دو، یعنی راہِ خدا میں مال صرف کرو، تمہیں اس کی جزا ملے گی۔ شاکر رہو، تمہیں اور ملے گا۔ یاد رکھو دوست بھی بڑی دولت ہیں اور قدیم کے بغیر جدید کا تصوّر نہیں، اور عمل کا دار و مدار نیّت پر ہے۔"

مدائنی نے ہمیں ذیل کی حکمتِ فاروقی سے روشناس کرایا ہے: "اگر آدمی اپنے لیے خود ہی تہمت کا راستہ کھول دے، تو اُسے تہمت لگانے والوں کو بُرا بھلا نہیں کہنا چاہیئے۔ جو اپنے رازوں کو فاش نہیں کرتا، وہ مختار رہتا ہے۔ اپنے بھائی سے بہتر سے بہتر سلوک کرو، کبھی نہ کبھی تمہارا پلّہ بھاری ہو ہی جائے گا۔ اپنے مسلمان بھائی کی بات کو حتی الامکان غلط معنی نہ پہناؤ۔ اگر تم نے کسی شخص کی بُرائی کا بدلہ نیکی سے دیا ہے تو یہ عین اطاعتِ خداوندی ہے۔ تمہیں مخلص دوستوں کی تلاش کرنی چاہیئے۔ ایسے دوستوں کا حلقہ جس قدر وسیع ہو سکے، اچھا ہے۔ یہ احباب دورِ مسرت میں باعثِ تجمل اور دورِ ابتلا میں سرمایۂ پشت پناہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر اور اس کے احترام کو ملحوظ نہ رکھ کر اپنے کو سبک مایہ مت بناؤ کہ اللہ تم کو خوار کر دے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاشی نے بیان کیا ہے اور ہم نے بھی ابنِ سلام سے یہ واقعہ سُنا ہے: "ایک دن حضرت عمرؓ کسی بازار سے گزر رہے تھے۔ اُن کے آگے آگے ایک شخص لن ترانیاں کرتا جا رہا تھا "مَیں فرزندِ دشیت دجبل ہوں"۔ فاروقؓ رُک گئے اور اس شخص سے کہا: "اگر تم میں دینداری، عقل یا دولت میں سے کوئی بھی چیز ہے تب تو بے شک یہ فخر و مباہات کا موقع ہے، ورنہ تم میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں"۔

مالک بن حارث نے فاروقؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: "آخرت کے معاملے کو چھوڑ کے ہر چیز میں رعایت اور داد و دہش سے کام لیا جا سکتا ہے"۔

ہشام نے اپنے والد سے سُن کر ابنِ خطابؓ کا ایک اور ارشادِ گرامی ہم تک پہنچایا ہے: "جان لو کہ حرص ایک قسم کی گدائی اور بے پروائی دل کی امیری ہے۔ آدمی جب کسی چیز سے مایوس ہوتا ہے تو اُس سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے"۔

عون بن عبداللہ نے ذیل کے ارشاد سے ہمیں مالا مال کیا ہے: "اپنے گناہوں سے تائب ہونے والوں کی صُحبت اختیار کرو۔ یہ لوگ دل کے رقیق ہوتے ہیں"۔

سمیر بن واصل ایک اور قولِ عمرؓ پیش کرتے ہیں: "انسان جب کسی کام میں خطا کار ثابت ہوتا ہے تو اس کے بعد وہ رنج و ملال میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے اس کی تقصیر کا گناہ دُھل جاتا ہے"۔

عبید بن عمیر نے عمرؓ سے سنا تھا: "متقی اور متورع آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اہلِ دُنیا کے سامنے جُھک جائے"۔

عمران بن عبدالرحمٰن نے فاروقؓ سے روایت کی ہے: "ذکرِ الٰہی بہبودیٔ قلب اور ذکرِ مردمِ دُنیا باعثِ رنجوریٔ دل ہے"۔

ہشام بن عروہ سے روایت ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا: "جو اللہ کے حقوق یعنی اپنی نمازیں ضائع کر سکتا ہے، وہ اوروں کے حقوق اور بھی پامال کر سکتا ہے"۔

عطاء بن عجلان سے یہ عمری قول مروی ہے: "جلد ہی یہ تمام علم تم سے چھین لیا جائے گا یعنی تمہارے ساتھ دفن ہو جائے گا، اس لیے جس کے پاس جو کچھ ہو، وہ بلا کم و کاست دوسروں تک پہنچا دے"۔

عدی بن سہیل انصاری سے روایت ہے: "حضرت عمرؓ نے ایک مجمعِ عام میں کھڑے ہو کر خطابت کے گُہر لُٹائے اور فرمایا: "مَیں تم سب کو اس خدا سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہُوں جس کے ماسوا ہر شئے فنا ہو جائے گی جس کی اطاعت گزاری سے اس کے دوست مستفید ہوتے ہیں اور جس کی نافرمانی سے اس کے دشمن خسارے میں رہتے ہیں۔ برباد ہونے والوں کا عُذر قابلِ قبول نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ان کے سامنے ہدایت آ چکی، اللہ کی حجت و بُرہان جب واضح ہو چکی تو اب حُجت اور بحث کی گنجائش بھی کہاں۔ یاد رکھو، ایک سرپرست اپنے ماتحتوں کا اس سے بڑھ کر حق ادا نہیں کر سکتا کہ وہ ان کو ان کے فرائض کی انجام دہی پر آمادہ کرے۔ ہمارا فرض ہے ہم اللہ کے احکامات نافذ کریں اور اپنے زیرِ نگیں اور زیرِ نگرانی لوگوں کو یعنی اولاد وغیرہ کو اللہ کی نافرمانی نہ کرنے دیں۔ ہمیں چاہیئے کہ قریب اور دُور سب ہی جگہ کے لوگوں کو احکامِ الٰہی کا تابع بنائیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ حق کی جانب نزدیک کے لوگ مائل ہوئے کہ دُور کے"۔

سلمہ بن شہاب العبدی نے بھی حضرت عمرؓ سے روایت بالفاظِ ذیل کی ہے: "قوم کے باب میں ہمارا فرض یہ ہے کہ آخرت کے معاملے میں ہم اس کے ساتھ بھلائی کریں یعنی قوم کی اُخروی فلاح کو ملحوظِ خاطر رکھیں اور نیکی میں اس کی مدد کریں۔ اللہ کے نزدیک قائدِ اُمّت یعنی امام کے حلم سے زیادہ گراں مایہ اور اس کی بے خبری سے زیادہ قابلِ نفرت کوئی شئے نہیں ہے"۔

علاء بن المسیب نے اپنے والد سے ابنِ خطابؓ کا قول نقل کیا ہے: "علم حاصل کرو اور علم کے ساتھ بُردباری اور طمانیتِ قلب بھی، اپنے اساتذہ اور معلّمین کے لیے متواضع بن جاؤ۔ اپنے شاگردوں سے بھی تواضع اور انکسار کا برتاؤ کرو۔ عالمِ دین ہو، لیکن دوسروں کے لیے عذاب مت بنو کہ تمہاری دانائی کا پلڑا تمہارے علم کے پلڑے سے بھاری ہو جائے"۔

مجاہد نے ایک اور عمری قولِ زرّیں سے اُمّت کو مخاطب کیا ہے: "اے اہلِ علم اور قرآن شناسو، اپنے علم اور اپنے قرآن کو سستے داموں مت بیچو کہ جنت کے عوض تم کو دو عالم کی رسوائی ملے"۔

قیس بن حازم کہتے ہیں: "ایک بار ہم بارگاہِ عمری میں پیش ہوئے، پُوچھا: "تم لوگوں نے اپنے یہاں کن کن لوگوں کو مؤذن بنایا ہے؟" ہم نے کہا: "ہمارے مملوک اور غلام ہمارے لیے مؤذنی کرتے ہیں"۔ اس پر وہ غضب ناک سے ہو گئے اور کہا: "یہ تم لوگوں کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ اذان کا درجہ تو یہ ہے کہ اگر مَیں خلافت کے ساتھ ساتھ اذان کی ذمّے داری سے بھی عہدہ برآ ہو سکتا، تو ایسا کرتا"۔

ذوقِ شعری

سروق نے ہمیں بڑی دلچسپ بات سنائی ہے اور وہ یہ کہ ایک روز حضرت عمرؓ ایک اُونی قبا زیبِ تن کیے باہر نکلے جس پر سب کی نظریں لگ گئیں، تو دفعتہً فرمایا:

لاشئ فیما یری تبقی بشاشۃ الا الالٰہ ویودی المال والولد

اس معرکۂ زلیست میں ہر شے گزراں ہے
خالق کے سوا کوئی عیاں ہے، نہ نہاں ہے

اس کے بعد فرمایا: "بخدا آخرت کے مقابلے میں یہ دنیا ایک بدمستیٔ خرگوش ہے" اور یہ بیان سعید بن المسیب کا ہے: "اپنے ایک سفرِ حج میں حضرت عمرؓ جس وقت ضجنان کے مقام پر پہنچے، تو بے ساختہ فرمایا: "اللہ میں بڑی قدرت ہے، جسے چاہے بخش دے۔ مجھی کو دیکھو مَیں ایک زمانے میں اس وادی میں آگے سے بھٹا ہوا ایک صُوف کا جُبّہ پہنے خطاب کے اُونٹ چرایا کرتا تھا، اور خطاب کے مزاج کی سختی کا یہ عالم تھا کہ کام کرؤ تو ناراض، اور کام میں کوتاہی کرؤ تو ناراض، یعنی بہر صورت ناراض، اور پھر مار بھی کھاؤ، اور آج خدا کی قدرت سے روئے زمین پر مَیں اللہ کی سطوت کی نشانی ہُوں، اور اس کے بعد عربی کے یہ اشعار آب دار سُنا کر رفقاء کو تڑپا دیا:

لاشئ فیما یری تبقی بشاشۃ یبقی الالٰہ ویودی المال والولد
لن تغن عن ھرمز یوماً خزائنہ والخلد قد حاولت عاد فما خلدوا
ولا سلیمان اذ تجری الریاح لہ والانس والجن فیما بینہا تلد
این الملوک التی کان نوافلہا من کل اوب الیہا راکب یفد
حوضا ھنالک مورود بلا کذب لا بد من وردہ یوماً کما وردوا

(منظوم ترجمہ از مترجم)

ہر شے فنا نُورد ہے اس شہ سراب میں آتے کہاں ہیں جاہ و کرامت حساب میں
گردوں سپاہ کتنے شہنشہ چلے گئے گویا نظر وہ آئے تھے ہستی کے خواب میں
کسریٰ زر و گہر کی تمنا میں مر گئے عادِ ارم بقائے تنعّم کے باب میں
ہیہات مٹ گئی وہ سلیماں کی سلطنت جنّ و مَلک کہاں کہ رہیں پیچ و تاب میں
سب کج کلاہ سارے تہمتن چلے گئے شانِ شہنشہی ہوئی قائم حباب میں
انسان مرگ سے متوحش کبھی نہ ہو بے صرفہ خوش دلی ہے یہ ہستی کے باب میں

عدالت

زہری نے سالم بن عبداللہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے: "خلافتِ فاروقی کا عہد تھا، اور ہم مصر میں تھے۔ وہاں عبدالرحمٰن بن عمرؓ اور ابو سروعہ عقبہ بن الحارث نے کوئی ایسی چیز پی جو نشہ آور ثابت ہوئی۔ جب یہ بحال ہوئے، تو مصر کے والی عمرو بن العاصؓ کے پاس گئے اور کہا: "ہم نے نشہ آور چیز پی لی ہے، ہمیں پاک کر دیجیے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب میرے بھائی نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تو میں نے کہا، "تم اندر آجاؤ، میں تمہاری شرعی سزا تم کو دے دوں اور تم کو پاک کر دوں"

عبدالرحمن نے مجھ کو بتایا کہ انھوں نے تو امیر سے ذکر کر دیا ہے۔ میں نے کہا، "چلو میں خود تمہارا سر مونڈ دوں، ورنہ بر سرِ عام تمہیں یہ برداشت کرنا پڑے گا۔"

ان دنوں حد قائم کرنے کے ساتھ ساتھ شرعی خطا کار کا سر بھی مونڈ دیا جاتا تھا۔ عبدالرحمن میرے ساتھ ہو لیے اور میں نے اپنے ہاتھ سے اُن کا سر مونڈا۔ اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے انہیں کوڑے مارے۔ یہ اطلاع امیرالمومنین کو بھی پہنچی اور انھوں نے امیر مصر کو لکھا: "میرے لڑکے عبدالرحمن کو اونٹ کی ننگی پُشت پر سوار کرکے میرے پاس بھیج دو۔"

عمرو نے یہی کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے انہیں (عبدالرحمن کو) دُرّے مارے اور ان کے پورِ خلافت ہونے کے باعث ان کو مزید سزا دی اور پھر چھوڑ دیا۔

اس کے بعد کئی مہینے تک وہ تندرست و سالم زندہ رہے کچھ عرصہ بعد ان کی قضا آگئی اور وہ مر گئے لیکن عوام یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس لڑکے کی موت فاروق اعظمؓ کے اسے سزا دینے سے واقع ہوئی ہے حالانکہ اس کی موت طبعی موت تھی۔ میں (ابن جوزی) اس بات کا مخالف ہوں کہ یہ تصور بھی کیا جائے کہ عبدالرحمن بن عمرؓ نے شراب پی تھی۔ دراصل انھوں نے نبیذ پی تھی اور ان کا خیال تھا کہ اس میں نشہ کی صفت نہیں پیدا ہوئی یہی حال ابو سروعہ کا تھا جو اصحابِ بدر میں سے ہیں (یعنی وہ عظیم معرکہ حق و باطل میں پیغمبر کے جاں نثاروں اور اللہ کے غازیوں میں تھے) جس وقت نبیذ نے ان دونوں پر نشہ طاری کر دیا تو دونوں نے چاہا کہ ان کی تطہیر اور پاکی کا انتظام کر دیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ ان پر شرعی حد قائم کی جاتی۔ ہر چند کہ اس (نادانستہ نشہ خوری پر) ندامت ہی کافی تھی لیکن اللہ کے ان دونوں غیور بندوں نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنے نفوس کو سخت ملامت کی اور اپنے کو حد کے لیے تسلیم کیا۔

جہاں تک عمرؓ کی ضرب کا تعلق ہے وہ حد نہ تھی۔ اس لیے کہ حد دُہرائی نہیں جاتی بلکہ اُس کا مقصد یہ تھا کہ عبدالرحمٰن کی مزید فہمائش اور تنبیہ ہو سکے اور اُمّت کے سامنے شرعِ محمدیؐ کی عظمت کا نقش قائم ہو سکے۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے اس واقعہ کو امیرالمومنین سے انتقام لینے کا ایک حربہ بنا رکھا ہے۔ کبھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ عمرؓ کے بیٹے کو بادہ نوشی کے سلسلے میں مارا گیا اور کبھی یہ اُن پر زنا کا الزام لگاتے ہیں۔

شخصیت کی بوقلمونی

یحییٰ بن جعدہ نے فاروقؓ کا قول نقل کیا ہے: "اگر یہ چند لذتیں نہ ہوتیں، مثلاً راہ خدا میں بادیہ پیمائی، اس کی بارگاہ میں جبین نیاز رکھنا اور ایسے اشخاص کی صحبت جو اچھی باتیں اس دلچسپی اور ذوق سے قبول کرتے ہیں گویا یہ باتیں باتیں نہیں، وہ لذیذ اور شیریں پھل ہیں جنہیں لوگ بڑی رغبت سے اٹھا لیں، تو میں اپنی ارضی زندگی کے خاتمہ کی تمنا کر دیتا۔ گویا یہی چند چیزیں ہیں جن کے سہارے میں جی رہا ہوں۔"

یحییٰ بن سعید کا بیان ہے کہ:

حضرت عمرؓ نے حسین بن علیؓ کو ان کے کسی کام کے سلسلے میں گھر پر بلایا جب وہ پہنچے تو عبداللہ بن عمرؓ نے اُن سے پوچھا کہ وہ کیسے آئے اور جب انھوں نے امیرالمومنین سے ملنا چاہا تو عبداللہ بن عمرؓ نے اس کی اجازت نہ دی۔ حضرت حسینؓ پلٹ آئے۔ بعد میں جب ان کی اور حضرت عمرؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ وہ آئے کیوں نہیں؟ حضرت حسینؓ نے امیرالمومنین کو اپنے جانے اور واپس آجانے کا واقعہ سنایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "تم میرے لیے عبداللہ (مراد عبداللہ بن عمرؓ)

کے مثل ہو، تم میرے لیے میرے بیٹے کے مثل ہو۔"

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص تھا، وہ اس عہد کے تمدنی ماحول میں اکثر عمرؓ کی ریش مبارک کے دو ایک بال نے لیا کرتا تھا آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا، "وہ اس قسم کی محبت اور بے تکلفی کے قائل نہیں!"

سوید بن علقمہ کہتے ہیں عمرؓ بہت صبح بیدار ہو جاتے تھے اور فجر کی نماز میں سورۂ ہود اور سورۂ یوسف کی تلاوت کرتے تھے۔

زہری نے سالم سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کو کسی نے "یا زان" یعنی اے زنا کار کہہ کر مخاطب کیا۔ اس آدمی نے سخت احتجاج کیا اور کہا میں زانی نہیں ہوں یہ رد و قدح بڑھ گئی اور معاملہ فاروقؓ کی عدالت میں پیش ہوا۔ امام عادل نے اتہام اور بہتان لگانے والے پر حد قائم کی۔

اوزاعی کہتے ہیں "کسی نے مجھے بتایا تھا عمر کو ایک گھر سے بین کرنے کی آواز آئی۔ وہ وہاں پہنچے اور رونے والے کی تنبیہ کا ارادہ کیا۔ وہیں ایک بین کرنے والی عورت بھی تھی۔ امیرالمومنین نے اس عورت کو بین کرنے پر سزا دی، اتنی کہ اس کا نوحہ گری کا شعار ہرن ہو گیا۔ امیرالمومنین نے فرمایا: "یہ عورت پیشہ ور رونے والی ہے۔ یہ تم سے رقم اینٹھتی ہے اور آنسو بہاتی ہے اس کو تمہارے غم و الم سے کیا تعلق۔ یہ عورت اپنی نوحہ گری سے تمہارے مُردوں اور تمہارے زندوں، دونوں کو اذیت دیتی ہے یہ نوحہ گر عورت تم کو صبر سے باز رکھتی ہے اور گریہ و زاری پر آمادہ کرتی ہے درآں حالیکہ اللہ نے صبر کی تلقین کی ہے اور جزع و فزع سے روکا ہے۔"

نطقِ درخشاں اور کلام بلاغت نظام

محمد بن سیرینؒ کا بیان: "میں نے عمرؓ کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی تھوڑی دیر میں ابن خطابؓ قریشی جوانوں کے جھرمٹ میں آگے بڑھے ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس وقت میرے بغل میں ایک گٹھڑی تھی۔ ارشاد ہوا: "ابن سیرین یہ کیا لیے ہوئے ہو!" میں نے عرض کیا: "امیرالمومنین، دراصل میں خرید و فروخت کے لیے بازار آتا رہتا ہوں"۔ امیرالمومنین اہل قریش سے مخاطب ہوئے: "کہیں ابن سیرین اور ان سے (عالی حوصلہ) تجارت پیشہ نوجوان تم کو کاروبار میں پیچھے نہ چھوڑ جائیں! یاد رکھو تجارت ایک ثلث امارت و تجارت ہے۔"

خوات التیمی سے روایت ہے کہ ایک بار عمر بن الخطاب نے قریش کے قاریوں کو یہ دل پذیر نصیحتیں کیں: "سر اُٹھا کے چلو۔ راہِ حق کا نشان مل چکا ہے۔ اپنے اندر حسنِ عمل کی آرزو پیدا کرو اور مسلمانوں پر بار مت بنو۔"

حسن نے ایک عمری قول نقل کیا ہے جس سے ان کا حرکی تصورِ تجارت واضح ہوتا ہے وہ قول یہ ہے کہ تین بار متواتر کسی کاروبار میں ہاتھ ڈالنے کے بعد بھی کچھ حاصل نہ ہو تو پھر نیا کاروبار شروع کرنا چاہیے۔

ایک شخص نے حضرت عمر کے سامنے آہیں بھرنی شروع کیں اس پر (اسلام کے فلسفۂ امید و عمل کے پیامی نے) اسے سختی سے جھڑک دیا۔"

مجاہد کہتے ہیں "عمر بن الخطاب نے حُدی خوانوں (حُدی وہ نغمہ ہے جسے شتربان گاتے ہیں اور جسے سُن کر اونٹ مست ہو جاتے ہیں اور اُن کی رفتار پر اس کا خوش گوار اثر پڑتا ہے۔ ش۔ ح۔ ع) کو اپنے نغموں میں اُن عورتوں کے ذکر سے روک دیا تھا جن کے وہ محرم نہ ہوں۔

ابراہیم نے ہمیں ابن خطاب کی یہ گراں بہا نصیحت سنائی ہے کہ عذر تراشیوں اور بہانہ جوئیوں سے بچنا چاہیے اس لیے کہ اکثر اُن میں مکر اور جھوٹ کا عنصر شامل رہتا ہے۔

سعید بن ابراہیم نے بیان کیا ہے: "ملکی معیشت کو تباہ کرنے والوں کو حضرت عمرؓ نے شدید انتباہ کیا تھا اور فرمایا تھا: اگر دینی اور انتشار رواج پا جائیں تو پھر کوئی چیز سالم نہیں رہ پاتی۔ لیکن اگر انتشار کی صورت نہیں ہے تو معاشرے کا کچھ نہیں بگڑتا۔"

حنش بن الحارث النخعی نے اپنے والد کو جنہیں قادسیہ کے معرکہ کارزار میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا، کہتے سنا: "ہم لوگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب قادسیہ سے پلٹ کر آرہے تھے تو ہم میں سے ایک شخص تھا جس کی عادت تھی کہ وہ گھوڑوں کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی ختم کر دیتا تھا۔ یہ خبر امیر المومنین کو ملی تو انھوں نے ہدایت کی: "جانوروں سے مہر و محبت کا سلوک کرنا چاہیے۔"

یونس بن معاویہ بن قرہ نے اپنے والد کے حوالہ سے روایت کی ہے "عمر بن الخطاب کا قول ہے، "کفر کی لعنت کے بعد دنیا میں بد زبان اور کج خلق عورت سے بڑھ کر کوئی شے موجبِ آزار نہیں اور ایمان کی دولت کے بعد کسی نعمت کو بھی زنِ غمگسار و پر آغوش پر (جس کی گود بھری ہو) ترجیح نہیں دی جا سکتی۔"

احنف بن قیس نے امیر المومنین سے سُنا تھا: "ہنسی مذاق کرنے والے کا وقار گر جاتا ہے۔" اس سلسلے میں لیث بن سعد کہتے ہیں۔ "حضرت عمرؓ نے ایک بار ہم سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو مزاح (ہنسی مذاق) کو مزاح کیوں کہتے ہیں؟" پھر فرمایا: "اس لیے کہ یہ ہمیں حق سے دُور کر دیتا ہے۔"

ابو عبدالرحمن بن عطیہ بن دلاف نے اپنے والد کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے: "کسی کے نماز روزے سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ بات کرتے وقت ایک آدمی سچ بولتا ہے یا جھوٹ اور اُس کا تقویٰ فراغت اور امیری کے دور میں بھی قائم رہتا ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جاتی ہے تو وہ خیانت تو نہیں کرتا۔"

ہشام بن عروہ نے بھی اپنے پدرِ معظم سے سن کر ہمیں اس رائے سے مطلع کیا ہے:
"کبھی کسی عورت کو کسی مردِ قبیح اور بدنفس و لئیم کے عقد میں مت دو۔ جو چیزیں تم مردوں کو اچھی لگتی ہیں وہی عورتوں کو بھی خوش آتی ہیں۔"

مطلب بن عبداللہ بن حنطب نے حضرت عمرؓ کو کہتے سنا تھا: "میں نہ اس مومن کو تمہارے لیے خطرناک سمجھتا ہوں جس کا ایمان ظاہر ہو چکا ہے اور نہ اس کافر کو جس کا کفر علانیہ ہو چکا ہے۔ البتہ میں تمہاری خاطر اس منافق سے ضرور ڈرتا ہوں جو کہنے کو ایمان کی پناہ ڈھونڈتا ہے مگر اس کے اعمال تمام کے تمام ایمان کے منافی ہوتے ہیں۔"

زیاد بن حدیرؓ نے ذیل کے عمری ارشادات ہم تک پہنچائے ہیں: "میں جتنا ان تین چیزوں کو تمہارے لئے خطرناک سمجھتا ہوں اتنا کسی دوسری چیز کو خطرناک نہیں سمجھتا۔ وہ یہ ہیں:"

"اوّل یہ کہ ایک منافق تمہارے سامنے بڑی صحت کے ساتھ یعنی واؤ یا الف تک کی غلطی کا ارتکاب کئے بغیر قرآن پڑھے اور لوگوں پر اپنا علمی تفوق ثابت کر دے مگر اس کا مدعا ہو دراصل یہ کہ لوگوں کو گمراہ کر دے۔ دوسرے یہ کہ عالم لغزش کرے تیسرے یہ کہ خود ائمہ جو امامت کا نازک اور محترم کا انجام دیتے ہیں گم گشتہ راہ ہو جائیں۔"

ابن عباس نے بھی حضرت عمر کی ایک دل نشین اور موعظت ریز تقریر میں اسی خیال کی بازگشت سُنی تھی۔ دراصل امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اُمت کو منافقوں، جاہلوں، گمراہ اور غیر ثقہ عالموں سے ہوشیار رہنے کی بار بار تلقین کی ہے۔"

حارث بن النعمان نے انس بن مالک کے حوالے سے فاروق کے یہ حکیمانہ اقوال نقل کیے ہیں: "زلزلے وہاں آتے ہیں جہاں بدکاری اور فحاشی کی گرم بازاری ہوتی ہے اور خشک سالی کا باعث بے ایمان عدلیہ او رجفا پرور قائدین ہوتے ہیں۔"

حارث بن مضرب کہتے ہیں حضرت عمر کا خیال تھا کہ عورتوں کو زیادہ زیب و زینت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس تجمّل اور آرائش کے بعد انھیں (عورتوں کو) جلوت کی ہوس ہوتی ہے اور وہ باہر نکل کھڑی ہوتی ہیں۔

حفص بن عمر کہتے ہیں عمر بن الخطابؓ کا قول ہے: "آدمی کی خندہ روئی سے اُس کے علم پر خوش گوار اثر پڑتا ہے۔"

ابو عمر الشیبانی سے روایت ہے امیر المومنین کو جس وقت ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ مستقل طور پر روزے رکھتا ہے تو آپ نے اسے سخت تنبیہ کی اور ہدایت کی کہ وہ اس طرزِ عمل سے باز آجائے۔

ابو وائل کہتے ہیں فاروقِ اعظمؓ ایک بار لوگوں سے مخاطب ہوئے اور کہا: "آخر تم لوگ سماج دشمن اشخاص سے تعرض کیوں نہیں کرتے؟" لوگوں نے کہا: "ایسے اشخاص بدزبانی پر اُتر آتے ہیں۔" تو فرمایا "یہ بد زبانی برداشت کر لینی چاہیے مگر ان عناصر کو کسی صورت میں پنپنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔"

سعید بن المسیب نے ہمیں ایک اور عمری قول سنایا ہے: "جب تک قوم کے ائمہ اور زعماء اور رہبر ٹھیک رہیں گے لوگ ہرگز ہرگز نہیں بھٹک سکیں گے۔"

حسن کہتے ہیں ایک بار عمر بن الخطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے توند نکل آئی تھی اس سے پوچھا: "یہ کیا؟" (یعنی یہ توند کیسے نکال لی؟) اس توند والے نے کہا: "یہ اللہ کی برکت ہے۔" فاروق غضبناک ہو گئے اور فرمایا: "یہ برکت نہیں، عذاب ہے۔"

ابن حصین نے عمری قول دُہرایا ہے: "اللہ تمہارے دل میں کسی مسلمان کی محبت ڈال دے تو اسے قائم رکھو۔"

مُصعب بن سعد نے بھی ناطقِ حق و صواب (حضرت عمرؓ) کا یہ مقولہ پیش کیا ہے: "عموماً لوگ اپنے باپ کے مقابلے میں اپنی ماؤں پر زیادہ جاتے ہیں۔"

نافع نے ابن عمرؓ کے حوالے سے حضرت عمر کی ایک تقریر کا ایک جملہ نقل کیا ہے: "اگر تم سے غلطی سے داد و دہش زیادہ ہو جائے تو یہ ناداروں کے لئے رحمت ہے اور ایسے مال و زر پر تاسف نہیں کرنا چاہیے۔"

یونس بن عبید نے ایک عجیب بات سنائی، وہ کہتے ہیں، حضرت عمر کا ارشاد ہے: "کسی شخص کے لئے گم گشتہ راہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ بلاسبب اپنی یاوہ گوئی سے اہل مجلس کو آزار پہنچائے اور لوگوں کو ان عیوب پر ٹوکتا پھرے جن میں وہ خود مبتلا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے کو وہ کچھ بنا کر پیش کرے جو وہ حقیقت میں نہیں ہے۔"

عبید بن اُم کلاب کہتے ہیں میں نے امیر المومنین کی ایک تقریر سنی تھی۔ فرماتے تھے: "لوگوں کو آدمی کے جلالِ شب یعنی اس کی راتوں کی عبادت گزاری سے اور اس کے زاہدانہ کر و فر اور طنطنہ سے قطعاً نہیں متاثر ہونا چاہیے۔ انھیں اس شخص کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے، جو ایمان دار اور متدیّن ہو۔ اور لوگوں کی عزتیں اور حرمتیں اُس کے ہاتھوں محفوظ ہیں۔ ایسا آدمی ہی دراصل مردِ کامل ہے۔" گویا محض ظاہری عبادت گزاری ہی تقویٰ اور برگزیدگی کے لیے کافی نہیں۔

اعمش، اسمٰعیل اور مسروق نے ہمیں حکمتِ فاروقی کی مزید جھلکیاں دکھائی ہیں: "بُرے ساتھیوں سے کنارہ کش ہو جانے میں بڑا لطف ہے۔"
"عزلت گزینی اور گوشہ گیری فسق و فجور کی مجلسوں میں شرکت کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔"
"آدمی کا دین ہی اُس کا حسب و نسب ہے اور عقل و دانائی اس کی بنیاد ہیں اور اس کی شخصیت کا مدار اُس کی شجاعت اور کرم پر ہے۔"
"محمد بن عاصم سے روایت ہے: "ہمیں بتایا گیا فاروقِ اعظم عموماً اچھے نوجوانوں کو دیکھتے تو خوش ہوتے اور ان کے حالات پوچھتے اور منجملہ اور چیزوں کے یہ ضرور پوچھتے کہ، یہ صاحب کہیں کام بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر معلوم ہوتا کہ نہیں، تو وہ فرماتے: "یہ نوجوان میری نگاہوں میں گر گیا۔"

نعیم بن ابی ہند کہتے ہیں، امیر المومنین نے ایک موقع پر فرمایا: "جو دعویٰ کرے کہ وہ مومن ہے، وہ دراصل کافر ہے اور جو یہ کہے کہ وہ عالم ہے، وہ دراصل جاہل ہے اور جو متقی سے اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ کرے وہ ناری ہے۔"

زید بن اسلم کہتے ہیں: "فاروقِ اعظمؓ کی رائے میں نوجوانوں کے گناہوں کی ذمہ داری سے بچنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بالغ ہونے پر اُن کی شادیاں کر دی جائیں۔"

ابن المسیب امیر المومنین عمر بن الخطاب سے نقل کرتے ہیں: "کوئی دُعا جو سید البشر علیہ السلام پر دُرود بھیجے بغیر مانگی جاتی ہے، وہ عرش تک نہیں پہنچ پاتی۔ وہ اوپر جانے کی راہ پاتی ہی اس وقت ہے جب وہ نام لیا جائے جس سے بزمِ گہِ ہستی میں اُجالا ہے۔"

ارطاۃ بن منذر نے بعض لوگوں کو حضرت عمرؓ کے یہ اقوال دُہراتے سُنا تھا: "لوگوں کو زیادہ اپنی آرائش و زیبائش میں نہیں لگے رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ درحقیقت بندگانِ خدا وہ ہوتے ہیں جو عیش و عشرت اور لہو و لعب میں نہیں محو ہو جاتے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عاصم نے اپنے والد کا قول نقل کیا ہے "میرے لیے صرف اتنا جائز ہے کہ میں جس قسم کی زندگی خلافت سے پہلے گزارتا تھا بس اس کے معیار کو برقرار رکھنے کے لیے بیت المال سے کچھ لے لوں۔ اس سے زیادہ نہیں" عاصم کہتے ہیں "اکثر ایسا ہوتا کہ ان کے لیے (امیر المومنین کے لیے) گھی کی پکی ہوئی کوئی نہ کوئی چیز لائی جاتی اور وہ یہ کہہ کر اس مرغن غذا سے ہاتھ کھینچ لیتے کہ وہ ایک عرب ہیں اور تیل سے دست کش نہیں ہو سکتے۔"

حضرت حسن سے ایک اور روایت ہے "عمر بن الخطابؓ اور عثمان بن عفانؓ مؤذنوں، اماموں، اُستادوں اور قاضیوں کی معاش کی فراہمی کا انتظام فرمایا کرتے تھے۔"

ربیع بن زیاد الحارثی کا بیان ہے "ایک بار وہ امیر المومنین سے ملنے آئے تو کہا؛ امیر المومنین! آخر آپ سے زیادہ تو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عیش و آرام اور فراغت سے زندگی گزارے اور اچھے کھانوں، نرم اور ملائم لباس اور معقول سواری سے بہرہ اندوز ہوتا رہے۔"

امیر المومنین کسی چیز سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں کھجور کی ایک صاف ٹہنی تھی۔ یہ سنتے ہی وہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اس چھڑی سے ربیع کے سر پر مار دیا اور فرمایا "میں جانتا ہوں تم نے یہ سب کچھ مجھ سے تقرب حاصل کرنے کے لیے کہا ہے۔ یاد رکھو اس سے (اس تعلق سے) میری رائے تمہارے بارے میں دفعتہً بدل گئی ہے۔ لو میں بتاتا ہوں میرا اور اُمت کا کیا رشتہ ہے؟ ہمارا یہ رشتہ کچھ یوں ہے کہ ہم ایک قافلہ کے مانند ہیں اور جیسا کہ قافلہ میں ہوتا ہے، قافلے والے اپنا ایک آدمی چن لیتے ہیں کہ اس کے پاس اہلِ قافلہ کی تمام رقوم جمع رہیں اور وہ اُن کی طرف سے صرف کرتا رہے۔ اب ظاہر ہے یہ شخص قافلے والوں کو نظر انداز کر کے محض اپنی ذات کو اہمیت نہیں دے سکتا اور نہ اپنے کو دوسروں پر ترجیح دے سکتا ہے۔"

ایثارِ حق

نافع نے ابن عمرؓ کے حوالے سے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں جب کچھ زمین حاصل ہوئی تو انھوں نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اُن کی ملکیت میں اس وقت تک اس زمین سے زیادہ قیمتی اور کوئی چیز نہیں آئی! اور یہ کہ اس کے بارے میں فخر موجوداتؐ کا کیا ارشاد ہے۔ حضور سرورِ عالم نے فرمایا؛ اگر تم پسند کرو تو اصل زمین پر قابض رہتے ہوئے اس پر منافع کو صدقہ جاریہ کی حیثیت دے دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی کیا اور انھوں نے اپنی زمین کو جسے انھوں نے ناقابلِ انتقال اور ناقابلِ بیع و وراثت قرار دیا تھا غرباء، فقراء، ضعفاء اور غازیانِ اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ اس جائداد کے والی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اس سے بطور منتظم کے دیانت دارانہ طور پر کچھ معاوضہ لے اور اس پر اپنے نادار اور غیر متمول دوستوں کا بھی بار ڈال سکے۔ اسی روایت کی رو سے حضرت عمرؓ نے اُم المومنین حضرت حفصہؓ اور اُن کے انتقال کی صورت میں اپنے کنبے کے اکابر کو اس جائداد میں اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا۔

قاسم کا بیان ہے کہ پہلا شخص جس نے بدر کے معرکۂ حق و باطل میں جامِ شہادت نوش کیا وہ حضرت عمرؓ کے غلام مہجعؓ تھے۔

مرگِ فاروقؓ پر اجنہ کی نوحہ سرائی

یہ روایت ثمامہ بن عبداللہ بن انس کی بیان کردہ ہے عمر بن الخطابؓ اپنی زندگی کا آخری حج ادا کرنے جا رہے تھے۔ ابھی وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے کہ ناگاہ کسی نے کہیں سے پکار کے ذیل کے یہ چند اشعار پڑھے، مگر یہ پڑھنے والا تھا کون؟ لوگوں نے ہر چند صحرا میں سر مارا، مگر کوئی نظر نہ آیا۔ زید کا بیان ہے کہ لوگوں نے حضرت عائشہؓ کو یہ کہتے سُنا تھا کہ یہ اشعار عمرؓ کی موت پر دراصل جنوں کی نوحہ سرائی تھے۔

جزیٰ اللہ خیرًا من امیرٍ و بارکت … ید اللہ فی ذاک الاہاب الممزق
ولیت اموراً ثم غادرت مثلہا … نوائج فی اکما مہا لم تفتق
فمن یسع او یرکب جناحی نعامۃ … لیدرک ما قدمت بالامس یسبق
وما کنت اخشی ان تکون وفاتہ … بکفی سبنتی ازرق العین مطرق
نیا لقتیل با المدینۃ اظلمت … لہ الارض واھتز العضاہ باسوق
فلقاک ربی فی الجنان تحیۃ … ومن کسوۃ الفردوس لا تتخرق

ترجمہ منظوم از مترجم

ملبوسِ پارہ پارہ میں اک مردِ ذی وقار … جاتا ہے اس جہاں سے بصد شانِ اعتبار
پیماں پہ کاربند تھا روزِ الست کے … عقبیٰ میں سُرخ رو ہو محبت کا تاجدار
آلام سہہ کے خود غمِ گیتی مٹا گیا … جاتے ہی اس کے مٹ گیا گلشن کا سب نکھار
اب کون مشکلوں کو مسخر کرے گا یوں … اب کون کر سکے گا نگاہِ خرد شکار
چاٹے ترا لہو نمرِ نیلگوں نگاہ … کس کو خبر تھی آہ پیمبرؐ کے جاں نثار
گلگوں قبائے شہرِ مدینہ کی موت پر … کانپا فلک تو روئی زمینِ عزا گزار
جنت میں منتظر ہیں ملائک قدوم کے
فردوس نزہتوں کو سمیٹے گا جھوم کے

یہاں چوتھے شعر میں السبنتی سے مراد نیندوے سے ہے۔ یہ تشریح ابو عبید القاسم بن سلام کی ہے۔ اسی شعر میں ازرق العین (یعنی نیلی آنکھوں والے) سے یہ گمان گزرتا ہے کہ ممکن ہے اس سے مراد غیر عرب اور دشمن سے ہو۔ اس لیے کہ عربوں میں نیلی آنکھیں نادر الوجود ہوتی ہیں۔ گویا اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ مجھے یہ توقع بالکل نہ تھی کہ عمرؓ کی موت ایک نیلی آنکھوں والے درندہ صفت دشمن کے ہاتھوں واقع ہوگی۔

تمنائے موت

یحییٰ بن سعید الانصاری نے سعید بن المسیبؒ سے یہ تذکرہ سنا تھا کہ عمر بن الخطابؓ نے ایک بار چند پتھریلی کنکریاں جمع کیں اُن پر اپنی چادر ڈالی اور پھر اس پتھریلے بستر پر دراز ہو گئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا؛ "معبود میں بوڑھا ہو گیا ہوں میری قوت اور توانائی کم ہو گئی۔ میری رعیت دور دور تک پھیل گئی۔ اب مجھے اپنی جانب کھینچ لے اور مجھے ناکام و نامراد نہ رہنے دے۔" چنانچہ ابھی ماہ ذی الحجہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور اُن پر اللہ کی رحمت تمام سایہ فگن رہے، وہ واصل بحق ہو گئے۔

جوانِ بنی عدی کا ذوقِ شہادت

زید بن اسلم نے اپنی والدہ سے اور انہوں نے خود حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے سُن کر ان کا بیان ہم تک پہنچایا ہے "میں نے اپنے والد کو ایک بار یہ کہتے سُنا خداوندا مجھے تیری راہ میں شہید ہونا اور تیرے نبیؐ کے دیار میں مرنا نصیب ہو۔ اس پر میں نے پوچھا [illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" فرمایا "اگر خدا کو منظور ہو تو بے شک ہوسکتا ہے"۔

یہ روایت صرف بخاری میں موجود ہے اور وہاں یہ روایت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: "اللہ مجھے اپنی راہ میں اور اپنے نبی معظم کے شہر میں مرنے کی توفیق عطا فرما"۔

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں!

معدان بن ابو طلحہ الیعمری کا بیان ہے: عمر بن الخطابؓ نے ایک روز جمعہ میں ہمیں مخاطب کیا۔ تقریر کی ابتداء اللہ کی ستائش سے فرمائی اور پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ہوا۔ اس کے بعد ابو بکرؓ کو یاد کیا گیا، اور پھر فرمایا: "میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر اس کے ماسوا بظاہر کچھ اور نہیں ہے کہ میرا وقت قریب آچکا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک مرغ نے مجھے دو ٹھونگیں ماریں۔ میں نے خواب کا قصہ ابو بکرؓ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس سے بیان کیا۔ کہنے لگیں "تمہیں کوئی باہر کا آدمی قتل کرنے والا ہے"۔

فاروق (بین الکفر والاسلام) کی تاریخ وفات اور اُن کی عُمر

قتادہؓ نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ پر بدھ کے دن قاتلانہ حملہ ہوا اور دوسرے دن یعنی جمعرات کو ان کی موت واقع ہوئی۔

اسماعیل ابن محمد بن سعد کا بیان ہے کہ "حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ چہار شنبہ کو ہوا تھا جب کہ ماہ ذی الحجہ کے ختم ہونے میں ابھی چار راتیں باقی تھیں۔ یہ ۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ البتہ تدفین آپ کی اتوار کو صبح کو جس سے ماہ محرم کی ابتدا ہوئی تھی، انجام پائی تھی آپ دس سال پانچ ماہ اور ۲۱ دن تک اسلام کی ولایت اور مسلمانوں کی زعامت کا بار گراں سنبھالے رہے۔ بعض نے یہ مدت ولایت دس سال چھ ماہ اور چار دن کی تسلیم کی ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔

نمازِ جنازہ اور تدفین

اس سلسلے میں نافع نے عبداللہ بن عمرؓ کا ذیل کا بیان ہم تک پہنچایا ہے "عمر شہید مرے اور انہیں غسل بھی دیا گیا۔ کفن بھی پہنایا گیا اور ان کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی گئی۔ یہ نماز مسجد نبوی میں پڑھی گئی۔

ابن سعد کا قول ہے۔ علی بن الحسینؓ نے جب سعید بن المسیّب سے پوچھا کہ حضرت عمرؓ کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی تھی۔ تو انہوں نے جواب دیا: "صہیبؓ نے"۔

ابن حسینؓ نے اس نماز میں تکبیروں کی تعداد دریافت کی تو بتایا گیا کہ تکبیروں کی تعداد چار تھی۔ پوچھنے پر انہیں (علی بن حسین کو) یہ بھی بتایا گیا کہ حضرت عمرؓ کی نمازِ جنازہ، قبرِ رسولؐ اللہ اور منبرِ نبویؐ کے درمیان پڑھی گئی۔

حضرت عمرؓ کو قبر میں لے کر اترنے والوں میں بقول جابرؓ، حضرت عثمانؓ، سعید بن زید بن عمروؓ، صہیبؓ اور عبداللہ بن عمرؓ تھے۔ ہشام بن عروہ کے بیان کے مطابق جب ولید بن عبد الملک کے عہد میں شیخین کرامؓ کی قبروں پہ دیوار گری اور اس کی از سرِ نو تعمیر شروع ہوئی تو اس دوران انہیں ایک پاؤں نظر آیا اور اس خیال سے کہ کہیں یہ پاؤں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نہ ہو لوگ کانپ اٹھے۔

اب تلاش ایسے معتبر شخص کی تھی جو یقین سے کہہ سکے کہ یہ پاؤں کس کا تھا؟

آخر میں حضرت عروہ نے فیصلہ کیا: "یہ ہرگز آنحضرت صلعم کا پاؤں نہیں ہوسکتا۔ یہ پاؤں عمرؓ کا تھا"۔

در حدیثِ دیگراں

ابو بکر الصدیقؓ

جس وقت آپ نے اپنی جانشینی کے لیے امّت کے لیے عمرؓ کے نام کی سفارش کی اور آپ سے کہا گیا کہ آپ عمرؓ جیسے سخت گیر شخص کو ہم لوگوں کا حاکم بنا کر جا رہے ہیں۔ آخر آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: "اس صورت میں میں یہ کہوں گا کہ اے خدا! میں تیرے سب سے بڑے پرستار کو امّت کی زمام سونپ کر آیا ہوں"۔

عثمان بن عفانؓ

اسماعیل بن خالد کا بیان ہے۔ ایک بار عثمان بن عفان سے پوچھا گیا: "آپ عمرؓ بن الخطابؓ کیوں نہیں بن جاتے" تو فرمایا: "میں لقمان بننے کی اہلیّت نہیں رکھتا۔" (یعنی عمر بن الخطاب بننا اتنا ہی مشکل ہے جتنا لقمان حکیم بننا مشکل ہے)

علیؓ بن ابی طالب

جعفر نے محمد اور محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان یہ ہے۔ غسل اور تکفین کے بعد جب حضرت عمرؓ کو ان کے بستر پہ لٹا دیا گیا تو اس وقت حضرت علیؓ نے فرمایا: "بخدا اس وقت پوری دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کے اعمال میرے لیے اس زیرِ کفن شخصیت کے اعمال کے مقابلے میں قابلِ رشک ہوں۔ عمرؓ نے اپنا عہد و پیمان پورا کر دکھایا"۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے چہرۂ انور سے کفن سرکایا اور یوں گویا ہوئے "ابو حفص! تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ بخدا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد میرے لیے کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کے بارے میں یہ سوچوں کہ کاش اس کا نامۂ اعمال مجھے مل جاتا"۔

ابو سریجہ سے روایت ہے: "میں نے علیؓ کو کہتے سنا ہے کہ عمرؓ مخلصین خدا میں سے ہیں"۔

ابو اسحاق شعبی کہتے ہیں: "نجران کے لوگ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "امیر المومنین آج آپ کی زبان قانون ہے اور تمام احکام آپ کے ہاتھوں صادر ہوتے ہیں۔ عمری عہد میں ہمیں ہماری زمین سے نکال دیا گیا تھا کیوں نہ آپ وہ زمینیں واپس کر دیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: "ظالمو! عمرؓ کے تمام کام صحیح ہوتے تھے اور میں ان کے دور کی کارروائیوں میں کوئی تبدیلی نہیں لاؤں گا"۔

سعید بن زیدؓ

عمرؓ واصل بحق ہوئے تو سعیدؓ بہت روئے۔ کسی نے کہا: "کیسے رو رہے ہیں آپ"؟ فرمایا "میں تو خود اسلام کو روتا ہوں۔ عمرؓ کی موت اسلام کا ایک کاری زخم ہے جو تا صبح محشر مندمل نہ ہوسکے گا۔ ایک خلا ہے جو تا ابد پُر نہ ہوسکے گا"۔

عبداللہ بن مسعودؓ

زید بن وہب کا بیان ہے۔ ایک بار ہم لوگ ابن مسعودؓ سے ملنے گئے۔ ذکر چھڑ گیا فاروق اعظم کا۔ ابن مسعودؓ پر گریہ طاری ہوگیا اور ان کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے آنسوؤں نے اُن کنکریوں تک کو تر کر دیا ہے جن پر وہ بیٹھے تھے۔ ابن مسعودؓ نے روتے ہوئے کہا "یاد رکھو! عمر اسلام کا ایک ایسا قلعہ تھے جس میں داخل تو ہوا جا سکتا ہے، لیکن اس میں سے نکلا نہیں جا سکتا۔ وہ مرے تو اس قلعہ میں دراڑیں پڑ گئیں۔ شگاف نمودار ہوگئے اور اب لوگ اس میں سے باہر آتے جاتے ہیں"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حذیفہؓ کی مدح و ثنا

""عمرؓ کے عہدِ معدلت گستر میں اسلام کا اقبال روز افزوں تھا اور وہ کیا گئے کہ اسلام کا ادبار شروع ہو گیا جو اب تک جاری ہے"۔

ابو طلحہ الانصاریؓ

انس بن مالکؓ نے ابو طلحہؓ کا قول تاریخ و سیر کے حوالے کیا ہے: "کوئی ایک گھر بھی نہیں جسکی دنیوی اور دینی زندگی میں عمرؓ کی موت سے فرق نہ آیا ہو"۔

عائشہ رضی اللہ عنہا

قاسم بن محمد نے حضرت صدیقہ علیہا السلام سے روایت کی ہے: "عمرؓ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان کی تخلیق کا مقصد ہی

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

عیاں ہے اس سے عظمت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی — نبیؐ کرتے تھے عزت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی
رسول اللہؐ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے — رہے دل میں محبت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی
کئی بار ان کی باتیں بن گئیں آیاتِ قرآنی — مسلّم تھی فراست حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی
فلسطیں، مصر و روم و شام، ایران و یمن سب پر — رہی محکم حکومت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی
اُجاگر کر رہی ہے اپنے جلووں سے زمانے کو — تعالی اللہ! سیرت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی
سرورؔ اس کے لیے پھر عاقبت کا غم نہیں کوئی — کرے جو دل سے مدحت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی

سرور بجنوری

یہ تھا کہ اسلام سرفراز ہو۔ بخدا! عمرؓ بے حد زود گیر اور صاحب طبع دراک تھے۔ وہ منفرد اور اپنی مثال آپ تھے۔ اپنے معاصرین اور اقران کو انہوں نے مختلف کاموں کے لیے تیار کیا"۔

ام ایمنؓ

طارق بن شہاب کہتے ہیں: "جس دن عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو ام ایمنؓ بولیں، آج اسلام شق ہو گیا"۔

علی بن حسینؓ

ابو حازم کے والد نے ان سے کہا تھا: "علی بن الحسین سے پوچھا گیا۔ رسول اللہؐ کے دربار میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کی منزلت کیا تھی؟" وہی جو آج ہے کہ یہ دونوں نبی علیہ السلام کے ہم مرقد ہیں"۔

مجاہدؒ

واصل الاحدب نے مجاہد سے سنا تھا کہ ہم کہا کرتے تھے کہ امیر المومنین کے عہد میں شیاطین مقید ہو چکے تھے اور اب اُن کے قتل کے بعد زمین میں پھر پھیل گئے ہیں۔

ابن سیرینؒ

"سعید بن ابی صدفہ نے موصوف سے سنا تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم کے معاملہ میں کوئی اتنا محتاط نہ تھا"۔

ایوبؒ

حماد بن زید نے ایوب سے نقلِ قول کیا ہے: "اگر آنحضرت سے متعلق کوئی بات یا قول لوگوں میں اختلافی مسئلہ بن جائے تو ابو بکرؓ اور عمرؓ کی آراء سے تمسّک اختیار کرنا چاہیے۔ یعنی انہیں کے مسلک کو اختیار کرنا چاہیے"۔

طارق بن شہابؒ

قیس بن مسلم نے طارق بن شہاب سے سنا تھا: "ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ ابن خطاب کی زبان سے کوئی فرشتہ بولتا ہے۔ یعنی اُن کا کلام ملکوتی تھا"۔

اُمت کا خیال

عبد اللہ نے عبید اللہ بن عباس سے روایت کی ہے۔ عباس عمرؓ کے دوست تھے، عمرؓ کی شہادت کے بعد عباسؓ نے اللہ تعالے سے دعا کی کہ وہ انہیں خواب میں عمرؓ سے ملوا دے۔ سال بھر کے بعد عباس کو خواب میں عمرؓ نظر آئے۔ ان کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے عباس نے پوچھا، یہ تم کیا کر رہے تھے؟" کہا، "اب میں حساب سے فارغ ہوا ہوں۔ اگر رحمتِ خداوندی میرے شاملِ حال نہ ہوتی تو میرا تختہ ہی الٹ گیا تھا"۔ عباس کا یہ خواب تقریباً انہی الفاظ میں موسیٰ بن سالم اور ابو جہضم سے بھی مروی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

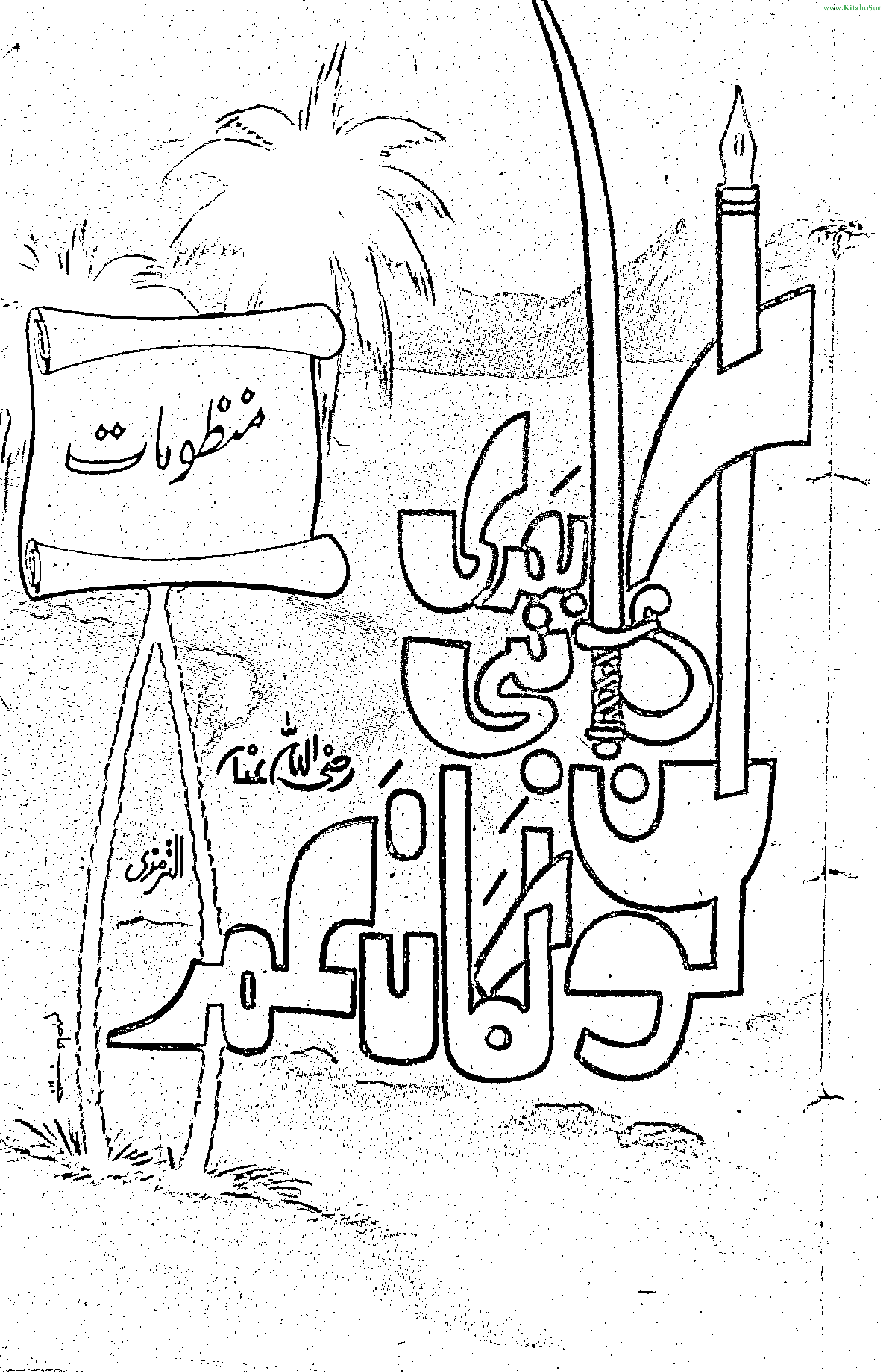

ایک اور پر اسرار خواب مشہور جلیل القدر صحابی ابو موسیٰ اشعریؓ کا ہے جو انس بن مالک کے وسیلے سے ہم تک پہنچا ہے۔ خواب خود ان کے الفاظ میں یہ ہے "میں نے دیکھا جیسے میں نے بہت سی ٹڈیاں اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھی ہیں۔ اور ایک ایک کر کے مرنے لگی ہیں۔ یہاں تک کہ صرف ایک ٹڈی باقی بچی ہے، میں نے اسی کو پکڑے رکھا اور اس کو لیے لیے ایک دشوار گزار پہاڑی پر پہنچ گیا، جسے سر کرنا بے حد مشکل تھا۔ یعنی وہاں قدم جمانا مشکل تھا۔ وہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کے برابر میں ابو بکرؓ بھی کھڑے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ انورؐ عمرؓ کو ہاتھ کے اشارے سے بلا رہے ہیں"۔

بیدار ہوتے ہی میں نے کہا "انا للہ وانا الیہ راجعون سمجھنا چاہیئے کہ اب امیر المومنین جلد ہی مر جائیں گے"۔

انس بن مالک کہتے ہیں "میں نے کہا، یہ خواب اب آپ امیر المومنین کو کیوں نہیں لکھ بھیجتے؟"

ابو موسیٰ نے جواب دیا "میں انہیں (امیر المومنین کو) انہی کی موت کی خبر نہیں دوں گا"۔

www.KitaboSunnat.com

مشعلِ راہِ وفا فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں!

ہادیٔ حق کی دعا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں
فخرِ محبوبِ خدا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

آپ سے روشن ہوئے ہر سمت الفت کے چراغ
مشعلِ راہِ وفا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

آپ ہیں دینِ محمدؐ کی روپہلی چاندنی
سایۂ لطف و عطا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

آپ ہیں شمشیرِ دیں، تنویرِ دیں، توقیرِ دیں
دینِ حق کے رہنما، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

آج بھی جو گونجتی ہیں مسجدوں میں رات دن
ان اذانوں کی بنا، فاروقِ اعظم آپ ہیں

اپنے خالد کو ہدایت کے اجالے بخش دیں!
سالکِ راہِ ہدیٰ، فاروقِ اعظم آپ ہیں

خالد شفیق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

دیگر عمرؓ کہ لائقِ پیغمبری بُدے
گر خواجۂ رُسل نہ بُدے ختمِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

سالارِ خیل خانۂ دیں، صاحبِ رسولﷺ
سر دفترِ خدائے پرستانِ بے ریا

دیوے کہ خلقِ عالمش از دست عاجز اند
عاجز دراں کہ چوں شود از دستِ او رہا

شیخ سعدی شیرازی

زباں ہے قول کو اور قول ہے زباں کے لیے

وہ تیغ جس کی چمک برقِ طور کی مانند — بنی تھی روشنیٔ دیدۂ جہاں کے لیے
چلائی سعدؓ نے جب قادسیہ میں آکر — تو قدسیوں نے قدم آکے تیغ داں کے لیے
اس ایک فتح نے ایران کو کیا تسخیر — رہی نہ کوئی کمی دودۂ کیاں کے لیے
مُقاومت کے دکھائے عدو نے گر جوہر — یہ فخر وقف تھا بازوئے ہرمزان کے لیے
گئی عجم کی غنیمت مدینے کو جس وقت — کہ تھا وہ منتظر اس گنجِ شائیگاں کے لیے
تو ہرمزان کے بارے میں سعدؓ نے لکھا! — بلا یہ ایک ہے اسلامیوں کی جاں کے لیے
ہُوا جنابِ عمرؓ کا یہ فیصلہ اس پر! — سزائے موت ہے اس دشمنِ اماں کے لیے
یہ ہرمزاں نے کہا، پہلے قتل سے پانی — پلاؤ مجھ کو خداوندِ انس و جاں کے لیے
دیا گیا جب اُسے آبخورہ پانی کا! — تامّل اُس نے کیا شاید امتحاں کے لیے
تشفّی اُس کو جنابِ عمرؓ نے دی اِس طرح — زباں ہے قول کو اور قول ہے زباں کے لیے
نہ تیرے حلق سے جب تک اُترلے یہ پانی — حرام خوں ہے ترا خنجرِ رواں کے لیے
پٹک کر اس نے پیالہ کہا کہ خوف سے اب — ملی نجات مجھے عمرِ جاوداں کے لیے
اماں مل گئی مجھ کو، ہے فرضِ عہد کا پاس — حریمِ احمدِ مُرسلؐ کے پاسباں کے لیے

فدا یہ جانِ گرامی ہو دینِ احمدؐ پہ
بنا ہے آج سے اسلام ہرمزاں کے لیے

مولانا ظفر علی خاں مرحوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفیقِ دُنیا، رفیقِ مرقد، رفیقِ عُقبےٰ

تری سعادت کہ دل میں اُترا پیامِ طٰہٰ
تری وجاہت نگاہوں سے احترام مانگے
تری شرافت کہ کھیت ہو جیسے چاندنی کا
تری خطابت کہ جیسے باراں کا تیز چھینٹا!
تری سخاوت کہ جیسے کوئی اُمڈتا دریا !
تری خلافت تھی صبحِ قرآں کا وقت اضحٰے
تری حقیقت سمجھنا چاہی تو بس یہ جانا
تری اخوت کہ جس نے خادم کو دی سواری
تری مروت کہ تجھ سے بدو حساب مانگے
تری بسالت کہ جس قدر زلزلہ فگن تھی
تری رفاقت نبیؐ و صدیقؓ سے تھی محکم
تری عدالت کہ تو نے میزان کی برابر
تری ریاست کہ ظلم کا تو نے زور توڑا
تری بصیرت کہ وحی آنے سے پہلے اکثر
تری فراست کہ حرفِ قرآں کے پردے کھولے
تری نقابت کہ رُخ جدھر بھی کیا ہے تو نے
تری شہامت کہ نیل نے تیرا حکم پاکرا
تری کرامت کہ کتنے میلوں کے فاصلے سے
تری مشقت کہ اُٹھ کے راتوں کو گھوم پھر کر
تری عبادت کی کوئی تصویر کیسے کھینچوں
تری حکایت لذیذ اتنی کہ کہتے رہیے

نبیؐ نے تجھ کو دعائیں کر کر کے، حق سے مانگا،
تن توانا وقدِ رعنا و رُوئے زیبا،
تری نجابت کہ جیسے خوشبو کا ایک ریلا
تری فصاحت کہ سبز وادی میں جیسے دھارا
تری محبت انسیم گلشن کا ایک جھونکا
تری صداقت ! بہ ہر طرف پھیلتا اُجالا
ہے ذات تیری توامِ ایمان و علم و تقویٰ
نُہار تھا مے، رواں تھا آگے عظیم آفت
تری لطافت کہ ٹوک دے تجھ کو کوئی بڑھیا
رہا سلامت، نہ قصرِ قیصر، نہ کاخ کسرےٰ
رفیقِ دنیا، رفیقِ مرقد، رفیقِ عقبےٰ
قضا کے ایواں میں کوئی ادنیٰ نہ کوئی اعلیٰ
تری سیاست، غریب و کمزور کی مدارا
ترے خیالوں میں وحیِ یزداں کا عکس اُترا
بچشمِ بینا عیاں ہوئے جلوہ ہائے معنٰے
سرک گیا اُس طرف شیطان سہما سہما،
ہٹا کے چہرے سے چادرِ ریگ، سر اُٹھایا
تری صدا ساریہ نے سن کر مقام بدلا
عوام کے دُکھ سمجھ کے اُن کا کیا مداوا
طویل گریہ بہ وقتِ سجدہ، نمبرِ مصلّےٰ
شعور افروز، فقر آموز، عشق افزا

تری شہادت، ترے لیے ہے کلیدِ جنت
خرید لی تو نے خوں دے کر رضائے مولیٰ

نعیم صدیقی

عُمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس عمر فاروقِ اعظمؓ کی ثنا خوانی کروں — جس کے آگے سطوتِ سیف الٰہی [illegible] ہوں
نام میرا بھی ہے خالد، میں بھی شرحِ صدر سے — دم بدم، مدام اُس کی امیر المومنین [illegible]
اُس کی شخصیت ہے نت تازہ بتازہ نو بنو! — جلوے رنگا رنگ جس کے اور منظر گونہ گوں
قول ہے اس کا کہ وافقتُ ربّی فی ثلاث — ہے ستونِ گردونِ گرداں کا وہ کوہِ بے ستوں
اُس کے ہونٹوں میں مسیحائی ہے آنکھوں میں شفا — اُس کو بخشی کبریا نے دولتِ سوزِ دُرُوں
ہے سراپا شوق کہتا ہے: اَرِحنا یا بلالؓ! — زندگی افروز ہے، اُس کی نگاہِ پُر فسوں
کیا ہے شان و منزلت اُس کی، ہے کیا اُس کا مقام — نغمہ زن ہوائے معنّی! میں سراپا گوش ہوں

وہ شہنشاہِ شہیداں، وہ امامِ عاشقاں! — سالکانِ منزلِ حبیبؐ کا میر کارواں
بے کنارو بے نہایت ہے وہ بحرِ لم یزل — میری قدرت میں کہاں اُس کے مناقب کا بیاں
جس کو دیوانہ بنایا ہے فراقِ دوست نے — اُلفتِ شاہِ مدینہؐ میں جو پگھلے شمع ساں
خود کو شمشیرِ برہنہ جو رسالتؐ کی کہے — وہ پناہ گاہِ یتیماں، وہ حلیفِ بے کساں
فخر ہے اسلام کو اُس کے مقدس نام پر — کیوں نہ ہو، ہے داد خواہِ شکوۂ جورِ بتاں
دین و دانش کا خلاصہ لیکن اس کے باوجود — آرزوئے اکتسابِ علم سے آتش بجاں
وہ، ہاں آور، کبھی حق سے جو روگرداں نہ ہوا — آبروئے قائلاں وہ اعتبارِ عادلاں!
جو ہمہ تن ہو کے لوگوں کی مصیبت میں شریک — خود کرے اندازۂ تکلیف و احساسِ زیاں
مرتے دم تک امتحان و آزمائش سے ڈرے! — ہے معلق جس کا دم جبر و قدر کے درمیاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبریلؑ و نوحؑ سے تشبیہ دیتے ہیں جسے
ہے جو علمِ مِن لّدُن سے اہلِ دل کا ترجماں

جس کا سینہ مہبطِ اسرارِ نامشہود ہے
خواب میں سنتا ہے جو ہاتف سے الفاظِ اذاں

وہ وزیرِ اہلِ زمیں میں سے رسولِ پاک کا
جھک کے دیتے ہیں سلامی جس کو اہلِ آسماں

اُس کے ایماں سے لَقَدِ اسْتَبْشَرَ اَہْلُ السَّمَاءِ
یوسفِ گم گشتہ آئے جیسے سوئے کارواں

جس کی غیرت پر حدیثِ عمرو جابر ہے گواہ
ہے ذَکَرْتُ غَیْرَتَکَ جس کی فتوت کا نشاں

ہے رہ و رسمِ طریقت کی اُسی سے ابتداءً
ہے وہی رُوحِ روانِ مجلسِ عرفانیاں

مصر و ایران و عراق و شام کا فرمانروا
دشمنِ اہلِ جفا، اہلِ وفا کا پاسباں!

نام ضامن جس کا بالادستیٔ انصاف کا
چارۂ بے چارگاں وہ خانۂ بے خانماں

زبرقاں کا دوست، حسّان و حطیئہ کا ندیم
ذائقہ فہمِ اسالیبِ کلامِ شاعراں

جو ہوس سے ہے منزّہ لوث و آلائش سے پاک
زندگیٔ مظلوم کی، ظالم کی مرگِ ناگہاں

جس کی جبّاری کے قصّے تھے زباں زد وہ عمرؓ
زینتِ وزّی و شمائل میں لگے جو سارباں

ملتے تھے جس کا لوہا پہلوانانِ عکاظ!!
شہسواری میں یگانہ، نازشِ عدنانیاں

رازداں جس کا مجنّہ، جس کا محرم ذوالمجاز
وادیٔ ضجناں کو ازبر ہے جس کی داستاں!

جس کے مرنے سے پڑا رخنہ، بقولِ بوترابؓ
قلعۂ اسلام میں وہ قوّتِ اسلامیاں

اُس کی ہستی ہے مجسّم معنیٔ اُمّ الکتاب
ہے حقیقت مسئلہ کی مو بمو اس پر عیاں

وہ مرا محبوب ہے بعدِ ابوبکرؓ و رسولؐ
جو انسؓ کہتا ہے کہتی ہے وہی میری زباں

عائشہؓ نے اُس کی اِن الفاظ میں تعریف کی
اَحْوَذِیًّا کَانَ وَاللّٰہِ نَسِیْجُ وَحْدِہٖ

اک قبیلہ ایک اُمّت تھا وہ اپنی ذات سے
جاہلیت میں سفارت کی اسے خدمت ملی

نکتہ سنجِ امرؤ القیس و زہیر و نابغہ
اُس پہ گویا ختم تھی پہچان اچھے شعر کی

تھا نعیمؓ اُس کے لیے شکلِ خضر جس کے طفیل
خانۂ ہمشیرؓ سے ایمان کی دولت ملی!

وہ دعائے اَعِزَّ الْاِسْلَام کا فوری جواب
جس کے آنے سے ہوئیں مذہب کی بنیادیں قوی

جس نے کعبہ میں پڑھی اسلام لاتے ہی نماز
جس مبارز سے روایت سرفروشی کی چلی

جس نے کھینچا خیر و شر میں ایک خطِ امتیاز
حق و باطل کی حدِ فاصل ہے جس کی زندگی

احتساب و استقامت سے لیا یوں اُس نے کام
دین غالب آگیا، دنیا مسخر ہو گئی

اللہ اللہ ہیبتِ جبّار و سیمائے حلیم!
رم رہا ہے قاہری میں آب و رنگِ دلبری

وا رہے دروازہ اُس کا اہلِ حاجت کے لیے
اُس کی درویشی سے جھینپے صولتِ اسکندری

چین سے سوئیں گھروں میں سب وہ گلیوں میں پھرے
بات کوئی اُس سے اپنے ملک کی مخفی نہ تھی

ہمسرِ چرخ کوکبِ خاکی روشن ضمیر
جس سے مہرِ خاوری کرتا تھا دریوزہ گری

اَیُّ عَبْدٍ اَعْبَدُ مِنِّیْ کہے جرأت دن!
اُس پہ کس منہ سے لگائیں تہمتِ مستکبری؟

جو کہے ابلیس سے فَاجْهَدْ عَلَیَّ جَهْدَكَ
کانپیں جس کے نام سے گوسالگانِ سامری

عَبْقَرِیًّا لَمْ اَرَ مَنْ یَّنْزِعُ نَزْعَ عُمَرؓ
ہے زمانے میں کوئی اس ساجری، اس ساقوی؟

پا پیادہ اُس کو دیکھے چشمِ اہلِ ایلیا
در کرو وا، فاتحِ بیت المقدس ہے یہی

بولے فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا بَیِّنْ لَنَا!
بات جو کرتا نہ تھا بے ساغر و ساقی کبھی

شیرِ پس خوردہ پیئے جو معطیٔ کونین کا!
اُس کو کیا حاجت ہے آبِ کوثر و تسنیم کی؟

ہے احد شاہد نبیؐ نے اس کو فرمایا شہید
ہے وہ لافانی، بشارت اُس کو جنت کی ملی

"کون ہے جو تحفہ بھیجے میرے عیبوں کا مجھے؟
بڑھ کے تھی توصیف سے جس کو شکایت گستری

جس کا قول اِخْشَوْشِنُوْا اِخْشَوْشِبُوْا، اِخْلَوْلِقُوْا
جس نے اپنے فعل سے اِس قول کی تصدیق کی

زَوِّجُوْا اَوْلَادَکُمْ، لَا تُخْمِلُوْا آبَاءَهُمْ،
یہ کیاست و فراست دینِ پیغمبرؐ کی تھی

سخت ہوں کر نرم، طاقت دے مجھے کمزور ہوں
ہے بخیلی میری فطرت میں، بنا مجھ کو سخی!"

سرورِ کونین کا حلقہ بگوش سخت کوش
جس کو مولا نے کلیمی بھی سلیمانی بھی دی

بھیجتا ہے نیل کی موجوں کو جو حکمِ خرام
لے ہوائے کوہ سے جو خدمتِ نامہ بری

ہیں ضمیرِ پاکِ ابنِ حنتمہ، پر منجلی
ساری آیاتِ جلی، سارے مقاماتِ خفی!

ہے دیارِ علمِ پیغمبرؐ کا دروازہ عمرؓ
ہو یقیں کا شکے اس بابِ حق کی بندگی

بہترینِ مرداں بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ، عمرؓ
میں نہیں کہتا زمانے کی گواہی ہے یہی

بے نصیب و بے ادب ہے کم سواد و نامراد
دیدہ و دانستہ اس سے جو کرے پہلو تہی

تھے نبوت کے خصائص اُس میں سارے ہو بہو
گر کوئی ہوتا نبی بعدِ نبیؐ ہوتا وہی

عبدالعزیز خالد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

ذخیرۂ احادیث

صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ حاکم۔ دیلمی۔ طبرانی۔ اوسط۔ شرح البخاری قسطلانی۔ تجرید بخاری (مصر) سنن کبریٰ بیہقی۔ کنز العمال۔ منتقی برہانپوری۔

تاریخ وسیر

طبقات ابن سعد۔ تاریخ مکۃ المارزقی۔ تاریخ دمشق۔ عقد الفریہ۔ مروج الذہب۔ سیرۃ رسول اللہ، ابن ہشام۔ تہذیب الاسماوی نووی۔ تاریخ عمرؓ بن الخطاب، ابن جوزی۔ تاریخ الکامل ابن اثیر۔ عمرؓ بن الخطاب، علی طنطاوی۔ تاریخ الامم وملوک ابن جریر طبری۔ فتوح الشام، ابواسماعیل ازدی مصری۔ فتوح البلدان، بلاذری۔ فجر اسلام، احمد امین مصری۔ انسانیت موت کے دروازہ پر، مولانا ابوالکلام آزاد۔ شاہکار رسالتؐ، غلام احمد پرویز۔ عمر فاروق اعظمؓ، محمد حسین ہیکل۔ سیرۃ الصحابہؓ، مولانا عبدالسلام ندوی۔ اسوۂ صحابہ، مولانا سعید انصاری، ماہنامہ ضیائے حرم، فاروق اعظمؓ نمبر۔ حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط، خورشید احمد فاروق۔ عہد نبویؐ کے فوجی کمانڈر، راجہ محمد شریف۔ الفاروق، علامہ شبلی نعمانی۔

متفرق

مخزن اخلاق۔ کتاب الاحوال قاسم بن سلام۔ الکتفاء قلمی از ابوسلیمان ربیع کلاعی۔ کتاب الخراج۔ یحییٰ بن آدم قرشی۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسفؒ۔ دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی۔ ازالۃ الخفاء، شاہ ولی اللہؒ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ش 478 ق .64
5945-EU-64